

مِثَالِی دِلہن



تالیف

قاری جمیل الرحمن

مکتبہ اسلامیہ
لاہور



مِثَالِ دُہن

تالیف

قاری جمیل الرحمن

مکتبۃ العلم
۱۸- اردو بازار ۵ لاہور ۵ پاکستان
7231788-7211788

عرض مؤلف

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْأَنْبِيَاءِ
وَالْمُرْسَلِينَ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَأَتْبَاعِهِ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ وَيَعُوذُ

جو ہر مرد عیاں ہوتا ہے بے منت غیرا ☆ غیر کے ہاتھ میں ہے جو ہر عورت کی نمود
راز ہے اس کے تپ غم کا یہی نکتہ شوق ☆ آتش لذت تخلیق سے ہے اس کا وجود
کھلتے جاتے ہیں اسی آگ سے اسرار حیات ☆ گرم اسی آگ سے ہے معرکہ بود و نبود
میں بھی مغلوں نسواں سے ہوں غناک بہت ☆ نہیں ممکن مگر اس عقدہ مشکل کی کشود
میں نے ”مثالی ذہن“ لکھنے کا ارادہ کیا تو میری ایک ہونہار طالبہ کی طرف سے یہ تقاضا
آئے گا کہ حضرت جی آپ نے فلاں فلاں موضوع پر آیات یا احادیث تلاش کرنے کا جو حکم
ارشاد فرماتے ہیں تو حضرت جی! ایسی مثالی بیوی بننے کے لئے سامنے بھی تو کوئی ایسی ہستی ہونی
چاہیے جو کہ بیوی کو چلنے آنکھوں کی ٹھنڈک نہیں تو کم از کم انسان کا درجہ تو دیتا ہوں۔

میں اُس بچی کے اس فی البدیہہ تقاضے پر بھونچکا رہ گیا اور وہی سے میں نے یہ عہدہ کیا
کہ اس کتاب میں جس جگہ بھی ایسی احادیث درج کروں گا جہاں پر بیوی کو اس کے خاوند کی
بابت فرائض کا ادراک کراؤں گا وہاں ضرور دو چار سطروں میں خاوندوں کو بھی مختلف
تنبیہات کرتا جاؤں گا۔ خاص طور پر ”عورت کو عملی تنبیہ کرنا“ جیسے نازک موضوع پر لکھتے
ہوئے تو میرا قلم نہ چاہتے ہوئے بھی خاوندوں کو کچھ ایسی چیزوں کی جانب توجہ مبذول
کروانے سے نہ رک سکا جس کے بعد شاید وہ اس حدیث مبارکہ کو اپنی فضیلت کا (کسی
درجے) احساس دلوانے ہی کی بابت اختیار کریں گے (جیسا کہ کئی احادیث میں عورتوں کی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب مثالی ذہن
مرتب قاری حبیب الرحمن
طالع خالد مقبول
مطبع لعل سار پرنٹرز

ملنے کے پتے

- ❖ مکتبہ رحمانیہ اقرام سنٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7224228
- ❖ مکتبہ سلیم اسلامیہ افسر مسٹر غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7221395
- ❖ مکتبہ جویریہ ۱۸-۱۹ اردو بازار، لاہور، پاکستان۔ 7211788

استدعا

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انسانی طاقت اور بسا اوقات کے مطابق کتابت
مستحق اور جلد ساری میں پرستی اور احتیاط کی گئی ہے۔
بہر حال اس سے آروائی نہیں ملے گی اس لئے اس کتاب کو دست نہ ہوں تو آرزو
کرم مطلع فرمادیں کہ شاید اس کتاب کو شائع کرنے کے لئے ہم بے حد شکر
نہ ہوں گے۔

(۲۰۱۱ء)

بھی بدتر تری ظاہر کی گئی ہے (اور اس کی "عملی مشق" سے ہر ممکن گریز کریں گے۔

اور میری آپ بچیوں سے بھی یہی گزارش ہے کہ اتنا مطالعہ کرنے کے بعد اور اتنی عملی زندگی کے دھکے کھانے کے بعد اس رشتے کو بچانے کے لئے اگر چند الفاظ ہی کے انتخاب کی اجازت ہو تو فقط یہی کہوں گا کہ:

"شادی کے ابتدائی دو چار سال آپ بچیاں خاوند کی معمولی لغزشوں سے آنکھیں موندی رکھئے اور بات بہ بات روکا نوکی یا شکایات کا پلندہ نہ اٹھائے رکھئے ازواجی زندگی کی بے بہا سرقتیں آگے اپنا دامن اٹھائے آپ کی منتظر ہوں گی۔ ان شاء اللہ۔"

میں نے اس کتاب کی تیاری میں جو اہتمام کرنے کی کوشش کی (اور اسی کی وجہ سے اس کی تالیف میں اتنی دیر ہوئی) کہ میں جو بھی موضوع لکھنے بیٹھا میں نے حتی الامکان سعی کی کہ سب سے قبل کوئی قرآنی آیت لاؤں پھر حدیث مبارکہ درج کروں اور اس کے بعد ائمہ و فقہاء کی تشریحات بیان کروں اور مجھے اُمید ہے کہ میں کسی حد تک اس میں ضرور کامیاب ہوا ہوں گا۔ تمام کتب جو اس سلسلہ میں مجھے درکار ہوئی ان کی دستیابی کے لئے میں سب سے اول تو الرحمن پبلک لائبریری کے مدیر صاحب کا از حد شکر گزار ہوں کہ نہ صرف وہ میری پسند فرمودہ کتاب ڈھونڈ کر رکھتے بلکہ اکثر اوقات تو ضروری حصوں کی فونو کا پی بھی مہیا کر دیتے۔ اس کے علاوہ مدیر مکتبہ العلم نے بھی جس فراخ دلی سے کتب مہیا کیں اب کسی کتاب کی تیاری میں ناشران کتب کم ہی ایسا ظرف و حوصلہ رکھتے ہیں۔

میری آپ بچیوں سے فقط یہی گزارش ہے ہو سکتا ہے کچھ جگہ آپ کو کچھ ایسا مضمون بھی مطالعہ کو ملے جو شاید آپ کو بے ربط لگے یا آپ کو "بے وقت کی نصیحت" محسوس ہوں لیکن میں نے تو اپنی بیٹیوں کو جو نصیحت مناسب سمجھی اور جانا کہ اس کی وجہ سے ان کی ازواجی زندگی خوشگوار گزرے گی وہ کر ڈالی اور مقصد فقط آپ کی دنیا و آخرت کی سرفرازی و کامرانی تھی۔ حاشاء اللہ کہیں بھی اپنی (مردوں) کی فضیلت باور کروانا مقصود نہیں۔

آپ سے فقط یہی گزارش ہے کہ اگر کوئی خامی و کوتاہی آپ کو محسوس ہو تو اس کو میری جانب منسوب کیجئے اور اگر کوئی خوبی کی بات ملے تو اس کا تمام "کریڈٹ" میں اپنی بونہار طاباات کے نام کرتا ہوں۔

آئینہ کتاب

صفحہ	عنوان
۳۳	اپنا ماتم آپ
۳۵	عورت کا بلند ترین مقام بحیثیت ماں
	اور لفظ رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے
	عورت کی عظمت کا بیان
	ماں بنتے ہی عورت تمام رشتوں پر فوقیت لے جاتی ہے
	اوفر مانبر دار بیٹیو!
۳۶	اللہ کی رضا ماں کی رضا میں پوشیدہ ہے
۳۷	سنن ابن ماجہ میں والدہ کو جنت یا جہنم کا دروازہ قرار دینا
۳۸	ماں جنت کا دروازہ
	حدیثوں کا مضمون
۳۹	یاد دہانی
۴۰	قبل از اسلام عورت کو حقیر سمجھا جانا
۴۱	عرب معاشرے کی خصوصیات
۴۲	رومی معاشرت
۴۳	خصوصیات

صفحہ	عنوان	
۱۲۰	سیدہ زہب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	○
	سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	○
۱۲۱	سیدہ زہب بنت جحش	○
	سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	○
۱۲۲	سیدہ جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	○
	سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	○
	سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	○
۱۲۳	خواتین عالم میں سے چار افضل ترین	
۱۲۶	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت	○
۱۲۷	سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولہاری	○
۱۲۹	حضرت مریم بنت عمران کا ذکر	○
۱۳۰	سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی علمی عظمت	○
۱۳۱	سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایک فصیح خاتون	○
۱۳۳	اسلام میں نکاح کی ضرورت و اہمیت	
۱۳۴	شادی فطری و طبعی ضرورت	○
۱۳۵	شادی جنسی، عقلی، اخلاقی و روحانی ضرورت	○
۱۳۸	ترک نکاح کی ممانعت	
۱۳۹	اسلام میں رہبانیت نہیں ہے	○

صفحہ	عنوان	
۵۲	ایرانی معاشرہ	○
۵۲	اللہ نے انسان کو ایک جان سے پیدا کیا	
۵۷	یونان، روم اور ایران	○
۵۸	یہودیت اور عیسائیت	○
۵۹	ہندومت	○
۶۰	عرب قبل از اسلام	○
	عورت ماں کی حیثیت سے	○
۶۶	اسلام میں عورت کی حیثیت	
۷۹	عورت بیوی کی حیثیت سے	○
	حقوق میں مساوات	○
۸۳	عورت بیوی کی حیثیت سے	
۱۰۲	ازواج مطہرات کی قابل تقلید زندگی	
۱۰۵	سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک مثالی بیوی	○
۱۱۱	سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں خواب	○
۱۱۷	سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی امتیازی شان	○
۱۱۹	سیدہ وسودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	○
	سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خصوصیت	○

صفحہ	عنوان	
۲۲۴	غیر مسلم سے رشتہ	○
۲۲۷	مومن اور بدکار مسلمان سے رشتہ	○
	خلاصہ	○
۲۲۸	اپنی ذات فطریا اپنے سے اونچی ذات بتانا	○
۲۲۹	لڑکی لڑکے میں عمر کا مختار سب ایک شری چیز ہے	○
۲۳۰	لڑکے اور لڑکی کا ہم عمر ہونا	○
۲۳۱	بے جوڑ نکاح کے مضمرات	○
	کم سن لڑکی کا زیادہ عمر والے لڑکے سے رشتہ کرنے کے نقصانات	○
	کم عمر لڑکے کی زیادہ عمر والی لڑکی سے رشتہ کرنے کی خرابی	○
۲۳۲	بے جوڑ شادی میں لڑکی کو انکار کر دینا چاہئے	○
	کم عمر میں شادی کر دینے سے قوی ضعیف ہو جاتے ہیں	○
۲۳۳	بچپن میں شادی کر دینے کی خرابیاں	○
۲۳۴	رشتوں کی تلاش میں خود ساختہ رکاوٹیں	○
۲۳۹	وہشہ کی شرط	○
۲۴۰	بہو خوبصورت بھی ہونی چاہیے اور "کماؤ پوت" بھی	○
	ذنیادی تعلیم کا ختم ہونے والا گورکھ دھندا	○

صفحہ	عنوان	
۱۳۴	اچھا رشتہ ملنے اور برے سے بچنے کی دعائیں	
	مشورہ	
۱۵۰	استخارہ	
۱۵۷	نکاح کی دُعا	
۱۵۹	شادی بقائے نسل انسانی کا ذریعہ	
۱۶۲	شادی دو خاندانوں کے ملاپ کا ذریعہ	○
	نکاح کی لغوی تشریح	○
	نکاح نہ کرنا زنا کا دروازہ کھولتا ہے	○
۱۷۴	اقسام نکاح	○
۲۱۶	نکاح کے فوائد و آفات	○
۲۱۷	آفات نکاح	○
۲۱۸	نکاح کے مستحبات	○
	ایجاب و قبول اور ان کے صحیح ہونے کی شرائط	○
۲۲۱	کفائت کا قرآنی تصور	○
	بے جوڑ شادیوں کا انجام	○
۲۲۳	کفائت کو فقہاء کیوں اہمیت دیتے ہیں	○

صفحہ	عنوان
۲۴۱	اتنا پڑھ لیا ہے اب کچھ کما بھی تولوں
۲۴۲	بڑی گھر بیچی ہے تو چھوٹی کو کیونکر بیاہ دیں؟
۲۴۳	ہمارا دوریہ معیار رشتہ نہ ملنے کی سب سے بڑی وجہ
۲۴۷	مناسب رشتہ نہ ملنے کا فضول غدر
۲۴۹	رسم و رواج بھی گناہ میں داخل ہیں
۲۵۰	آج کل کی رسموں کے ممنوع اور ناجائز ہونے کے شرعی دلائل
۲۵۲	بیاہ شادی کی رسموں کے ناجائز ہونے کی قوی دلیل
۲۵۳	برامت منائے لیکن! رسوم و رواج کی جز آپ عورتیں ہی ہیں
۲۵۵	عورتوں کے جمع ہونے کے مفاسد اور خرابیاں
۲۵۷	بیاہ شادیوں میں عورتوں کے مفاسد کی تفصیل
۲۵۸	لباس زیور میک اپ (زیونت) کا مفسدہ
۲۵۸	خوشبو
۲۶۰	بیوی کن لوگوں کے سامنے خوشبو لگا سکتی ہے
۲۶۲	خوشبو کا مسئلہ
۲۶۳	عورتوں کو بناؤ سنگھار میں کچھ ایسی چیزوں کی ممانعت جس میں وہ بہت زیادہ مبتلا ہیں
۲۶۴	بناؤ سنگھار کی بابت ذلہن کی زبردست غلطی

صفحہ	عنوان
۲۶۲	رسوم کی پابندی میں بوڑھی عورتوں کی کوتاہی
۲۶۳	عورتوں کی رسوم میں اصل قصور سر پرستوں کا ٹھہرتا ہے
۲۶۴	مردوں کے سر کا تاج
۲۶۵	رسوم سے منع کرنے والے دو قسم کے لوگ
۲۶۶	مردوں سے شکایت
۲۶۷	رسوم و رواج کے ختم کرنے کے طریقے
۲۶۷	رسوم و رواج کو ختم کرنے کا شرعی طریقہ
۲۶۸	حضرت تھانوی کی رسوم کی بابت ایک صاحب رائے
۲۶۹	رسوم کے خلاف ڈٹ جانے والا اللہ کا مقبول بندہ
۲۷۰	رسوم کے پابند موجب لعنت
۲۷۱	بہنوں اور بیٹیوں سے ایک دردمندانہ درخواست
۲۷۱	موجودہ دور میں شادی بیاہ کی رسومات
۲۷۲	مائیوں بٹھانے کی رسم
۲۷۳	رسم حنا
۲۷۴	سہرا بندی
۲۷۵	بار پہنانا
۲۷۶	گھوڑی چڑھانا
۲۷۷	بدشگونئی کوئی چیز نہیں
۲۷۸	آتش بازی / چراغاں

صفحہ	عنوان	
۲۹۳	بارات نا اتفاقی اور ذلت کا سبب ہے	○
۲۹۴	بارات اور قابل فکر بات	○
۲۹۵	قیام و طعام اور باراتیوں کا طرز عمل	○
۲۹۶	باراتی کھانا	○
۲۹۸	مروجہ جہیز ایک ہندوانہ رسم	○
	باراتی کھانے کا جواز آخر کس طرح؟	○
۳۰۰	ماہِ عمل (بہنی مون)	○
۳۰۲	مناسب شوہر کا انتخاب	○
۳۰۳	دینداری کی تعریف ہم عمری کا لحاظ	○
	عورتوں کو شوہر کے انتخاب میں اختیار	○
۳۰۶	نکاح میں لڑکی کی رضا مندی	○
۳۰۷	ولی کی ذمہ داری	○
۳۰۸	عورت کی عدم رضا سے نکاح کا رد عہد نبوی میں	○
	باپ کو بھی جبر کا اختیار نہیں	○
۳۰۹	اجازت لینے کا طریقہ اور چند ضروری مسائل	○
۳۱۱	پیغام دینے کا پسندیدہ طریقہ	○
۳۱۳	شادی سے پہلے دیکھنا مستحب ہے	○

صفحہ	عنوان	
۲۷۳	پیسے لانا	○
	شگون کی حقیقت	○
۲۷۶	بد شگونی کوئی چیز نہیں	○
۲۷۹	طبائع پر اسما کا اثر	○
	بد شگونی کا کہہ کر شوہر کو "نا جائز" طور پر اس کے	○
۲۸۰	والدین سے الگ نہ کیجئے	○
	زمین کا چھوڑنا فقط آب و ہوا کے ناموافق آنے کی وجہ	○
۲۸۱	سے ہونا چاہیے	○
۲۸۳	بینڈ باجے ناچ گانا	○
۲۸۵	مغنیہ کی آواز سن کر نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کا عمل	○
۲۸۷	وری لے کر جانا	○
	نبوت	○
۲۸۸	دولہا کے ساتھ غیر اخلاقی حرکات کرنا	○
	دروازے کی چوکت پر چاول	○
۲۸۹	ویڈیو فلم بنوانا یا تصاویر اتروانا	○
۲۹۱	بارات ایک بدعت	○
	بارات ہندوؤں کی ایجاد اور ان کی رسم ہے	○
۲۹۳	بارات کے چند مفاسد	○
	بارات کی قطعاً ضرورت نہیں	○

صفحہ	عنوان	
۳۲۲	ایک نئی وباء	○
۳۲۳	ماں باپ کی رضامندی	○
	لڑکے لڑکی کی رضامندی	○
۳۲۹	لڑکے لڑکی کی رائے معلوم کرنے کا طریقہ	○
	لڑکے لڑکی کی مرضی کے بغیر شادی کر دینے کا انجام	○
۳۲۷	کچھ منگنی کی بابت	
۳۲۸	بارات کی ایک جائز صورت	
	حق مہر	
۳۳۱		
۳۳۵	مثالی ذہن کا اوصاف	
۳۵۶	صحابیات کی اپنے شوہروں سے محبت	
۳۵۷	شوہر کا خیر مقدم خندہ روئی سے	○
	کچھ ایسے معاملات جن میں شوہر کو انکار کرنا جائز نہیں	○
۳۷۸	بیوی پر شوہر کے حقوق	
۳۷۹	شوہر کی خواہش پر بیوی کو ہم بستر ہونے سے انکار کرنا	○
	اگر غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو خاوند کو بیوی کا مہبود	○
۳۸۱	قرار دیا جاتا	

صفحہ	عنوان	
۳۸۳	نافرمان بیوی کو مارنے پر مواخذہ نہیں ہوگا	○
۳۸۷	بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر نفل روزہ نہ رکھے	○
۳۸۸	سخت سے سخت حکم میں بھی شوہر کی اطاعت کرو	○
	جس عورت کا خاوند ناراض ہو اسکی نماز پوری طرح	○
۳۹۱	قبول نہیں ہوتی	○
۳۰۵	شوہر کی محبت حاصل کرنے کے طریقے	
۳۰۶	نگاہ شننا	○
۳۰۷	سو گھٹنا	○
۳۱۰	مہمان داری	
۳۱۳	مہمان نوازی کی اہمیت	○
	میں تو ہر وقت کھانے کھاؤ لیکن جینھ یا دیور کے گھر	○
۳۱۵	جاؤں تو وہ تو ایسی خدمت نہیں کرتے	○
	یاد رکھئے! برائی کا بدلہ برائی نہیں ہے	○
	اللہ کے نیک بندے آپ کے دسترخوان سے کھانا	○
	کھائیں	
۳۱۹	ایک ٹونکا	
	جس سے شوہر کا بیشتر فارغ وقت آپ کے ساتھ بسر ہوگا	○
۳۲۰	ٹی۔وی نے آپ کا شوہر آپ سے چھین لیا	

صفحہ	عنوان
۳۲۰	ٹی۔ وی کی نشریات کا مختلف زاویوں سے ایک جائزہ
۳۲۲	ٹی۔ وی ام الفواحش
۳۲۳	ٹی وی آنکھ کا زنا ہے
۳۲۵	ٹی وی کان کا زنا ہے
	ٹی وی دل کا زنا ہے!
۳۲۶	ٹی وی لبو لعاب ہے
۳۲۷	ٹی وی لبو الحدیث ہے
۳۲۹	ٹی۔ وی کا واحد مقصد فحاشی کو 'پرموٹ' کرنا رہ گیا ہے
۳۳۰	ٹی وی اسراف ہے
	گھر آتے ہی ٹی۔ وی کے سامنے بیٹھی بیوی
۳۳۱	شوہروں کو اپنی ازواج کی طرف سے بے پرواہ کر ڈالنے والا آلہ
	حدیث مبارکہ میں عورتوں کو شیطان کا جال بیان کرنا کی تشریح
۳۳۲	شیطان کے جال مانگنے کا واقعہ
۳۳۳	ٹی وی اور بے حیائی و فحاشی
	حیا اور اس کی اہمیت
۳۳۵	دلہنوں کو نت نئے گر سکھانے کا آلہ
۳۳۶	بے حیائی کی انتہا

صفحہ	عنوان
۳۳۷	فرما خبردار بچیو!
	امر بالمعروف و نہی عن المنکر پہ سختی سے عمل پیرا ہو جائیے
	شوہر صاحب کے کانوں پہ تو ہیڈ فون ہی لگا رہتا ہے
	اغیار کا وہ ہر معیار
۳۳۸	موسیقی نہیں قرآن روح کی غذا ہے
	گانے بجانے میں اشتہاک پر سوز و بندر کی شکل
	خاتون خانہ کے ہاتھوں مفاعیلہ الرزق "رزق کی کنجیوں" کا کھویا جانا
۳۴۱	آپ کی لاپرواہیوں کا وبال اولاد کو بھگتنا پڑتا ہے
۳۴۲	جب گھروں میں گناہ عام ہوتا ہے تو سزا سب کو ملتی ہے
۳۴۳	بنی اسرائیل پر طاعون کی بیماری فحاشی کی وجہ سے اتری تھی
۳۴۵	کیبل نے توٹی۔ وی کو "زہر میں بچھا آلہ" بنا ڈالا ہے
	طالب علم کو تنبیہ کی تو اس نے حیران کن انکشاف کیا
۳۴۶	مولانا! ہمارے گھر کا ماحول تو بڑا پاکیزہ ہے
۳۴۷	صفائی کی اہمیت
	اپنی اصلاح کیجئے یقین جاسے شوہر اپنی کیوں کوتاہیوں پہ چند دن ہی میں قابو پا لے گا

صفحہ	عنوان
۲۴۷	جوسب کو سنوارتی ہے وہ خود بھی تو سنورے
۲۵۳	چھوٹا
۲۵۵	چکھنا
۲۵۶	حقوق کی رعایت
۲۵۷	خندہ پیشانی سے پیش آنا
	خدمت
۲۵۸	کفایت شعاری
۲۵۹	حسن انتظام
۲۶۰	دلہن کو نصیحت کرنا مستحب ہے
۲۶۱	شب زفاف سے پہلے ایک ماں کی اپنی بیٹی کو نصیحت
۲۶۳	شوہر کی خوشنودی حاصل کرنے کے گھر
۲۷۰	حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر کون ہو سکتا ہے؟
۲۷۲	سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی شان
۲۷۵	حضرت عائشہ کا حضرت حفصہ سے رشک کرنا
۲۷۶	حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت کا ایک واقعہ
	عابد بیوی کے لئے اللہ تعالیٰ کی سفارش
	والدین کی فرمانبرداری بچو!
۲۷۷	نبی کریم ﷺ کی عورتوں کو جنت کی مشروط بشارت

صفحہ	عنوان
۲۷۸	آخر تو آپ کے گھر کا سربراہ آپ کا شوہر ہے
	لباس ایسا زیب تن کیجئے کہ نہ خود شرمندہ ہوں اور نہ شوہر کو کراؤں
۲۸۱	سرالی رشتہوں کی اہمیت پہچاننے
	نبی کریم ﷺ کے گھر والوں کے مناقب کا بیان فرمانبردار بچو!
۲۸۷	اگر آپ کی مالی حالت بہتر بہتر نہیں پھر بھی حتی الامکان شوہر کے بہن بھائیوں کے ساتھ صلہ رحمی اختیار کیجئے۔
۲۸۸	صلہ رحمی کی ترغیب
۲۸۹	جس گھر میں آئی ہیں اس کے پردوس کا بھی خیال رکھئے
۲۹۱	سارا دن کام والیوں ہی پہ غصہ نہ اتارتی رہنے فرمانبردار بچو!
۲۹۳	ساس 'سر کو عزت دیجئے پورے گھر میں آپ کی عزت ہو جائے گی
۲۹۵	صرف ساس 'سر ہی نہیں بلکہ ان کے بہن بھائیوں سے بھی اچھا سلوک روار کھئے
۲۹۶	ساس 'سر کے بہن بھائیوں کی قدر کرنا
۲۹۶	جس نے میرے بچا کو ستایا اُس نے مجھ کو ستایا

صفحہ	عنوان	
۴۹۷	ساس کو اپنی ماں بتنا احترام دیجئے وہ آپ کو اپنی اولاد سے بڑھ کر چاہنے لگے گی	○
۴۹۹	ہر وقت وسپاوس میں مبتلا رہ کر شوہر کی زندگی اجیرن نہ کیجئے	○
۵۰۲	عورتوں کی بیعت	
	ماڈرن بننے کے شوق میں جنم نہ واجب کر لیجئے	○
۵۱۲	لباس کی بابت کچھ تنبیہات	
۵۱۳	مرد کو خوش کرنے کا راستہ اس کے معدہ سے ہو کر جاتا ہے	○
۵۱۵	بسم اللہ پڑھ کر کھانے کی ابتدا کیجئے	○
۵۱۶	کھاتے وقت بسم اللہ پڑھنے کی اہمیت	○
۵۱۷	دائیں ہاتھ سے کھانا پینا چاہئے	○
۵۱۷	بائیں ہاتھ سے کھانے پینے کی ممانعت	○
۵۱۸	تین انگلیوں سے کھانا اور انگلیاں چاٹنا سنت ہے	○
۵۲۰	کھاتے وقت کوئی لقمہ گر جائے تو اس کو صاف کر کے کھا لینا چاہئے	○
۵۲۱	ایک لگا کر کھانا کھانے کی ممانعت	○
۵۲۲	آنحضرت ﷺ کسی کھانے کو برا نہیں کہتے تھے	○
۵۲۳	مناسب موقع دیکھ کر شوہر کو یہ حدیث مبارکہ یاد دیرائیے	○

صفحہ	عنوان	
۵۳۲	موٹاپا اور اس کا نبوی علاج	
۵۳۵	ہائے! میرے شوہر دوسری عورتوں کی طرف دیکھتے ہیں نہر لگی ہونے کا مفہوم	○
۵۴۶	خدا را! فقط زیور پہن کر خوبصورت نہ دیکھنے کی کوشش کیجئے کچھ صحت کا بھی خیال رکھئے	○
۵۴۷	گھر والوں کو اچھا مگر کم کھانے کی رغبت دلائیے	○
	کم کھانا آپ کو تادیر خوبصورت رکھے گا	
۵۴۸	مومن ایک آنت سے اور کافرسات آنتوں سے کھاتا ہے	○
۵۴۹	کھانے کے وقت سسرالی رشتہ داروں کو بھی ساتھ شامل کیجئے	○
۵۵۱	ایک آدمی کا کھانا دو کوڑو کا چار کو اور چار کا کھانا آٹھ کو کافی ہوتا	○
۵۵۲	نبی کریم ﷺ کی مرغوب غذا	○
۵۵۳	آنحضرت ﷺ کو میٹھی شے مرغوب تھی	○
۵۵۴	آنحضرت ﷺ اس طرح بیٹھ کر کھاتے تھے	○
	تنگی معاش میں شوہر کا ساتھ دینا سیکھئے	○
۵۵۵	آنحضرت ﷺ کی عام دنوں کی غذا	○

صفحہ	عنوان
۵۲۶	ہر وقت تنگی معاش کا رونا نہ دوتی رہنے
۵۲۹	اللہ کا شکر ادا کیجئے اور کفرانِ نعمت نہ کیجئے
	فرمانبردار بنجیو!
۵۳۰	اکثر عورتوں کو یہ خوش فہمی ہوتی ہے کہ وہ بڑی پارسا ہیں
۵۳۱	کئے گئے گناہوں کو کبھی حقیر نہیں سمجھنا چاہیے
	فرمانبردار بنجیو!
۵۳۲	اشیاءِ خوراک کو ماپ تول کر لینے دینے اور پکانے کا حکم
۵۳۳	کھانے کے بعد اللہ کی حمد و ثنا
۵۳۷	جادو ٹوٹنے سے اللہ کی پناہ
	پڑھئے! پھر پڑھئے! اس بارہ پڑھئے
	فرمانبردار بنجیو!
	ایک چپ سوکھ
۵۵۳	کم گوئی ایمان کی نشانی ہے
	فرمانبردار بنجیو!
۵۵۶	بے فائدہ بیان آرائی مکروہ ہے
۵۵۷	ایک پیش گوئی
	یاد رکھئے! زبان و رازِ بیوی کو شوہر تو کیا اللہ بھی پسند نہیں کرتا
۵۵۸	

صفحہ	عنوان
۵۵۸	زبان دراز اور چکنی چپڑی باتیں کرنے والا خدا کا ناپسندیدہ ہے
۵۵۹	ایک چپ سوکھ
۵۶۰	آپ پر اکثر آفتیں آپ کی زبان کی وجہ سے آتی ہیں
۵۶۱	دنیا و آخرت کی نجات کے ذریعے
	تمہارا گھر تمہیں کفایت کرے
	فرمانبردار بنجیو!
۵۶۲	اپنے ہمسائے میں رہنے والوں غرباء و ناداروں کا خیال کیجئے
۵۶۳	اپنی بد زبانی کے ذریعہ ہمسایوں کو ایذا پہنچانے والی عورت کے بارے میں وعید
۵۶۴	اپنے قریبی لوگوں کو اپنے سے دُور مت بھگائیے
۵۶۶	کون بہتر ہے اور کون بدتر؟
۵۶۷	تمام اعضاءِ جسم زبان سے عاجزی کرتے ہیں
	دورویہ کے بارے میں وعید
۵۶۹	لعنت ملامت سے بچئے
۵۶۹	ہر وقت لعنت ملامت نہ کرتی رہنے
۵۶۹	یہود پر لعنت بھیجنے پر نبی کریم ﷺ کا سیدہ عائشہ کو اختیاء کرنا

صفحہ	عنوان
۵۷۱	چھوٹی چھوٹی باتوں پہ بددعا کیلئے ہاتھ نہ اٹھائی پھرینے
۵۷۳	جو شخص لعنت کے قابل نہ ہو اس پر لعنت کرنا خود اپنے آپ کو بتائے لعنت کرنا ہے
۵۷۵	شوہر اور سرالیوں سے خوشی طبعی سے پیش آئیے چھوٹی موٹی چیزوں کی کھوج جانے کی صورت میں سرالیوں پر الزام نہ دھرتیجئے
۵۷۶	پیارے بیٹیو! کچھ عرصہ صبر سے گزاریے آپ خود ہی سرالیوں کے ساتھ ایڈجسٹ کر جائیں گی اور ان کے بغیر آپ کو گھر سونا سونا لگے گا
۵۷۷	بے گناہوں پر تہمت تراشی جرم عظیم ہے اپنی ندیا دیوروں کے بچوں کو اچھے القابات سے پکاریے
۵۸۰	خوش طبعی میں بھی سچ کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیے فرمانبردار بچو!
۵۸۱	شندوں سے لغو لالہ یعنی گفتگو سے اجتناب
	نبی کریم ﷺ کا ایسی مذاق بھی جھوٹ پر مبنی نہیں ہوتا تھا خوش طبعی کا ایک انداز نبوی

صفحہ	عنوان
۵۸۳	تعریف پر مشتمل خوش طبعی
۵۸۷	نبی کریم ﷺ کا ایک بڑھیا کے ساتھ خوش طبعی فرمانا
۵۸۹	زن وشو کے درمیان خوشی طبعی کی ایک عمدہ مثال شادی کے بعد ہر کام میں تدبیر سے کام لینا سیکھئے
۵۹۳	زن وشو میں لڑائی جھگڑے کا حل
۵۹۵	اللہ نہ کرے اگر آپ میں اور شوہر میں ناچاقی زیادہ بڑھ جائے مصالحت کی کوشش
۵۹۶	سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حسن تدبیر لڑائی جھگڑے کی صورت میں ہدایت الہی
۵۹۷	شکر رنجی اور مصالحت کی کوششیں شوہر کی کم تنخواہ میں گھر چلانے کا نسخہ حیمیا
۶۰۲	خرچ میں میانہ روی
۶۰۳	حیاء ایک بہت بڑی نعمت الہی
۶۰۷	صحیحین میں حیاء کی بابت مروی چند احادیث بیویوں کا بات بہ بات غیرت کھانا تباہی کا پیش خیمہ
۶۱۰	معاشی تنگی کے دنوں میں نیک بیوی کا طرز عمل
	فقراء کی فضیلت اور نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی کا بیان

صفحہ	عنوان
۶۲۳	افلاس اور خست حالی کی فضیلت
۶۲۳	قریبی رشتہ داروں کی دولت دیکھ کر شوہر کو قحط کاموں پر مت ابھاریئے
۶۲۵	لوگوں کی دولت پر نظر رکھ کر کڑھتی نہ رہئے
۶۲۶	نیک زن و شو کے لئے تو یہ دنیا ہے ہی قید خانہ
۶۲۶	جن کو خدا اپنا محبوب بنانا چاہتا ہے ان کو دنیاوی مال و دولت سے بچاتا ہے
۶۲۹	مال کی کمی درحقیقت بڑی نعمت ہے
۶۲۹	ذات رسالت ﷺ سے محبت کا دعویٰ رکھتے ہو تو فخر و فاقہ کی زندگی اختیار کرو
۶۳۱	سہیلیوں کو بلا جھجک شوہر سے ملوانے کے نتائج
۶۳۲	کسی عورت کے جسم کا حال اپنے شوہر کے سامنے بیان نہ کرو
۶۳۵	ایک یاد دہانی! جو آپ کی عفت و عصمت کو محفوظ رکھے گی نبی کریم ﷺ کا خواتین کیلئے صدقہ کرنے کا خصوصی ارشاد
۶۳۷	اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے نبی کریم ﷺ کا استعارہ
۶۳۹	

صفحہ	عنوان
۶۳۳	اللہ کی راہ میں خرچ کرنا باعث برکت ہے
۶۳۹	فرمانبردار بنٹیو!
۶۳۹	اللہ عزوجل کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر ادا کرنا سیکھئے
۶۵۰	ضرورت پڑے تو شوہر کے غریب اعزاء و اقارب کی مالی و اخلاقی مدد کیجئے
۶۵۰	نبی کریم ﷺ کے ایک واقعہ میں ہمارے لئے ایک سبق
۶۵۲	کسی سوالی کا سوال پورا نہ کرنے والوں کے لئے تنبیہ
۶۵۳	بہترین بیوی کی پہچان
۶۵۸	اولاد پر خرچ کرنے کا اجر
۶۵۸	شوہر کو صدقہ؟
۶۵۹	اپنے عزیزوں کو صدقہ دینے دوسری جگہوں پر دینے سے بہتر ہے
۶۶۰	قریب ترین ہمسایہ کا حق زیادہ ہے
۶۶۱	بیوی اپنے شوہر کے مال میں سے جو چیز خرچ کر سکتی ہے
۶۶۲	جذبات میں بہہ کر ہر چیز ہی صدقہ نہ کر دیجئے
۶۶۲	صدقات کے مسائل
۶۶۳	شوہر کی کمائی سے صدقہ کرنے کا ثواب
۶۶۳	میت کو مالی عبادت کا ثواب پہنچتا ہے

صفحہ	عنوان	
۲۹۰	ہر وقت کی مصروفیت سے پناہ مانگنے کی دعا	○
	جو سب کو سنوارتی ہے وہ اپنے آپ کو سنوارنے کا وقت بھی نکال سکے	○
	محبت الہی کی طلب کے لئے دعا	○
۲۹۲	ایک عمدہ دعا	○
	ایک دعا جس کی وجہ سے شوہر و سہیلی رشتوں میں	○
۲۹۳	آپ کی عزت ان شاء اللہ بڑھ جائے گی	○
۲۹۴	شکر گزار ہونے کی دعا	○
	اہل و عیال کو بیمار یوں سے دور رکھنے کی دعا	○
۲۹۵	خصائل بد سے بچنے کی دعا	○
۲۹۸	تسبیحات فاطمہؑ	○
۲۹۹	دن بھر کی مشقت سے آرام	○
۷۰۰	عورت اقبال کی نظر میں	○
۷۰۱	حرف آخر	○
۷۰۲	آزادی نسواں کا غلغلہ	○
۷۰۳	خاتمہ کتاب	○

صفحہ	عنوان	
۲۶۳	بیوی کے لئے شوہر کی اجازت لازمی ہے	○
۲۶۵	جلد خراب ہونے والی چیزوں کا صدقہ کرنا	○
۲۶۶	ایک سوال	○
۲۶۸	کچھ روز مرہ کی دعائیں	○
	صبح شام اور سوتے وقت پڑھی جانے والی دعاؤں کا بیان	○
۲۶۹	صبح و شام کے وقت آپ ﷺ کی دعا	○
۲۷۰	سونے اور جاگنے کے وقت کی دعا	○
۲۷۲	نبی کریم ﷺ کی صاحبزادی رضی اللہ عنہا سے مروی دعا	○
۲۷۶	سوتے وقت قرآن کی کوئی سورۃ پڑھنے کی برکت	○
	دن اور رات میں حاصل ہونے والی نعمتوں کے شکر کی ادائیگی	○
۲۷۹	بے خوابی دور کرنے کی دعا	○
۲۸۰	صبح کے وقت آنحضرت ﷺ کی دعا	○
۲۸۳	اولاد کو شیطان سے کیسے محفوظ رکھا جاسکتا ہے	○
۲۸۴	آپ کے شوہر کا غصہ دور کرنے کا ایک نسخہ میمیا	○
۲۸۵	غصہ فرو کرنے کی ایک بے مثل تدبیر	○
۲۸۶	رات میں ضرر و نقصان سے بچانے والی دعا	○
۲۸۸	بازار میں پڑھنے کی دعا اور اس کی فضیلت	○
۲۸۹	کفر اور قرض سے پناہ مانگنی چاہئے	○

اپنا ماتم آپ

اس کتاب ”مثالی ذلہن“ کی تیاری میں مختلف کتب کو بغور پڑھنا شروع کیا تو یقین جاننے بے شمار ایسی چیزیں سامنے آئیں جن کی طرف سرسری طور پر کبھی غور ہی نہیں کیا تھا خیال ہوا کہ دس پندرہ دن میں اتنا مواد اکٹھا کر لوں گا کہ اس کو کتابی شکل میں ڈھال لوں لیکن چھ ماہ ہونے کو آئے تو وقت کے گزرنے کا احساس ہوا لیکن پھر بھی تقریباً سال لگ گیا مختلف تخلیقات کا مطالعہ کرنے میں۔ اس تمام عرصہ کے مطالعہ کا اگر نچوڑ بیان کرنے کا مجھ سے مطالبہ کیا جائے کہ حضرت جی بتائیے ”مثالی ذلہن“ کی تعریف ہے کیا تو میں اس حدیث مبارکہ کو بیان کروں گا کہ:

فَخَرَّ سَوْالُ اللَّهِ ﷻ نَے ارشاد فرمایا :

((خیر نسائکم التی اذا نظر الیہا زوجہا سرتہ وان امرہا اطاعتہ واذا غاب عنها حفظتہ فی نفسہا ومالہ۔))

[سنن نسائی]

”یعنی تمہاری بہترین عورت وہ ہے کہ جب تم اس کی طرف دیکھو تو وہ تمہیں خوشی بخشنے اور جب تم اس کو کسی بات کا حکم دو تو وہ اس کی تعمیل کرے اور جب تم اس سے غائب ہو (یعنی گھر میں نہ ہو) تو وہ تمہارے پیچھے تمہارے مال کی اور اپنے نفس کی (ہر ممکن) حفاظت کرے۔“

مردوں کی خام خیالی:

ہم مردوں کے ذہنوں میں شادی کے فوراً بعد یہ ہوتا ہے شاید ہم کوئی ”غلام“ خرید کر لے آئے ہیں جس کی اب اپنی کوئی مرضی و منشاء ہے ہی نہیں اور اسے ہمارے ہر حکم پر غلام بے دام بن کر تل پیرا ہونا چاہیے۔

یاد رکھئے!

حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ کچھ دن عورت برداشت کر جائے گی پھر جب اس کی زبان کھلے گی تو آپ کو سر چھپانے کو جگہ نہیں ملے گی۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ﴾

[الشوریٰ ۴۲: ۳۰]

”تمہیں جو مصیبت اور پریشانیاں پہنچتی ہیں وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہے اور بہت سا تو وہ معاف کر دیتا ہے۔“

اس لئے میں آپ عورتوں کو آپ کی جانب منسوب بے شمار کوتاہیوں اور خامیوں سے بری الذمہ سمجھتا ہوں اور اس میں اپنا ہی قصور سمجھتا ہوں کہ ہم نے ہی آپ کو صحیح مقام نہ دیا۔ ویسے بقول شاعر :-

ہزار بار حکیموں نے اس کو سلجھایا ☆ مگر یہ مسئلہ زن رہا وہیں کا وہیں!
قصور زن کا نہیں ہے کچھ اس خرابی میں ☆ گواہ اس کی شرافت پہ ہیں مد و پرویں!
فساد کا ہے فرنگی معاشرت میں ظہور ☆ کہ مرد سادہ ہے بیچارہ زن شناس نہیں

ایک نصیحت یاد رکھنے کی!

میں نے اس کتاب میں مسائل طلاق کی بابت لکھتے وقت اپنے علاقے کی ثالثی کونسل سے کچھ مشترکہ مسائل کی بابت رجوع کیا تو یقین کیجئے انہوں نے بتایا کہ یہاں اگر سوطلاق یا طلع کے کیس دائر ہوں تو ۹۰ فیصد کے پیچھے حضرت جی مرداد اور اس کے گھروالوں کو فقط عورت کی زبان سے شکایت ہوتی ہے۔

سو میری آپ سے ایک ہی درخواست ہے کہ اگر آپ اپنی زبانوں کو قابو میں کر لیں تو یقین کیجئے کہ آپ ”دلہنوں“ کے بے شمار مسائل حل ہو جائیں گے۔ ان شاء اللہ

عورت کا بلند ترین مقام

بحیثیتِ ماں
اور

محمد رسول اللہ ﷺ

کی احادیث سے عورت کی عظمت کا بیان

حرفِ اول

کتاب چونکہ ”دلہن“ کی بابت تحریر کی جا رہی ہے اس وجہ سے بندہ نے مناسب جانا کہ ایک عورت کا جو بلند ترین مقام ہے اس کا اظہار سب سے پہلے کر دیا جائے کیونکہ اس عظمت کو پہچانے بغیر نہ تو کوئی معاشرہ ہدایت پا سکتا ہے اور نہ ہی آج کے زمانے کی جدید ذہن والی عورت ”مکمل عورت“ بن سکتی ہے اور اس تحریر کو سب سے اول لانے کا مقصد بھی یہی ہے کہ نئی نوجوانی ”دلہن“ شادی کے ابتدائی دنوں کے سکون (انجوائے منٹ) ”ہی میں“ متنبہ ہو کر اپنے اس اصل مقصد سے انحراف نہ کر بیٹھے اور مجھے یہ احساس بھی ہے کہ یہ تحریر یہاں شاید کچھ بے ربط ہے لیکن کیا کروں آخر تو کتاب لکھنے کا مقصد اصلاحِ معاشرہ ہے نہ کہ لفاظی۔

ماں بنتے ہی عورت تمام رشتوں پر فوقیت لے جاتی ہے:

حدیث: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أَبُوكَ وَ فِي رِوَايَةٍ قَالَ أُمُّكَ ثُمَّ أُمُّكَ ثُمَّ أَبَاكَ ثُمَّ
أَذْنَاكَ ثُمَّ أَذْنَاكَ ثُمَّ أَذْنَاكَ))

مسلم: کتاب البر والصلة: باب بر الوالدين وايهما احق به: ۳۱۲/۲
”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے
پوچھا کہ (رشتہ داروں میں) میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق
کون ہے؟ نبی کریم ﷺ نے جواباً ارشاد فرمایا: تمہاری والدہ تمہارے حسن
سلوک کی سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ اُس نے پھر دریافت کیا: پھر؟ آپ
ﷺ نے فرمایا: تمہاری والدہ۔ اُس نے (سہ بارہ) دریافت کیا: پھر؟
آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہارا والد اور ایک روایت میں ہے کہ آپ
ﷺ نے تین بار تو ارشاد فرمایا کہ تمہارے حسن سلوک کا سب سے زیادہ
استحقاق تمہاری ماں کو حاصل ہے پھر باپ کا ذکر کیا۔ پھر (سوال کے جواب
میں) فرمایا: باپ کے رشتہ داروں میں جو سب سے زیادہ قریبی ہو۔ اُس
کے ساتھ حسن سلوک کرو اور اس قریب تر رشتہ داروں میں جو سب سے
زیادہ قریب ترین ہو اُس کے ساتھ حسن سلوک کرو اور اس قریب تر رشتہ
والے کے بعد جو رشتہ میں سب سے زیادہ قریب ہو اُس کے ساتھ حسن
سلوک کرو۔ (صحیح مسلم)

اور اس کے بعد درج ذیل حدیث لائے:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ قَالَ كَانَ جُرُجٌ يَتَعَبَّدُ فِي صَوْمَعَةٍ
فَجَاءَتْ أُمُّهُ قَالَ حُمَيْدٌ فَوَصَفَ لَنَا أَبُو رَافِعٍ صِفَةَ أَبِي
هُرَيْرَةَ لَصِفَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمُّهُ
حِينَ دَعَتْهُ كَيْفَ جَعَلَتْ كَفًّا فَوْقَ حَاجِبِهَا ثُمَّ رَفَعَتْ

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِي
قَالَ أُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ أُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ ثُمَّ
أَبُوكَ وَ فِي حَدِيثٍ قُتْنِيَّةٍ مَنْ أَحَقُّ
بِحُسْنِ صَحَابَتِي وَلَمْ يَذْكُرِ النَّاسَ))

مسلم: کتاب البر والصلة: باب بر الوالدين وايهما احق به: ۳۰۹/۱
”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ایک شخص آیا رسول
اللہ ﷺ کے پاس اور عرض کیا یا رسول اللہ سب لوگوں میں کس کا زیادہ حق
ہے مجھ پر سلوک کرنے کے لیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تیری ماں کا۔ وہ بولا
پھر کون؟ فرمایا تیری ماں کا۔ وہ بولا پھر کون؟ فرمایا تیری ماں کا وہ بولا پھر
کون فرمایا تیرے باپ کا۔ (آپ ﷺ نے ماں کو مقدم کیا اس لیے کہ ماں
بچہ کے ساتھ بہت محنت کرتی ہے حمل تو مینے پھر جننا پھر دودھ پلانا پھر پالنا
بیماری دکھ میں خبر لینا) حارث مجاسی نے کہا اجماع کیا ہے علماء نے کہ ماں
مقدم ہے باپ پر نیک سلوک کرنے میں اور بعضوں نے دونوں کو برابر کہا
ہے اور صواب ماں کی تقدیم ہے۔)

مذکورہ حدیث تو کسی تشریح کی محتاج ہی نہیں نبی کریم ﷺ نے اتنے واضح اور سہل
انداز سے سمجھا دیا کہ ماں سے سلوک کرنا اولاد کی زندگی میں کس حد تک کس درجے
تک اور کس انتہا تک فائق و مستحسن عمل قرار دیا گیا ہے۔

((وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَجُلٌ
يَا رَسُولَ اللَّهِ مَنْ أَحَقُّ بِحُسْنِ صَحَابَتِي؟ قَالَ أُمُّكَ قَالَ
ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ أُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ أُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ

رَأْسَهَا إِلَيْهِ تَدْعُوهُ فَقَالَتْ يَا جَرِيحُ أَنَا أُمُّكَ كَلِّمْنِي
فَصَادَفْتُهُ يُصَلِّي فَقَالَ اللَّهُمَّ أُمِّي وَصَلَاتِي قَالَ فَاخْتَارَ
صَلَوَتَهُ فَرَجَعْتُ ثُمَّ عَادَتْ فِي الثَّانِيَةِ فَقَالَتْ يَا جَرِيحُ أَنَا
أُمُّكَ فَكَلِّمْنِي قَالَ اللَّهُمَّ أُمِّي وَصَلَوَتِي فَاخْتَارَ صَلَوَتَهُ
فَقَالَتْ اللَّهُمَّ إِنَّ هَذَا جَرِيحٌ وَهُوَ ابْنِي وَإِنِّي كَلَّمْتُهُ قَائِي
أَنْ يُكَلِّمَنِي اللَّهُمَّ فَلَا تَجْعَلْهُ حَتَّى تُرِيَهُ الْمُؤْمِسَاتِ قَالَ وَلَوْ
دَعَتْ عَلَيْهِ أَنْ يُفْتَنَ لَفُتِنَ قَالَ وَكَانَ رَاعِي ضَاغٍ يَأْوِي
إِلَى ذَيْرِهِ قَالَ فَخَرَجَتْ امْرَأَةٌ مِنَ الْقَرْيَةِ فَوَقَعَ عَلَيْهَا
الرَّاعِي فَحَمَلَتْ فَوَلَدَتْ غُلَامًا فَقِيلَ لَهَا مَا هَذَا قَالَتْ مِنْ
صَاحِبِ هَذَا الذَّيْرِ قَالَ فَجَاؤَا بِفُؤُسِهِمْ وَمَسَاجِينِهِمْ
فَنَادَوْهُ فَصَادَفُوهُ يُصَلِّي فَلَمْ يُكَلِّمَهُمْ قَالَ فَآخَذُوا
بِيَدَيْهِمْ ذَيْرَهُ فَلَمَّا رَأَى ذَلِكَ نَزَلَ إِلَيْهِمْ فَقَالُوا لَهُ سَلْ
هَذِهِ قَالَ فَتَبَسَّسَ ثُمَّ مَسَحَ رَأْسَ الصَّبِيِّ فَقَالَ مَنْ أَبُوكَ
فَقَالَ أَبِي الرَّاعِي الضَّاعِي فَلَمَّا سَمِعُوا ذَلِكَ مِنْهُ قَالُوا نَبِيُّ
مَا هَذَا مِنْ ذَيْرِكَ بِالذَّهَبِ وَالْقِصَّةِ قَالَ لَا وَلَكِنْ
أَعْيَدُوهُ تَزَانًا كَمَا كَانَ ثُمَّ عَلَاهُ (۱۰)

”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جریح (ایک عابد تھا
بنی اسرائیل میں) عبادت کر رہا تھا عبادت خانہ میں۔ اتنے میں اس کی
ماں آئی۔ حید نے کہا اور رافع نے بیان کیا ابو ہریرہؓ نے جیسے بیان کیا جیسے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان کیا کہ اس کی ماں نے اپنا ہاتھ ابرو
پر رکھا اور سر اٹھایا جریح کو پکارنے کو تو بولی اے جریح میں تیری ماں ہوں
مجھ سے بات کر۔ جریح اس وقت نماز میں تھا وہ بولا (اپنے دل میں) یا اللہ!
میری ماں پکارتی ہے اور میں نماز میں ہوں پھر وہ اپنی نماز میں رہا۔ اس کی
ماں لوٹ گئی دوسرے دن پھر آئی اور بولی اے جریح! میں تیری ماں ہوں
مجھ سے بات کر۔ وہ کہنے لگا اے رب میری ماں پکارتی ہے اور
میں نماز میں ہوں۔ آخر وہ نماز پڑھے گئے۔ وہ بولی یا اللہ یہ جریح ہے اور
میرا بیٹا ہے میں نے اس سے بات کی لیکن اس نے بات کرنے سے انکار
کیا۔ یا اللہ مت مارنا اس کو جب تک بدکار عورتوں کو نہ دیکھ لے۔ آپ ﷺ
نے فرمایا کہ اگر وہ دعا کرتی جریح کسی فتنہ میں پڑے البتہ پڑ جاتا (پر اس
نے صرف اسی قدر دعا کی کہ بدکار عورتوں کو دیکھے) ایک چرواہا تھا بھیڑوں
کا جو جریح کے عبادت خانہ کے پاس ٹھہرا کرتا تو گاؤں سے ایک عورت
باہر نکلی۔ وہ چرواہا اس پر چڑھ بیٹھا اس کو پیٹ رہ گیا۔ ایک لڑکا جتنا۔ لوگوں
نے اس سے پوچھا یہ لڑکا کہاں سے لائی۔ وہ بولی اس عبادت خانہ میں جو
رہتا ہے اس کا لڑکا ہے۔ یہ سن کر (بستی کے لوگ) اپنی کدالیں اور
پھاوڑے لے کر آئے اور جریح کو آواز دی۔ وہ نماز میں تھا اس نے بات نہ
کی۔ لوگ اس کا عبادت خانہ ٹرانے لگے جب اس نے یہ دیکھا تو اترا۔
لوگوں نے اس سے کہا اس عورت سے پوچھ کیا کہتی ہے۔ جریح ہنسا اور اس
نے لڑکے کے سر پر ہاتھ پھیرا اور پوچھا تیرا باپ کون ہے؟ وہ بولا میرا باپ
بھیڑوں کا چرواہا ہے جب لوگوں نے پچھ سے یہ بات سنی تو کہنے لگے جتنا
عبادت خانہ ہم نے تیرا گرایا ہے وہ سونے اور چاندی سے بنا دیتے ہیں۔
گریح نے کہا نہیں مٹی ہی سے درست کر دو جیسا پہلے تھا پھر چڑھ گیا اس کے

اوپر۔

ایک اور حدیث میں اس سے بھی طویل واقعہ نقل کیا گیا ہے لیکن ہم نے فقط اسی پر اکتفا کیا ہے اور ذرا غور کیجئے کہ ایک اللہ والے سے اتنی سی کوتاہی یا کہنے کی سستی سے کیا مصیبت آن پڑی تو ہمارے تو حال احوال کا کیا ہی کہنا۔

فرمانبردار بیٹیو!

یہ ہے وہ عہدہ پوزیشن بلکہ اعزاز جو ماں پننے کے بعد اللہ عزوجل کے ہاں سے آپ کا مقرر کر دیا گیا اور میں پھر دوبارہ تحریر کئے دیتا ہوں کہ سب سے اول اس موضوع کو لانے کا مقصد بھی یہی ہے کہ ”نئی نویلی ذلہن“ کے دل میں یہ بات راسخ کر دی جائے کہ شادی کوئی معاشی یا معاشرتی مجبوری کا نام نہیں یا والد کی ”قید“ سے نکل کر ”شوہر“ اور ”بیوی“ کی قید میں جانے کا نام نہیں۔

جی ہاں یہی باتیں آج کل کی روشن خیال عورتیں کرتی ہیں (اور اپنے تو چار چار بچے ہیں اور ان کا ہر حکم سر آکھوں پر لیکن دوسروں کی بیٹیوں کو خراب کرنے کی خاطر آزادی نسواں کی علمبردار یاد رکھئے یہ تو ایک نئی نسل کو پروان چڑھانے کا عظیم کام ہے جس کی ذمہ داری اللہ نے آپ کے کندھوں پر ڈال دی ہے۔

اور اس کا اجر کیا ہے اگلی حدیث میں ملاحظہ کیجئے:

اللہ کی رضا ماں کی رضا میں پوشیدہ ہے:

((وَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَضِيَ اللَّهُ فِي رَضَى الْوَالِدَيْنِ وَسَخَطُ اللَّهِ فِي سَخَطِ الْوَالِدَيْنِ))

[مشکوٰۃ، باب البر والصلة، ص ۴۱۹]

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ عزوجل کی رضامندی والدین کی رضامندی میں (پوشیدہ) ہے اور اللہ عزوجل کی ناراضگی والدین کی ناراضگی میں ہے۔“

سنن ابن ماجہ میں والدہ کو جنت یا جہنم کا دروازہ قرار دینا ☆

((عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ زَحْلًا قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَا حَقُّ الْوَالِدَيْنِ عَلَيَّ وَلَدَهُمَا؟ قَالَ: هُمَا جَنَّتُكَ وَنَارُكَ.))

[سنن ابن ماجہ، کتاب الأدب، باب بنی الوالدین ح ۱۳۶۵۷]

”حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! والدین کا ان کی اولاد پر کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ دونوں یا تو تیری جنت ہیں یا جہنم (یعنی یہ تیری خدمت پر موقوف ہے کہ ان کی خدمت کر کے جنت کا حقدار قرار پاتا ہے یا ناپاکی کا ثبوت دے کر جہنم کا سزاوار)۔“

اس کے علاوہ بھی بے شمار احادیث ہیں جن کی تعداد بلا مبالغہ ۱۰۰ سے زائد ہے جن میں ماں کی عظمت کا اظہار کرنا مقصود ہے لیکن چونکہ ہمارا مقصد فقط ایک آیت قرآنی یا حدیث مبارکہ سے بھی حاصل ہو جاتا ہے اس لئے ہم اسی پر اکتفا کر رہے ہیں۔ وگرنہ تو احادیث کی کتب (جو کہ اب اردو تراجم کے ساتھ بھی موجود ہیں) اگر عام قاری بھی ان کی فہرست ہی پر نظر ڈالے تو اسے بے شمار احادیث ان موضوعات پر مل جائیں گی۔

ماں جنت کا دروازہ ☆

”حضرت ابو الدرداءؓ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے والد (باپ یا ماں) جنت کے دروازوں کا درمیانی دروازہ ہے اب تجھے اختیار ہے چاہے اس دروازے کو ضائع کر دے چاہے اس کی حفاظت کر۔“

سنن ابن ماجہ کتاب الادب، باب ہر الوالدین، ح: ۱۳۶۶۳

حدیثوں کا مضمون

”حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بہشتی زیور میں ماں کی عظمت کا اظہار احادیث نبویہ سے یوں بیان فرماتے ہیں کہ:“

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ایسی عورت پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو کہ رات کو اٹھ کر تہجد پڑھے اور اپنے خاوند کو بھی جگائے کہ وہ بھی نماز پڑھے اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو عورت کنوارے کی حالت میں یا حمل میں بچہ جنم کے وقت یا چلنے کے دنوں میں مرجائے اس کو شہید کا درجہ ملتا ہے۔ اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس عورت کے تین بچے مرجائیں اور وہ ثواب سمجھ کر صبر کرے تو بہشت میں داخل ہوگی۔ ایک عورت بولی یا رسول اللہ ﷺ اور جس کے دو بیٹے مرے ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دو کا بھی یہی ثواب ہے ایک روایت میں ہے کہ ایک صحابی نے ایک بچے کے مرنے کو پوچھا آپ ﷺ نے اس میں بھی بڑا ثواب بتلایا اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو کہ حمل گر جائے وہ بھی اپنی ماں کو گھسیٹ کر بہشت میں لے جائے گا۔ جبکہ ثواب سمجھ کر صبر کرے اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ سب سے اچھا خزانہ نیک بخت عورت ہے کہ خاوند اس کے دیکھنے سے خوش ہو جائے اور جب خاوند کوئی کام اس کو بتلائے تو حکم بجالائے اور جب خاوند گھر پر نہ ہو تو عزت آبرو تھا سے بیٹھی رہے۔ اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے عرب کی عورتوں میں قریش کی نیک عورتیں دو باتوں میں سب سے اچھی ہوتی ہیں۔ ایک تو بچے پر خوب شفقت کرتی ہیں دوسرے خاوند کے مال کی حفاظت کرتی ہیں۔ فائدہ: معلوم ہوا کہ عورت میں یہ خصلتیں ہونی چاہئیں آج کل عورتیں خاوند کا مال بڑی بے دردی سے اڑاتی ہیں اور اولاد پر جیسے کھانے پینے کی شفقت ہوتی

ہے اس سے زیادہ اس کی عادتیں سنوارنے کی ہونی چاہیے نہیں تو ادھوری شفقت ہوگی اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کنواری لڑکیوں سے نکاح کرو کیونکہ ان کی بول چال خاوند کے ساتھ نرم ہوتی ہے یعنی شرم و حیا کی وجہ سے بد لحاظ اور منہ پھٹ نہیں ہوتیں اور ان کو قصور اخراج دے دو تو خوش ہو جاتی ہیں۔

ہو سکتا ہے معلوم ہوا کہ عورتوں میں شرم و لحاظ اور قناعت اچھی خصلت ہے اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ بیوہ سے نکاح نہ کرو بلکہ کنواری کی ایک تعریف ہے اور بعض حدیثوں میں ہمارے حضرت علیؓ نے بیوہ عورت سے نکاح کرنے پر ایک صحابی کو دعا دی ہے اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے عورت جب پانچ وقت کی نماز پڑھتی رہے اور رمضان کے روزے رکھ لیا کرے اور اپنی آبرو کی حفاظت رکھے اور اپنے خاوند کی تابعداری کرے تو ایسی عورت بہشت میں جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔

فائدہ: مطلب یہ ہے کہ دین کی ضروری باتوں کی پابندی رکھے تو اور بڑی بڑی محنت کی عبادتیں کرنے کی اس کو ضرورت نہیں جو درجہ ان محنت کی عبادتوں سے ملتا ہے وہ عورت کو خاوند کی تابعداری اور اولاد کی خدمت گزاری اور گھر کے بندوبست میں مل جاتا ہے اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس عورت کی موت ایسی حالت میں آئے کہ اس کا خاوند اس سے خوش ہو وہ عورت بہشت میں جائے گی اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس شخص کو چار چیزیں نصیب ہو گئیں اس کو دنیا اور آخرت کی دولت مل گئی ایک تو دل ایسا کہ نعت کا شکر ادا کرتا ہو دوسری زبان ایسی جس سے خدا کا نام لے تیسرے بدن ایسا کہ بلا و مصیبت پر صبر کرے چوتھے بی بی ایسی کہ اپنی آبرو اور خاوند کے مال میں دغا و فریب نہ کرے۔

ہو سکتا ہے یعنی نہ آبرو و کھودے نہ مال بے مرضی خاوند کے خرچ کرے۔ اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو عورت بیوہ ہو جائے اور خاندانی بھی ہے مالدہ ابھی ہے لیکن اس

مثالی ذلہن ۴۵

نے اپنے بچوں کی خدمت اور پرورش میں لگ کر اپنا رنگ میا کر دیا یہاں تک کہ وہ بچے یا تو بڑے ہو کر الگ رہنے لگے یا عمر مرا گئے تو ایسی عورت بہشت میں مجھ سے ایسی نزدیک ہوگی جیسی شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی۔

ہو سکتا ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہوا کہ بیوہ کا بیٹا رہنا زیادہ ثواب ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ جو بیوہ یہ سمجھے کہ نکاح سے میرے بچے ویران ہو جائیں گے اور اس عورت کو بناؤ سنگار اور نفس کی خواہش سے کچھ مطلب نہ ہو تو اس کا یہ درجہ ہے اور رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ فلائی عورت کثرت سے نفل نمازیں اور روزے اور خیر خیرات کرتی ہے لیکن زبان سے پڑوسیوں کو تکلیف بھی پہنچاتی ہے آپ ﷺ نے فرمایا وہ دوزخ میں جائے گی پھر اس شخص نے عرض کیا کہ فلائی عورت نفل نمازیں اور روزے اور خیر خیرات کچھ زیادہ نہیں کرتی یونہی کچھ خیر کے ٹکڑے دے دلا دیتی ہے لیکن زبان سے پڑوسیوں کو تکلیف نہیں دیتی آپ ﷺ نے فرمایا وہ بہشت میں جائے گی۔

اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی اس کے ساتھ دو بچے تھے ایک کو گود میں لے رکھا تھا دوسرے کی انگلی پکڑے ہوئے تھی۔ آپ نے دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ یہ عورتیں اول پینٹ میں بچے کو رکھتی ہیں پھر جنتی ہیں پھر ان کے ساتھ کس طرح محبت اور مہربانی کرتی ہیں اگر ان کا برتاؤ خاوندوں سے برا نہ ہو اگر تا تو ان میں جو نماز کی پابند ہوتی بس بہشت ہی میں چلی جایا کرتی۔

یاد دہانی ☆

والدین کی فرمانبرداری بیکجا!

خدا را! ان سطور کو بار بار پڑھئے اور یقین جانئے اگر آپ نے شادی کے ابتدائی

سالوں میں محض بنی مون 'نو کری' چھوٹی عمر (خواہ تیس سال ہی ہو چکی ہو) یا کوئی اور بہانا کر ماں بننے سے پہلو تہی کی تو یقین جانئے آگے چل کر آپ کے پاس پچھتائے کے سوا کوئی چارہ کار نہ بچے گا لیکن

اب پچھتائے کیا ہوت جب چیزیاں چک گئیں کھیت

قبل از اسلام عورت کو حقیر سمجھا جانا

انسان کی معاشرت پسندی نے انسانی اجتماعیت کو جنم دیا اور یہ چھوٹی سی خاندانی تنظیم بڑھ کر اچھے معاشرے تشکیل دینے میں کامیاب ہوئی۔ انسان کی طویل اجتماعی زندگی میں بے شمار اجتماعی نظام معرض وجود میں آئے اور لاتعداد قومیں آباد ہوئیں لیکن تمام اقوام و نظامہائے معاشرت کے صحیح نقوش محفوظ نہیں رہے۔

﴿وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُونِ مِنْ بَعْدِ نُوحٍ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ بِذُنُوبِ

عِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا﴾ (بنی اسرائیل)

”اور نوح کے بعد ہم نے کتنی بستیاں ہلاک کر دیں اور آپ کا پروردگار

اپنے بندوں کے گناہوں پر خیر و بصیر ہونے کے لئے کافی ہے۔“

انسان کی تہذیبی داستان اور تمدنی سفر میں جن اقوام کو سر بلندی حاصل رہی ہے ان میں مصری، یونانی، ہندی، رومی اور ایرانی نمایاں ہیں ان اقوام نے اپنے اجتماعی نظام قائم کئے۔ معاشرت کا طالب علم یہ محسوس کرتا ہے کہ یہ معاشرے بڑے مہذب و مستعد تھے گو ان کے اصول اپنے تھے اور ان اصولوں کے نتیجے میں یا اس سے انحراف کے سبب یہ معاشرے زوال کا شکار ہوئے ان معاشرتی نظاموں میں عدل و انصاف، ثقافتی و تمدنی شعور اور علمی و عقلی جدوجہد کے نشانات نظر آتے ہیں ہمارے پیش نظر اس وقت ان معاشروں کی تصویر کشی نہیں ہے ہم صرف یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ تاریخ کے ارتقائی مراحل میں انسان نے کیسے کیسے معاشرے تشکیل کئے ہیں۔

اسلام کے آنے تک دینی و لادینی دونوں اعتبارات سے انسانی اجتماعیت نے بہت کچھ سیکھا اور بہت کچھ کھویا تھا۔ آدم سے لے کر مسیح تک انبیاء کا سلسلہ بھی جاری رہا تھا۔ طالیس سے لے کر ارسطو تک فلاسفہ اور اشوک سے لے کر نو شیروان تک

بادشاہوں نے بھی انسانی معاشرت میں اپنا اہم کردار ادا کیا تھا اور معاشرے اجتماعی احساس کے امین تھے۔ اسلام جس وقت رہنمائی کا دعویٰ لے کر آیا اس وقت کئی معاشرے منظم تھے اور اپنی تاریخ کا عظیم سرمایہ رکھتے تھے گو یہ معاشرے اپنا اجتماعی اثر کھو چکے تھے اور ان کے جسد اجتماعی کو گھن لگ چکا تھا قرآن کے مبلغ ارشاد کے مطابق:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ﴾

(الروم)

”بحر و بر میں فساد رونما ہے (اس کا سبب) لوگوں کے اعمال ہیں۔“

ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ انسانیت میں ہمیشہ انفرادی و اجتماعی فلاح کا کام ہوتا رہا ہے اور اسلام کے اعلان کے وقت بھی کہیں کہیں خیر کی کرنیں موجود تھیں۔ لیکن اجتماعی خیر کا تناسب کم تھا نیز وہ اصول جس پر ایک اچھی اجتماعیت استوار ہو سکتی تھی عملاً موجود نہ تھی نتیجہ یہ تھا کہ اجتماعیت انتشار کا شکار تھی۔

اسلام نے جس سر زمین سے اولین اعلان کیا وہ سر زمین عرب ہے۔ عربوں میں بھی احساس جمعیت تھا اور ان کے شہری اور بدوی معاشرے بھی موجود تھے لیکن معیاری نہ تھے۔ اسلام کو عربوں کے بعد جن معاشروں کا سامنا کرنا پڑا وہ رومی و ایرانی معاشرے تھے ہم اختصار سے ان تین معاشروں کا تعارف کرانا چاہتے ہیں تاکہ اسلام کے معاشرتی نظم کا اعتدال اور درستی واضح ہو سکے۔

عرب قبل از اسلام:

جزیرہ عرب ایک وسیع خطہ ہے جس میں صحرا پہاڑ سنگلاخ جیسے شامل ہیں۔ زراعت قلیل تھی کیونکہ پانی کی قلت تھی اس کے اطراف میں رومی اور ایرانی سلطنتیں تھیں لیکن جزیرہ عرب نے ان سلطنتوں کے اثرات قبول نہیں کئے تھے سرحدی علاقوں

میں کچھ کچھ اثرات تھے مگر وہ بھی ناقابل اعتبار جزیرہ کی معاشرت کے دو حصے تھے:

دیہاتی (بدوی) اور شہری (حضری)

دیہاتی (بدوی) صحرا اور پہاڑی علاقوں میں بدوی قبائل آباد تھے جن کا اپنا نظام تھا ہر قبیلہ ایک مستقل وحدت تھا اور اپنے اندرونی معاملات کا فیصلہ خود کرتا تھا دوسرے قبائل سے معاملات میں قوت و غیرت اور شجاعت و حمیت کو بنیادی حیثیت حاصل تھی اکثر اوقات اپنے قبیلے کے لئے ناجائز امور اور ظلم میں تعاون پر تیار رہتے تھے۔ مکانوں کے لئے خیمے ساز و سامان میں تیر تلواریں اونٹ، بھیڑ اور بکری کے سوا کچھ نہ تھا۔ ان کی اجتماعیت کی صورت صرف قبیلہ یا اس کے حلیف تھی اکثر اوقات قبائل میں باہمی جنگ رہتی اور وہ کئی کئی سالوں تک جاری رہتی تھی ان کے اپنے اصول و قوانین اور اپنے ہی طریق ہائے صلح و جنگ تھے۔

شہری (حضری): اس وسیع علاقے میں دو چار شہر تھے مثلاً مکہ، یثرب، طائف وغیرہ۔ یہ شہر تجارتی مرکز تھے مختلف علاقوں کا مال یہاں آتا اور یہاں سے دوسرے علاقوں میں جاتا تھا۔ ان شہروں میں اجتماعیت کی وہ صورتیں موجود تھیں جو شہری معاشروں میں ہوتی ہیں لیکن بایں ہمہ اس پر خصوصی رنگ غالب تھا۔ بدویانہ اخلاق کی جھلکیاں یہاں بھی پائی جاتی تھیں۔

اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اسلام سے پہلے عربوں کا کوئی مشترک معاشرتی نظم نہیں تھا بلکہ وہ مختلف اجزاء تھے جو مختلف صورتوں میں اجتماع پذیر تھے۔ زندگی سادہ اور مقاصد حیات محدود تھے اس لئے اس مختصر اجتماعی زندگی میں پیچیدگی نہیں تھی۔

عرب معاشرے کی خصوصیات:

اب ہم عرب معاشرے کی بعض اہم خصوصیات کا ذکر کرتے ہیں:

① خاندان کے بڑے آدمی کو بنیادی اہمیت حاصل تھی اور وہ اپنے فیصلوں کے نفاذ میں

خود مختار ہوتا تھا۔

④ خاندان کی بنیاد اکثر اوقات شادی بیاہ ہی ہوتی لیکن نسب کے لئے صرف نکاح ہی شرط نہیں تھا، سفاح سے نسب ثابت ہو جاتا اس لئے نکاح اور سفاح کی اولاد میں بعض اوقات کیڑے و منافرت کی صورتیں پیدا ہوتی تھیں، منہ بولی اولاد کو بھی جتنی اولاد کے برابر شمار کیا جاتا تھا۔

⑤ نکاح کی کوئی حد نہ تھی کوئی آدمی جتنی عورتوں سے چاہتا شادی کر لیتا، بعض لوگ ایسے بھی تھے جن کے پاس دس سے زائد بیویاں تھیں، بیوی کو خاندان میں کوئی مقام حاصل نہ تھا، حتیٰ کہ باپ کی موت پر بیٹے باپ کی بیویوں کے وارث بنتے تھے۔

⑥ عرب معاشرے میں عورت کو معزز مقام حاصل نہ تھا، حتیٰ کہ بعض قبائل تو اپنی بیویوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ صرف چند بڑے خاندانوں میں بعض عورتوں کو اچھا مرتبہ حاصل تھا جیسے خدیجہ بنت خویلد، عیسیٰ بنت مریم اور سہیلہ بنت ابوسفیان وغیرہ۔

⑦ اخلاقی اعتبار سے ان میں شجاعت و حمیت کے ساتھ ظلم اور سنگدلی کے رجحانات عام تھے اس لئے وہ اجتماعیت کے لئے بعض اوقات مضرت ثابت ہوتے تھے۔ لڑائی اور لوٹ مار کی وجہ سے وہ اجتماعی احساس کی باریکیوں سے محروم تھے۔ حتیٰ کہ رشتہ داروں کے ساتھ بھی عمدہ سلوک نہیں کرتے تھے اس لئے قرآن و سنت نے صلہ رحمی پر خاص توجہ دی۔

⑧ غلامی کا رواج عام تھا۔ رنگ و نسل اور زبان کی بنیاد اور افکار عرب معاشرے کی خصوصیت تھی۔ کمزور لوگوں اور غلاموں کے ساتھ حیوانی سلوک کیا جاتا تھا اور انہیں وہ حقوق حاصل نہ تھے جو ایک آزاد انسان کو ملنے چاہئیں۔

عرب معاشرت دراصل اجتماعیت کی ان ابتدائی منزلوں میں تھی جن سے آگے ترقی تو ممکن تھی۔ لیکن اس حالت میں اس سے کسی مفید معاشرتی نتیجے کی توقع نہ تھی۔

رومی معاشرت:

عرب کے ساتھ سلطنت روم ملحق تھی یہ سلطنت عروج و زوال کی عبرت نامک مثال ہے، رومی معاشرہ متقدم اور مہذب معاشرہ شمار ہوتا ہے اس نے انسانی اجتماعیت کے کئی پہلوؤں میں مفید اضافے کئے تھے، رومی اجتماعیت کی پشت پر ایک زبردست حکومت اور مضبوط سیاسی نظام تھا۔ اس معاشرے نے اس وقت قائدانہ فریضہ سرانجام دیا لیکن طلوع اسلام کے وقت یہ معاشرہ شکست و ریخت کا شکار تھا، اس معاشرے میں بھی خاندانی نظام درہم برہم ہو گیا تھا۔ تاریخ زوال روم کے مصنف کے بقول رومی تہذیب کے زوال کا باعث خاندانی نظم کا انتشار ہے۔ اس معاشرے کی اہم خصوصیات کو ہم یوں بیان کر سکتے ہیں:

خصوصیات:

① خاندان میں باپ کو مطلق اختیار حاصل تھا۔ اولاد کو صرف اتنی آزادی میسر تھی جتنی انہیں باپ عطا کرتا تھا حتیٰ کہ چالیس سال کی عمر تک بھی بیٹے کو کوئی اختیار حاصل نہیں تھا۔

② قانون نے عورت کے شخصی استقلال کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ اس کی حیثیت ایک غلام کی تھی، وہ باپ کی غلامی سے نکل کر خاندان کی غلامی میں آ جاتی۔ اس کے کوئی حقوق تھے نہ خاندان کے کوئی فرائض۔

③ جینٹلمن کے عہد میں رومی قانون نے منظم صورت اختیار کی لیکن اس قانون نے بھی اشراف کے حقوق کا تحفظ کیا اور کمزوروں کی حمایت میں یہ ناقص رہا۔

④ غیر رومی اقوام کے لئے رومی معاشرت میں کوئی عزت کی جگہ نہ تھی غیر رومی ماتحت علاقوں کی دولت تو سمٹ کر رومی معاشرہ میں پہنچ جاتی مگر غیر رومی لوگ ذلت و حقارت سے نوازے جاتے، یہودیوں، مسیحیوں اور دیگر غیر رومی اقوام کے ساتھ یہی سلوک ہوتا البتہ ان میں سے چند افراد کو سہولتیں دے کر انہیں ان پر مسلط کر دیا جاتا۔

⑤ رومی معاشرت آزاد اور غلام کی تقسیم کا شکار تھی۔ جرائم اور سزاؤں میں اس تفریق کا خاص لحاظ تھا آزاد کے جرم کی سزا کم اور غلام کی زیادہ تھی اسی طرح اشراف اور رعایا کا معاملہ تھا۔

⑥ حکومت اور قانون پر صرف چند افراد کا قبضہ تھا باقی لوگ ان کے رحم و کرم پر ہوتے۔ رومی لشکر کی فتوحات مال غنیمت پر منتج ہوتیں اور وہ مال صرف چند افراد کی فلاح کے لئے استعمال ہوتا۔ دراصل یہ قانون یہ حکومت یہ نظام اور یہ اجتماعیت صرف اشراف کے لئے تھے عوام کے لئے نہیں۔ جہاں تک دینی اور اخلاقی قدروں کا تعلق ہے تو اس اعتبار سے رومی معاشرہ ہمیشہ انتشار کا شکار رہا۔ یونانی فلسفہ مشرکانہ نظریات کا حامل تھا یہودی اور مسیحی افکار نے اس معاشرے کے استحکام کو اور بھی شدید نقصان پہنچایا۔ کوئی مشترک نظریہ حیات نہ تھا۔ مادی منفعتوں نے روحانی قدروں کو متزلزل کر دیا تھا اور برسر اقتدار طبقہ کی عیاشیوں نے دین پسندوں کے لئے ابتلاء کا سامان فراہم کیا تھا۔ مسیحی مبلغین کے ساتھ جو کچھ ہوا اور یہودیوں کے ساتھ جو سلوک روا رکھا وہ رومی معاشرے کی تصویر ہے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ رومی معاشرہ متمدن معاشرہ تھا اس کی تہذیب اس کی اجتماعیت کی بنیاد تھی۔ رومی معاشرہ اچھے شہروں اچھے اجتماعی شعور اور منظم معاشرتی دینیت کی تصویر تھا گو بعد میں یہ تصویر مخ ہو گئی۔ ہماری رائے میں چونکہ اس معاشرے کو صالح بنیادیں میسر نہ آ سکی تھیں اس لئے وہ نتائج برآمد نہ ہوئے جو اچھی معاشرت کے لئے لازمی ہیں۔

ایرانی معاشرہ:

ایرانی معاشرہ طویل اجتماعی ورثے کا حامل ہے۔ لیکن اس کے ارتقائی منازل کی بحث یہاں بے محل ہے اس لئے ہم اس وقت کی کیفیات و خصوصیات ہی پر اکتفا کریں

گے۔ ایرانی معاشرہ بھی رومی معاشرے کی طرح افتراق و تشتت کا شکار تھا اور اس میں بھی تقریباً وہی امراض پائے جاتے تھے جنہوں نے رومی معاشرت کے جسد اجتماعیت کو کھالیا تھا۔ طبقاتی تقسیم عروج پر تھی اور اجتماعی احساس مجروح۔ دراصل سکندر مقدونی کے حملے کے بعد کم از کم اثر یہ ہوا کہ فارسی معاشرے کی اجتماعیت ختم ہو گئی کیونکہ اس نے سلطنت فارس کے مختلف حصوں پر اشراف کو مسلط کر دیا تھا اور یہ سیاسی تفرقہ معاشرتی انتشار کا باعث ہوا گو بعد میں سیاسی وحدت کی صورت کبھی بن گئی ہو لیکن معاشرتی انتشار بدستور قائم رہا۔ معاشرتی استحکام زوال پذیر ہونے کے باعث ایرانی معاشرہ عجیب تضادات کا شکار ہو گیا۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل امور قابل ذکر ہیں:

① رومی قانون نے جو طبقاتی تقسیم کی تھی اسی طرح کی تقسیم یہاں بھی کارفرما تھی۔

② ایرانی معاشرے میں مذہبی رجحانات نے خصوصی کردار ادا کیا۔ مختلف مذہبی اثرات کے تحت اجتماعیت انتشار کا شکار ہوتی چلی گئی مثلاً "مانی" نے چاہتا تھا کہ انسان کو ختم ہونا چاہئے تاکہ جہان اس کے شر سے پاک ہو جائے اس نے شادی کو حرام قرار دیا تاکہ انسانیت جلدی ختم ہو۔ اس کی رائے میں انسان ایک لعنت ہے اور اس کی اجتماعیت زندگی میں شر و معصیت اور فتنہ و فساد کے سوا اور کچھ نہیں۔ اس کے بعد مزدک آیا اس نے سمجھا کہ شر و فساد کا سبب مال اور عورت ہے اس کی ملکیت پر لوگ لڑتے ہیں اسی لئے ان کی ملکیت ختم کر دینی چاہئے اور انہیں مباح قرار دے دیا جائے اس طرح لوگوں کا کینہ و فساد ختم ہو جائے گا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام اجتماعی قیود اور اخلاقی حدود ختم ہو گئیں ہر طرف شہوات و ہوس پرستی کا دور دورہ اور بغض و عناد میں اضافہ ہوا حتیٰ کہ مزدک کو قتل کیا گیا اور ایرانی معاشرت از سر نو مجتمع ہونا شروع ہوئی۔ یہ اسلام کے قریبی عہد کی بات ہے۔

۵۲ ایرانی معاشرت کے دور ثبات و انتشار میں کوئی اجتماعی ادارہ منظم نہ ہو سکا۔ عورت کی کوئی حیثیت باقی نہ رہی، اولاد کی تربیت اور چھوٹے بڑے کے لحاظ کا احساس ختم ہو گیا۔ لے دے کے اگر کوئی بات تھی تو اقتدار کی گرفت تھی جو کسی نہ کسی صورت میں ظاہر ہوتی رہتی تھی۔

۵۳ غلاموں اور کمزوروں کے ساتھ یہاں بھی وہی کچھ ہوتا تھا جو دنیا کے دوسرے معاشروں میں ہوتا رہا۔ انسانیت کی عظمت و برتری کا احساس یہاں بھی مفقود نظر آتا تھا۔

انسانی اجتماعیت کے عوامل دین اور سیاسی و معاشی احساسات ہیں۔

ان معاشروں میں دین کا پہلو تو بہت کمزور نظر آتا ہے۔ البتہ سیاسی و معاشی احساس پایا جاتا ہے۔ یہ معاشرے انسانی زندگی کی ارتقائی کیفیت کا پتہ دیتے ہیں ان میں سے کوئی معاشرہ بھی ایسا نہیں جسے اصولی اور عملی اعتبار سے مکمل معاشرہ کہا جاسکے ان معاشروں کی تشکیل میں جن اصولوں کا تذکرہ ہوتا ہے وہی ناقص اور جن عوامل کی نشان دہی ہوتی ہے وہی کمزور ہیں تو معاشرے کس طرح صحت مند ہوں۔

گرد و پیش کے جن معاشروں کا مختصر تذکرہ کیا گیا ہے اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ پوری دنیا کی معاشرتی زندگی کی کیا کیفیت ہوگی۔ انسانی معاشرت اس انتظار میں تھی کہ کوئی کامل ترین شخصیت جامع ترین تعلیمات کے ساتھ زندگی کے ڈھانچے کو استوار کرے۔ خالق کائنات نے انہی ضروریات کی تکمیل کے لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید دے کر بھیجا تا کہ مثالی معاشرہ قائم کر کے انسانیت کو ابدی نمود عطا کر دیا جائے۔

یاد رکھئے!

ہم یہ تسلیم کئے لیتے ہیں کہ آپ کو دنیاوی تعلیم میں ملکہ حاصل ہو گیا ہے آپ ابھی ڈاکٹر یا کمپیوٹر انجینئر یا کوئی سیکرٹری وغیرہ بننے کے لئے کوشاں ہیں لیکن یقین جانئے نبوی تعلیمات سے بے بہرہ رہتے ہوئے آپ جو کچھ بھی بن جائیں ایک اچھی خاتون بننے میں بھی کامیاب نہیں ہو سکتیں اور اللہ آپ کو دین و دنیا میں سرفراز فرمائے یہ جو کامیابیاں آپ حاصل بھی کریں گی یہ محض

چار دن کی چاندنی پھر وہی اندھیری رات

ثابت ہوں گی۔

اللہ نے انسان کو ایک جان سے پیدا کیا

انسانی زندگی میں فساد اور استحکام کی بنیاد مرد اور عورت کے متوازن تعلق پر ہے۔ عورت اور مرد انسانی زندگی کا لازم و ملزوم حصہ ہیں اور انسانی تخلیق میں ان دونوں کا برابر کا حصہ ہے۔ سورۃ النساء میں ارشاد باری ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ﴾

”اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان دار سے پیدا کیا۔“

ہمارے ملک کے ایک اچھے مصنف کے بقول عورت نصف انسانیت ہے۔ کسی ترقی پسند معاشرے اور صالح تمدن کے لئے ضروری ہے کہ وہ عورت کی حیثیت متعین کرے۔ عورت کی صحیح حیثیت متعین کرنے سے دو فائدے ہوں گے:

(۱) اس سے مرد کی حیثیت کا بھی تعین ہوگا۔

(۲) تمدن اور انسانی دائرہ کار بھی واضح ہو جائیں گے۔

پروفیسر جنکس نے اپنی کتاب ”تاریخ سیاسیات“ میں انسانی معاشرے کی ارتقائی تقسیم وحشی اور پردری معاشروں کی صورت میں کی ہے۔ معاشرے کی موجودہ ارتقاء پذیر صورت (صنعتی معاشرہ) کو نسبتاً مادری کہنا پڑتا ہے۔ بہر نوع معاشرہ ترقی کے ابتدائی مدارج میں ہو یا عروج کی منازل طے کر رہا ہو یہ بات مسلم ہے کہ عورت معاشرے کا ایک ایسا ناگزیر عنصر ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا بلکہ سماجی اور تمدنی اصلاح و بقاء کا انحصار تقریباً اسی نوع کی حیثیت پر ہے۔ عورت کی حیثیت اس کا کردار و عمل اور اس کی حیات بخش صلاحیتیں معاشرے کے عروج و زوال کا سامان ہیں۔ اسلام جو ایک نظام حیات ہے اور انسانیت کی مکمل رہنمائی کرتا ہے اس مسئلہ پر خصوصی توجہ دیتا ہے۔ قبل اس کے کہ ہم اسلامی نقطہ نظر پیش کریں ہمیں اسلام سے پہلے عورت

کی حیثیت پر ایک سرسری نظر ڈال لینی چاہئے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ مختلف مذہبی اور غیر مذہبی معاشروں میں عورت کا کیا مقام رہا ہے اور اسلام نے اسے کیا حیثیت دی ہے؟

مسلمان علمائے معاشرت نے اسلام سے پہلے کے معاشرتی حالات کو یونان سے شروع کیا ہے کیونکہ یونان علم و تمدن کی دنیا میں امامت کے فرائض سرانجام دے چکا ہے۔ بیشتر علمی سیاسی معاشرتی اور فلسفیانہ نظریات کی نسبت یونان کی طرف کی جاتی ہے۔ یونان نے سیاسی اور معاشرتی استحکام کی طرح ڈالی رومی تہذیب نے اسے پروان چڑھایا اور ایرانیوں نے یونانی اور رومی اثرات کو تقویت دی۔ مذاہب میں ہندومت، مسیحیت اور یہودیت بنیادی اہمیت کے حامل ہیں اس لئے ہمیں ان مذہبی اور غیر مذہبی معاشروں میں حیثیت نسواں کی ایک جھلک دیکھ لینی چاہئے۔

یونان روم اور ایران:

یونان روم کے متعلق ہمیں تفصیلی معلومات انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا اور لکسی کی تاریخ

اخلاق یورپ میں ملتی ہیں ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

افلاطون نے عورت اور مرد کی مساوات کا دعویٰ کیا تھا لیکن یہ محض زبانی تعلیم تھی۔ اخلاقی بنیادوں پر عورت کی حیثیت بے بس غلام کی سی تھی اور مرد کو اس معاشرہ میں ہر اعتبار سے فوقیت حاصل تھی بلکہ بد اخلاقی کی اس فضا میں عورت صرف ہوس کا نشانہ تھی۔ عورتوں کے مجسمے عام تھے۔ نکاح سے بالکل بے نیازی تھی اور نظریاتی طور پر عورت کو تمام مصائب کی جڑ قرار دیا جاتا تھا۔ مثلاً یونانی دیو مالا میں ایک خیالی عورت (Pandora) کو تمام مصائب انسانی کا سبب قرار دیا گیا تھا۔ معاشرتی زوال کے دور میں تو بڑے بڑے فلاسفہ اور معلمین اخلاقی زنا اور فحش گوئی میں کوئی قباحت خیال نہیں کرتے تھے۔ شہوت پرستی کوئی اخلاقی عیب نہیں تھا۔ کام ویوی کی پرستش سے دیوداسیاں معرض وجود میں آئیں اور فحاشی ایک مقدس فعل بن گیا۔ روم کے ابتدائی

حالات میں عورت کی حیثیت کو تھوڑا بہت تسلیم کیا جاتا تھا لیکن کچھ مدت کے بعد حالات نے پلٹا کھایا تو باپ اور شوہر کو یہ اختیارات مل گئے کہ وہ عورت کو جب چاہیں گھر سے نکال دیں بلکہ شوہر تو بیوی کو قتل تک کر سکتا تھا۔ غلاموں کی مانند عورت کا مقصد بھی خدمت اور چاکری سمجھا جاتا تھا۔ معاشرہ میں اس کی گواہی کو معتبر خیال نہیں کیا جاتا تھا۔ ایران میں عورت کی حیثیت کچھ عجیب ہی تھی۔ اس کی ذات میں کوئی اخلاقی قدر نظر نہ آتی۔ ماں بیوی اور بیٹی کی کوئی تیز نہ تھی۔ بائبل میں تو دیوداسیوں کی ایک کثیر تعداد مختلف مواقع پر بچھن گاتی ہوئی نظر آتی ہیں اور ان کی یہ تصویر شرافت انسانی کا ماتم کرتی نظر آتی ہے۔

یہودیت اور عیسائیت:

یہودیت ہمیں بتاتی ہے کہ عورت مکاڑ بدطینت اور نسل انسانی کی دشمن ہے۔ بائبل آدم اور حوا کے واقعہ میں حوا کو مجرم قرار دیتی ہے اور اس جرم کی سزا حوا کی بیٹیوں کو یہ ملتی ہے کہ وہ ہمیشہ محکوم رہیں گی اور مصائب جھیلیں گی۔

بائبل ہی میں مرد کی حیثیت کو یوں بیان کیا ہے کہ وہ عورت کے ہر قسم کے فیصلے بدل سکتا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا کے مقالہ نگار کے مطابق یہودی قانون میں مرد وارث کی موجودگی میں عورت وراثت سے محروم ہو جاتی ہے۔ نیز عورت کو خاوند کے مر جانے کے بعد دوسری شادی کا حق نہیں رہتا۔ عہد نامہ قدیم ہی میں حضرت داؤد علیہ السلام کی نوے بیویاں اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی کئی سو بیویاں بیان کی ہیں۔

یہودی روایات کے مطابق عورت ناپاک وجود ہے اور اس کائنات میں معصیت اسی کے دم سے ہے۔ مسیحیت کے پس منظر میں چونکہ یہودی نظریات تھے اس لئے مسیحی تصور بھی کم و بیش یہی رہا۔ ایک مسیحی رہنما ترٹولیان (Tertullian) کے یہ الفاظ قابل غور ہیں کہ عورت شیطان کے آنے کا دروازہ ہے وہ شجر ممنوعہ کی طرف لے جانے والی اور خدا کے قانون کو توڑنے والی اور خدا کی تصویر مرد کو غارت کرنے

والی ہے۔

پولوس رسول کے خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ حوا نے فریب کھایا اور آدم کو پھسلایا۔ عورت محکوم ہے اور مرد خاتم۔ کاریسوسٹم (Crysostum) جو مسیحیت کے اولیائے کبار میں سے ہے عورت کے متعلق یوں اظہار خیال کرتا ہے: یہ ایک ناگزیر برائی ایک پیدا کنی و سوسہ ایک مرغوب آفت ایک خانگی خطرہ ایک غارت گرد لبرائی اور ایک آراستہ مصیبت ہے۔ ان کے ہاں عورت کو ایک ہی درجہ حاصل ہے کہ وہ مریم کی طرح راہبہ بن جائے ورنہ وہ گناہ کا سبب ہے۔ مسیحیوں کے ہاں ایک مدت تک یہ بحث ہوتی رہی کہ عورت کے اندر روح بھی ہے یا نہیں اور بالآخر فیصلہ یہ ہوا کہ اس کے اندر روح تو ہے لیکن بڑی خبیث روح۔

ہندومت:

ہندومت میں بھی عورت کی حیثیت کچھ ایسی ہی ہے۔ مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی نے اپنی کتاب ”نظام سلطنت“ میں ہندومت کی ایک تصویر کھینچی ہے۔ ذیل کے چند اقتباسات درج کر رہا ہوں جن سے اندازہ ہو سکے گا کہ ان کے ہاں عورت کا کیا مقام ہے؟ منسمرتی میں عورت کے متعلق مختلف آراء کا اظہار کیا گیا ہے جو اس کی حیثیت متعین کرتی ہیں۔ مثلاً جھوٹ بولنا عورت کا ذاتی خاصہ ہے۔

عورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ بچپن میں باپ کے اختیار میں رہے جوانی میں شوہر کے ماتحت اور بیوہ ہونے کے بعد بیٹوں کے اختیار میں رہے خود مختار ہو کر کبھی نہ رہے۔

چاکلیہ برہمن کے بقول دریا مسلح سپاہی بچے اور سینگ رکھنے والے جانور بادشاہ اور عورت پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے۔

جھوٹ بولنا بغیر سوچے سمجھے کام کرنا ’فریب‘ حماقت‘ طمع‘ ناپاکی اور بے رحمی یہ عورت کے جلیبیب ہیں۔

شہزادوں سے تہذیب اخلاق عالموں سے شیریں کلامی قمار بازوں سے دروغ گوئی اور عورتوں سے مکاری سیکھنی چاہئے۔

پھر رسم سستی خود اس بات کا ثبوت ہے کہ عورت کی کوئی حیثیت نہیں۔ عورت کو خلع اور وراثت کا کوئی حق نہیں اس کے رشتہ دار جائیداد لیس گے لیکن اس کو کوئی حصہ نہیں ملے گا اسے مذہبی تعلیم سے بھی محروم کیا جاتا تھا۔ ہندوستان کے مذہبی رہنماؤں میں مہاتما بدھ کا مقام بہت اونچا ہے انہوں نے بیوی بچوں کو چھوڑ کر جنگل میں جا ٹھکانا کیا انہیں عورت سے طبعی نفرت تھی اور اس دھرم میں عورت کی حقیقت نفرت ہی کی حقیقت ہے۔ سنسکرت میں لڑکی کو دوسرے (دور کی ہوئی) بیوی کو چٹنی (مملوکہ) کہا جاتا ہے ان تمام باتوں سے پتا چلتا ہے کہ ہندو معاشرت میں عورت کو کیا مقام حاصل ہے بقول سید سلیمان ندوی مرحوم "اسلام سے پہلے جو اخلاقی مذاہب ہیں ان سب میں عورت اور عورت و مرد کے ازدواجی تعلقات کو اخلاق و روح کی ترقی و مدارج کے لئے مانع تسلیم کیا گیا۔ ہندوستان میں بدھ جین ویدانت اور سادھو پن کے تمام پیرواں نظریہ کے پابند تھے۔ عیسائی مذہب میں تجرد اور عورت سے بے تعلقی کو روحانی کمال کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔

عرب قبل از اسلام:

قبل از اسلام عربوں میں عورت کی حالت اور بھی بدتر تھی۔ لڑکی موجب ذلت سمجھی جاتی تھی۔ بعض قبائل میں لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کا رواج تھا۔ نکاح پر کوئی پابندی نہیں تھی اور ایسا بھی ہوتا تھا کہ بیٹا باپ کی بیوہ سے شادی کر لیتا تھا۔ طلاق دینے کا بھی کوئی متعین قاعدہ نہ تھا۔ عورت کو تنگ کرنے کے مختلف سامان تھے۔ عورت کو وراثت میں کوئی حصہ نہیں ملتا تھا۔ قرآن و سنت نے عربوں کی اس حالت کا نقشہ یوں پیش کیا ہے:

﴿وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ﴾

يَتَوَكَّلُ مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ

فِي التُّرَابِ ۚ (النحل)

"اور ان میں سے کسی کو بیٹی کی خبر دی جائے تو سارا دن اس کا چہرہ بے رونق رہے اور وہ دل ہی دل میں گھٹتا رہے (اور) جس چیز کی اس کو خبر دی گئی ہے اس کی عار سے لوگوں سے چھپا چھپا پھرے (اور سوچے کہ) آیا اس کو بحالت ذلت لئے رہے یا اس کو (زندہ یا مار کر) مٹی میں گاڑ دے۔"

﴿وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمَنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ

كَظِيمٌ﴾ (الزخرف)

"حالانکہ جب ان میں سے کسی کو اس چیز کے ہونے کی خبر دی جاتی ہے جس کو خدا رحمان کا نمونہ یعنی (اولاد) بنا رکھا ہے۔ (مراد بیٹی ہے) تو (اس) قدر ناراض ہو کہ (سارا دن اس کا چہرہ بے رونق رہے اور وہ دل ہی دل میں گھٹتا رہے۔"

﴿وَإِذَا الْمَوْؤُودَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ﴾ (التکوین)

"اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی تھی۔"

صحیح مسلم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول موجود ہے:

((وَاللَّهِ إِنْ كُنَّا فِي الْجَاهِلِيَّةِ مَا نَعِدُ النِّسَاءَ أَمْراً حَتَّىٰ أَنْزَلَ

اللَّهُ فِيهِنَّ مَا أَنْزَلَ وَقَسَمَ لِهِنَّ مَا قَسَمَ)) (مسلم)

"اللہ کی قسم ہم جاہلیت میں تھے اور عورتوں کو کچھ نہیں سمجھتے تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں نازل کیا جو اس نے نازل کیا اور ان کا حصہ

مقرر کیا جو مقرر کیا۔

دور جاہلیت کے جو واقعات کتب احادیث و تفاسیر میں آتے ہیں انہیں پڑھ کر رو گئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور حیرانی ہوتی ہے کہ اس ضعیف مخلوق پر کس قدر مظالم ڈھائے گئے۔ سنن داری میں ایک واقعہ ہے جو اس دور کی صحیح عکاسی کرتا ہے:

((عن الوضیبن أن رجلا أتى النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال: انا کنا اهل جاهلیة وعبدة اوثان فکنا نقتل الاولاد وکانت عندی ابنة لی فلما اجابت وکانت مسرورة بدعائی اذا دعوتها فدعوتها یوما فاتبعتنی فمررت حتی اتیت بثرا من اہلی غیر بعید فاخذت ببدا فردیت بها فی البئر وکان آخر عہدی بها ان تقول: یا ابتاه یا ابتاه فبکی رسول اللہ حتی وکف دمع عینیہ فقال له رجل من جلساء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: احزنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال له: کف فانه یسأل عن اہمہ ثم قال له: اعد علی حدیثک فاعاده فبکی حتی وکف الدمع من عینیہ علی لحیتہ ثم قال له: ان اللہ قد وضع عن الجاہلیة ما عملوا فاستأنف عملک))

”وضیبن سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا حضور ہم جاہلیت والے بتوں کی پوجا کرنے والے لوگ

تھے ہم اپنی اولاد کو قتل کر دیا کرتے تھے میرے ہاں میری ایک بچی تھی اور وہ میرے بلانے پر بہت خوشی ہوتی تھی جب کبھی میں اسے بلاتا ایک دن میں نے اسے بلایا اور وہ میرے پیچھے ہوئی۔ میں اسے لے گیا حتی کہ تھوڑی دور اپنے خاندان کے ایک کونٹوں پر پہنچا میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے کونٹوں میں پھینک دیا اور اس کی آخری بات جو مجھ سے تھی وہ یہ کہ وہ مجھے ابا جان ابا جان کہتی رہی یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم رو پڑے جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آنکھوں کے آنسو ٹپک گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھنے والوں میں سے ایک شخص نے کہا تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غمگین کیا ہے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے روکا کہ یہ شخص ایک ایسی چیز کے بارے میں پوچھ رہا ہے جو اسے بہت بھاری معلوم ہوئی؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی بات دہرائیے اس نے اپنی بات دہرائی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم رو پڑے حتی کہ آنکھوں سے ریش مبارک تر ہو گئی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کے اعمال معاف کر دیئے ہیں اب از سر نو اپنے اعمال کا آغاز کرو۔

قیس بن عاصم نے جاہلیت میں آنے والے دس لڑکیاں دفن کی تھیں۔ اسی طرح نکاح و طلاق کے بارے میں اہل جاہلیت کا دستور نرالا تھا۔ کتب احادیث میں ان سب اشخاص کا ذکر موجود ہے جو قبول اسلام سے پہلے چار سے زائد بیویاں رکھتے تھے ان میں حارث بن قیس اسدی اور غیلان ثقفی کے نام نمایاں ہیں۔

((عن حارث بن قیس الاسدی قال اسلمت و عندی

ثمان نسوة فذكرت للنبي صلى الله عليه وسلم فقال

النبي صلى الله عليه وسلم: اختر منهن اربعاً))

(ابوداؤد)

”حارث بن قیس اسدی کہتے ہیں کہ میں اسلام لایا تو میری آٹھ بیویاں تھیں۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان میں سے چار اختیار کرلو۔“

((ان غیلان بن اسلم الثقفی اسلم وله عشر نسوة فی

الجابلیة فاسلمن معه فأمره النبی ان یتخیر اربعاً

منهن)) (ترمذی)

”غیلان بن اسلم ثقفی رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے اور ان کی دو جابلیت کی دس بیویاں تھیں جو ان کے ساتھ اسلام لے آئیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان میں سے چار کو منتخب کرلو۔“

طلاق پر کوئی پابندی نہیں تھی اور عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لیتے تھے اس طرح دو عدت کو کبھی ختم نہیں ہونے دیتے تھے اور عورت کو تنگ کرتے تھے۔

ابوبکر بصرہ نے احکام القرآن میں سوتیلی ماں سے نکاح کے متعلق لکھا ہے:

((وقد كان نكاح امرأة الاب مستفیضاً شائعاً فی

الجابلیة))

”باپ کی بیوہ سے شادی کر لینا جابلیت میں عام معمول تھا۔“

ترمذی اور ابوداؤد کی ”کتاب الفرائض“ باب ”ما جاء فی میراث الصلب“ میں ہے کہ ثابت بن قیس کی بیوی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر شکایت کی کہ

ثابت جنگ احمد میں شہید ہو گئے ہیں ان کی دو بیویاں ہیں ثابت کے بھائی نے ان کے پورے مال پر قبضہ کر لیا ہے کیونکہ جابلیت میں یہی دستور تھا۔

ان تمام حالات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام سے پہلے عورت کی حیثیت

کیا تھی۔ اب ہمارے لئے نسبتاً آسان ہو گا کہ ہم اسلام کے احکامات کو نمایاں کر سکیں

اور بتائیں کہ اسلام نے عورت کے بارے میں جو رویہ اختیار کیا ہے وہ مقابلہ فریادہ

نہایت اور مفید ہے۔

اسلام میں عورت کی حیثیت

دنیا کے مختلف معاشروں میں بنیادی خرابی اس امر سے پیدا ہوئی کہ عورت اور مرد کے درمیان تخلیقی طور پر امتیاز رکھا گیا اور اسی امتیاز کی بنیاد پر وہ ساری فاسد عمارت کھڑی کی گئی جس میں عورت کو ذلیل ترین سمجھا گیا۔ اسلام نے اس تخلیقی امتیاز کو مٹایا اور انسان کو یہ بتایا کہ مرد اور عورت کی تخلیقی بنیاد ایک ہے دونوں ایک ہی اصل سے آئے ہیں اس لئے پیدائشی اور بنیادی اعتبار سے کسی کو فضیلت حاصل نہیں ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ (النساء)

”اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا اور اس جاندار سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس کے نام سے ایک دوسرے سے سوال کیا کرتے ہو اور قرابت سے بھی ڈرو بالیقین اللہ تعالیٰ تم سب کی اطلاع رکھتے ہیں۔“

اس آیت میں بیک وقت تین چیزیں بیان کی گئی ہیں جن کا معاشرتی زندگی پر گہرا اثر مرتب ہوتا ہے: (۱) وحدت ربانی (۲) وحدت نسل انسانی (۳) وحدت حقوق و فرائض یعنی پہلے اس چیز کو بیان کیا کہ مرد و عورت کا اللہ ایک ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ مرد کا اللہ بڑا رحیم ہے اور عورت کا ظالم۔ دوسرے یہ بیان کیا کہ نسل انسانی ایک ہے اس لئے نسلی اعتبار سے مرد و عورت کے درمیان تفریق نہیں کی جاسکتی۔ تیسرے مرحلہ پر یہ

بات بیان کی کہ انسانی معاشروں میں عام طور پر تقسیم کچھ اس طرح ہوتی رہی ہے کہ حقوق مرد کے حصے میں آتے رہے اور فرائض کا بوجھ عورت کے کندھوں پر ڈالا جاتا رہا، لیکن اس آیت نے حقوق و فرائض کی ذمہ داری دونوں پر برابر ڈالی ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ جس طرح مرد حقوق کا مالک بنتا ہے اسی طرح اس کے فرائض بھی ہیں اور جس طرح عورت پر فرائض کا بوجھ ڈالا جاتا ہے اسی طرح اس کے حقوق بھی ہیں۔ بخاری اور ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول موجود ہے جو حیثیت نسواں پر واضح دلیل ہے:

((عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کنا ننتقی الکلام والانبساط الی نساءنا علی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم مخافة ان یُنزل فینا القرآن فلما مات النبی صلی اللہ علیہ وسلم تکلمنا)) (بخاری)

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اپنی عورتوں سے کھلی بات کرتے ہوئے ڈرتے تھے اس اندیشہ کے پیش نظر کہ کہیں اللہ کی طرف سے حکم نازل نہ ہو جائے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو ہم جی کھول کر باتیں کرنے لگے۔“

اسلام ہی نے دنیا کو بتایا کہ زندگی مرد و عورت دونوں کی محتاج ہے۔ عورت کو کارگاہ حیات میں ذلیل کر کے انسانی معاشرے کی خدمت نہیں کی جاسکتی۔ قدرت ان دونوں صنفوں سے کام لینا چاہتی ہے۔ ان میں سے کسی ایک صنف کا ظلم پوری انسانی زندگی کے لئے فساد کا باعث بن جائے گا۔ عورت کے مسئلے میں قرآنی انداز کے دو پہلو ہیں:

(۱) قرآن عورت کے وقار اور عزت انسانی کو مرد کے مساوی قرار دیتا ہے۔

(ب) عورت کے حقوق و فرائض کا تعین کرتا ہے۔

ہم سب سے پہلے پہلی شق کو لیتے ہیں اس سلسلہ میں تین باتیں قابل غور ہیں:

(۱) قرآن پاک میں جہاں کہیں فضیلت انسانی کا ذکر ہے اس میں مرد و عورت دونوں شریک ہیں۔

(ب) قرآن پاک میں جو یہ اصول بیان کیا گیا ہے کہ انسان کی فلاح کا دار و مدار ایمان و عمل پر ہے وہاں عورت اور مرد دونوں کو شامل کیا گیا ہے یہ نہیں کہ عورت عورت ہونے کی وجہ سے ذلیل ہے اور مرد مرد ہونے کی وجہ سے جنت کا حق دار ہے۔ اللہ کے ہاں نیکی اور تقویٰ ہی شرف قبولیت کا درجہ رکھتا ہے اور وہ مرد و عورت دونوں ہی میں ہو سکتا ہے۔

(ج) قرآن پاک یہ بات قاعدہ کے طور پر بیان کرتا ہے کہ کسی معاشرے کے استحکام اور فساد کا دار و مدار مرد و عورت دونوں پر ہے یہ دونوں ہی مل کر معاشرہ کو صالح بنیادوں پر استوار کر سکتے ہیں اور دونوں ہی تمدنی برابری اور سماجی ہلاکت کا باعث بن سکتے ہیں۔ قرآن پاک کا بیان ہے کہ صالح اور نیک بننے کی صلاحیتیں جس طرح مرد میں موجود ہیں اسی طرح عورت میں بھی موجود ہیں اور شیطنت جس طرح عورت کو خراب کر سکتی ہے اسی طرح مرد کو بھی۔ قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیات ان امور کی تائید کرتی ہیں:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْوَحْشِ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا﴾

(بنی اسرائیل)

”اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی اور ہم نے ان کو خشکی اور سمندر میں

سوار کیا اور نفیس چیزیں ان کو عطا فرمائیں اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فوقیت دی۔

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾ (التین)

”اور ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے۔“

﴿إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِينٍ فَإِذَا سَوَّيْتَهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ﴾ (ص)

جب کہ آپ کے رب نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ میں گارے سے ایک انسان (یعنی اس کے پتے کو) بنانے والا ہوں پھر میں جب اس کو پورا بنا چکوں اور اس میں (اپنی طرف سے) جان ڈال دوں تو تم سب اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔“

ان آیات میں انسانی عظمت کا مجموعی ذکر ہے کسی انسان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی دوسرے انسان کو ذلیل اور ناکارہ سمجھے۔ اسی طرح قرآن پاک نے تقویٰ اور دین و آخرت کی فلاح کا جو معیار مرد کے لئے مقرر کیا ہے وہی عورت کے لئے ہے اس معیار کو پورا کئے بغیر کوئی بھی صحیح مقام حاصل نہیں کر سکتا۔

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أَنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾

(النحل)

”جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اس شخص کو (دنیا میں) پر لطف زندگی دیں گے اور (آخرت میں) ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ان کا اجر دیں گے۔“

﴿إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَبِيلَتَيْنِ وَالْقَبِيلَتَيْنِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّالِحِينَ وَالصَّالِحَاتِ وَالْحَفِظِينَ وَالْحَفِظَاتِ وَالذَّكِرِينَ لِلَّهِ كَثِيرًا وَالذَّكِرَاتِ ۚ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾ (الاحزاب)

”بے شک اسلام کے کام کرنے والے مرد اور اسلام کے کام کرنے والی عورتیں اور ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں اور فرمانبرداری کرتے والے مرد اور فرمانبرداری کرنے والی عورتیں اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور بکثرت اللہ کو یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔“

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أَضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّمَّنْ ذُكِّرُوا
أَنْتَى بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ فَأَلَدِينَ هَاجِرُوا وَأَعْرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ
وَأَوْدُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتِلُوا وَقَتِلُوا لِأَكْفَرَن عَنْهُمْ سُبُلَهُمْ
وَلَا دَخَلَهُمْ جَنَّةٌ تَجْرِى مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَاللَّهُ
عِنْدَهُ حَسَنُ الثَّوَابِ ﴿١٠﴾ (آل عمران)

”سو منظور کر لیا ان کی درخواست کو ان کے رب نے اس وجہ سے کہ میں کسی

شخص کے کام کو جو کہ تم میں سے گزرنے والا ہوا کارت نہیں کرتا خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ تم آپس میں ایک دوسرے کے جزء ہو سو جن لوگوں نے ترک وطن کیا اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور تکلیفیں دیئے گئے میری راہ میں اور انہوں نے جہاد کیا اور شہید ہو گئے ضرور ان لوگوں کی تمام خطائیں معاف کر دوں گا اور ضرور ان کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی یہ عوض ملے گا اللہ کے پاس سے اور اللہ ہی کے پاس اچھا عوض ہے۔“

پس ایسا کہنا ہے ۔
 ﴿التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّابِقُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ
 الْأُمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ وَالْمُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالْحَامِدُونَ لِلَّهِ
 وَرُسُلِهِ ۖ سَنُكَفِّرُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ وَنَجْعَلُ لَهُمْ جَنَّاتٍ ۖ جَنَّاتُ النَّارِ﴾ (التوبة)

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ (التوبة: ۱۱۰)
 ”وہ ایسے ہیں جو (گناہوں سے) توبہ کرتے والے ہیں۔ (اور اللہ کی)
 عبادت کرنے والے ہیں (اور) حمد کرنے والے روزہ رکھنے والے زکوٰۃ
 کرنے والے سجدہ کرنے والے نیک باتوں کی تعلیم کرنے والے اور بری
 باتوں سے باز رکھنے والے اور اللہ کی حدوں (احکام) کا خیال رکھنے
 والے ہیں اور ایسے مومنوں کو (جن میں جہاد اور یہ صفات ہوں) آپ
 خوشخبری سنا دیجئے۔“

عَلَى رَبِّهِ إِنْ طَلَغْتُمْ أَنْ يُبْدِلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِنْكُم مِّسْلِمًا
مُؤْمِنَاتٍ قَانِتَاتٍ تَاحِبَاتٍ عَابِدَاتٍ سَاجِدَاتٍ ثَوَابِتٍ وَابْتَكَارًا

اگر پیغمبر تم عورتوں کو طلاق دے دے تو ان کا پروردگار بہت جلد تمہارے بدلے ان کو تم سے اچھی بیبیاں دے دے گا جو اسلام لانے والی ایمان

لائے والی فرمانبرداری کرنے والی عبادت کرنے والی اور روزہ رکھنے والی ہوں گی کچھ بیوہ اور کچھ کنوا ریاں۔

قرآن پاک یہ بھی بتاتا ہے کہ تمدن کے صلاح و فساد کا دار و مدار دونوں پر ہے۔ یہ کوئی انصاف نہیں ہے کہ ایک کو سراسر عیب و ذلت ثابت کر کے اسے ہر قسم کی پرانی کا باعث قرار دیا جائے اور دوسرے کو نیکو کاری اور عزت کا مستحق بنا دیا جائے۔ قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ دونوں مؤمن بھی ہو سکتے ہیں اور کافر و منافق بھی۔

﴿الْمُتَّقُونَ وَالْمُتَفَكِّهَاتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَنْكِرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ (التوبة)

”منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک طرح کے ہیں کہ بری بات (یعنی کفر و مخالفت اسلام) کی تعلیم دیتے ہیں اور اچھی بات (یعنی ایمان و اتباع نبوی) سے منع کرتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں۔ انہوں نے اللہ کا خیال نہ کیا تو اللہ نے ان کا خیال نہ کیا۔ بلاشبہ یہ منافق بڑے ہی سرکش ہیں۔“

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾

(التوبة)

”اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے (دینی) رفیق ہیں۔ نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کا

کہنا مانتے ہیں۔ ان لوگوں پر ضرور اللہ تعالیٰ رحمت کرے گا۔ بارہ۔ اللہ تعالیٰ قادر (مطلق) ہے حکمت والا ہے۔“

اسلام مرد و عورت کے بنیادی حقوق کو تسلیم کرتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ عورت مختلف حیثیتیں رکھتی ہے اس لئے تفصیلی وضاحت کے لئے ان حیثیتوں کو سامنے رکھنا ضروری ہے مثلاً عورت ماں ہے بیٹی ہے بہن ہے اور بیوی ہے۔ بد قسمتی یہ ہے کہ مرد جب کبھی عورت کے مسائل پر غور کرتا ہے تو خاوند کے نقطہ نظر سے غور کرتا ہے باپ بیٹے اور بھائی کی حیثیت سے نہیں اور فساد کا یہی سبب ہے۔ قرآن و سنت نے عورت کی تمام حیثیتوں سے بحث کی ہے اور ان حیثیتوں کے تعین کے بعد اس کے حقوق و فرائض کا ذکر کیا ہے۔ ہم یہاں پر عورت کی حیثیت کا کچھ ذکر کئے دیتے ہیں تاکہ ایک باپ کو اپنے ماتحتوں کے بارے میں کچھ ہدایت دی جاسکے۔

عورت ماں کی حیثیت سے:

میں اس بات کا ذکر ابھی چند صفحات قبل بھی سرسری طور پر کر آیا ہوں کہ آپ کے مقام کی معراج بحیثیت ماں ہی کے ہے۔ پیاری بیٹیو! اپنے اس مقام کو پہچاننے کیونکہ اس مقام کو آپ بھولے بیٹھی ہیں۔

آئیے میں پھر کچھ قرآن و حدیث سے درج کئے دیتا ہوں تاکہ

محشاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات

قرآن و سنت کے اعتبار سے ماں کا مقام معراج انسانیت ہے۔ ماں کو اس حیثیت سے پیش کیا گیا ہے اور وہ مقام دیا گیا ہے جس کی عظمت کا تصور بھی ممکن نہیں۔ قرآن پاک میں اللہ کی توحید کے بعد دوسرا درجہ والدین کی اطاعت کا ہے اور والدین میں سے بھی والدہ کو ترجیح ہے۔

﴿وَلَوْ أَنَا أَخَذْنَا مِمَّا فِی بَنِي إِسْرَءِیْلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ

إِحْسَانًا وَذَى الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا
وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْكُمْ وَأَنتُمْ
مُعْرِضُونَ ﴿١٠١﴾ (البقرہ)

”اور (دو زمانہ یاد کرو) جب ہم نے (توریت میں) بنی اسرائیل سے قول
وقر ا لیا کہ عبادت مت کرنا (حسی کی) بجز اللہ تعالیٰ کے اور ماں باپ کی
اچھی طرح خدمت گزاری کرنا اور اہل قربت کی بھی اور بے باپ بچوں کی
بھی اور محتاجوں کی بھی اور عام لوگوں سے بھی اچھی طرح (خوش نلقی سے)
کلام کرنا اور پابندی رکھنا نماز کی اور پھر ادا کرتے رہنا زکوٰۃ پھر تم (قول و
قرار کر کے) اس سے پھر گئے بجز معدودے چند کے اور تمہاری تو معمولی
بات ہے اقرار کر کے بٹ جانا۔“

﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِنَّمَا يَبْلُغَنَّ
عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا آفٌ وَلَا تُنْهَرُهُمَا
وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا وَأَخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذَّلِيلِ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ
رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْنِي صَغِيرًا﴾ (بنی اسرائیل)

”اور تیرے رب نے حکم کر دیا ہے کہ بجز اس کے کسی کی عبادت مت کرو اور
تم (اپنے) ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کیا کرو اگر تیرے پاس ان میں
سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو کبھی (باں سے) ہوں بھی
مت کرنا اور نہ ان کو تھڑکنا اور ان سے خوب ادب سے بات کرنا اور ان
کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا اور یوں دعا کرتے رہنا
کہ اسے میرے پروردگار ان دونوں پر رحمت فرما جیسا انہوں نے مجھ کو بچپن
میں پالا پرورش کیا ہے۔“

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَإِنْ جَاهَدَكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا
لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا إِلَىٰ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنتُمْ
تَعْمَلُونَ﴾ (عنکبوت)

”اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا
ہے اور اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا زور ڈالیں کہ تو ایسی چیز کو میرا شریک
نمہرائے جس کی کوئی دلیل تیرے پاس نہیں تو ان کا کہنا نہ مانا تم سب کو
میرے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے پھر میں تم کو تمہارے سب کام (نیک ہوں یا
بد) بتا دوں گا۔“

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حِمْلَتَهُ أُمُّهُ وَهُنَا عَلٰی وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي
عَامَيْنِ اِنَّ اشْكُرْلِي وَكَوَالِدَيْكَ اِلَى الْمَصِيرِ وَاِنْ جَاهَدَكَ عَلٰی اَنْ
تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا
مَعْرُوفَانِ﴾ (القمان)

”اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق تاکید کی ہے اس کی ماں
نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اس کو پیٹ میں رکھا اور دو برس میں اس کا دودھ
چھوٹا ہے کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کیا کر میری ہی طرف
لوٹ کر آنا ہے اور اگر تجھ پر وہ دونوں اس بات کا زور ڈالیں کہ تو میرے
ساتھ ایسی چیز کا شریک نمہرائے جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو ان کا کہنا
نہ ماننا اور دنیا میں ان کے ساتھ خوبی کے ساتھ بسر کرنا۔“

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حِمْلَتَهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ
كُرْهًا وَحَمَلَهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ اَشَدَّهُ وَبَلَغَ اَرْبَعِينَ
سَنًا وَنَسِيَ﴾ (نحلہ)

سَنَةَ قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَى
وَالِدَتِي وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي فُرْجَتِي إِنَّي تَبَتُّ
إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ أُولَئِكَ الَّذِينَ تَتَّقِلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ
مَا عَمِلُوا وَتَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ وَعَدَّ الصِّدْقِ
الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿٥٠﴾

(الاحقاف)

”اور ہم نے انسان کو اپنی ماں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے
اس کی ماں نے اس کو بڑی مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور بڑی مشقت
کے ساتھ اس کو جنا اور اس کو پیٹ میں رکھنا اور دودھ چھڑانا تیس مہینے (میں
پورا ہوتا ہے) یہاں تک کہ جب وہ اپنی جوانی کو پہنچ جاتا ہے اور چالیس
برس کو پہنچتا ہے تو کہتا ہے اے میرے پروردگار مجھ کو اس پر مدد امت دیجئے
کہ میں آپ کی نعمتوں کا شکر کیا کروں گا جو آپ نے مجھ کو اور میرے ماں
باپ کو عطا فرمائی ہیں اور میں نیک کام کروں جس سے آپ خوش ہوں اور
میری اولاد میں بھی میرے لئے صلاحیت پیدا کر دیجئے میں آپ کی جناب
میں تو بہ کرتا ہوں اور میں فرمانبردار ہوں یہ لوگ وہ ہیں کہ ہم ان کے
کاموں کو قبول کر لیں گے ان کے گناہوں سے درگزر کریں گے اس طور پر
کہ یہ اہل جنت میں سے ہوں گے اس وعدہ صادق کی وجہ سے جس کا ان
سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

احادیث:

((عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ من احق

بحسن صحابتی؟ قال امك قال ثم من؟ قال امك قال
ثم من؟ قال امك قال ثم من؟ قال ابوك))

(متفق علیہ)

”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا کہ ایک آدمی نے عرض کیا یا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون
ہے؟ فرمایا: تمہاری ماں۔ بولا: پھر کون؟ فرمایا: تمہاری ماں۔ بولا: پھر
کون؟ فرمایا: تمہاری ماں۔ بولا: پھر کون؟ فرمایا: تیرا باپ۔

((عن المعیرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم ان اللہ حرم علیکم عقوق الامہات ووأد البنات
ومنع وہبات وكرہ لكم قیل وقال وكثرة السؤال واضاعة
المال)) (متفق علیہ)

”حضرت معیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے یقیناً تم پر حرام ٹھہرائی ہے ماؤں کی نافرمانی
اور بیٹیوں کو زندہ کاڑنا اور بخل اور گدائی اور تمہارے لئے برا جانا قیل وقال
اور سوال کی کثرت اور مال ضائع کرنا۔“

((عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم: دخلت الجنة فسمعت فیہا قراءۃ غفلت من ہذا؟
قالوا حارثۃ بن النعمان کذلکم البر کذلکم البر وکان ابر
الناس بامہ)) (بیہقی)

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں جنت میں داخل ہوا اور اس میں قراءت سنی تو میں نے کہا یہ کون ہے؟ بولے: حارث بن نعمان۔ نیکی یوں ہوتی ہے۔ نیکی یوں ہوتی ہے اور وہ اپنی ماں سے سب لوگوں سے بڑھ کر نیکی کرتے تھے۔

((عن بهز بن حکیم عن ابيه قال قلت يا رسول الله من أبر؟ قال: امك. قلت: ثم من؟ قال: امك. وقلت: ثم من؟ قال: امك. قلت: ثم من؟ قال: اباك ثم الاقرب فالاقرب))

(الترمذی و ابوداؤد)

”حضرت بہز بن حکیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کس سے نیکی کروں؟ فرمایا: اپنی ماں سے میں نے عرض کیا پھر کس سے؟ فرمایا: اپنی ماں سے میں نے عرض کیا پھر کس سے؟ فرمایا: اپنے باپ سے پھر قریب تر اور قریب تر۔

((عن ابی بکرۃ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كل الذنوب يغفر الله منها ما شاء. الا عقوق الوالدين فانه يعجل لصاحبه في الحياة قبل الممات))

(مشکوٰۃ)

”حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ چاہے تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے سوائے والدین کی نافرمانی کے وہ اس کے مرتکب کے لئے مرنے سے پہلے زندگی

ہی میں (سزا میں) ثبات کرویتا ہے۔

ان آیات و احادیث میں ماں کو جو حیثیت دی گئی ہے اس کے سامنے دنیا و جہان کی عظمتیں بچ ہیں۔

عورت بیٹی کی حیثیت سے

والدہ کے بعد عورت کی دوسری قابل عزت حیثیت بیٹی کی ہے۔ بیٹی کے ساتھ رحمت و شفقت کا سلوک قرآن و سنت کا واضح اصول ہے۔ قرآن نے زندہ درگور کرنے کو جہنم جانے کا سبب اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹی کی تربیت اور اس کے ساتھ شفقت کو آگ سے نجات کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیات و احادیث سے بیٹی کی حیثیت پر روشنی پڑتی ہے۔

﴿وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ﴾

”اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی تھی۔“

((عن عائشة قالت: جاء تنى امرأة ومعها ابنتان لبا تسألنى قلم تجد عندى غير تمر واحدة فاعطيتها اياها فقسمتها بين ابنتيها ولم تاكل منها ثم قامت فخرجت فدخل النبی صلى الله عليه وسلم فحدثته فقال: من ابنتى من هذه البنات بشىء، فاحسن اليهن كن له سترا من النار)) (متفق عليه)

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ایک عورت میرے پاس مانگنے آئی اور اس کے ہمراہ اس کی دو بیٹیاں تھیں اس نے

میرے پاس ایک کجور کے سوا کچھ نہ پایا تو میں نے اسے وہی دے دی تو اس نے اسے اپنی بیٹیوں پر تقسیم کر دیا اور اس نے خود نہ کھایا پھر اٹھ کھڑی ہوئی اور باہر چلی گئی اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر آئے اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو ان بیٹیوں کی کچھ آزمائش میں ڈالا گیا اور اس نے ان سے اچھا سلوک کیا تو وہ اس کے لئے آگ سے آڑ ہوں گی۔

((عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من عال جاريتين حتى تبلغا جاء يوم القيامة انا وهو هكذا وضم اصابعه)) (مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے دو لڑکیوں کی ان کے بالغ ہونے تک پرورش کی وہ اور میں قیامت کے روز اس طرح آئیں گے اور آپ نے اپنی انگلیوں کو ملایا۔

((عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كانت له انثى فلم يندبها ولم يهبتها ولم يؤثر ولده اليها يعني الذكور ادخله الله الجنة)) (ابو داؤد)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کی کوئی انثی (بہن یا بیٹی ہو) اور وہ اسے زندہ نہ گاڑے اور اس کی توجہ نہ کرے اور اپنے بیٹے کو اس پر ترجیح نہ دے تو اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا۔

((عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كانت له انثى فلم يندبها ولم يهبتها ولم يؤثر ولده اليها يعني الذكور ادخله الله الجنة)) (ابو داؤد)

وسلم: من آوى يتيما الى طعمه وشرباه اوجب الله له الجنة البتة الا ان يعمل ذنباً لا يغفر ومن عال ثلاث بنات او مثلهن من الأخوات فادبهن ورحمهن حتى يغنيهن الله اوجب الله له الجنة فقال رجل: يا رسول الله او اثنتين قال: او اثنتين حتى لو قالوا او واحدة لقال واحدة)) (مشکوٰۃ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی یتیم کو اپنے کھانے پینے میں ساتھ رکھا تو اللہ نے اس کے لئے جنت لازم ٹھہرائی سوائے اس کے کہ کوئی ایسا گناہ کرے جس کی بخشش نہ ہو سکے اور جس نے تین بیٹیوں یا ان کی طرح تین بہنوں کی پرورش کی اور انہیں سلیقہ سکھایا اور ان پر ترس کھایا یہاں تک کہ اللہ نے انہیں بے نیاز کر دیا تو اللہ نے اس کے لئے جنت لازم ٹھہرا دی۔ اس پر ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ اور دو ہوں تو؟ فرمایا: اور (چاہے) دو (ہوں) یہاں تک کہ لوگ اگر ایک کہتے تو آپ ایک ہی کا فرماتے۔

مسلم کی کتاب الناقب میں حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد موجود ہے:

((فانما ابنتي بضعة مني يربيني عا رابها ويؤدبيني ما اذابا))

(مسلم)

”بلاشبہ میری بیٹی میرا جگر گوشہ ہے جو چیز اس کے لئے باعث تشویش ہوگی وہ میرے لئے بھی پریشانی کا سبب بنے گی اور جو بات اس کے لئے

موجب اذیت ہوگی وہ مجھے تکلیف دے گی۔

ترمذی کے ابواب المناقب باب "ما جاء فی فضل فاطمہ" میں مذکور ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کون زیادہ محبوب تھا؟ تو آپؐ نے فرمایا: فاطمہ۔

ان آیات و احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے بنی کی حیثیت سے عورت کو کتنا معزز و محترم سمجھا ہے۔ اسلامی تعلیمات پر نظر رکھنے والا کوئی شخص بھی عورت کی عظمت کا منکر نہیں ہو سکتا۔

عورت بیوی کی حیثیت سے

بیوی کی حیثیت سے عورت ہمیشہ مظلوم رہی ہے کیونکہ یہی وہ تعلق ہے جس میں مرد کو اپنے اختیارات استعمال کرنے کا موقع ملتا ہے۔ اس تعلق میں عورت کے لئے ہر معاشرے میں فرائض تو مقرر کئے گئے لیکن حقوق سے اسے محروم رکھا گیا۔ ہم نے پہلے مختلف معاشروں کی تعلیمات کو دیکھا ہے جن میں عورت مکمل طور پر مرد کے رحم و کرم پر ہے اور اس کی انفرادی حیثیت کا کہیں نام و نشان بھی نہیں ملتا۔ اسلام نے اس حیثیت میں بھی عورت کو بلند مقام بخشا، اس کے انفرادی تشخص کو تسلیم کر کے اس کے فرائض کے ساتھ اس کے حقوق بھی بیان کئے۔ قرآن و سنت کی واضح نصوص سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عورت کے ذمہ فقط فرائض ہی نہیں اس کے کچھ حقوق بھی ہیں اسلام جن کا تحفظ کرتا ہے اور جن کی رعایت مرد کا فریضہ ہے وہ یہ ہیں:

مہر، نان و نفقہ، خلع اور حسن سلوک وغیرہ۔ اس کی تفصیل حقوق الزوجین میں آئے گی۔

حقوق میں مساوات:

اسلام نے بحیثیت مجموعی عورت کو سر بلند کرنے میں بڑا کارنامہ سر انجام دیا ہے۔ اس نے انسانی و اخلاقی اعتبار سے عورتوں کو مردوں کے مساوی قرار دیا۔ معاشی طور پر بھی اسے اس محرومی سے نجات دلائی جو مختلف معاشروں میں روا رکھی گئی تھی۔ مثلاً قرآن و سنت نے وراثت میں عورت کے مستقل حصے بیان کئے تاکہ اس قانون سے کسی وقت بھی ظالمانہ رویے کا انداد ممکن ہو سکے۔ عورت کی عظمت کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی کافی ہے:

((عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم

حبیب الی من دنیا کم النساء والطیب وجعلت قرۃ عینی

(فی الصلۃ) (مس نسائی)

”تمہاری دنیا میں سے مجھے عورتیں اور خوشبو عزیز ہیں اور نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔“

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کے لئے جو مجموعہ قوانین تیار کر لیا اس میں عورت کی قانونی مساوات کا ذکر کیا۔ یہی نے سنن کبریٰ میں ایک جملہ نقل کیا ہے جس سے قرآنی آیات: ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ﴾ (البقرہ) کی تشریح ہوتی ہے۔

((ان الرجل یقتل بالمرأۃ)) - (بیہقی)

”بلاشبہ مرد عورت کے بدلے قتل کیا جائے گا۔“

ابوبکر بصاص نے احکام القرآن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کا ذکر کیا ہے جس میں آپ نے ایک عورت کے قصاص میں ان کئی مردوں کو قتل کرایا تھا جو اس کے خون میں شریک تھے۔ ابوداؤد نے کتاب الدیات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول نقل کیا ہے کہ عورت امان اور پناہ دے سکتی ہے۔

”حضرت عائشہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نقل کرتی ہیں: مقتول کے لواحقین

پر لازم ہے کہ وہ (جان لینے سے) رک جائیں اگر کوئی قریبی رشتہ دار معاف کر دے خواہ وہ عورت ہی کیوں نہ ہو۔“

((عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال:

ان المرأة لتأخذ للقوم یعنی تجیر علی المسلمین))

(ابوداؤد)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: بلاشبہ عورت مسلمانوں کے فائدے کے لئے دشمن کو پناہ دے سکتی ہے۔“

بخاری نے ”کتاب الجہاد“ میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد نقل کیا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چھوٹی بہن کے سلسلے میں فرمایا تھا:

((قد اجرنا من اجرت یا ام ہانی)) (بخاری)

”ام ہانی تم نے مجھے پناہ دی اسے ہماری بھی پناہ ہے۔“

سورہ نساء کی مختلف آیات کے ذریعہ عورت کے مالی حقوق بھی متعین کر دیئے ہیں اور اسے خلع کا حق دے کر شخص آزادی کا بھی تحفظ کیا:

﴿لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ

مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا﴾

(النساء)

”مردوں کے لئے بھی حصہ ہے اس چیز میں سے جس کو ماں باپ اور بہت

نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جائیں اور عورتوں کے لئے بھی حصہ ہے اس

چیز میں سے جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جائیں

خواہ وہ چیز قلیل ہو یا کثیر ہر حصہ قطعی۔“

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ الْإُنثَىٰ﴾

(النساء)

”اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے باب میں لڑکے کا حصہ دو

لڑکیوں کے حصے کے برابر۔“

﴿وَلَا تَتَّبِعُوا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِكُمْ بَعْضُكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ

مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ﴾ (النساء)

”تم ایسے کسی امر کی تمنا مت کیا کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو

بعضوں پر فوقیت بخشی ہے مردوں کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے اور عورتوں کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے۔

اسلام عورت کو مظلومیت کے اس جال سے نکالنے کے بعد اسے یوں آزاد نہیں چھوڑتا کہ وہ بے ہنگم زندگی گزارے بلکہ وہ اس کی تعلیم و تربیت کے لئے اصول وضع کرتا ہے اس کے لئے دائرہ کار متعین کرتا ہے اور اسے خوب و ناخوب کی شناخت عطا کرتا ہے اسلام اس کے واسطے وہ طرز عمل تجویز کرتا ہے جس کے ذریعے وہ انسانی معاشرت کے لئے رحمت بن سکے اور اسے ان راہوں سے دور رکھتا ہے جن پر چل کر وہ معاشرتی آفت کا روپ دھار لیتی ہے۔ اسلام نے اس سلسلہ میں دو چیزوں کو بنیاد بنایا ہے۔

(۱) صحیح تعلیم (۲) عمدہ تربیت

مسلمان عورت اگر ان دو چیزوں کو اپنائے تو وہ ملت اسلامیہ کے لئے پاکیزہ روح کا کام دے سکتی ہے وگرنہ حقوق اور تحفظات کی ہر جنگ میں بد اخلاقی کے پہلوؤں کو دور نہیں کیا جاسکے گا۔

بچیوں کی تعلیم و تربیت

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن! کہتے ہیں اسی علم کو ارباب نظر موت اسلام چونکہ اپنا مخصوص فکری و عملی نظام رکھتا ہے اس لئے اس نظام میں وہی فرد ٹھیک چل سکتا ہے جس کی تربیت اس منہج پر ہوئی ہو۔ جس قدر کوئی فرد فکری ناچنگی اور بے تربیتی کا شکار ہوگا اسی قدر وہ معاشرے کو ضرر پہنچائے گا یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کو ایک فریضہ قرار دیا۔

((اطلب العلم قریضۃ علی کل مسلم)) (مشکوٰۃ)

”علم حاصل کرنا ہر مسلمان (مرد و عورت) کا فریضہ ہے۔“

تعلیم اور دین سے واقفیت پر مسلمان کی زندگی کا دار و مدار ہے اس واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو بھی مستثنیٰ نہیں قرار دیا۔ عورتوں کی تعلیم کی طرف تو آپ کی خصوصی توجہ تھی حتیٰ کہ بیعت اسلام کے وقت جو شرائط بیان کی جاتی تھیں وہ ایک طرح کی تعلیم تھی سورہ ممتحنہ میں بیعت کے اصولوں کا ذکر ملتا ہے عورتوں سے بیعت لیتے وقت آپ جو عہد لیتے تھے اسے قرآن حکیم نے یوں بیان کیا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يَبْكِينَكَ عَلَىٰ أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيَنَّكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْنَهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (الممتحنة)

”اے پیغمبر جب مسلمان عورتیں آپ کے پاس (اس غرض سے) آئیں کہ آپ سے ان باتوں پر بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ

کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہ بہتان کی اولاد لائیں گی جس کو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان (نظرِ شوہر سے جتنی ہوئی دعویٰ کر لے) بنالیں اور شروع باتوں میں وہ آپ کے خلاف نہ کریں گی۔ تو آپ ان کو بیعت کر لیا کیجئے اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کیا کیجئے بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم میں عورتوں کا خاص لحاظ رکھا تھا، جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں عورتیں شریک ہوتی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات سے مستفیض ہوتی تھیں۔ حارث بن نعمان رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کہتی ہیں:

((ما حفظت ق الا من فی رسول اللہ یخطب بہا کل جمعة))

(مسلم)

”میں نے سورۃ ق صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یاد کی ہے وہ ہر جمعہ اسی سے خطبہ دیتے۔“

ابن سعد نے طبقات میں خولہ بنت القیس الجندیہ کا قول یوں نقل کیا ہے:

((كنت اسمع خطبة رسول الله صلى الله عليه وسلم

يوم الجمعة واذا في مؤخر النساء))

”میں جمعہ کے روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ سنتی تھی اور میں عورتوں کے اخیر میں تھی۔“

آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو عورتوں کی تعلیم کا اس قدر احساس تھا کہ کئی مرتبہ نماز کے بعد دوبارہ عورتوں کی جانب تشریف لے جاتے اور پھر ان کو دین کی باتیں سناتے۔ بخاری نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے اس سے آپ کے اہتمام کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

((عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خرج ومعه بلال فظن انه لم يسمع النساء فوعظهن وامرهن بالصدقة فجعلت المرأة تلقى القرط والخاتم وبلال ياخذ في طرف ثوبه))

(بخاری)

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور ان کے ساتھ بلال رضی اللہ عنہ تھے انہیں خیال آیا کہ عورتوں نے نہیں سنا آپ نے انہیں نصیحت کی اور انہیں صدقہ کرنے کا حکم دیا تو عورتوں نے بالیاں اور انگوٹھیاں پھینکنی شروع کیں اور بلال کپڑے کے پلو میں رکھتے جاتے۔“

ایک سبق آموز واقعہ:

شیخ علی متقی عارف باللہ فرماتے ہیں کہ ایک متقی و صالح شخص کب معاش کرتے تھے اور ان کا معمول تھا کہ جو کچھ کماتے پہلے تو اس میں سے ایک تہائی خدا کی راہ میں خرچ کر دیتے پھر ایک تہائی اپنی ضروریات پر صرف کرتے اور ایک تہائی اپنی کب معاش کے ذریعے میں لگا دیتے ایک دن ان کے پاس ایک دنیا دار شخص آیا اور کہنے لگا کہ شیخ! میں چاہتا ہوں کہ کچھ مال خدا کی راہ میں خرچ کرو وہ مستحق شخص ہی کے پاس پہنچے گا۔ دنیا دار شخص نے اسے مبالغہ پر محمول کیا، شیخ نے کہا اچھا تم جاؤ تمہیں جو شخص بھی ایسا ملے جس کے لئے تمہارے دل میں جذبہِ رحم پیدا ہوا اسے صدقہ کا مال دے دینا چنانچہ وہ شخص جب شیخ کے پاس سے اٹھ کر آیا تو اس نے ایک بوڑھے اندھے کو دیکھا جس کے لئے اس کے دل میں جذبہِ رحم پیدا ہوا اور یہ سمجھ کر کہ صدقہ کا مال کا اس بے چارے سے زیادہ کون مستحق ہو سکتا ہے؟ اپنے کمائے ہوئے مال میں سے اسے کچھ

حصہ خیرات کر دیا۔ جب دوسرے دن وہ ضعیف و نایاب شخص کے پاس کے گزرا تو اس نے سنا کہ وہ اپنے پاس کھڑے ہوئے ایک دوسرے شخص سے کل کا واقعہ بیان کر رہا تھا کہ کل میرے پاس سے ایک مالدار شخص گزرا اس نے اتنا مال مجھے دیا کہ جسے میں نے فلاں پید کا شخص کے ساتھ شراب نوشی میں لٹا دیا۔ وہ دنیا دار یہ سنتے ہی شیخ کے پاس آیا اور ان سے پورا ماجرا بیان کیا شیخ نے یہ واقعہ سن کر اپنی کمائی میں سے ایک درہم اسے دیا اور کہا کہ اسے رکھو اور یہاں سے نکلتے ہی سب سے پہلے تمہاری نظر جس پر پڑے اسے یہ درہم بطور خیرات دے دینا چنانچہ وہ شیخ کا دیا ہو درہم لے کر گھر سے باہر نکلا تو اس کی نظر سے سے پہلے ایک اچھے خاصے شخص پر پڑی جو بظاہر کھانا پیتا معلوم ہو رہا تھا پہلے تو وہ دیتے ہوئے جھجکا مگر چونکہ شیخ کا حکم تھا اس لئے اس نے مجبور وہ درہم اس شخص کو دے دیا۔ اس شخص نے وہ درہم لے لیا اور اپنے پیچھے کی طرف مڑ کر چل دیا اس کے ساتھ ساتھ وہ مالدار بھی چلا اس نے دیکھا کہ وہ شخص ایک کھنڈر میں داخل ہوا اور وہاں سے دوسری طرف نکل کر شہر کی راہ پکڑی مالدار بھی اس کے پیچھے کھنڈر میں داخل ہوا وہاں اسے کوئی چیز نظر نہ آئی البتہ اس نے ایک مرا ہوا کبوتر دیکھا وہ پھر اس شخص کے پیچھے پیچھے ہو لیا پھر اسے قسم دے کر پوچھا کہ بتاؤ تم کون ہو؟ اور کس حال میں ہو؟ اس نے کہا کہ میں ایک غریب انسان ہوں میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں وہ بھوکے تھے جب مجھ سے ان کی بھوک کی شدت دیکھی نہ گئی اور انہماکی اضطراب و پریشانی کے عالم میں ان کے لئے کچھ انتظام کرنے کی خاطر گھر سے نکل کھڑا ہوا تو میں سرگرداں پھر رہا تھا کہ یہ مرا ہوا کبوتر مجھے نظر آیا مرنے کی مانند کرتا؟ میں نے یہ کبوتر اٹھالیا اور اسے لے کر گھر کی طرف چلا تا کہ اس کے ذریعے بھوک سے بلکتے بچوں کی کچھ تسکین دلاؤں مگر جب خدا نے تمہارے ذریعے یہ درہم مجھے عنایت فرما دیا تو یہ کبوتر جہاں سے اٹھایا تھا وہیں پھینک دیا۔ اب اس مالدار کی آنکھ کھلی اور اسے معلوم ہوا کہ شیخ کو وہ قول مبالغہ پر محمول نہیں تھا بلکہ حقیقت یہی ہے کہ حلال مال اچھی جگہ اور حرام

مال بری جگہ خرچ ہوتا ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا نَقَصْتُ صَدَقَةً مِنْ مَالٍ وَمَا زَادَ اللَّهُ غِنًى بِغَفْوٍ إِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدُكُمْ إِلَّا رَفَعَهُ اللَّهُ (رواہ مسلم)

صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ والآداب باب استحباب العفو والتواضع ا ح ۶۸۹

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا۔ صدقہ دینا مال میں کمی نہیں کرتا اور جو شخص کسی کی خطا معاف کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت میں اضافہ کرتا ہے نیز جو شخص محض خدا کے لئے تواضع و عاجزی اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا مرتبہ بلند کرتا ہے۔

صدقہ مال میں اضافہ کا باعث بن جاتا ہے:

یہاں تین باتیں بتائی جا رہی ہیں کہ ایک تو یہ کہ اپنے مال میں سے کچھ حصہ خدا کی راہ میں خرچ کرنا اگرچہ ظاہری طور پر مال میں کمی و نقصان کا سبب ہوتا ہے مگر حقیقت میں صدقہ و خیرات مال میں زیادتی کا سبب ہوتا ہے بایں طور کہ صدقہ و خیرات کرنے والے کے مال میں برکت عطا فرمائی جاتی ہے وہ اور اس کا مال آفت و بلا سے محفوظ رہتا ہے اور اس کے نامہ اعمال میں ثواب کی زیادتی ہوتی ہے بلکہ دنیا میں بھی اسے اس طرح نعم البدل عطا فرمایا جاتا ہے کہ اس کا مال بڑھتا رہتا ہے۔

دوسری بات یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ جو شخص کسی دوسرے کا قصور لینے پر قادر ہونے کے باوجود معاف کر دیتا ہے اور اس کی خطا سے درگزر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی عزت بڑھاتا ہے چنانچہ ایک عارف کا قول منقول ہے کہ "کوئی بھی انتقام غفود درگزر کے برابر نہیں ہے۔"

تیسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ جو شخص کسی غرض و منفعت کی خاطر نہیں بلکہ صرف اللہ جل شانہ کی رضا و خوشنودی اور اس کا قرب حاصل کرنے کے جذبے سے تواضع و عاجزی اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کا مرتبہ بلند کرتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس توجہ کے نتیجے میں خواتین کے اندر حصول تعلیم و تربیت کا جو احساس پیدا ہوا اس کی شہادت بخاری کی ”کتاب العلم“ کی یہ روایت دیتی ہے:

((عن ابی سعید الخدری قالت النساء للنبی: غلبنا عليك الرجال فاجعل لنا يوما من نفسك. وعدہن يوما لقیبن فیہ فوعظہن وامرہن)) (بخاری)

”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عورتوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ مردوں نے آپ سے ہماری نسبت زیادہ حصہ لیا ہے۔ آپ ہمارے لئے ایک مخصوص دن رکھیں آپ نے ایک دن کا وعدہ فرمایا: اس میں آپ ان سے ملے انہیں نصیحت کی اور صدقہ کا حکم دیا۔ اسی طرح کا واقعہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن سے منقول ہے:

((اقلت: خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال:

یا معشر النساء! اما لکن فی الفضة اما تحلین اما انه لیس منكن امرأة تحلی ذہبا الا عذبت به)) (مسند احمد)

”کہتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے خطاب فرمایا: اے گروہ خواتین! تمہیں چاندی کی طرف رغبت نہیں تم اس کے زیور نہیں پہنتی ہو ستم تم میں سے کوئی سونے کے زیور پہنے گی تو اسے عذاب دیا جائے گا۔“

آپ کے نزدیک تعلیم نسوان کی اتنی اہمیت تھی کہ اگر آپ خود نہ جاسکتے تو کسی

نمائندہ کو بھیج دیتے آپ اس اہم امر سے غافل نہیں رہے۔ آپ کے نزدیک معاشرے کے استحکام میں عورت کی تعلیم و تربیت کو بڑا دخل ہے۔ ابوداؤد کی کتاب الصلوٰۃ میں ام عطیہ کی ایک روایت موجود ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی توجہ کی نشان دہی کرتی ہے:

((عن ام عطیة ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما قدم المدينة جمع نساء الانصار فی بیت فارسل الینا عمر بن الخطاب فقام علی الباب فسلم علینا فرددنا علیہ السلام ثم قال: انا رسول اللہ الیکن وامرنا بالعیدین ان تخرج فیہا الحیض والعق و لا جمعة علینا ونہانا عن اتباع الجنائز)) (ابوداؤد)

”حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی عورتوں کو ایک گھر میں جمع کیا اور ہماری طرف حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ انہوں نے دروازے پر کھڑے ہو کر ہمیں سلام کیا اور ہم نے جواب دیا۔ اس کے بعد انہوں نے کہا: میں تمہاری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہوں۔ انہوں نے ہمیں حکم دیا کہ ہم سے نوجوان اور حیض والی عورتیں عیدین کے لئے جائیں اور ہم پر جمعہ فرض نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جنازوں کے پیچھے چلنے سے بھی منع کیا۔“

ابوداؤد کی کتاب الآداب میں ایک خاتون کی تعلیم کے ضمن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد موجود ہے کہ اسے صبح اٹھتے ہی مندرجہ ذیل دعا پڑھنی چاہئے:

((سبحان اللہ وبحمدہ ولا قوۃ الا باللہ ما شاء اللہ کان

وَمَالٍ يَشَاءُ لَمْ يَكُنْ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ

اللَّهُ قَدِيرٌ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ عَالِمٌ)) (ابوداؤد)

”پاک ہے اللہ اپنی تعریف کے ساتھ قوت اسی کے ذریعے مل سکتی ہے اللہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے جو وہ نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔ وہ ہر شے پر قادر ہے اور اسی کے علم نے ہر شے کا احاطہ کر رکھا ہے۔“

قرطبی نے سورہ نور کی تفسیر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

((اعلموا نساء، کم سورة نور)) (قرطبی)

”اپنی عورتوں کو سورہ نور سکھاؤ۔“

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

((ما رأيت أحداً من الناس أعلم بالقرآن ولا بفريضة ولا

بحلال وحرام ولا بشعر ولا بحديث العرب ولا بنسب

من عائشة)) (ذهبی)

”میں نے لوگوں میں سے کسی شخص کو قرآن، فرائض، حلال و حرام، شعر، اخبار

عرب اور نسب کے بارے میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ عالم نہیں

دیکھا۔“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان توجیہات کا نتیجہ تھا کہ اس عہد کی خواتین حصول علم کے میدان میں مردوں کے برابر چلتی نظر آتی ہیں۔ ازواجِ مطہرات خواتین کے علم کا بڑا ذریعہ تھیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا علمی و ادبی مقام تو ایک مسلم حقیقت ہے حدیث و فقہ میں ان کو خصوصی درجہ حاصل ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے پر اکثر صحابہ بھی ان سے مشورے کرتے تھے سیرت و رجال کی رو سے اکثر آپ ہی کی رائے صائب ہوتی، دور صحابہ و تابعین میں خواتین کی علمی

سرگرمیاں تو عیاں ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعد کے ادوار میں بھی خواتین بہت نمایاں ہیں۔ مشہور محدث اور شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی کی سوانح میں سخاوی نے لکھا ہے کہ حافظ کے اساتذہ میں کئی خواتین بھی شامل ہیں مثلاً فاطمہ بنت عبد البہادی اور عائشہ بنت عبد البہادی، حضرت عائشہ کی شاگرد عمرہ بنت عبد الرحمن بہت معروف ہیں مشہور محدث امام زہری ان کے شاگرد ہیں۔ فرماتے ہیں کہ مجھے قاسم بن محمد نے مشورہ دیا کہ میں اس خاتون کے پاس جایا کروں، میں نے محسوس کیا کہ واقعی وہ علم کا نہ ختم ہونے والا سمندر ہیں۔ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں ان مشہور خواتین کا ذکر کرتے ہیں جو علمی اعتبار سے بلند مقام رکھتی تھیں۔

حافظ ابن حجر نے الاصابہ فی تمییز الصحابہ میں ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے متعلق لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پختہ عقل اور صائب رائے سے نوازا تھا۔

((كانت ام سلمة موصوفة بالجمال البارع والعقل البالغ

والرأى الصائب))

”ام سلمہ رضی اللہ عنہا انتہائی حسن کے ساتھ پختہ عقل اور درستی رائے سے

بھی متصف تھیں۔“

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی زینب بنت ابی سلمہ بقول حافظ ابن عبد البر افقہ النساء تھیں۔ تعلیم کی طرف یہ توجہ اس لئے دلائی گئی تھی کہ عورت دین و اخلاق کے لحاظ سے تربیت یافتہ ہو مگر اس تربیت کے لئے تعلیم ضروری ہے اسی لئے مختلف طریقوں سے اس کی حوصلہ افزائی کی۔ ہمارے فقہاء نے عورت کے حق تعلیم کو قانوناً تسلیم کیا ہے اور عورت اس حق کی طلب میں عدالت تک کا دروازہ کھٹکھٹا سکتی ہے۔ اس کی مفصل بحثیں ہمارے فقہاء کے ہاں موجود ہیں مثلاً فتاویٰ قاضی خان فتاویٰ مانگیری وغیرہ۔

عمدہ تربیت:

چونکہ ساری تعلیم کا مقصد اخلاق و تقویٰ کی تربیت ہے اس لئے قرآن و سنت نے فکری اصلاح کے ساتھ اخلاق و عمل کی اصلاح پر بڑا زور دیا ہے وہ تمام احکام اسے سکھائے گئے ہیں جو اسلامی معاشرے کے بہترین فرد بننے کے لئے ضروری ہیں۔ خواتین کا بالخصوص یہ خیال کیا گیا کہ وہ عزت و حیا کے ساتھ زندگی گزاریں اور کتاب و سنت کی پیروی کو اپنا شعار بنائیں اسلام نے اس کے لئے دوامد نظر رکھے ہیں۔

① ان تمام اعمال و حرکات سے اسے روک دیا ہے جو اسلامی نقطہ نظر سے اس کی نسوانی شخصیت کے لئے مضر ہیں۔

② ان اصولوں کی پیروی جو مشیت کے طور پر مومنہ کے لئے ضروری ہیں۔

قرآن و سنت نے ان تمام امور کی نشان دہی کی ہے جن سے مسلم خواتین کو بچنا چاہئے مثلاً مسلم کے کتاب اللباس میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو عورتیں مصنوعی بال گوندھتی ہیں، دانتوں کو گھس کر خوبصورت بناتی ہیں ان پر اللہ کی لعنت ہے۔ یہ سن کر ایک خاتون نے کہا کہ تمہاری بیوی بھی تو ایسا کرتی ہے۔ عبداللہ نے کہا: اگر وہ ایسا کرتی ہے تو وہ عقد میں نہیں رہ سکتی جاؤ دیکھو چنانچہ اس عورت کا خیال غلط نکلا۔ اسی کتاب میں ایک اور ارشاد ملاحظہ فرمائیے:

(اودسما کاسیات عاریات ممیلات مانلات رؤوسین

کاسنمة البخت المائلة لا یدخلن الجنة ولا یجدن

ریحہا وان ریحبہا لتوجد من مسیرة کذا و کذا) (مسلم)

”وہ عورتیں جو لباس پہننے کے باوجود عریاں رہتی ہیں جو منک منک کر چلتی

ہیں اور جو اونٹ کے گوبان کی طرح اپنے کندھوں کو ہلا ہلا کر ناز و ادا کا

اظہار کرتی ہیں وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گی بلکہ اس کی خوشبو بھی نہیں

سوجھ سکیں گی حالانکہ جنت کی مہک دور تک پھیلی ہوگی۔“

اسی طرح قرآن و سنت میں شرک، چغلی، غیبت، بہتان تراشی اور اسی قبیل کی دوسری حرکات سے منع کیا گیا ہے اور مومن خواتین سے یہ توقع کی گئی ہے کہ وہ اس قسم کی حرکات نہیں کریں گی۔ دراصل اسلام یہ چاہتا ہے کہ اسلامی معاشرے کی خاتون دین و اخلاق کا مجسمہ ہو۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے عورت جہی معاشرے کے لئے مفید ہو سکتی ہے کہ وہ دین و اخلاق میں اونچا مقام رکھتی ہو ورنہ اس کی بد اخلاقی و بد کرداری پورے معاشرے کو جہنم میں بدل سکتی ہے۔ چونکہ معاشرے کا اجتماعی شعور انفرادی تربیت ہی سے پختہ ہوتا ہے اس لئے اسلام نے انفرادی تربیت پر بڑا زور دیا ہے۔ اسی تربیت کا ایک حصہ تو وہ تعلیم تھی جسے خواتین کے لئے ضروری قرار دیا اور اس میں بھی ان پہلوؤں کو زیادہ مد نظر رکھا جن میں اخلاق کی پختگی، سیرت کی تعمیر اور تقویٰ کے احساس کو دخل ہے۔ تربیت کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ عورت کے لئے حدود کا متعین کر دیئے جائیں اسے فکری طور پر یہ سمجھایا جائے کہ اس کی عملی زندگی کے لئے یہ حدود ہیں اور عملاً اسے زندگی کے اسی دائرہ کار میں کام کرنے کا موقع ملے جو اس کیلئے ضروری بھی ہے اور مفید بھی۔ اس کی زندگی سے ان تمام مواقع کو ختم کر دیا جائے جن سے اس کی تربیت پر اثر انداز می کا شبہ ہو سکتا ہے۔ مثلاً ہماری زندگی کا ایک پہلو اجتماعی ہے اس اجتماعی زندگی کی تنگ و دو میں بوقت ضرورت عورت نمایاں حصہ لے سکتی ہے مگر عام حالات میں اسے اجتماعیت کے کھلے میدان میں گھل مل کر کام کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ اجتماعی زندگی مخصوص دائرہ کار ہے جسے نسوانی حصہ کہنا چاہئے اسے چند حدود سے متعین کر دیا گیا ہے کہ وہ اس اجتماعی زندگی میں گھل کر کام کر سکتی ہے اور اسی زندگی کی تربیت اسے اس وقت کام آئے گی جب ہنگامی حالات میں اسے کھل کر کام کرنا ہوگا۔ غالباً اسی احتیاط کے پیش نظر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ اور جہاد کو عورت پر فرض نہیں قرار دیا۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ ہنگامی حالات میں جو شخصیتیں

پائی جاتی ہیں انہیں عام زندگی پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ ذیل ارشادات مبارکہ بطور تائید پیش کئے جاسکتے ہیں:

((عن عائشة قالت قلت يا رسول الله على النساء جهاد؟

قال: نعم، عليهن جهاد لا قتال فيه الحج والعمرة))

(ابن ماجہ)

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عورتوں کے جہاد کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں ان پر جہاد واجب ہے اس میں جنگ نہیں بلکہ حج و عمرہ ہے۔“

((عن عائشة أم المؤمنين عن النبي صلى الله عليه وسلم سألته نساء ه عن الجهاد فقال: نعم الجهاد

(الحج) (بخاری)

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ سے آپ کی بیویوں نے جہاد کی اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا: بہتر جہاد حج ہے۔“

ابوداؤد نے ”باب الجمعہ“ میں غلاموں اور عورتوں کی حیثیت بیان کرتے ہوئے خاتم الرسل کے اس ارشاد کو بیان کیا ہے۔

((عن طارق بن شهاب عن النبي صلى الله عليه وسلم

قال: الجمعة حق واجب على كل مسلم في جماعة الا

اربعة عبد مملوك او امرأة او صبي او مريض))

(ابوداؤد)

”حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے

روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جمعہ ہر مسلمان پر

واجب ہے سوائے چار قسم کے لوگوں کے نظام عورت بچہ اور مریض۔“

اسی طرح عورت کو عام معاشی تک و دو سے بھی دور رکھتا کہ اجتماعی احساس

پاکیزہ ہو سکے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے پتہ چلتا ہے کہ عورت کا

بہترین مقام اس کا گھر ہے۔ عورت کی اسی نماز کو بہتر قرار دیا گیا ہے جو وہ گھر کے

آخری گوشے میں ادا کرتی ہے۔ قرآن کا بیان بھی بڑا واضح ہے:

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ

الصَّلَاةَ وَأَتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ

عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾

(الاحزاب)

”اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم زمانہ جاہلیت کے دستور

کے موافق مت پھرو اور تم نمازوں کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ کا

اور اس کے رسول کا کہنا مانو اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ اے گھر والو تم سے

آلودگی کو دور رکھے اور تم کو (ہر طرح ظاہری اور باطنی طور پر) پاک صاف

رکھے۔“

ابوبکر بصاص نے احکام القرآن میں اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ یہ آیت اس

روئے پر دلالت کرتی ہے کہ عورتوں کو گھر بیٹھنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور باہر کی گشت سے منع

کیا گیا ہے۔

((وفيه دلالة على ان النساء مأمورات بلزوم البيوت

منہیات عن الخروج))

”اور اس میں اس امر کا اشارہ ہے کہ عورتوں کو حکم ہے وہ گھر میں رہیں اور انہیں باہر نکلنے سے منع کیا گیا ہے۔“

امام احمد فرماتے ہیں:

((خير مساجد النساء قصر بيوتهن)) (مسند احمد)

”عورتوں کی بہترین مسجدیں ان کے گھروں کے اندر وہی جگہ ہیں۔“

امام احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عمدہ قول نقل کیا ہے:

((عن عائشة عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال :

عليكن بالبيت فانه جهاد كن)) (مسند احمد)

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی

ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے گھروں میں رہو کیونکہ یہی

تمہارا جہاد ہے۔“

اسلام میں امر و نہی کے اس امتزاج سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام عورت کو نہ تو

قیدی اور مملوک بناتا ہے کہ اس کے اختیارات ہی نہ ہوں اور نہ اسے ایسی بے ہنگم

آزادی دیتا ہے کہ جس سے دین و اخلاق کی قدریں مجروح اور معاشرے کا اجتماعی

سکون غارت ہو۔ اسلام اس کے لئے دائرہ کار متعین کرتا ہے تاکہ وہ اصل کام کر سکے

اور وہ اچھا خاندانی نظام ہے جس کے نتیجے میں اچھا معاشرہ اور اچھا شہری نظام تشکیل

پائے گا۔

یہی سبب ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور مردوں کی تربیت میں

اس فرق کو ملحوظ خاطر رکھا ہے حتیٰ کہ مسجد نبوی کی نماز میں بھی اس اختلاف کو سامنے

رکھا۔ مسلم کی کتاب الصلوٰۃ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت اس طرز عمل کا زندہ

ثبوت ہے۔

((عن ابی ہریرۃ قال قال رسول الله صلى الله عليه

وسلم: خير صفوف الرجال اولها وشرها آخرها وخير

صفوف النساء آخرها وشرها اولها)) (مسلم)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: کہ مردوں کی بہترین صف پہلی صف ہے اور بدترین پچھلی اور

عورتوں کی بہترین صف سب سے آخری اور بدترین پہلی۔“

اس تعلیم و تربیت کے نتیجے میں ایک ایسا معاشرتی نظام وجود میں آتا ہے جس میں

مرد اپنی حدود پہنچاتا ہے اور عورت اپنے اعمال کی تعین کرتی ہے۔ اس دوہری ذمہ

داری سے اسلامی معاشرہ ہر سکون باوقار اور مستحکم ہوتا ہے۔ اسلام نے عورت کو صحیح

مقام دے کر اور اس کا دائرہ کار متعین کر کے انسانیت کو فساد عظیم سے بچالیا ہے۔

ازواج مطہرات

کی بابرکت اور قابل تقلید ازدواجی زندگی

میں اگرچہ پہلے بھی ہلکے پھلکے انداز میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی بابت عرض کر آیا ہوں لیکن چونکہ کتاب کا ابتدائی مسودہ لکھتے وقت ہی سے میرے ذہن میں تھا کہ ازواجِ مطہرات کی بابت ایک مکمل باب لکھنا ہے اس لئے یہاں مناسب جانا کہ اب جبکہ ابھی "مثالی دلہن" کی بابت کچھ ذہن سازی کر لی تو اب ان ازواجِ مطہرات کی پاک زندگیوں کا آپ کے سامنے نقشہ کھینچا جائے تاکہ میری نثر مانبر وار پچیاں اس کے مطابق اپنی ازواجِ زندگیوں کو دھانے کی کوشش کریں۔

نبی کریم ﷺ نے پہلا نکاح مکہ میں حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا سے کیا۔ اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر ۲۵ سال اور حضرت خدیجہ کی عمر ۴۰ سال کی تھی۔ حضرت خدیجہؓ نے ہجرت سے تین سال قبل وفات پائی اور ان کے بعد مکہ ہی میں آپ ﷺ نے ایک پچاس سالہ خاتون حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر بھی تقریباً ۵۰ سال ہی کی تھی۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا سن وفات ۵۴ھ یا ایک قول کے مطابق ۴۱ھ ہے۔ حضرت عائشہ بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کا نکاح ۱۰ نبوی میں ہوا جب کہ وہ چھ برس کی تھیں اور جب اہ میں وہ رخصت کرا کر حضور ﷺ کے ہاں آئیں اس وقت ان کی عمر ۹ سال کی تھی۔ ان کا سن وفات ۵۵ یا ۵۸ھ ہے۔ حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کا نکاح ۲ یا ۳ھ میں ہوا اور انہوں نے ۴۱ یا ۵۴ھ میں وفات پائی۔ حضرت زینب بنت خویلد ۳ھ میں آپ کے نکاح میں آئیں اور نکاح سے کچھ ہی ماہ

بعد ۴۰ھ میں (اور ایک روایت کے مطابق ۳۲ھ ہی میں) انتقال کر گئیں۔ حضرت ام سلمہ بنت ابی حفصہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ نے ۳ یا ۴ھ میں نکاح کیا اور ان کا انتقال ۵۹ھ میں ہوا اور ایک قول کے مطابق ۶۲ھ میں ہوا۔ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ۵ھ میں آپ کی زوجیت میں آئیں اور ۲۰ یا ۲۱ھ میں انتقال کیا۔ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد سب سے پہلے جس زوجہ مطہرہ نے انتقال کیا وہ حضرت زینبؓ ہی ہیں۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا جو اوسفیان کی بیٹی اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں پہلے عبداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں، دونوں میاں بیوی مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے، وہاں عبداللہ بن جحش نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا اور وہیں مر گیا تھا۔ حضرت ام حبیبہ اپنے مذہب (اسلام) پر قائم رہیں۔ ۶ھ میں نجاشی بادشاہ حبشہ نے ان کا نکاح آنحضور ﷺ سے کیا اور اپنے پاس سے ان کا مہر جو چار ہزار درہم مقرر ہوا تھا ادا کیا۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے ۴۴ھ میں انتقال کیا۔ حضرت جویریہ غزوہ مریضہ میں جس کو غزوہ بنی المصطلق بھی کہتے ہیں اور جو ۶ھ میں ہوا تھا اسیر ہو کر آئیں آنحضرت ﷺ نے ان کو آزاد کیا اور پھر ان سے نکاح کر لیا۔ ان کا انتقال ۵۶ھ میں ہوا۔ حضرت میمونہ جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خالہ ہیں ۷ھ میں آنحضرت ﷺ کی زوجیت سے سرفراز ہوئیں ان کا انتقال ۶۱ھ یا ۵۱ھ میں ہوا۔ حضرت عقیقہ بنت جحش بنی جحش میں جنگ خیبر میں اسیر بنائی گئیں اس وقت ان کی عمر ۷ سال کی تھی۔ آنحضرت ﷺ ان کو آزاد فرمایا اور پھر نکاح کر لیا۔ انہوں نے ۵۰ھ یا ایک روایت کے مطابق ۵۲ھ میں وفات پائی۔ آنحضرت ﷺ کی گیارہ ازواج مطہرات کی وہ تعداد ہے جس پر روایات کا اتفاق ہے بارہویں زوجہ مطہرہ جو حضرت ریحانہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے کو حرم (کنیز) قرار دیا ہے۔ لیکن بعض دوسری روایتوں میں ہے کہ ریحانہؓ ہیں جو ایک یہودی خاندان کی خاتون تھیں جنگی اسیر ہو کر آئی تھیں چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کو

آزاد کیا اور ۶ھ میں ان سے نکاح کر لیا۔ بہر حال آنحضرت ﷺ نے ان تمام خواتین سے جو امت کی مائیں ہیں نکاح کیا اور سب کے ساتھ دخول بھی فرمایا۔ میں یا میں سے زائد ایسی خواتین کا ذکر بھی روایتوں میں آتا ہے جن سے آپ ﷺ نے نکاح تو کیا لیکن دخول سے پہلے ہی جدائی کی نوبت آ گئی، بعض ایسی خواتین بھی تھیں جن سے نکاح کی بات چیت چلی لیکن ان سے نکاح نہیں کیا۔ اسی طرح بعض روایتوں میں ایسی عورتوں کا بھی ذکر آتا ہے جو آپ ﷺ کے نکاح میں تھیں اور جب یہ آیت کریمہ: **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قَدْ لَازَاجُكَ** نازل ہوئی تو انہوں نے آخرت پر دنیا کو ترجیح دی اور آپ سے جدائی اختیار کر لی۔ جہاں تک آنحضرت ﷺ کی حرموں (کنیزوں) کا تعلق ہے تو ان کی تعداد چار بیان کی جاتی ہے جن میں سب سے مشہور مار یہ قبطیہ ہیں جن کے بطن سے ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے تھے۔ ان کا انتقال ۱۶ھ میں ہوا۔ دوسری وہی حضرت ریحانہ بنت سمون یا بنت زید ہیں جن کے بارے میں بعض حضرات کا کہنا ہے کہ وہ آپ ﷺ کے نکاح میں نہیں تھیں۔ بلکہ ”حرم“ تھی ان کو آپ نے آزاد نہیں کیا اور بسبب ملک یمین ان سے محامعت فرمائی باقی دو میں سے ایک تو وہ کنیز تھیں جو ام المؤمنین زینب بنت جحش نے بطور ہدیہ آپ کی خدمت میں پیش کی تھی اور ایک کنیز وہ تھیں جو کسی غزوہ میں اسیر ہو کر آئی تھیں۔

مذکورہ بالا تفصیل شیخ عبدالحق دہلوی کی شرح مشکوٰۃ سے ماخوذ ہے جو انہوں نے جامع الاصول کے حوالہ سے جمع کی ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کی تعداد ان کے نکاح کی ترتیب آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد انتقال کرنے والی ازواج مطہرات کے سنین وفات جن ازواج کے ساتھ دخول نہیں کیا یا جن خواتین کے ہاں پیغام دیا مگر ان کے ساتھ نکاح نہیں ہوا ان سب کی تعداد کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں اور عام روایتوں میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔

سید و خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک مثالی بیوی:

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ خَيْرُ نِسَاءٍ: هَا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَخَيْرُ نِسَائِهَا خَدِيجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ (متفق عليه وفقى رواية قال أبو كريب) وَأَشْأَا رَوَيْتُ إِلَى السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ).

صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابة باب فضائل خدیجۃ ام المؤمنین ۴۸۵
”حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: مریم بنت عمران اپنی امت میں سب سے بہتر عورت ہیں اور خدیجہ بنت خویلد اپنی امت میں سب سے بہتر عورت ہیں۔ (بخاری و مسلم) اور ایک روایت میں ابو کریب نے یہ بیان کیا کہ حضرت کعبہ نے (جو حفاظ حدیث میں سے ہیں اور حضرت امام مالکؒ اور ان کے معصروں کے ہم پلہ ہیں) آسمان اور زمین کی طرف اشارہ کر کے یہ بتایا کہ اس حدیث کے مطابق یہ دونوں خواتین اپنی امتوں میں دنیا بھر کی عورتوں سے افضل و اشرف ہیں۔“

اس حدیث سے یہ تو معلوم ہوا کہ حضرت مریم جو حضرت عیسیٰ کی والدہ ہیں اپنی امت میں اور ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنی امت (امت محمدیہ) میں سب عورتوں سے افضل ہیں لیکن اس سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ خود ان دونوں میں سے کون سی افضل ہے۔ حضرت خدیجہؓ سے افضل ہیں یا حضرت خدیجہؓ حضرت مریم سے افضل ہیں۔ تاہم تفسیر نسفی میں لکھا ہے کہ صحیح قول کے مطابق حضرت مریم سے حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں کیونکہ حضرت مریم تغیر تو ہیں نہیں اور یہ بھی طے ہے کہ یہ امت مرحومہ دوسری تمام امتوں سے بہتر و افضل ہے تو اس بارے

میں علماء کے اختلاقی اقوال ہیں اسی طرح حضرت عائشہؓ پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت بھی مختلف فیہ ہے اور امام مالک کا یہ قول ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بغیر سنیؐ کی جگہ پارہ ہیں اور میں جگر پارہ بغیر سنیؐ کو کسی خاتون پر فضیلت نہیں دیتا۔

وَعَنْ ابْنِ شَرِيْظَةَ قَالَ اَتَيْتُ جَبْرِئِلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذِهِ خَدِيْجَةُ قَدْ اَتَتْ مَعَهَا اِنَاءٌ فِيْهِ اَدَمُ اَوْ طَعَامٌ قَاْنَا اَتَتْكَ فَاَقْرَأْ عَلَيْهَا السَّلَامَ مِنْ رَبِّهَا وَمِنْنِيْ وَبَشِّرْهَا بِبَيْتٍ فِي الْجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ وَلَا صَخَبٍ فِيْهِ وَلَا نَضَبٍ

صحیح البخاری کتاب النکاح باب نوح النور حلیہ ج ۲۵۳۶

”اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کریمؐ کے پاس آئے اور بولے کہ یا رسول اللہ! ابھی خدیجہ (مکہ سے چل کر غار حرا میں) آ رہی ہیں ان کے ساتھ ایک برتن ہے جس میں سالن (اور روٹی) ہے یا کھانا ہے جب وہ آپ کے پاس پہنچ جائیں تو آپؐ ان کے پروردگار کی طرف سے اور میری طرف سے بھی ان کو سلام کہہ دیجئے اور ان کو جنت میں ایک محل کی خوش خبری سنا دیجئے جو خولد ار موتی ہے اور اس محل میں نہ شور و غل ہے نہ تکلیف و تنگن ہے۔“

یہ واقعہ اس زمانے کا ہے جب آنحضرتؐ خلوت کے لئے غار حرا میں چلے جاتے تھے اور کئی کئی دن تک وہاں عبادت اور ذکر الہی میں مشغول رہتے تھے۔ آپ اپنے ساتھ کھانے پینے کی کچھ چیزیں (جیسے سو) اور پانی وغیرہ لے لیتے تھے تاکہ بھوک اور پیاس کا غلبہ خلوت گزینی میں محسوس نہ ہو ایک دن خدیجہ الکبریٰؓ آپ کے کھانے پینے کا کچھ سامان لے کر غار حرا پہنچیں اور مذکورہ سعادت و بشارت سے

سرفراز ہوئیں۔ واضح ہو کہ عام طور پر ثابت تو یہی ہے کہ آنحضرتؐ کا خلوت گزینی کے لئے غار حرا میں جانا اور وہاں عبادت و ذکر الہی میں مشغول رہنا اس زمانہ کا معمول تھا جب کہ آپؐ خلعت نبوت سے سرفراز نہیں ہوئے تھے اور آپؐ کے پاس حضرت جبرئیل کا آنا جانا شروع نہیں ہوا تھا لیکن اس میں کچھ استبعاد نہیں کہ مرتبہ نبوت پر فائز ہونے اور حضرت جبرئیل کی آمد شروع ہو جانے کے بعد بھی کچھ دنوں تک آپ نے یہ معمول جاری رکھا ہو اور انہی دنوں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کسی دن آپ کا کھانا لے کر غار حرا میں گئی ہوں۔

”ان کو سلام کہہ دیجئے“ علماء نے لکھا ہے کہ رب العالمین کا سلام ایسا شرف ہے جو حضرت خدیجہ کے سوا دنیا کی کسی عورت کو حاصل نہیں ایک مرتبہ حضرت جبرئیل نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی سلام کہلایا تھا لیکن صرف اپنی طرف سے۔ اسی لئے اس حدیث کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کی دلیل قرار دیا جاتا ہے۔

”جو خولد ار موتی کا ہے“ تصب کا اطلاق اس موتی پر ہوتا ہے جو بہت بڑا ہو اور اندر سے خالی ہو ورنہ موتیوں میں آتا ہے کہ جنت کے محلات پر جو گنبد ہوں گے وہ دراصل قبة جیسے بڑے بڑے موتی ہوں گے جن کے اندر سے خلا ہوگا۔ لہذا اس جملہ کا ایک مطلب تو یہ ہو سکتا ہے کہ اس محل کا گنبد ایک پورا موتی ہوگا یا یہ کہ وہ پورا محل موتی کا ہو یعنی ایک اتنا بڑا موتی ہوگا جس کے اندر کا خلا ایک پورے محل پر محیط ہوگا۔

”اس محل میں نہ شور و غل ہے نہ تکلیف اور تنگن ہے“ بطور خاص ان دونوں چیزوں کی نفی اس اعتبار سے کی گئی ہے کہ دنیاوی گھروں میں رہنے والوں کو دونا گوا چیزوں کا زیادہ سامنا کرنا پڑتا ہے ایک تو شور و غل کا اور دوسرے اس محنت و مشقت اور تکلیف و تنگن کا جو گھروں کو بنائے سنوارنے اور سجانے میں ہوتی ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ جنت کے محلات ان ناگوار اور تکلیف دہ چیزوں سے خالی ہوں گے۔

علماء نے لکھا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حق میں یہ بشارت گو اس مقام کا اعلان تھا جو ان کو اس بات کے بدلہ میں عطا ہوا کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی دعوت اسلام کو سب سے پہلے بطیب خاطر اور بخوشی قبول کر لیا تھا انہوں نے خدا کی آواز پر بلیک کہتے ہوئے اپنے آبائی مذہب کو یک لخت اس طرح ترک کر دیا کہ نہ تو کسی طرح کا شور شرابہ ہونے دیا نہ بحث و تکرار اور لڑنے جھگڑنے کے تعب میں پڑیں۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا غَزَتْ عَلَى أَحَدٍ مِّنْ نِّسَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا غَزَتْ عَلَى خَدِيجَةَ وَمَا رَأَيْتُهَا وَلَكِنْ كَانَ يُكْثِرُ ذِكْرَهَا وَرُبَّمَا ذَبَحَ النِّسَاءَ ثُمَّ يَقْطَعُهَا أَغْصَانًا ثُمَّ يَنْفَعُهَا فِي صَدَاقِ خَدِيجَةَ فَرُبَّمَا قُلْتُ لَهُ كَأَنَّهُ لَمْ تَكُنْ فِي الدُّنْيَا امْرَأَةً إِلَّا خَدِيجَةَ فَيَقُولُ إِنَّهَا كَأَنَّتْ زَكَاةً وَكَانَتْ لِي مِنْهَا وَلَدٌ . (متفق عليه)

صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب تزویج النبی علیہ السلام وفضلہا، ح ۳۵۳۴
 ”اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی بیویوں میں جتنی غیرت اور جتنا رشک میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کرتی تھی اتنا کسی بیوی سے نہیں حالانکہ میں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا بھی نہیں تھا“ البتہ آنحضرت ﷺ ان کو بہت یاد کرتے تھے اکثر ایسا ہوتا تھا کہ آپ ﷺ بکری ذبح کرتے اور اس کا عضو کاٹ کر بونیاں بناتے پھر اس گوشت کو ان عورتوں کے ہاں بھجواتے جو حضرت خدیجہ کی سہیلیاں تھیں اکثر اوقات میں آپ سے کہہ دیا کرتی تھی کہ آپ (ﷺ) تو خدیجہ کے تئیں اس قدر شائستگی اور محبت ظاہر کرتے ہیں جیسے دنیا میں ایک خدیجہ

کے علاوہ اتنی خویوں والی اور کوئی عورت ہی نہیں آپ (میری اس بات کے جواب میں) فرماتے: وہ تو واقعی اس طرح کی تھیں اور ایسی ہی تھیں اور پھر میری اولاد بھی تو انہی کے بطن سے ہے۔

(بخاری و مسلم)

”ایسی ہی تھیں“ یعنی وہ بڑی عابدہ و زاہدہ تھیں روزے رکھا کرتی تھیں شب بیدار رہتی تھیں۔ میری خدمت اور میری امداد و راحت رسائی میں بڑی بڑی مشقتیں اٹھاتی تھیں حسن سلوک اور احسان کیا کرتی تھیں وغیرہ وغیرہ۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ان خویوں کو صریحاً ذکر کرنے کے بجائے مبہم فرمانے سے آپ ﷺ کا مقصد ان کی حیثیت و فضیلت کو زیادہ بلیغ انداز میں پیش کرنا اور اس طرف اشارہ کرنا ہوتا تھا کہ ان کے اوصاف اور خوبیاں حد شمار و قیاس سے باہر ہیں۔

میری اولاد بھی تو انہی کے بطن سے ہے اس سے حضرت خدیجہ کی اس خاص فضیلت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا تھا جس کی ہماری کا دعویٰ آنحضرت ﷺ کی کوئی بھی زوجہ مطہرہ نہیں کر سکتی تھیں چنانچہ آنحضرت ﷺ کی تمام اولاد اجداد حضرت خدیجہ ہی کے بطن سے ہوئی۔ سوائے ابراہیم بن محمد ﷺ کے جو قبیلہ کے بطن سے تھے اور وہ آپ کی ”حرم“ تھیں اور اولاد بھی ایسی کہ جس میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا زہراء بھی بی بی بھی شامل ہیں جن کے فضائل و مناقب کا کوئی ٹھکانا نہیں باقی ازواج سے کوئی اولاد نہیں ہوئی دوسری طرف یہ نکتہ موجود ہے کہ عورتوں سے خاص تر غرض اور ان کا سب سے بڑا فائدہ ان سے اولاد کا ہونا ہے۔

ام المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا خویلد بن اسد کی بی بی ہیں جو عرب کے مشہور تاجر اور قریش کے معزز و نامور فرد تھے حضرت خدیجہ کا پہلا نکاح ابن ہالہ بن زرارہ سے ہوا تھا اس کے فوت ہو جانے کے بعد دوسرا نکاح عتیق بن عائد سے ہوا ان کا تیسرا نکاح جب آنحضرت ﷺ سے ہوا تو اس وقت ان کی عمر ۴۰ سال تھی اور نبی

کریم ﷺ کا یہ پہلا نکاح تھا آپ نے نہ تو ان سے پہلے کسی عورت سے نکاح کیا تو اور نہ ان کی موجودگی میں کسی اور سے نکاح کیا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اول مسلمان ہونے کا شرف حاصل ہے یعنی تمام مردوں اور عورتوں میں سب سے پہلے انہوں نے اسلام قبول کیا۔ ان کا انتقال ۶۵ سال آنحضرت ﷺ کی ہجرت مدینہ سے پانچ سال قبل مکہ معظمہ میں ہوا۔ بعض حضرات نے ان کا سن وفات ہجرت سے چار سال قبل اور بعض نے تین سال قبل یعنی ۱۰ نبویؐ لکھا ہے۔ آنحضرت ﷺ سے ان کی رفاقت کی مدت ۲۴ سال چھ ماہ یا پانچ ماہ ہے۔

وَعَنْ أَبِي سَلَمَةَ أَنَّ غَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا غَائِشُ هَذَا جِبْرِئِيلُ يُفْرِنُكَ السَّلَامُ قَالَتْ وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللَّهِ قَالَتْ وَهُوَ يَرَى مَا لَا أَرَى - (متفق عليه)

صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب فضل عائشہ، ح ۳۴۸۴

”اور حضرت ابوسلمہ (تابعی) سے روایت ہے کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے (ایک روز مجھ سے) فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا! یہ جبرئیل (یہاں میرے سامنے) ہیں تم کو سلام کہتے ہیں۔ عائشہ نے (اس سلام کے جواب میں) کہا: علیہ السلام ورحمۃ اللہ (اور جبرئیل پر بھی اللہ کی سلامتی اور راحت نازل ہو) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آنحضرت ان (جبرئیل) کو دیکھ رہے تھے اور میں ان کو نہیں دیکھ رہی تھی۔“

(بخاری و مسلم)

وَعَنْ غَائِشَةَ قَالَتْ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

أُرِيْتُكَ فِي الْمَنَامِ ثَلَاثَ لَيَالٍ تَجِيءُ بِكَ الْمَلَائِكَةُ فِي سَرَقَةٍ مِّنْ حَرِيرٍ فَقَالَ لِي هَذِهِ امْرَأَتُكَ فَكَشَفْتُ عَنْ وَجْهِكَ الْقُوتَ فَإِذَا أَثَرُ هِيَ فَقُلْتُ إِنَّ يُكُنْ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ يَمْضِيهِ (متفق عليه)

صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب تزویج النبی عائشہ و قدومها المدينة و بناہ بها، ح ۳۶۰۶

”اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک روز) مجھ سے فرمایا کہ تین رات مسلسل تمہیں میرے خواب میں لایا گیا جس کی صورت یہ تھی کہ ایک فرشتہ نہایت شاندار ریشمی کپڑے پر تمہاری تصویر کو میرے سامنے لاتا اور مجھ سے کہتا کہ یہ (تصویر) تمہاری (ہونے والی) بیوی کی ہے اور جب میں (تصویر کا) پردہ اٹھا کر تمہارا چہرہ دیکھتا تو ہو بہو تمہارا ہی چہرہ ہوتا تھا پھر میں (فرشتہ کے جواب میں) کہہ دیا کرتا تھا کہ اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو وہ خود ہی اس کو پورا کرے گا یعنی اس معاملہ کو تکمیل تک وہی پہنچائے گا اور اس عورت سے میرے نکاح کے اسباب پیدا فرمائے گا۔“

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں خواب

”ریشمی کپڑے پر تمہاری تصویر کو“ ایک اور روایت میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یوں بیان فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ حکم ہوا کہ مجھ (عائشہ رضی اللہ عنہا) سے نکاح کریں تو حضرت جبرئیل اپنی بتھیل پر میری تصویر (آنحضرت ﷺ کے خواب میں) لے کر آئے۔ پس ان دونوں روایتوں میں وجہ تطبیق یہ ہے کہ تصویر ریشمی کپڑے پر تھی اور وہ ریشمی کپڑے جبرئیل کی بتھیل پر

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت جبرئیل نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تصویر دوبارہ لا کر دکھائی ہو ایک بار تو ریشمی کپڑے پر اور ایک بار پتیلی پر اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت جبرئیل تو اپنی پتیلی پر تصویر لائے تھے اور کوئی دوسرا فرشتہ ریشمی کپڑے پر اور ایک بار اپنی پتیلی پر اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت جبرئیل تو اپنی پتیلی پر تصویر لائے تھے اور کوئی دوسرا فرشتہ ریشمی کپڑے پر لے کر آیا تھا۔ فاذا انت ہی ایک ترجمہ تو وہی ہے جو اوپر لکھا گیا ہے اس کا دوسرا ترجمہ یوں بھی ہو سکتا ہے کہ (نکاح و شادی کے بعد) جب میں نے تمہارے چہرے سے کپڑا ہٹایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ یہ تو تمہارا ہی چہرہ ہے جو میں نے خواب میں دیکھا تھا۔

”اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے“ یہاں اگر یہ اشکال پیدا ہو کہ اس خواب کے بارے میں شک کا اظہار کیا معنی رکھتا ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام خصوصاً آنحضرت ﷺ کا خواب تو وحی کی ایک صورت ہے جس کے تحقق میں کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں تو اس کا جواب علماء نے یہ لکھا ہے کہ اگر خواب کے اس واقعہ کو آنحضرت ﷺ کے مرتبہ نبوت پر فائز ہونے سے پہلے کا مانا جائے تو پھر یہ اشکال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ ہاں اس صورت میں یہ سوال اٹھے گا کہ فرشتہ کا آنا اس بات کے منافی ہے کہ آپ ﷺ نے یہ خواب نبوت سے پہلے دیکھا تھا لیکن اگر وہ من میں یہ بات ہو کہ فرشتہ کو دیکھنا خصوصاً خواب میں دیکھنا نبوت ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے نبی کے ساتھ جو چیز مخصوص ہے وہ فرشتہ کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی لانا ہے تو یہ سوال بھی کوئی معنی نہ رکھے گا اور اگر یہ واقعہ و خواب مرتبہ نبوت پر فائز ہونے کے بعد کا ہے تو کہا جائے گا کہ آپ نے یہ الفاظ اظہار شک کے لئے نہیں بلکہ اس کے وقوع کے یقینی ہونے اور اس کو ثابت کرنے کے لئے فرمائے تھے دراصل اس طرح کا جملہ استعمال ہی ایسے موقع پر ہوتا ہے جب کوئی بات متحقق اور ثابت شدہ ہوتی ہے جیسے کوئی حاکم یوں کہے اگر میں حاکم ہوں تو دیکھنا میں کیا کچھ نہیں کروں گا اور بعض حضرات نے یہ لکھا ہے

کہ اس جملہ میں جو شک ہے وہ اصل خواب سے متعلق نہیں ہے بلکہ تعبیر سے متعلق ہے کہ نہ معلوم ظاہر کے مطابق مراد سامنے آئے یا ظاہر کے خلاف کچھ اور یا یہ کہ نہ معلوم ”بیوی“ سے مراد دنیا کی بیوی ہے یا آخرت کی بیوی۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے پیغام ڈالا اور ہجرت سے تین سال قبل شوال ۱۰ تبوی میں مکہ میں ان سے نکاح کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب شوال ۲ھ میں رخصت کرا کر مدینہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئیں تو اس وقت ان کی عمر ۹ سال تھی بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مدینہ آنے کے سات مہینے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رخصت کرا کر مدینہ منورہ آپ کے گھر آئیں۔ ہر کار دو عالم ﷺ کی رفاقت ان کو ۹ سال حاصل رہی آنحضرت ﷺ کے وصال کے وقت ان کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ امہات المؤمنین میں یہی وہ طیبہ ہیں جن کا پہلا نکاح آنحضرت ﷺ سے ہوا آنحضرت ﷺ نے ان کے علاوہ اور کسی باکرہ (کنواری) سے نکاح نہیں کیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا علم و دانائی اور ذاتی محاسن و کمالات کے اعتبار سے منفرد مقام رکھتی تھیں زبردست عالمہ فاضلہ فہیمہ اور فہیمہ تھیں آنحضرت ﷺ کی بے شمار احادیث ان کو یاد تھیں بہت زیادہ حدیثیں روایت کرتی ہیں شعر و ادب کا بھی اعلیٰ ذوق رکھتی تھیں نامور شعراء عرب کے کلام پر ان کی پوری نظر تھی اور اشعار و بیات کی ایک بڑی تعداد ان کے حافظہ میں تھی ان سے احادیث روایت کرنے والوں کی تعداد صحابہؓ اور تابعین کی ایک بہت بڑی جماعت پر مشتمل ہے۔ ۷ رمضان ۵۷ یا ۵۸ھ میں اور ایک روایت کے مطابق ۲۷ رمضان ۵۷ھ منگل کی شب میں عمر ۶۳ سال مدینہ منورہ میں ان کی وفات ہوئی۔ انہوں نے رات میں دفن کئے جانے کی وصیت کی تھی چنانچہ رات ہی میں جنت البقیع میں ان کو دفن کیا گیا اور حضرت ابو ہریرہؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اس وقت امیر معاویہؓ کی جانب سے مروان مدینہ پہ گورنری کر

وَعَنْهَا قَالَ إِنَّ النَّاسَ كَانُوا يَحْكُرُونَ بِهَدَايَاهُمْ يَوْمَ عَابِثَةَ يَنْتَعُونَ بِذَلِكَ مَرْضَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَتْ إِنَّ نِسَاءَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنَّ جُزَيْنٍ فَحَرْبٌ فِيهِ عَابِثَةُ وَخَفْصَةُ وَصَفِيَّةُ وَسُودَةُ وَالْجُزْبُ إِلَّا خَرَامُ سَلَمَةَ وَسَائِرُ نِسَاءِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمُ حَرْبٌ أَمْ سَلَمَةُ فَقُلْنَ لَهَا كَلِمِي رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلْيُبْدِهِ إِلَيْهِ حَيْثُ كَانَ فَكَلَّمَتْهُ فَقَالَ لَهَا تُوْذِيْنِي فِي عَابِثَةَ فَأَنَّ الْوَحْيَ لَمْ يَأْتِنِي وَأَنَا فِي ثَوْبِ امْرَأَةٍ إِلَّا عَابِثَةَ قَالَتْ أَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مِنْ أَذَاكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ثُمَّ إِنَّهُنَّ دَعَوْنَ فَاظْمَئًا فَارْسَلْنَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَتْهُ فَقَالَ يَبْنَئِيَّةُ أَلَا تُحِبِّينِ مَا أُحِبُّ قَالَتْ بَلَى قَالَ فَاجْنِبِي هَذِهِ (متفق عليه وذكر حديث انس فضل عائشة

على النساء في باب بد، الخلق برواية ابى موسى)

صحیح البخاری، کتاب النہیة وفضلها والتحریض علیہا، باب من اہدی

الی صاحبہ و تحری بعض لسانہ دول بعض، ح ۲۳۹۳

”اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ لوگ اس بات کو ترجیح دیتے تھے کہ وہ ہدیے اور تحائف اس دن پیش کریں جو عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کا دن ہو یعنی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ہدیے اور تحائف

لانے والے اس دن کا انتظار کرتے تھے جس روز کہ آپ میرے ہاں تشریف فرما ہوتے تھے اور اس سے ان کا مقصد صرف رسول اللہ ﷺ کی (زیادہ سے زیادہ) رضا و خوشنودی حاصل کرنا ہوتا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ کی بیویاں دونوں یوں میں منقسم تھیں اور ان میں سے ہر ٹولی یکساں مزاج یکساں رائے اور یکساں طرز معاشرت و اختلاط رکھنے والی بیویوں پر مشتمل تھی۔ ایک ٹولی تو وہ تھی جس میں عائشہ حصہ صنیہ اور سودہ تھیں اور دوسری ٹولی وہ تھی جس میں ام سلمہ اور رسول اللہ ﷺ کی باقی تمام بیویاں تھیں۔ پس (ایک روز) ام سلمہ سے بات چیت کی اور ان سے کہا کہ تم رسول اللہ ﷺ سے عرض کرو کہ آپ لوگوں سے یہ فرمادیں کہ کوئی ہدیہ و تحفہ پیش کرنا چاہے وہ (عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کے دن کی تخصیص نہ کرے بلکہ) پیش کر دے چاہے آپ ﷺ کسی جگہ ہوں (خواہ وہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ہوں خواہ کسی اور بیوی کے گھر میں تاکہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور دوسری بیویوں کے درمیان سے وہ امتیاز اٹھ جائے جس سے ان بیویوں کو غیرت محسوس ہوتی ہے) چنانچہ ام سلمہ نے اس بارے میں آنحضرت ﷺ سے گفتگو کی اور آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم مجھ کو عائشہ رضی اللہ عنہا کے معاملہ میں تکلیف نہ پہنچاؤ (تم شاید نہیں جانتیں کہ) اس وقت میرے پاس وحی نہیں آتی جب میں کسی بیوی کے خلاف یا چادر میں ہوتا ہوں۔ سوائے عائشہ رضی اللہ عنہا کے۔ ام سلمہ (یہ سن کر) بولیں یا رسول اللہ میں اللہ کے حضور اس بات سے توبہ کرتی ہوں کہ آپ ﷺ کو تکلیف پہنچاؤں (یا کسی ایسے کام کا ارادہ بھی کروں جو آپ کو تکلیف پہنچانے کا باعث ہو) پھر ام سلمہ کی ٹولی کی عورتوں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلوایا اور ان کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا

(تاکہ اس بارے میں اب وہ آنحضرت ﷺ سے بات کریں) چنانچہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس بارے میں آپ سے گفتگو کی اور ہو سکتا ہے کہ وہ اس بات سے لاعلم ہی ہوں کہ اس سے پہلے ام سلمہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جا چکی ہیں اور آنحضرت ﷺ ان کو کن الفاظ میں جواب دے چکے ہیں۔ بہر حال آنحضرت ﷺ نے فاطمہ کی گفتگو سن کر ان سے فرمایا: میری بیٹی! کیا تو اس سے محبت نہیں رکھتی جس سے میں محبت رکھتا ہوں فاطمہ رضی اللہ عنہا بولیں کیوں نہیں (یقیناً میں ہر اس ذات سے محبت رکھتی ہوں اور محبت رکھوں گی جس سے آپ محبت رکھتے ہیں) آپ ﷺ نے فرمایا: تو پھر تم عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت رکھو (اور کسی ایسی بات کا ذکر نہ کرو جس سے عائشہ رضی اللہ عنہا کو ناگواری ہو) بخاری و مسلم اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث فضل عائشہ علی النساء کفضل الشریذ علی سائر الاطعمہ باب بد الخلق میں ابوموسیٰ کی روایت سے نقل کی جا چکی ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی امتیازی شان:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ٹولی میں جو ازواج مطہرات تھیں ان کی سردار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں کیونکہ تمام ازواج مطہرات میں آنحضرت ﷺ کی سب سے چہیتی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی تھیں یہ نکتہ نوٹ کرنے کا ہے کہ ام المؤمنین حضرت حفصہ بن عمر رضی اللہ عنہ نہ صرف یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ٹولی میں تھیں بلکہ ان کے اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان وہی کامل رفاقت و دوستی اور اتفاق و اتحاد تھا جو ان دونوں کے باپوں یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کے درمیان تھا۔ حضرت ام سلمہ کی ٹولی میں جو امہات المؤمنین تھیں ان کی سردار حضرت ام سلمہ ہی تھیں یہاں یہ وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ لوگوں نے

آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بدیہ اور تحائف پیش کرنے کے لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کے دن کی جو تخصیص کر رکھی تھی وہ آنحضرت ﷺ کے کسی حکم اور ایماء کے تحت نہیں تھی اور چونکہ یہ معاملہ ازواج مطہرات کے حقوق سے متعلق نہیں تھا اس لئے آنحضرت ﷺ لوگوں کو اس سے منع بھی نہیں کرتے تھے۔

”سوائے عائشہ رضی اللہ عنہا کے“ یعنی صرف عائشہ رضی اللہ عنہا ہی میری ایک ایسی بیوی ہے کہ اگر میں ان کے لحاف اور بستر میں ہوتا ہوں تو اس وقت بھی مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک روایت میں فرماتی ہیں کہ آیت کریمہ: **انک لا تہدی من احببت النہ** نازل ہوئی تو اس وقت میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ اپنے لحاف میں تھی۔

”اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث“ یعنی صاحب مصابیح نے اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہاں اس باب میں نقل کرایا تھا جب کہ صاحب مشکوٰۃ نے اس کو حضرت ابو موسیٰ کی روایت سے باب بداء الخلق میں شامل کیا ہے۔ واضح ہو کہ اس حدیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ ”عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت دوسری عورتوں پر“ تو پیچھے بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ اس بارے میں مختلف اقوال ہیں کہ ”عورتوں“ سے کیا مراد ہے؟ ایک قول تو یہ ہے کہ عورتوں کی جنس یعنی کل عورتیں مراد ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ”ازواج مطہرات“ مراد ہیں اور اس میں بھی اختلافی اقوال ہیں کہ آیا تمام ازواج مطہرات مراد ہیں یا حضرت خدیجہؓ کے علاوہ باقی ازواج مطہرات تاہم زیادہ صحیح یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تمام عورتوں سے افضل ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علمی و عملی کمالات کا جامع ہونے کے سبب کہ جس کو آپ نے شریک کی مشابہت کے ذریعہ واضح فرمایا ہے ظاہر اطلاق بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔

کتاب کے شروع میں ازواج مطہرات کے متعلق کچھ باتیں ذکر کی جا چکی

ہیں پھر حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں قدرے تفصیل بھی گزر چکی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ باقی ازواج مطہرات کے بھی کچھ احوال ذکر کر دیئے جائیں۔

سیدہ سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سکران بن معدان بن عبدود کے نکاح میں تھیں جو ان کے عم زاد تھے۔ انہوں نے پہلے اسلام قبول کیا پھر ان کی ترغیب پر سکران بھی مسلمان ہو گئے اور دونوں میاں بیوی ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے۔ حبشہ میں سکران کا انتقال ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے ان کی ولداری کے لئے حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد انہوی میں ان سے نکاح کر لیا اس وقت تک آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح نہیں کیا تھا اور حضرت سودہؓ کی عمر پچاس سال تھی ایک زمانہ میں آنحضرت ﷺ نے بعض حالات کے تحت ان کو طلاق دی مگر چاہی مگر پھر ان کی درخواست پر آپ ﷺ نے اپنا ارادہ منسوخ کر دیا تھا اور اسی وقت سے انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی تھی ان کا انتقال ۱۹ھ کے ماہ شوال میں مدینہ میں ہوا جب کہ ایک روایت میں ان کا سن وفات ۵۳ھ اور ایک روایت میں ۴۱ھ منقول ہے۔

سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خصوصیت

حضرت حفصہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کی بیٹی ہیں ان کی ماں کا نام زینب بنت مطلق تھا یہ پہلے حبشہ بن عقیقہ سہمی کے نکاح میں تھیں اپنے خاوند حضرت حبشہؓ

کے ساتھ مکہ سے ہجرت کی اور مدینہ آگئی تھیں غزوہ بدر میں حضرت حمیشؓ شہید ہو گئے۔
تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا نکاح حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ یا حضرت عثمان
رضی اللہ عنہ سے کرنا چاہا لیکن ان دونوں نے انکار کر دیا تب رسول اللہ ﷺ نے اپنا
پیغام ڈالا اور شعبان ۳ھ میں ان سے نکاح کیا۔ ایک موقع پر آنحضرت ﷺ نے ان کو
ایک طلاق دے دی تھی لیکن جب آپ ﷺ کے پاس وحی آئی کہ حصہ سے رجوع کر
لیجئے کیونکہ وہ بہت عبادت گزار بہت روزہ دار عورت ہے اور وہ جنت میں آپ ﷺ
کی زوجہ ہے تو آنحضرت ﷺ نے رجوع کر لیا۔ صحابہ و تابعین کی ایک جماعت ان
سے آنحضرت ﷺ کی احادیث نقل کرتی ہے انہوں نے ہجر ۶۰ سال شعبان ۴۵ھ
میں وفات پائی۔

سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

یہ زمانہ جاہلیت ہی سے ام المومنین کے لقب سے یاد کی جاتی تھیں ان کا پہلا
نکاح عقیل سے اور دوسرا عبیدہ سے ہوا۔ ان دونوں کے بعد تیسرا نکاح حضرت عبداللہ
بن جحش سے ہوا۔ عبداللہ بن جحش جنگ احد میں شہید ہو گئے تو ۳ھ میں آنحضرت ﷺ
نے زینب سے نکاح کر لیا لیکن نکاح کے چند ہی ماہ بعد انتقال کر گئیں۔

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ان کا اصل نام ہند تھا نبی کریم ﷺ سے بیشتر حضرت ابو سلمہؓ عبداللہ بن
عبدالاسد کے نکاح میں تھیں۔ ابو سلمہ کی وفات کے بعد جو جنگ احد کے زخموں کی
تاپ نہ لا کر موت شہادت سے ہمتا رہے تھے۔ اسی سال یا ۴ھ میں آنحضرت ﷺ
نے ام سلمہ سے نکاح کیا ان کا انتقال ہجر ۸۴ سال مدینہ منورہ میں ۵۹ یا ایک روایت

مثالی ذلہن
کے مطابق ۲۲ھ اور ایک روایت کے مطابق ۶۰ھ میں ہوا اور بقیع میں دفن کی گئیں۔

سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت جحش

ان کی والدہ امیر عبدالمطلب کی بیٹی اور آنحضرت ﷺ کی پھوپھی تھیں۔ یہ
پہلے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں جو آنحضرت ﷺ کے آزاد
کردہ غلام تھے۔ زید کے طلاق دینے کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان سے نکاح کیا
ان کا اصل نام برہ تھا جس کو بدل کر آنحضرت ﷺ نے زینب نام رکھا ان کا انتقال
۵۲ سال یا ایک روایت کے مطابق ۷۵ سال کی عمر میں مدینہ میں ہوا۔ ان کے بارے
میں حضرت عائشہ صدیقہ کا کہنا تھا میں نے کوئی عورت نہیں دیکھی جو دین میں زینب
سے بہتر اور اللہ کا خوف ان سے زیادہ رکھنے والی ہو ان سے زیادہ سچ بولنے والی ہو
تا آتے واردوں سے ان زیادہ حسن سلوک کرنے والی ہو اللہ کی راہ میں اور اللہ کی رضا
خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنا مال اور اپنا نفس ان سے زیادہ لگانے والی ہو۔

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ان کا اصل نام رملہ تھا ابوسفیان بن صخر کی بیٹی ہیں ان کی ماں کا نام صفیہ بنت
ابوالعاص تھا جو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی پھوپھی ہیں۔ ان کے پہلے شوہر
عبید اللہ بن جحش کے انتقال کے بعد حبشہ میں جا کر عیسائی ہو گیا تھا اور بحالت ارتداد
وہیں فوت ہوا۔ حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے ۶ھ میں ان کا نکاح آنحضرت ﷺ سے
ان کا انتقال ۴۴ھ میں مدینہ منورہ میں ہوا۔

سیدہ جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت جویریہ بنت الحارث جب غزوہ مہربین میں اسیر ہو کر آئیں تو حضرت ثابت بن قیسؓ کے حصہ میں آئی تھیں کیونکہ انہوں ہی نے ان کو اسیر کیا تھا پھر حضرت ثابت بن قیسؓ نے ان کو مکاتب کر دیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کا زکاتیت ادا کر کے ان کو آزاد کر دیا اور پھر ان سے نکاح کر لیا۔ ان کا اصل نام ہرہ تھا جس کو آنحضرت ﷺ تبدیل کر کے جویریہ کر دیا تھا ۵۶ھ میں عمر ۶۵ سال ان کی وفات ہوئی۔

سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت صفیہ بنت حی بن اخطب بن شعبہ سبط ہارون سے ہیں ان کا پہلا نکاح کنانہ بن ابی الحقیق یہودی سے ہوا تھا جنگ خیبر (محرم ۷ھ میں) کنانہ مارا گیا اور صفیہؓ اسیر ہو کر آئیں تو آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنے لئے مخصوص کر لیا لیکن بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضرت وحیہؓ کے حصے میں آئی تھیں بعد میں آنحضرت ﷺ نے ان کو وحیہؓ سے خرید لیا پھر انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور آنحضرت ﷺ نے ان سے نکاح کر لیا ان کی آزادی کو آنحضرت ﷺ نے مہر قرار دیا تھا۔ ۵۰ھ میں ان کا انتقال ہوا اور بقیع میں مدفون ہوئیں۔

سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ان کا اصل نام بھی ہرہ تھا جس کو آنحضرت ﷺ نے بدل دیا اور میمونہ نام رکھا یہ پہلے مسعود بن عمرو ثقفی کے نکاح میں تھیں کچھ دنوں بعد مسعود بن عمرو نے ان کو چھوڑ دیا

تو پھر ابو درہم کے مرنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان سے مکہ سے دس کوس کے فاصلہ پر مقام سرف میں نکاح کیا جب کہ آپ عمرۃ القضا کے سفر میں تھے اور اتفاق کی بات ہے کہ ۶۱ھ میں یا ایک روایت کے مطابق ۵۱ھ میں ان کا انتقال بھی اس مقام سرف میں ہوا۔ ام المؤمنین حضرت میمونہؓ آنحضرت ﷺ کی آخری زوجہ مطہرہ ہیں ان کی بہن قوام الفضل ہیں جو عباسؓ کی بیوی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی والدہ ہیں۔ ایک اور بہن حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ہیں جو حضرت جعفر طیار کے گھر میں تھیں۔

خواتین عالم میں سے چار افضل ترین خواتین

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَسْبُكَ مِنْ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَخَدِيجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ وَفَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ وَآسِيَةُ امْرَأَةِ فِرْعَوْنَ (رواه الترمذی)

جامع الترمذی: کتاب المناقب عن رسول اللہ: باب فضل خدیجۃ: ح ۳۸۱۳
”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تمام جہان کی عورتوں میں سے چار عورتوں کے مناقب و فضائل کا جان لینا تمہارے لئے کافی ہے اور وہ ہیں: مریم بنت عمران یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ، خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد ﷺ اور فرعون کی بیوی آسیہ۔“ (ترمذی)

ظاہر یہ ہے کہ تمام جہان کی عورتوں میں سے افضل ترین چار خواتین کا ذکر اس حدیث میں جس ترتیب سے ہوا ہے وہی ترتیب ان چاروں کے درمیان فرق مراتب کی بھی ہے۔ رہی یہ بات کہ اس موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کیوں نہیں ہوا تو اس کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ان کا بھی افضل ترین خواتین میں سے ہونا چونکہ بعض دوسری حدیثوں میں مذکور ہے اس لئے یہاں ان کے ذکر کی ضرورت نہیں سمجھی گئی اور دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ آپ نے یہ حدیث شاید وقت ارشاد فرمائی ہوگی کہ جب تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو وہ مقام کمال اور آنحضرت ﷺ کے وصال کا شرف حاصل نہیں ہوا ہوگا۔ جس سے ان کی افضلیت کا تعین ہوتا ہے تاہم یہاں وہ حدیث

بھی سامنے رکھی چاہئے جس کو احمد بخاری، مسلم ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے بطریق مرفوع نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا مردوں میں تو بہت سے لوگ درجہ کمال کو پہنچے لیکن عورتوں میں سے فرعون کی بیوی آسیہ اور مریم بنت عمران کے علاوہ کوئی کامل نہیں ہوئی اور اس میں تو کچھ شبہ نہیں کہ تمام عورتوں میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت اور عورتوں پر ایسی ہی ہے جیسے ثرید کی فضیلت دوسرے کھانوں پر۔

سیوطی نے فقہیہ میں لکھا ہے کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ تمام جہاں کی عورتوں میں سب سے افضل فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں اور آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات میں سب سے افضل خدیجہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ پھر ان میں سے کون زیادہ افضل ہے۔ اس بارے میں ایک قول تو حضرت خدیجہ کی افضلیت کا ہے اور دوسرا قول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت کا ہے اور تیسرا قول توقف کا ہے۔ ملا علی قاری نے سیوطی کے ان الفاظ کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے اور میرا کہنا ہے کہ صرف حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کے بارے میں نہیں بلکہ ان سب مذکورہ خواتین کے بارے میں توقف یعنی سکوت کرنا اولیٰ ہے کیونکہ اس مسئلہ میں کوئی قطعی دلیل وارد نہیں ہے جس کی بنیاد پر حتمی طور سے کہا جاسکے کہ ان میں سے فلاں خاتون زیادہ افضل ہے اور جو فتنی دلیس موجود بھی ہیں وہ باہم متعارض ہیں اور ان کا عقائد کے باب میں کہ جو یقینیات پر مبنی ہیں کوئی فائدہ نہیں۔

وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ جَبْرِئِيلَ جَاءَ بِصُورَتِهَا فِي حَزَقَةٍ مِنْ حَرِيرٍ خَضِرَاءَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هَلْهُ زَوْجُكَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (رواه الترمذی)

جامع الترمذی: کتاب المناقب عن رسول اللہ: باب من فضل عائشۃ: ح ۳۸۱۵
”اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام

ریشمی کپڑے پر ان کی یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا کی تصویر رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دکھانے لائے اور کہا کہ یہ تمہاری بیوی ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ (ترمذی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت:

سبز ریشمی کپڑے پر اس سے معلوم ہوا کہ پیچھے کی حدیث میں خرقۃ من حریر کے جو الفاظ گزرے اس کی واحد مراد سفید ریشمی کپڑا لینا ٹھیک نہیں ہے جیسا کہ بعض حضرات نے بیان کیا ہے ہاں اگر یہ کہا جائے کہ اس طرح کا خواب آپ نے متعدد بار دیکھا تو پھر اس مراد میں کوئی اشکال وارد نہیں ہوگا اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ایک روایت بسرقۃ من حریر کے الفاظ میں خرقۃ من حریر کے الفاظ نقل ہونا راوی کا اشتباہ ہے۔

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ بَلَغَ صُفْيَةَ أَنَّ حَفْصَةَ قَالَتْ لَهَا بَدْتُ يَهُودِيَّ فَبَكَتْ فَدَخَلَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ تَبْكِي فَقَالَ مَا يُبْكِيكَ فَقَالَتْ قَالَتْ لِي حَفْصَةُ إِنِّي ابْنَةُ يَهُودِيٍّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكَ لَأَبْنَةُ نَبِيٍّ وَإِنَّ عَمَلَ لِنَبِيِّ وَإِنَّكَ تَحْتِ نَبِيٍّ فَفِينِمْ تَفْتَجِرُ عَلَيْكَ ثُمَّ قَالَ اتَّقِي اللَّهَ يَا حَفْصَةُ.

جامع الترمذی، کتاب المناقب عن رسول اللہ، باب فضل ازواج النبی، ص ۳۸۳۹

”اور حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ام المؤمنین حضرت صفیہؓ کو معلوم ہوا کہ ام المؤمنین حضرت حفصہؓ نے ان کو یہودی کی بیٹی کہا ہے تو وہ رونے لگیں اور جب رسول کریم ﷺ ان کے ہاں تشریف لے آئے تو وہ اس وقت بھی رو رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کیوں رو رہی ہو؟ انہوں نے کہا میرے بارے میں حفصہؓ نے کہا کہ میں

یہودی کی بیٹی ہوں۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم ان کے کہنے کا غم نہ کرو۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تم پیغمبر کی بیٹی ہو تمہارا چچا بھی پیغمبر تھا اور اب تم ایک پیغمبر کی یعنی میری بیوی ہو پھر آپ نے حفصہ کو متنبہ کیا کہ اسے حفصہ تمہیں اللہ سے ڈرنا چاہئے۔ (ترمذی نسائی)

سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولداری:

حضرت حفصہؓ کا باپ حمزہ بن ابیطالب حضرت ہارون پیغمبر کی اولاد سے تھا اور حضرت ہارونؓ حضرت موسیٰ کے بھائی تھے اس اعتبار سے حضرت صفیہؓ کے باپ یعنی جد اعلیٰ بھی پیغمبر ہوئے اور ان کے چچا بھی پیغمبر ہوئے یا یہ بات اپنے جدا کبر یعنی حضرت اسحق کے اعتبار سے فرمائی کہ گویا حضرت صفیہؓ کو حضرت اسحق کی بیٹی کہا اور حضرت اسماعیل کو ان کا چچا کہا اور اب تم ایک پیغمبر کی بیوی ہو یعنی حفصہؓ کو سوچنا چاہئے کہ تمہاری ان سب اعلیٰ و اشرف نسبتوں کے مقابلہ پر خود ان کو اور کون سی اس سے بھی بڑی نسبت حاصل ہے اور ایسی کون سی بڑی فضیلت ان میں ہے کہ تم وہ پر فخر کرتی ہیں اور نسب و نسل میں تمہیں اپنے سے کمتر سمجھتی ہیں۔ واضح ہو کہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا مقصد حضرت صفیہؓ کی ولداری اور اس تنقیص و تحقیر کا ازالہ کرنا تھا جو حضرت حفصہؓ کے الفاظ سے حضرت صفیہؓ نے محسوس کی تھی جب کہ وہ صفیہؓ نہ صرف اپنی ذات کی اعتبار سے ایک سردار خاندان کی معزز خاتون تھیں بلکہ اپنے دینی محاسن اور اوصاف کے اعتبار سے بھی ایک جامع شخصیت تھیں یہ نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت صفیہؓ کے حق میں یہ باتیں دوسری ازواج مطہرات پر ان کی کسی فضیلت و بڑائی کو ظاہر کرنے کے لئے فرمائی تھیں کیونکہ نسبتوں کا یہ شرف حمزہؓ حضرت صفیہؓ کا حصہ نہیں تھا۔ اس شرف میں تو دوسری ازواج مطہرات بھی اس اعتبار سے شریک ہیں کہ وہ بھی تو ایک پیغمبر حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے ہیں جو حضرت اسحق کے بھائی تھے اور وہ سب بھی آنحضرت ﷺ کی بیویاں ہیں۔

تمہیں اللہ سے ڈرنا چاہئے یعنی صفیہ کی مخالفت یا عداوت کے جذبہ سے تمہیں ایسی باتیں زبان سے نہیں نکالنی چاہئیں جو زمانہ جاہلیت کی یادگار ہیں اور جن کو اللہ تعالیٰ کسی حالت میں پسند نہیں کرتا۔

وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا فَاظْمَئَةَ عَامِ الْفَتْحِ فَنَاجَاهَا فَبَكَتْ ثُمَّ خَذَفَتْهَا فَصَحَّكَتْ فَلَمَّا تَوَقَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَلَهَا عَنْ بُكَائِهَا وَصَحَّحَهَا فَقَالَتْ أَخْبَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ يَمُوتُ فَبَكَيْتُ ثُمَّ أَخْبَرَنِي أَنِّي سَيِّدَةُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ إِلَّا مَرْيَمَ بِنْتَ عِمْرَانَ فَصَحَّكَتْ

(رواہ الترمذی)

جامع الترمذی: کتاب المناقب عن رسول اللہ باب فضل ابواب النبی: ۳۸۲۸
”اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ فتح مکہ کے سال ایک دن رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے قریب بلایا اور ان سے چپکے چپکے کچھ باتیں سن کر رونے لگیں پھر آنحضرت ﷺ نے دوبارہ ان سے اسی سرگوشی کے انداز میں باتیں کیں تو اب وہ ہنسنے لگیں اور پھر جب رسول اللہ ﷺ نے اس دنیا سے پردہ فرمایا تو ایک روز میں نے ان کے اس دن کے رونے اور پھر ہنسنے کا سبب دریافت کیا انہوں نے بتایا کہ پہلے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی موت کے بارے میں مجھ کو آگاہ کیا تھا جس کو سن کر میں رونے لگی تھی پھر آپ ﷺ نے جب مجھ کو بتایا کہ میں مریم بنت عمران کے سوا جنت کی ساری عورتوں کی سردار ہوں تو ہنسنے لگی تھی۔“ (ترمذی)

حضرت مریم بنت عمران کا ذکر:

اسی طرح کی روایت پیچھے گزر چکی ہے جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ذکر یہ کہ انہوں نے جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے رونے اور ہنسنے کا ماجرا پوچھا تو انہوں نے بتانے سے انکار کر دیا تھا لیکن حضور ﷺ کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بتایا تھا اور یہاں بھی حضرت ام سلمہ نے بھی ذکر کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بتایا۔ تاہم اس حدیث میں حضرت ام سلمہ کا اس واقعہ کو فتح مکہ کے سال کا ذکر کرنا ایک بڑا سہو ہے کیونکہ تحقیقی اور تاریخی طور پر اس قصہ کا وقوع فتح مکہ کے سال میں ثابت نہیں ہے بلکہ یہ واقعہ یا تو آنحضرت ﷺ کے حجۃ الوداع کے زمانہ کا ہے یا مرض الموت کے دوران کا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس روایت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے یہ الفاظ کہ آپ نے مجھ کو جب یہ بتایا کہ میں مریم بنت عمران کے سوا جنت کی ساری عورتوں کی سردار ہوں تو ہنسنے لگی۔ مذکورہ سابق روایت کے منافی نہیں ہے جس میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی کہا تھا کہ میرے اہل بیت میں سے تم ہی سب سے پہلے مجھ سے آکر ملو گی۔

اس روایت کے تحت ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس حدیث کو اس باب سے کیا مناسبت ہے اس میں چونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی منقبت و فضیلت کا ذکر ہے۔ لہذا یہ حدیث مناقب اہل بیت کے باب میں نقل کی جانی چاہئے تھی نہ کہ اس باب میں جو ازواج مطہرات کے مناقب کے ساتھ مخصوص ہے۔ تو واقعہ یہ ہے کہ ظاہری طور پر کوئی مناسبت سمجھ میں نہیں آتی۔ بس یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ روایت ضمن اس روایت سے متعلق ہے جو اس فصل دوم کی پہلی روایت ہے اور جس میں حضرت خدیجہؓ اور حضرت مریم کے ساتھ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بھی ذکر ہے۔ اس کو یوں کہہ لیجئے کہ اس فصل کے شروع میں جو روایت نقل کی گئی اس کے بعض حصہ کے بارے میں چونکہ کچھ مزید باتیں اس حدیث سے معلوم ہوتی تھیں اس لئے اس کو یہاں نقل کر دیا گیا۔

اگرچہ حدیث اصلاً اس سے تعلق نہیں رکھتی اور یہ بھی بعید نہیں کہ اس حدیث کو اس باب میں نقل کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہو جو حضرت کے بارے میں نقل ہوئی ہے کہ وہ جنت میں آنحضرت ﷺ کی بیوی ہوں گی۔

عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ مَا اشْتَكَلْ عَلَيْنَا أَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثٌ قَطُّ فَسَأَلْنَا عَائِشَةَ إِلَّا وَجَدْنَا عِنْدَهَا مِنْهُ عِلْمًا

(رواہ الترمذی وقال هذا حدیث حسن صحیح غریب)

جامع الترمذی کتاب المناقب عن رسول اللہ باب من فضل عائشة ح ۳۸۱۸

”حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم اصحاب رسول ﷺ کو جب بھی کسی حدیث یا دینی مسائل سے متعلق کسی بات میں کوئی اشکال پیش آتا تو ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رجوع کرتے اور ہمیں اس حدیث یا مسئلہ سے متعلق کافی علم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس مل جاتا۔“

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی علمی عظمت:

مطلب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو بے پناہ علم آنحضرت ﷺ سے سن کر اپنی قوت اجتہاد سے حاصل کیا تھا اس کے ذریعہ وہ صحابہ کے مشکل علمی سوال حل کر دیتی تھیں اور حدیث وغیرہ کے بارے میں جو بھی اشکال ان کو پیش آتا تھا اس کو دور کر دیتی تھیں۔

وَعَنْ مُوسَى بْنِ طَلْحَةَ قَالَ مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَفْصَحَ مِنْ عَائِشَةَ

(رواہ الترمذی وقال هذا حدیث حسن صحیح غریب)

جامع الترمذی کتاب المناقب عن رسول اللہ باب من فضل عائشة ح ۳۸۱۹

”اور حضرت موسیٰ بن طلحہ تابعی کہتے ہیں کہ میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ فصیح کسی کو نہیں پایا۔“

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ایک فصیح خاتون:

ابن طلحہ نے یہ بات یا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی انتہائی تعریف میں کہی ہے یا واقعاً انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ فصیح کوئی شخص نہ دیکھا اور نہ پایا ہو۔

اسلام میں نکاح کی ضرورت و اہمیت

۱ شادی سماجی و معاشرتی ضرورت:

مرد و عورت اس جہان رنگ و بو کے معمار زندگی کے سنگ بنیاد اور معاشرے کی دیوار کے خشت اول ہیں جن سے کائنات کی شان و شوکت آب و تاب اور چہل پہل ہے۔ مرد و عورت کے اختلاط سے ہی معاشرہ وجود میں آتا ہے مرد و عورت کا یہ رشتہ افزائش کے بعد ماں باپ بیٹا بیٹی بہن بھائی میں تبدیل ہو جاتا ہے جو بعد ازاں دیگر عزیز و اقارب پڑوسی اور پھر عام انسانی برادری میں تقسیم ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا فرمانے کے بعد ان کے لئے ایک رفیقہ حیات یعنی حضرت حوا کو پیدا فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا﴾ (الاعراف: ۱۸۹)

”وہی اللہ ہے جس نے تم کو ایک ذی روح سے پیدا فرمایا اور اس کے لئے خود اس کی جنس سے ایک رفیقہ حیات کو پیدا کیا تاکہ وہ اس سے تسکین حاصل کرے۔“

حضرت آدم و حوا کے رشتہ زوجیت میں منسلک ہونے سے حضرت حوا کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا اور ایک لڑکی پہلے پیدا ہونے والے لڑکے کا نکاح دوسری پیدا ہونے والی لڑکی سے منع ہو جاتا اور دوسرے پیدا ہونے والے لڑکے کا نکاح پہلی پیدا ہونے والی لڑکی سے کر دیا جاتا اس طرح یہ نسل انسانی آہستہ آہستہ آفتاب کی شعاعوں اور باد صبا کی طرح بڑھتی چلی گئی اور پھر پوری روئے زمین پر پھیل گئی۔ چنانچہ

قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً﴾ (النساء: ۱)

”اے لوگو! اس اللہ سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا پھر اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور دونوں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو دنیا میں پھیلا دیا۔“

معاشرے کی تشکیل کے لئے ایک مرد اور ایک عورت کا ہونا ضروری ہے تاکہ آپس کے ملاپ سے ایک ایسا مبارک خلیہ تعمیر کر سکیں جس میں تو خیر نسل کی پرورش ہو سکے اور ایک مسلم معاشرہ پروان چڑھ سکے اس لئے اسلام میں شادی کو نہایت اہمیت دی گئی۔

۲ شادی فطری و طبعی ضرورت:

اسلام دین فطرت ہے اور اسلامی تعلیمات فطرت انسانی سے قریب تر بلکہ عین مطابق ہیں شادی بھی ایک فطری ضرورت ہے اس لئے اسلام نے اس فطری ضرورت کو پورا کرنے کے لئے مرد و عورت کو شادی کے بندھن میں باندھ دیا اور آزاد حیوانی زندگی گزارنے سے منع کرتے ہوئے عورت کو مرد کا اور مرد کو عورت کا لباس قرار دیا۔ قرآن پاک نے مرد و عورت کے اس فطری اور مستقل ازدواجی تعلق کی بہت ہی لطیف اور پُر اشتیاق تصویر کشی کی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ﴾ (البقرہ: ۱۸۷)

”عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم عورتوں کا لباس ہو۔“

مرد و عورت دونوں کا ایک دوسرے سے چوٹی دامن کا ساتھ ہے دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں دونوں کا سکون ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہے

دونوں ایک دوسرے کے لئے محبت و الفت، سکون و اطمینان کا ذریعہ ہیں اور ایک کا دوسرے سے الگ رہنا فطری تقاضوں کو پاش پاش کرنا ہے بلکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر ایک کی زندگی دوسرے کے بغیر نامکمل اور ادھوری بن کر رہ جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ مرد مرد رہتے ہوئے عورت سے بے نیاز نہیں ہو سکتا اور عورت عورت کے لباس میں رہتے ہوئے مرد کے بغیر مطمئن زندگی نہیں گزار سکتی۔

رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

((مَنْ أَحَبَّ فِطْرَتِي فَلَيْسَتْ بِنِسْتَتِي وَإِنْ مِنْ نِسْتَتِي الْبُكَاهُ))

(بیہقی)

”جو شخص میری فطرت اسلام سے محبت رکھتا ہے اسے چاہئے کہ میری سنت اختیار کرے اور نکاح میری سنت ہے۔“

{۳} شادی جنسی و عقلی ضرورت:

انسان کی سرشت میں جنسی میلان رکھا گیا ہے بلوغت کے بعد جنسی میلان کے آثار کا ظہور شروع ہو جاتا ہے اور بتدریج شدت پذیر ہوتے ہوئے تقاضے کا روپ دھار لیتا ہے۔ سوتے جاگتے، چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے ہر وقت انسان اسی احساس کو اپنے اوپر غالب و مستولی پاتا ہے۔ دل اور عقل میں جنگ جاری رہتی ہے۔ طبیعت حدود کی پرواہ کئے بغیر ابھارتی ہے کہ خواہش پوری ہو خواہ جس ذریعہ سے بھی ہو مگر عقل خواہش پر لگام لگاتی ہے۔

الغرض طبیعت اور عقل کی اس کشمکش میں کبھی عقل کو غلبہ حاصل ہوتا ہے اور کبھی طبیعت ہی عقل کو بادبیتی ہے غیر از وہ اجتماعی زمانہ خصوصاً ایام شباب میں یہی کشمکش ہے جس سے گزرنے والے گزرتے رہتے ہیں مگر انسان جب شادی کر لیتا ہے اور جائز راستہ حصول خواہش کے لئے پیدا ہو جاتا ہے تو پھر وہ اس خود آفریدہ کشمکش سے نجات پا

جاتا ہے اور لا حاصل خیالات کی ادھیڑ بن سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اسی لئے اسلام میں ازدواجی زندگی کو اختیار کرنا لازمی قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمانِ ذی شان ہے:

﴿وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهَوْنَ فَأُولَٰئِكَ لَنَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۚ وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهَوْنَ فَأُولَٰئِكَ لَنَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۚ وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهَوْنَ فَأُولَٰئِكَ لَنَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۚ﴾

(النور: ۳۲)

”اور تم میں سے جو مجرد ہیں خواہ مرد ہوں یا عورت ان کے نکاح کر دو اسی طرح تمہارے غلام اور باندیوں میں جو حقوق زوجیت کے قابل ہوں ان کا بھی نکاح کر دو۔“

یہ آیت واضح طور پر رشتہ ازدواج کے قیام کی تاکید کرتے ہوئے تمام مردوں اور عورتوں کو جنسی و عقلی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے شادی کرنے کا حکم دیتی ہے اور شادی کی اہمیت کا احساس پیدا کرنے کے لئے یہ فہم داری قوم کے دوش اور سر پرست کے کندھے پر ڈالتی ہے اور کسی کو اس سے بری الذمہ نہیں قرار دیتی۔

{۴} شادی اخلاقی و روحانی ضرورت:

اسلام سے قبل مرد و عورت کے ازدواجی تعلق کو اخلاق و روح کی ترقی کے لئے رکاوٹ سمجھا جاتا اور قرب خداوندی سے مانع خیال کیا جاتا تھا، فطری خواہشات کا گھونٹنے اور جنسی جذبات کے کچلنے میں روحانیت اور اخلاق کی پاکیزگی تصور کی جاتی عیسائیت میں تجرد (ترک نکاح) اور عورت سے بے تعلقی کو روحانی کمال کا ذریعہ تسلیم کیا جاتا تھا، اسلام نے ترک دنیا کے بجائے دین اور دنیا کے مابین ہم آہنگی پیدا کرنے کی تعلیم دی اور ترک نکاح کے راہبانہ نظریہ کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے ازدواجی زندگی پر زور دیا۔

قرآن پاک میں ارشاد گرامی ہے:

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً﴾

(الرعد: ۳۸)

”اے پیارے پیغمبر! ہم نے آپ سے پہلے رسول بھیجے انہیں بیویاں اور اولاد عطا فرمائی۔“

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ انبیاء و عوت و تبلیغ کا مقدس فریضہ سرانجام دیتے ہوئے مخلوق کو خالق سے ملایا کرتے مگر بیوی بچے ان کے راستے کی رکاوٹ نہیں بنا کرتے تھے۔ چنانچہ آپؐ نے دونوں الفاظ میں فرمایا:

((لَا رِبَاطِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ))

”اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔“

یعنی اگر عورت کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارو گے تو یہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے راستے میں تمہارے لئے عہد و معاون ثابت ہوگی راہب بن کر جنگلوں اور غاروں میں زندگی گزارنے سے معرفت الہی حاصل نہ ہوگی۔ گویا اسلام نے رہبانیت کے بجائے معاشرت کا سبق دیا اور اس بات کو پختہ (Established) کر دیا کہ ازدواجی زندگی سے فرار درحقیقت روحانیت سے فرار ہے۔

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ رَدَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى عُثْمَانَ بْنِ مَطْعُونٍ الْقَبِيلِ وَلَوْ أَدِنَ لَهُ

لَا خُتْصَيْنَا. (متفق علیہ)

صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب ما یکرہ النبیؐ، ح ۵۰۷۳۔

”اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ ”رسول اللہ ﷺ نے حضرت

عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو قبیل (یعنی نکاح نہ کرنے) سے منع کر دیا تھا اگر آنحضرت ﷺ ان کو قبیل کی اجازت دے دیتے تو ہم بھی خسی ہو جاتے۔“

(بخاری و مسلم)

ترک نکاح کی ممانعت

”تَبْتَلُ“ کے معنی ہیں ”عورتوں سے انقطاع اور ترک نکاح“ نصاریٰ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین) کے ہاں تبتل ایک اچھا اور پسندیدہ فعل ہے کیونکہ ان کے نزدیک دینداری کی آخری حد یہ ہے کہ انسان عورتوں سے اجتناب کرے اور نکاح وغیرہ سے پرہیز کرے۔ لیکن جس طرح عیسائیت یا بعض دوسرے مذاہب میں نکاح کو ترک کر دینا اور لذائذ زندگی سے کنارہ کش ہو جانا عبادت اور نیکی و تقویٰ کی آخری حد سمجھا جاتا ہے اس طرح کی کوئی بات اسلام میں نہیں ہے بلکہ شریعت اسلامیہ نے نکاح کو انسانی زندگی کے لئے ایک ضرورت قرار دے کر اس کی اہمیت کو واضح کیا ہے اور بتایا ہے کہ لذائذ زندگی سے مکمل کنارہ کشی اور خود ساختہ تکالیف برداشت کرنا عبادت نہیں ہے بلکہ ”رہبانیت“ ہے جسے اس دین فطرت میں کوئی مقام حاصل نہیں ہے۔ ہاں امام شافعی اتنا ضرور کہتے ہیں کہ بغیر نکاح زندگی گزارنا افضل ہے لیکن امام شافعی کا یہ قول بھی نکاح کے بارے میں شریعت اسلامیہ کے بنیادی منشاء کے منافی نہیں ہے کیونکہ اول تو اس کا تعلق صرف افضلیت سے ہے اور دوسرے یہ کہ افضلیت بھی نفس نکاح (یعنی کرنے یا نہ کرنے) کے بارے میں نہیں ہے بلکہ صرف تخلی للعبادة (یعنی عبادت کے لئے مجبور رہنا) کے نکتہ نظر سے ہے گویا امام شافعی کا مقصد صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ عبادت میں مشغول رہنا نکاح کی مشغولیت سے افضل ہے۔ چنانچہ ملا علی قاریؒ نے مرقات میں امام شافعی کی دلیل نقل کرنے کے بعد امام اعظم ابو حنیفہؒ کی بہت سی دلیلیں نقل کی ہیں جن سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ تجرد (بغیر نکاح رہنے) کے مقابلہ میں تامل (نکاح کرنا) ہی افضل ہے۔

بہر کیف حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے جب آنحضرت ﷺ سے

تبتل کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے انہیں اس کی اجازت دینے سے انکار کر دیا کیونکہ اسلام مسلمانوں کے ہاں نکاح کے ذریعہ افزائش نسل کو پسند کرتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ دنیا میں زیادہ سے زیادہ خدا کے حقیقی نام لیوا موجود رہیں اور وہ ہمیشہ کفر و باطل کے خلاف جہاد کرتے رہیں۔ اسی سلسلہ میں حدیث کے راوی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے یہ کہا کہ اگر آنحضرت ﷺ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تبتل کی اجازت دے دیتے تو ہم سب اپنے آپ کو خسی کر ڈالتے تاکہ ہمیں عورتوں کی ضرورت پڑتی اور نہ ہمیں عورتوں سے متعلق کسی برائی میں مبتلا ہو جانے کا خوف رہتا۔ طبیی کہتے ہیں کہ اس موقع کے مناسب تو یہ تھا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ یہ کہتے کہ اگر آنحضرت ﷺ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تبتل کی اجازت دے دیتے تو ہم بھی تبتل کرتے مگر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ کہنے کی بجائے یہ کہا کہ ہم سب اپنے آپ کو خسی کر ڈالتے لہذا حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ بات دراصل بطور مبالغہ کہی یعنی اپنی اس بات سے ان کا مقصد یہ تھا کہ اگر آنحضرت ﷺ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اجازت دے دیتے تو ہم بھی تبتل میں اتنا مبالغہ اور اتنی سخت کوشش کرتے کہ آخر کار خسی کی مانند ہو جاتے۔ گویا اس جملہ سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی مراد حقیقتاً خسی ہو جانا نہیں تھا کیونکہ یہ فعل (یعنی اپنے آپ کو خسی کر ڈالنا) جائز نہیں ہے۔

اور علامہ نوویؒ کہتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ بات اس وجہ سے کہی کہ ان کا گمان یہ تھا کہ خسی ہو جانا جائز ہے حالانکہ ان کا یہ گمان حقیقت و واقعہ کے خلاف تھا کیونکہ خسی ہو جانا انسان کے لئے حرام ہے خواہ چھوٹی عمر کا ہو یا بڑی عمر کا۔

اسلام میں رہبانیت نہیں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تین آدمی امہات المؤمنین کی

خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے پردے کے پیچھے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نفلی عبادت کے متعلق سوال کیا جب انہیں بتایا گیا کہ آپ اس انداز سے عبادت کرتے ہیں تو انہوں نے محسوس کیا کہ یہ عبادت تھوڑی ہے۔ تاہم انہوں نے کہا ہماری آنحضرت ﷺ سے کیا نسبت؟ ان کے تو اگلے پچھلے گناہ معاف ہو چکے ہیں وہ تو اگر زیادہ عبادت نہ بھی کریں تو کوئی بات نہیں ہمیں تو بہت زیادہ محنت کرنے کی ضرورت ہے۔ ان میں سے ایک یولا میں ہمیشہ رات بھر نماز تہجد پڑھا کروں گا دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا کسی دن ناغہ نہ کروں گا۔ تیسرے نے کہا میں عورتوں سے الگ رہوں گا کبھی نکاح نہیں کروں گا جب آپ کو ان باتوں کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا:

((أَنْتُمْ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا أَمَّا وَاللَّهُ إِنِّي لَا أَخْشَاكُمْ لِلَّهِ
وَأَنْفَاكُمْ لَهُ لَكِنِّي أَصُومُ وَأَقِطُ وَأُصَلِّي وَأَزُودُ وَأَتَزَوَّجُ))

(بخاری)

”تم لوگوں نے یہ باتیں کہیں اللہ کی قسم! میں تم سب سے زیادہ خوف خدا اور تقویٰ رکھتا ہوں لیکن میں نفلی روزے رکھتا بھی ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں رات کو نماز تہجد بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور بیویوں سے ہمبستری بھی کرتا ہوں پس جو میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں۔“

﴿۵﴾ شادی شرعی و نفسیاتی ضرورت:

نفس میں جو تقاضے پیدا ہوتے ہیں اگر ان کے پورا ہونے کے لئے ایک محل بھی تجویز نہ کیا جائے تو پھر انسان تقاضے کو ہر جگہ پورا کرے گا اور اس طرح اس کی بے حیائی کا عیب نمایاں ہوگا۔ اسی لئے شریعت نے نکاح تجویز کیا ہے جس میں نفس کے

تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ایک محل کی تعیین کی ہے اور اس تجویز میں شریعت کا عقل سے زیادہ خیر خواہ ہونا ثابت ہے کیونکہ اگر عقل سے استفسار کیا جائے تو عقل نکاح کو تجویز نہیں کر سکتی کیونکہ ایک اجنبی مرد کے سامنے ایک اجنبی عورت کا اس طرح بے حجاب ہونا عقل کے نزدیک بالکل قبیح ہے مگر عقل کی اس تجویز پر اگر عمل کیا جاتا تو زیادہ فتنہ برپا ہوتا کہ ابھی تو ایک ہی اجنبی مرد و عورت بے حجاب ہو رہے تھے پھر نہ معلوم کتنے مرد اجنبی عورتوں کے ساتھ بے حجاب ہوتے اور کتنی عورتیں اجنبی مردوں کے سامنے بے حجاب ہوتیں کیونکہ آخر مرد و عورت ایک دوسرے سے کہاں تک صبر کرتے ان عواقب پر نظر کر کے شریعت سادہ نے نکاح کو تجویز کیا تاکہ اس تقاضے کو پورا ہونے کا محل محدود و متعین ہو کر فتنہ نہ پڑے اور یہی علامت ہے اس مذہب کے سادگی (آسانی) ہونے کی کہ اس کی نگاہ عواقب پر (اتجام کو محیط) ہوتی ہے اور جو قوانین محض عقل سے بنائے جاتے ہیں ان کی نظر عواقب پر محیط نہیں ہوتی چنانچہ عقل تو مطلقاً حیا کو مطلوب سمجھتی ہے اور نکاح کو خلاف حیا بتلاتی ہے مگر شارح نے نکاح کا قانون حیا ہی کی حفاظت کے لئے مقرر کیا ہے کیونکہ اگر ایک جگہ بھی حیا کو ترک نہ کیا جائے گا تو پھر انسان پورا بے حیا ہو جائے گا۔

حدیث پاک میں آتا ہے:

((أَزْبَعُ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِينَ الْحَيَاةُ وَالْتَعَطُّ وَالسَّوَاكُ وَالنِّكَاحُ)) (ترمذی)

”چار چیزیں انبیاء علیہم السلام کی سنت ہیں: (۱) حیا یعنی تمام انبیاء علیہم السلام با حیا ہوا کرتے تھے۔ (۲) تعطر یعنی تمام انبیاء خوشبو استعمال کیا کرتے تھے۔ (۳) مسواک یعنی تمام انبیاء مسواک فرمایا کرتے تھے۔ (۴) نکاح یعنی تمام انبیاء ازدواجی زندگی بسر کیا کرتے تھے۔“

﴿شادی دینی و ایمانی ضرورت:﴾

شادی ایک ایسی عبادت ہے جس کا تسلسل حضرت آدم سے لے کر قیامت اور اس کے بعد جنت تک باقی رہے گا۔
حدیث پاک کا مفہوم ہے:

((إِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ فَقَدْ اسْتَكْمَلَ نِصْفَ الدِّينِ فَلْيَتَّقِ اللَّهَ

فِي النِّصْفِ الْبَاقِي)) (مشکوٰۃ)

”جب آدمی شادی کر لیتا ہے تو وہ اپنا نصف دین مکمل کر لیتا ہے اب اسے چاہئے کہ بقیہ نصف دین کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے۔“

یہ ایک حقیقت ہے کہ ایک غیر شادی شدہ آدمی خواہ کتنا ہی نیک کیوں نہ ہو جائے وہ ایمان کے کامل رتبے کو نہیں پہنچ سکتا۔ جب تک وہ ازدواجی زندگی میں داخل ہو کر حقوق زوجیت ادا نہ کرے تب تک اس کا ایمان مکمل نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے دین اسلام کے نقطہ نظر سے غیر شادی شدہ مرد و عورت مسکین ہیں۔

((عَنِ ابْنِ أَبِي نُجَيْجٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ مَسْكِينٌ مَسْكِينٌ رَجُلٌ لَيْسَتْ لَهُ امْرَأَةٌ قَالُوا وَإِنْ

كَانَ كَثِيرَ الْمَالِ قَالَ وَإِنْ كَانَ كَثِيرَ الْمَالِ مَسْكِينَةٌ

مَسْكِينَةٌ امْرَأَةٌ لَيْسَ لَهَا زَوْجٌ قَالُوا وَإِنْ كَانَتْ كَثِيرَةَ الْمَالِ

قَالَ وَإِنْ كَانَتْ كَثِيرَةَ الْمَالِ)) (مجمع الفوائد)

”حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے وہ آدمی مسکین ہے جس کی بیوی نہیں صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! خواہ وہ مالدار ہو۔ آپؐ نے فرمایا: ہاں خواہ وہ مالدار ہی کیوں نہ ہو پھر فرمایا وہ عورت مسکینہ ہے مسکینہ

ہے جس کا خاوند نہیں صحابہؓ نے عرض کیا خواہ وہ مالدار ہو تب بھی آپؐ نے

فرمایا: ہاں وہ مالدار ہو تب بھی وہ مسکینہ ہے۔“

ان تمام احادیث کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام میں شادی کرنے کی کتنی غیر معمولی ضرورت و اہمیت ہے تاکہ جتنی میاں کو حدود میں رکھ کر عفت و عصمت کے اصول سرمایہ کی حفاظت کی جائے۔

اچھا رشتہ مل جائے اس کے لئے کچھ

دُعائیں

یہ تمام دعائیں نسیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے ماخوذ و مقتبس ہیں۔

عطا کر ہم کو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک:

ربنا هب لنا من ازواجنا و ذریعتنا قرة اعین واجعلنا للمتقین اماما۔

”اے ہمارے رب! عطا کر ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور ہم کو متقیوں (پرہیزگاروں) کا مقتدا کر۔“

اے اللہ مجھے مال، بیوی اور نیک اولاد عطا فرما:

اللہم انی استلک من صالح ماتوتی الناس من المال والاهل والولد غیر ضال ولا مضل۔

”اے اللہ! میں سوال کرتا ہوں تجھ سے اچھی اور نیک چیز کا جو تو لوگوں کو دے مال ہو یا بیوی یا اولاد کہ نہ گمراہ ہوں اور نہ گمراہ کرنے والا۔“

برے رشتے سے بچنے کی

دُعائیں

اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں بری بیوی سے:

اللہم انی اعوذک من امراة تشیبنی قبل المشیب واعوذک من ولد یکون علی وبالا و اعوذک من مال یکون علی عذابا۔

”اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں ایسی عورت سے کہ جو مجھے بوڑھا کر دے بڑھاپے سے پہلے اور تیری پناہ چاہتا ہوں ایسی اولاد سے جو میرے لئے وبال جان ہو اور پناہ چاہتا ہوں ایسے مال سے جو مجھ پر عذاب جان ہو۔“

مشورہ کا اہتمام کرنا

مشورہ کی اہمیت:

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں سے جس شخص نے کسی کام کا ارادہ فرمایا اور اس میں مشورہ لے کر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو ارشداً امور کی طرف ہدایت فرمادے گا یعنی اس کا رخ اللہ تعالیٰ اسی طرف پھیر دے گا جو اس کے لئے انجام کار خیر اور بہتر ہوگا ایک اور روایت میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یعنی جب کوئی قوم مشورہ سے کام کرتی ہے تو ان کو صحیح راستہ کی طرف ہدایت کر دی جاتی ہے۔ (بخاری)

مشورہ کے فضائل:

مشورہ کے عقلی و قلبی بہت سے فوائد و فضائل ہیں (۱) مشورہ کرنا سنت الہی ہے رب العالمین نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا فرمانا چاہا تو فرشتوں سے مشورہ فرمایا:

﴿إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾ (البقرہ: ۳۰)

ہم زمین میں اپنا نائب پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

یہ مشورہ تھا اپنے ارادے کا محض اطلاع نہ تھی اسی لئے فرشتوں کو یہ سن کر اپنی رائے ظاہر کرنے کی جرأت ہوئی کہ عرض کیا ایسے کو اپنی خلافت عطا فرمائیں گے جو زمین میں فساد پھیلانے کا اور زمین میں قتل و خونریزی کرے گا؟ پھر اپنی رائے پیش فرمائی۔

ہم تیری تسبیح و تہلیل کرتے ہیں ہم ہی خلافت الہیہ کے زیادہ حقدار ہیں اگرچہ ان کی یہ رائے قبول نہ ہوئی اور فرمایا گیا۔

﴿إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ (البقرہ: ۳۰)

”ہم وہ جانتے ہیں جو تم نہیں جانتے۔“

اگر یہ مشورہ نہ ہوتا تو ملائکہ کبھی اپنی رائے پیش نہ کرتے ان کی صفت یہ ہے کہ ﴿يَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾ جس کا حکم ملتا ہے اس کی اطاعت کرتے ہیں بہر حال یہ مشورہ تھا جس میں بندوں کو تعلیم دینا مقصود تھا کہ ہم علیم و خبیر ہوتے ہوئے مشورہ فرماتے ہیں تم بھی کاموں میں مشورہ کر لیا کرو۔

(۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر علم و حکمت فہم و دانائی کھ ہوتے ہوئے اللہ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ﴾

(آل عمران: ۱۵۹)

”اے محبوب! اپنے چاٹناروں سے مشورہ لے لیا کریں اور جب عزم فرمائیں تو اللہ پر توکل فرمائیں۔“

مشورے کے کام:

کام تین طرح کے ہیں ایک وہ ہے جس کا حکم یا ممانعت شریعت میں آگئی یعنی احکام مخصوصہ دوسرے اسرار تیسرے کاروبار دینی یا دنیاوی۔ پہلے دو میں مشورہ کی گنجائش نہیں۔ تیسرے میں مشورہ کی ضرورت ہے اگر تمام دنیا نماز چھوڑ دیئے زکوٰۃ نہ دیئے حج نہ کرنے اور جہاد بند کرنے کا مشورہ دے تو غلط ہے یہ سارے کام ضرور کئے جائیں گے کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے ان کا حکم دے دیا پھر مشورہ کیسا؟ دیکھو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ اسلام کے وقت سارے جہان کی رائے تھی کہ شرک کیا جائے تو حید کا اعلان صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا وہ تمام مشورے باطل ہوئے اور ایک ذات کریم نے توحید کا ڈنکا بجایا رب کے معاملہ میں سب کی نہ مانو تو اس قسم کے احکام کے لئے وہ آیت ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا

أَنْ يَكُونُ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ﴾ (الاحزاب: ۳۶)

”مومن یا مومنہ کو اللہ اور رسول کے فیصلے کی موجودگی میں کوئی اختیار نہیں۔“

دیکھو نبوت میں کسی کے مشورہ کی ضرورت نہیں مگر سلطنت کے لئے مشورہ درکار ہے۔

اسی طرح راز و نیاز کی خبروں میں کسی سے مشورہ نہ کرو بلکہ کسی پر ظاہر بھی نہ کرو کہ

راز بتانے کی چیز ہی نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبیؐ سے

دو قسم کے علم حاصل کئے: (۱) ایک وہ جو تم میں پھیلا دیا۔ (۲) دوسرا وہ جو اگر کچھ بھی

ظاہر کروں تو تم میرا گلا کاٹ دو۔ معلوم ہوا کہ اغیار سے اسرار چھپائے جاتے ہیں باقی

کاموں میں مشورہ بڑی برکت کا باعث ہے۔ (۳) مشورہ کے کام میں اللہ تعالیٰ مدد

فرماتا ہے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنگ وغیرہ جیسے اہم کاموں میں انصار و

مہاجرین سے مشورہ فرماتے تھے معلوم ہوا کہ مشورہ سنت نبویؐ ہے اور اس مشورہ سے

امت کو تعلیم دینا مقصود تھا کہ ہم صاحب وحی ہوتے ہوئے مشورہ کرتے ہیں تو تم بھی

مشورہ کر لیا کرو۔

ایک شخص کی رائے اس کچے دھاگے کی طرح ہے جس سے کوئی مضبوط کام نہیں ہو

سکتا مگر مشورہ کے لئے جب چند رائیں مل جائیں گی تو اس مضبوطی کی طرح ہوں گی

جس سے بڑی بھاری چیزیں باندھ لی جاتی ہیں اسی لئے فرمایا گیا: يد الله على

الجماعة یعنی جماعت پر اللہ کا دست کرم ہے۔

آدم علیہ السلام کی اپنے بیٹے کو وصیت:

مروی ہے کہ آدمؑ نے اپنے بیٹے شیث علیہ السلام کو پانچ چیزوں کی وصیت کی اور

یہ بھی فرمایا کہ آئندہ نسل کو بھی تاکید کریں:

① اپنی اولاد سے کہہ دو دنیا پر کبھی مطمئن نہ ہونا میں نے جنت پر اطمینان کیا تھا مگر اللہ کو

پسند نہ آیا اور مجھے وہاں سے سفر کرنا پڑا۔

② اپنی بیویوں کی خواہشات پر کبھی عمل نہ کرنا میں نے اپنی بیوی کی خواہش پر عمل کرتے

ہوئے درخت کا پھل کھایا تھا اس پر ندامت دیکھنا پڑی۔

③ جو کام بھی کرنے کا ارادہ ہو پہلے اس کا انجام سوچ لو اگر انجام سوچ لیا تو جو کچھ میں

نے دیکھا ہے وہ نہ دیکھنا پڑے۔

④ جب کوئی چیز دل میں کھٹکتی ہو تو اس سے اجتناب کرو کہ درخت کا پھل کھاتے وقت

میرے دل میں بھی کھٹک تھی مگر میں نے خیال نہ کیا تو ندامت اٹھانا پڑی۔

⑤ اہم امور میں مشورہ کر لیا کرو اگر میں نے ملائکہ سے مشورہ کر لیا ہوتا تو وہ ابتلا نہ ہوتا

جو بعد میں ہوا۔ (آداب معاشرت)

استخارہ کرنا

۱ استخارہ کی اہمیت:

① صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں:

((كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا الْإِسْتِخَارَةَ كَمَا يُعَلِّمُنَا سُورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ))

”حضور ﷺ ہمیں استخارہ اس طرح اہتمام سے سکھاتے تھے جس طرح قرآن پاک کی سورت سکھاتے تھے۔“

② جب حضرت زینبؓ کو حضور ﷺ نے اپنے لیے پیغام نکاح دیا تو انہوں نے

حضور ﷺ کی رضامندی ہونے کے باوجود عرض کیا: لا حتی استشیر ربی

میں ابھی نکاح کرنے کے بارے میں کچھ نہیں کہتی جب تک اپنے رب سے مشورہ

نہ کر لوں اور پھر استخارہ کیا۔

۲ استخارہ کی حقیقت:

استخارہ ایک دعا ہے جس سے مقصود صرف طلب اعانت علی الخیر ہے یعنی استخارہ

کے ذریعہ سے بندہ خدا تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ میں جو کچھ بھی کروں اسی کے اندر خیر

ہو اور جس کام میں میرے لئے خیر نہ ہو وہ نہ کرنے دیجئے۔

استخارہ سے متعلق چند ضروری ہدایات:

۳ استخارہ ارادے سے پہلے:

استخارہ کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ ارادہ بھی کر لو پھر برائے نام استخارہ بھی کر لو

استخارہ ارادے سے پہلے کرنا چاہئے تاکہ ایک طرف قلب کو سکون پیدا ہو جائے اس

میں لوگ بڑی غلطی کرتے ہیں درست طریقہ یہ ہے کہ ارادہ سے پہلے استخارہ کرنا

چاہئے پھر استخارہ سے جس طرف قلب میں ترجیح پیدا ہو جائے وہ کام کرنا چاہئے۔

۴ استخارہ کا موقع و محل:

استخارہ ان امور میں مشروع ہے کہ جس کی دونوں جانب اباحت میں مساوی

(برابر) ہوں اور جس فعل کا حسن و قبح (اچھائی یا برائی) دلائل شرعیہ سے متعین ہو اس

میں استخارہ مشروع نہیں نیز استخارہ ایسے معاملہ میں ہوتا ہے جس میں نفع و ضرر دونوں کا

احتمال ہو اور جس میں عادتاً شرعاً یا یقیناً ضرر ہو اس میں استخارہ نہیں جیسے کوئی نماز نہ

پڑھنے کے لئے استخارہ کرنے لگے یا دونوں وقت کھانے پینے یا چوری کرنے کے لئے

استخارہ کرنے لگے۔

۵ استخارہ کے مفید ہونے کی ضروری شرط:

استخارہ اس شخص کا مفید ہوتا ہے جو خالی الذہن ہو ورنہ جو خیالات ذہن میں

بھرے ہوتے ہیں ادھر ہی قلب مائل ہو جاتا ہے اور وہ شخص یہ سمجھتا ہے کہ یہ بات مجھ کو

استخارہ سے معلوم ہوئی حالانکہ خواب یا قوت تخیلہ میں اس کے خیالات ہی نظر آتے

ہیں۔

۶ استخارہ کا مقصد:

استخارہ کا مقصد یہ نہیں ہے کہ جس کام میں تردد ہو رہا ہے کہ یہ کام ہمارے لئے

خیر ہے یا نہیں استخارہ کرنے سے یہ تردد رفع ہو جائے گا اور ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ

یہ کام ہمارے لئے خیر ہے یا شر پھر جو خیر ہوگا اس کو اختیار کریں گے۔ چنانچہ ہم مشاہدہ

کرتے ہیں کہ بعض اوقات استخارہ کے بعد وہ تردد ختم نہیں ہوتا اور یہ معلوم نہیں ہوتا

کہ دونوں باتوں میں سے کون سی بات مفید ہے معلوم ہوا کہ استخارہ کا مقصد یہ نہیں کہ کوئی بات اس کے ذریعہ سے معلوم کر لی جائے جس میں تردد (شک) ختم ہو جائے اور اس کام کی دونوں شقوں میں سے ایک شق کی ترجیح ضرور قلب میں آ جائے۔

۱۷۱ استخارہ کا وقت:

استخارہ کا کوئی وقت مقرر نہیں بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیشہ رات کو سوتے وقت ہی کرنا چاہئے ایسا کوئی ضروری نہیں کہ رات ہی کو کیا جائے بلکہ جب بھی موقع ملے اس وقت استخارہ کر لے نہ رات کی کوئی قید ہے اور نہ جاگنے کی کوئی قید ہے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ استخارہ کرنے کے بعد کوئی خواب آئے گا اور خواب کے ذریعہ ہمیں یہ بتایا جائے گا کہ یہ کام کرو یا نہ کرو۔ یاد رکھئے! خواب آنا کوئی ضروری نہیں کہ خواب میں کوئی بات ضرور بتائی جائے یا کوئی اشارہ ضرور دیا جائے بعض مرتبہ خواب میں آتا ہے اور بعض مرتبہ نہیں آتا۔

۱۷۲ استخارہ کا نتیجہ:

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ استخارہ کرنے کے بعد خود انسان کے دل کا رجحان ایک طرف ہوتا ہے جس طرف رجحان ہو جائے وہ کام کرے اور بکثرت ایسا رجحان ہو جاتا ہے لیکن بالفرض اگر کسی ایک طرف دل میں رجحان نہ بھی ہو بلکہ دل میں کشمکش موجود ہو تو بھی استخارہ کا مقصد حاصل ہے اس لئے کہ بندہ کے استخارہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ وہی کرتے ہیں جو اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے اس کے بعد حالات ایسے پیدا ہو جاتے ہیں پھر وہی ہوتا ہے جس میں بندے کے لئے خیر ہوتی ہے اور اس کو پہلے سے پتہ بھی نہیں ہوتا بعض اوقات انسان ایک راستے کو بہت اچھا سمجھ رہا ہوتا ہے لیکن اچانک ہی رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کو بندے سے پھیر دیتے ہیں لہذا اللہ تعالیٰ استخارہ کے بعد اسباب ایسے پیدا فرما دیتے ہیں کہ پھر وہی ہوتا ہے جس میں

بندے کے لئے خیر ہوتی ہے اب خیر کس میں ہے؟ انسان کو معلوم نہیں ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ فیصلہ فرما دیتے ہیں تمہارے حق میں یہی بہتر تھا اب جب وہ کام ہو گیا تو ظاہری اعتبار سے بعض اوقات ایسا لگتا ہے کہ جو کام ہوا وہ اچھا نظر نہیں آ رہا ہے دل کے مطابق نہیں ہے تو اب بندہ اللہ تعالیٰ سے شکوہ کرتا ہے کہ یا اللہ میں نے آپ سے مشورہ کیا تھا مگر کام وہ ہو گیا جو میری مرضی اور طبیعت کے خلاف ہے اور بظاہر یہ کام اچھا معلوم نہیں ہو رہا ہے اس پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرما رہے ہیں کہ ارے نادان تو اپنی محدود عقل سے سوچ رہا ہے کہ یہ کام تیرے حق میں بہتر نہیں ہوا لیکن جس کے علم میں ساری کائنات کا نظام ہے وہ جانتا ہے کہ تیرے حق میں کیا بہتر تھا اور کیا بہتر نہیں تھا اس نے جو کیا وہ تیرے حق میں بہتر تھا بعض اوقات تجھے دنیا میں پتہ چل جائے گا کہ تیرے حق میں کیا بہتر تھا اور بعض اوقات پوری زندگی میں کبھی پتہ نہیں چلے گا جب آخرت میں پہنچے گا تب وہاں جا کر پتہ چلے گا کہ واقعی یہی میرے لئے بہتر تھا۔

استخارہ کا طریقہ اور اس کی دعا

استخارہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ آدمی دو رکعت نفل استخارہ کی نیت سے پڑھے۔ نیت یہ کرے کہ میرے سامنے دو راستے ہیں ان میں سے جو راستہ میرے حق میں بہتر ہو اللہ تعالیٰ اس کا فیصلہ فرمادیں۔ پھر دو رکعت پڑھے اور نماز کے بعد استخارہ کی وہ مسنون دعا پڑھے۔ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی ہے۔ یہ بڑی عجیب دعا ہے پیغمبر ہی یہ دعا مانگ سکتا ہے اور کسی کے بس کی بات نہیں اگر انسان ایڑی چوٹی کا زور لگا لیتا تو بھی ایسی دعا کہی نہ کر سکتا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی۔

دعا یہ ہے:

((اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَاسْتَغْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَاسْأَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ 'فَاَنْتَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ' وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَانْتَ عَلَامُ الْغُیُوبِ 'اللّٰهُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنْ هَذَا الْاَمْرُ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَیْشَتِیْ وَعَاقِبَةُ اَمْرِیْ فِیْسِرْهُ لِّیْ ثُمَّ بَارِکْ لِّیْ فِیْهِ' وَاِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنْ هَذَا الْاَمْرُ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَیْشَتِیْ وَعَاقِبَةُ اَمْرِیْ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاقْدِرْ لِّیْ الْخَیْرَ حَیْثُ کَانَ ثُمَّ اَرْضْنِیْ بِهِ)) (ترمذی کتاب الصلوٰۃ)

اے اللہ! میں آپ کے علم کا واسطہ دے کر آپ سے خیر طلب کرتا ہوں اور آپ کی قدرت کا واسطہ دے کر میں اچھائی پر قدرت طلب کرتا ہوں آپ غیب کو جاننے

والے ہیں۔ اے اللہ! آپ علم رکھتے ہیں میں علم نہیں رکھتا یعنی یہ معاملہ میرے حق میں بہتر ہے یا نہیں اس کا علم آپ کو ہے مجھے نہیں اور آپ قدرت رکھتے ہیں اور میرے اندر قوت نہیں۔ یا اللہ! اگر آپ کے علم میں ہے کہ یہ معاملہ (اس موقع پر اس معاملہ کا تصور دل میں لائے جس کے لئے استخارہ کر رہا ہے) میرے حق میں بہتر ہے میرے دین کے لئے بھی بہتر ہے میری معاش اور دنیا کے اعتبار سے بھی بہتر ہے اور انجام کار کے اعتبار سے بھی بہتر ہے تو اس کو میرے لئے مقدر فرما دیجئے اور اس کو میرے لئے آسان فرما دیجئے اور اس میں میرے لئے برکت پیدا فرما دیجئے۔ اور اگر آپ کے علم میں یہ بات ہے کہ یہ معاملہ میرے حق میں برا ہے میرے دین کے حق میں برا ہے یا میری دنیا اور معاش کے حق میں برا ہے یا میرے انجام کار کے اعتبار سے برا ہے تو اس کام کو مجھ سے پھیر دیجئے اور مجھے اس سے پھیر دیجئے اور میرے لئے خیر مقدر فرما دیجئے جہاں بھی ہو۔ یعنی اگر یہ معاملہ میرے لئے بہتر نہیں ہے تو اس کو تو چھوڑ دیجئے اور اس کے بدلے جو کام میرے لئے بہتر ہو اس کو مقدر فرما دیجئے پھر مجھے اس پر راضی بھی کر دیجئے اور اس پر مطمئن بھی کر دیجئے۔ دو رکعت نفل پڑھنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کر لی تو بس استخارہ ہو گیا۔

آئیے پاکیزہ زندگی گزارنے کے

گر سیکھئے

حرفِ اعتراض:

میں نے نکاح کی ترغیب دلانے کی بابت تو شروع ہی میں کافی مواد تحریر کر دیا اور اب پھر کچھ تحریر کرنے لگا ہوں لیکن ایک یاد دہانی کی ضرورت پیش آئی اور ایک "اعتراض" کی یاد دہانی تو یہ ہے کہ آج کل کی نوجوان بچیوں میں شادی دیر سے کرنے کا جو رجحان چل پڑا ہے اور جس طریقے سے آپ بچیاں اپنے والدین "کٹ جتیاں" کر کے نکاح کرنے سے مانع ہیں کہ ابھی تو ہماری تعلیم پوری نہیں ہوئی پیارے تبا جان آپ نے ہماری اتنی خدمت کر ڈالی اب ہم بھی تو کچھ کما کر آپ کا بوجھ ہانٹ دیں۔

فرمانبردار بچیو!

یاد رکھنا! نہ تو والدین کو آپ کے بالوں کے پیسوں کی کوئی ضرورت ہوتی ہے نہ ہی کوئی "ہاتھ بٹوانے" کی حاجت۔ وہ تو اپنے منہ کا نوالہ بھی آپ کو کھلا دیتے ہیں اور پھر بھی مانتے نہیں آتی۔ ارے بچیو! یہ تو آپ اولاد کی تابعداری ہے کہ اگر آپ کچھ اچھی سوچ رکھتی ہیں لیکن ایسی جگہ پہ یہ سوچ ہرگز مناسب نہیں۔ اگر آپ کے والدین کو اللہ نہ کرے بعد میں کوئی مشکل پیش آئی تو آپ اپنے خاوند کے سکھ چھین کا خیال رکھتے "ٹیک صورت کے ساتھ ٹیک سیرت بن کر دکھائیے تو یاد رکھئے کہ ایک بیٹی کے ساتھ ان کو ایک بیٹا بھی مل جائے گا۔ دوسری بات یہ کہ سب سے قبل جو دعا تحریر کی 'اچھا تو یہی ہے کہ آپ کے شوہر صاحب یہ دعا یاد کر کے پڑھیں' (وگرنہ دیکھ کر ہی

پڑھ لیں) اگر ان کی توجہ اس بابت نہ ہوئی ہو تو آپ انہیں اس دعا کی بابت یاد دہانی کر دیجئے اللہ آپ کو اجر عظیم سے نوازے گا۔

نکاح کی دعا:

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا تَزَوَّجَ أَحَدُكُمْ امْرَأَةً أَوْ اشْتَرَى حَا
دِمًا فَلْيَقُلْ اَللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ
وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ وَإِذَا اشْتَرَى
بِعَيْنًا فَلْيَأْخُذْ بِذُرْوَةِ سَنَامِهِ وَلْيَقُلْ مِثْلَ ذَلِكَ وَفِي رِوَايَةٍ
فِي الْمَرْأَةِ وَالْخَادِمِ ثُمَّ لِيَأْخُذْ بِنَاصِيَتِهَا وَلْيَذْغُ بِالْبُرْكَوَةِ

(رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

ابو داؤد "کتاب النکاح" باب ما فی جامع النکاح ح ۲۱۶۰۔

"اور حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد (حضرت شعیب) سے اور وہ اپنے دادا (یعنی حضرت عبد اللہ بن عمرو) سے اور عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی تم میں سے کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرے یا کوئی غلام خریدے تو وہ یہ دعا پڑھے: اَللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا۔ اے اللہ! میں تجھ سے اس (کی ذات) کی بھلائی مانگتا ہوں اور بھلائی اس چیز کی جس پر تو نے ان کو پیدا کیا (یعنی اچھے اخلاق) اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس کی برائی سے اور اس چیز کی برائی سے جس پر تو نے اسے پیدا کیا (یعنی برے اخلاق و افعال) اور جب اونٹ خریدے تو اس کے گوبان کی بلندی کو پکڑ کر اسی طرح کہے یعنی مذکورہ بالا دعا پڑھے۔ ایک

اور روایت میں عورت اور غلام کے بارے میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ”پھر عورت یا غلام کی پیشانی کے بال پکڑ کر خیر و برکت کی دعا کرے۔“
 ”خیر و برکت کی دعا“ سے یہی مذکورہ بالا دعا ہے جیسا کہ حسن حصین سے مفہوم و معلوم ہوتا ہے۔

نکاح کے فوائد:

یوں تو نکاح کے بے شمار فوائد ہیں لیکن بنیادی طور پر دو فوائد ہیں جو باقی تمام فوائد کا جوہر ہیں راحت و آسائش اور بقائے نسل انسانی۔ ذیل میں ہم ان کی قدرے تفصیل پیش کرتے ہیں۔

نکاح راحت و آسائش کا ذریعہ:

مرد کے دل میں جب جنسی جذبات امنڈتے ہیں اور نفسانی خواہشات انگڑائیاں لیتی ہیں تو عورت مرد کے سارے احساسات و رجحانات کو اپنے سینے سے لگا لیتی ہے اور محبت و الفت کا آئینہ بن کر اس کے متحرک جذبات کو اپنے آئینے میں مرکوز کر لیتی ہے جس کی بدولت مرد کی جنسی پیاس بجھ جاتی ہے اور اسے قلبی سکون ملتا ہے۔
 ارشاد الہی ہے:

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ

الِیْهَا﴾ (الاعراف ۱۸۹)

”وہ خدا ہی ہے جس نے تمہیں ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ اس سے سکون حاصل کرے۔“

دوسری جگہ ارشاد الہی ہے:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا

وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً﴾ (الروم: ۲۱)

”اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے جوڑے پیدا کئے تاکہ ان سے تسکین پاؤ اور تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی پیدا کی۔“

یہ آیات واضح کرتی ہیں کہ عورت قدرت کا ایک عظیم شاہکار اور زندگی کی ایک حسین تصویر ہے روح کی تکمیل اور قلب کی راحت ہے آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہے قدرت کی بہترین تخلیق اور مرد کے دل کی تسکین ہے۔ اسلام عورت کی نسوانیت کو کتنا بلند اور محترم مقام عطا کرتا ہے۔

نکاح شادی بقائے نسل انسانی کا ذریعہ:

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہر جاندار کے جوڑے بنادیے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ہر چیز کا جوڑا جوڑا ہوتا نظام کائنات کا بنیادی اصول ہے یہ اصول جدید سائنس کی بنیاد ہے جدید تحقیق سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ نباتات میں بھی نر و مادہ ہوتے ہیں۔
 دنیا میں ہر چیز کا جوڑا پیدا کرنے کی غرض و غایت ہی افزائش نسل اور بقائے نسل ہے جبکہ انسان اشرف المخلوقات ہے اس کی نسل کی بقا ضروری ہے اس لئے اسلام نے بقائے نسل کے لئے نکاح کا دستور دیا اور یہ وہ دستور ہے جو تمام دستوروں سے برتر ہے۔

ہر انسان کی یہ طبعی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی وفات کے بعد اس کا کوئی نہ کوئی نام لیا جائے اس کا کوئی جانشین ہو اس کی نسل ہو اسلام نے اس طبعی خواہش کو از دو اجبی زندگی سے پورا کیا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ

بَيْنَ وَحَفْدَةٍ وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ (النحل: ۷۲)

”اور اللہ نے تمہارے لئے تمہارے ہی جسموں سے شریک حیات بنائیں اور تمہاری ان شریک حیات سے تمہارے لئے بیٹے اور پوتے پیدا کئے اور تمہیں پاکیزہ رزق عطا فرمایا۔“

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً (النساء: ۱)

”اے لوگو! اپنے رب سے ڈرتے رہو جس نے تمہیں ایک ہی اصل سے پیدا کیا ہے اور اسی سے اس کا جوڑا تخلیق کیا اور ان دونوں کے ذریعہ بہت سے مرد اور عورتیں پیدا کیں۔“

اور حدیث پاک میں آتا ہے:

(اتَزَوَّجُوا الْوُفُودَ وَتَنَاسَلُوا فَاِنِّي مُبَاهٍ بِكُمْ الْاُمَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ) (ابن کثیر)

”بہت زیادہ بچے جننے والی عورت سے شادی کرو اور نسل بڑھاؤ اس لئے کہ میں قیامت کے دن تمہاری وجہ سے فخر کروں گا (کہ میری امت اتنی زیادہ ہے)۔“

اس حدیث میں شادی کا حکم دیتے ہوئے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ شادی کا منشاء تو والد و تاسل اور نسل انسانی کی بقا ہے تاکہ افراد امت کی تعداد زیادہ سے زیادہ ہو۔

یاد دہانی!

دیکھئے میں ابھی قبل ازیں ہی ”عورت بحیثیت ماں“ میں یہ بات مختلف حوالوں سے ثابت کر چکا ہوں کہ آپ کے لئے ماں بننا ہی سب سے بڑا اعزاز ہے اور یہاں پر

نبی کریم ﷺ کی اس حدیث مبارکہ نے اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ فرمانبردار بچیو! اللہ عزوجل آپ کو سمجھ کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قابل قدر کردار:

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:

((اِنِّي لَا تَزَوِّجُ الْمَرْأَةَ وَمَالِي بِهَا حَاجَةٌ وَأَطْوَبُهَا وَمَالِي فِيهَا مِنْ شَهْوَةٍ قَلِيلٌ فَقَدْ يَخْمَلُكَ عَلَى ذَلِكَ يَا أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ قَالَ أَحَبُّ أَنْ يُخْرِجَ مِنِّي مَنْ يُكَافِّرُ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))

”میں شادی کرتا تو ہوں مگر مجھے اس کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی اور میں صحبت کرتا ہوں مگر مجھے کچھ خواہش نہیں ہوتی“ آپ سے دریافت کیا گیا: امیر المؤمنین! پھر کیا چیز آپ کو شادی پر آمادہ کرتی ہے؟ فرمایا: میں چاہتا ہوں مجھ سے بکثرت اولاد پیدا ہو تاکہ قیامت کے دن حضور ﷺ کا فخر کریں۔“

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اسلام نے چار وجوہ کی بناء پر اولاد کی پیدائش اور پرورش کی ترغیب دی ہے۔

① اصل خالق اللہ تعالیٰ ہے والدین صرف پیدائش کا ظاہری سبب ہیں لیکن چونکہ وہ اللہ کے ایک خاص مقصد یعنی بقائے نسل انسانی کا سبب بنتے ہیں لہذا ان کا مقام بہت بلند ہے۔

② حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں اپنی امت کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا اس لئے والدین حضور ﷺ کے اس فخر کا باعث بنتے ہیں اور آپ ﷺ کی محبت حاصل کرتے ہیں۔

۵) آدمی کے مر جانے کے بعد نیک اولاد صدقہ جاریہ ہے اور وہ اپنے والدین کے حق میں دعائے مغفرت کرتی ہے۔

۶) اگر اولاد بچپن میں مر جائے تو وہ والدین کی شفاعت کرے گی۔

{۳} شادی و دو خاندانوں میں ملاپ کا ذریعہ:

دو خاندانوں میں عاداتی، روایاتی اور طبقاتی فرق کے باوجود نکاح انہیں جوڑ دیتا ہے اور معاشرے کے مختلف افراد کو باہم رشتے از دواج میں پرو دیتا ہے۔

((عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ تَرَ لِمُتَحَابِّينِ مِثْلَ النِّكَاحِ)) (مشکوٰۃ کتاب النکاح)

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دو لوگ محبت کرنے والوں کے لئے نکاح سے بڑھ کر تم نے کوئی چیز نہیں دیکھی۔“

یعنی دو خاندانوں میں ملاپ اور جوڑ پیدا کرنے میں نکاح کا بندھن سب سے زیادہ مضبوط و مستحکم ہے، محبت بڑھانے اور باقی رکھنے میں نکاح سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں، دو خاندانوں اور دو جانوں میں یگانگت اور تعاون کا جذبہ پروان چڑھانے میں نکاح لاٹانی ہے، کسی خاندان کا مرد اور کسی خاندان کی عورت دونوں ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہوتے ہیں لیکن جب نکاح ہو جاتا ہے تو ہر ایک دوسرے پر شمار ہوتا ہے اور محبت و الفت وہ رنگ لاتی ہے کہ عمر بھر ساتھ نہیں چھوٹا، دونوں زندگی بھر کے لئے ایک دوسرے کے ہمدرد دکھ سکھ کے ساتھی اور آرام و تکلیف کے شریک ہو جاتے ہیں، ایک سہمی دوسرے سہمی سے گلے مل رہا ہے، عورت کا بھائی اپنی بہن کے شوہر کی تیار داری میں لگا ہوا ہے، داماد ساس کو حج کے لئے لے جا رہا ہے، سرداما کو کاروبار کے لئے رقم دے رہا ہے۔

غرضیکہ ایک محبت تو علاقہ قرابت سے ہوتی ہے خون کے رشتے کی یہ محبت قدرتی ہوتی ہے اس کے علاوہ میاں بیوی کے درمیان جو محبت نکاح سے ہوتی ہے ایسی محبت کہیں نہیں دیکھی، عورت جب عقد نکاح میں آ جاتی ہے تو اس کے ماں باپ، بہن بھائیوں کی محبت پر خاوند کی محبت غالب آ جاتی ہے اور رفتہ رفتہ مرد کی محبت بڑھتی چلی جاتی ہے اور اقرباء کی محبت گھٹتی جاتی ہے یہاں تک کہ میاں بیوی ایک جان دو قالب ہو جاتے ہیں یہ محبتیں خدمتیں اور کیفیتیں ایک شرعی نکاح ہی کی بدولت ہیں۔ سبحان اللہ! کیا عجب چیز ہے نکاح۔

{۴} شادی احساس ذمہ داری کا ذریعہ:

قرآن مجید میں نکاح کو میثاقاً غلیظاً (پختہ عہد و پیمان) کہا گیا ہے اس معاہدہ کی رو سے مرد و عورت اپنے کندھوں پر بعض اہم ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کا اقرار کرتے ہیں اس طرح شادی سے مرد میں ایک احساس ذمہ داری پیدا ہوتا ہے جو بغیر شادی کے پیدا نہیں ہوتا کیونکہ غیر شادی شدہ آدمی کی توجہ کا مرکز صرف اس کی اپنی ذات ہوتی ہے لیکن شادی کے بعد گھر کی دیکھ بھال، بیوی کے حقوق کی ادائیگی، آرام و آسائش، اصلاح و تربیت، صبر و تحمل وغیرہ کی ذمہ داری مرد کے دوش پر آ پڑتی ہے پھر اولاد پیدا ہونے پر یہ ذمہ داریاں مزید بڑھ جاتی ہیں۔ مرد ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لئے اپنی تمام تر استعداد بروئے کار لاتا ہے اور ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی ہر ممکن سعی کرتا ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے عبداللہ بن مسعودؓ کے حوالے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

((الْتَمَسُوا الْغِنَى فِي النِّكَاحِ)) (ابن کثیر)

”نکاح کے ذریعہ غنی تلاش کرو۔“

ایک روایت میں یوں آتا ہے:

((الْتَمِسُوا الرِّزْقَ بِالْإِنْكَاحِ)) (مدارک)

”رزق شادی میں تلاش کرو۔“

ان فرمودات سے مراد یہ ہے کہ احساسِ ذمہ داری سے انسان جدوجہد پر مجبور ہو جاتا ہے اور عمل و کوشش سے ان وسائل کو تلاش کرتا ہے جو رزق کی فراخی کا سبب ہیں۔ مجرد آدمی میں اس قسم کا احساس پیدا نہیں ہو سکتا اسی احساسِ ذمہ داری کو مسلمانوں کے دلوں میں جاگزیں کرنے کے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور اپنی ذمہ داری کا جوابدہ ہے۔ مرد اپنے بیوی بچوں کا ذمہ دار ہے اور اس کو اس ذمہ داری کا جواب دینا پڑے گا اور عورت اپنے خاوند کے گھر اور بچوں کی ذمہ دار ہے اور اپنی اس ذمہ داری کے لئے اسے جوابدہ ہونا پڑے گا۔“ (بخاری و مسلم)

﴿شادی حصولِ غناء کا ذریعہ﴾

اسلام نے انسان کی سب سے فطری خواہش شادی کی تکمیل کے لئے نہ صرف نکاح کا حکم دیا بلکہ نکاح کی غیر معمولی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جو لوگ خواہ مخواہ معاشی خطرات کو محسوس کرتے ہوئے ازدواجی زندگی سے گریز کرنا چاہتے ہیں ان کی اس غلط فہمی کو دور کیا کہ نکاح فقر و افلاس، تنگدستی و بد حالی کا باعث ہے اور تجربہ و ترک نکاح، خوشحالی و فراخ دستی کا موجب ہے۔ چنانچہ ایسے لوگوں کے اس خام خیال کی تردید کے لئے قرآن پاک میں نکاح کرنے کا حکم دیا گیا:

((وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِنَّ

يَكُونُوا أَفْقَرًا يَغْنِيهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ)

(النور: ۳۲)

”اور تم میں سے جو مجرد ہیں خواہ مرد ہوں یا عورت ان کے نکاح کرو و اسی طرح تمہارے غلام اور باندیوں میں جو حقوقِ زوجیت کے قابل ہوں ان کا بھی نکاح کرو و اگر وہ تنگدست ہوں تب بھی نکاح کرو واللہ ان کو اپنے فضل و کرم سے غنی کر دے گا اور اللہ تعالیٰ بہت وسعت دینے والے، خوب جاننے والے ہیں۔“

اس آیت کی تفسیر میں علامہ محمود آلوسی روح المعانی میں فرماتے ہیں:

اس آیت میں حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے شادی کرتے پر تو نگری کا وعدہ معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ جو لوگ فقر و افلاس کا بہانہ کر کے نکاح سے گریز کرنا چاہتے ہیں ان کی بہانہ جوئی کا سبب باب مقصود ہو۔

اور خدا کی دو صفات واسع اور علیم ذکر کر کے بتلایا گیا ہے کہ رزق کی فراخی و تنگی کا دار و مدار نکاح کرنے یا نہ کرنے پر موقوف نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے علم و حکمت کے مطابق جس پر چاہتے ہیں رزق کے دروازے کھول دیتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں تنگدستی میں مبتلا کر دیتے ہیں چونکہ اسباب کی اسیر طبیعتوں میں یہ بات رچ بس گئی ہے کہ اہل و عیال کا ہونا فقر و افلاس کا اور نہ ہونا فراوانی کا سبب بنا کرتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اس بے بنیاد خیال کی غلطی بھی واضح کر دی جائے۔

واقعات کی شہادت اس پر موجود ہے کہ کبھی مال کی فراوانی اور اولاد کی کثرت دونوں باتیں جمع ہو جاتی ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان کے پاس نہ مال ہوتا ہے نہ زن و فرزند تو معلوم ہوا کہ عموماً انسان کی قوت و اہمیت نے ان دونوں باتوں (کثرتِ اولاد و تنگدستی اور خوشحالی و تنہائی) میں جو تعلق رکھا ہے وہ غلط ہے بلکہ خوشحالی و تنگدستی دونوں اللہ تعالیٰ (جو مسبب الاسباب ہے) کے ارادہ و مشیت پر موقوف ہیں۔

قرآن پاک نے ایک دوسری آیت میں بھی اس طرف اشارہ کیا ہے:
﴿وَإِنْ خِفْتُمْ عِيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيَكُمْ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنْ شَاءَ﴾

(التوبہ: ۲۸)

”اگر تمہیں تنگدستی کا اندیشہ ہے تو اللہ تعالیٰ عنقریب تمہیں اپنے فضل و کرم سے غنی کر دے گا اگر اسے منظور ہوا۔“

دیکھئے اس آیت میں بھی خوشحالی اور فراخی کو مشیت ایزدی پر معلق کیا گیا ہے جب بندے کو یقین کامل ہو جائے گا کہ میرے رزق کا معاملہ میرے پروردگار کے ہاتھ میں ہے تو نکاح کرنے سے نہیں ڈرے گا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تاثر:

آیت مذکورہ کی تفسیر کے بعد علامہ محمود آلوسی نے متعدد احادیث اور اقوال صحابہؓ بھی ذکر کئے ہیں جن سے نکاح کا باعث خیر و برکت ہونا نیز فقر و افلاس دور کرنے اور باعث خوشحالی و فراخی ہونا معلوم ہوتا ہے۔

① ایک مرتبہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا:

أَطِيعُوا اللَّهَ فِيمَا أَمَرَكُمْ بِهِ مِنَ النِّكَاحِ يُنْجِزْ لَكُمْ مَا وَعَدَكُمْ مِنَ الْغِنَى

”لوگو! تم اللہ تعالیٰ کے حکم نکاح کی تعمیل کرو اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ (غنی بنانے کا) پورا کر دیں گے۔“

② ((عَنْ بِشَامِ بْنِ غَزْوَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْكِحُوا النِّسَاءَ فَإِنَّهُنَّ يَأْتِيَنَّكُمْ بِالْمَالِ))
”حضرت بشام بن عروہ اپنے باپ عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورتوں سے نکاح کرو وہ تمہارے لئے مال لائیں گی۔“

③ ((عَنْ أَبِي بَرْزَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَلِيلٌ حَقٌّ عَلَى اللَّهِ عَوْنُكُمْ الْمَكَاتِبُ الَّتِي يُرِيدُ الْإِدَاءَ وَالنَّكَاحُ الَّتِي يُرِيدُ الْغَفَافَ وَالْمُجَابِدُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ))

”حضرت ابو ہریرہؓ حضور ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ تین آدمیوں کی مدد کرنا اللہ کے ذمہ ہے ایک غلام جو بدل کتابت ادا کرنا چاہتا ہو دوسرا عفت و پاکدامنی کے ارادے سے شادی کرنے والا تیسرا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔“

④ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الْتَمِسُوا الْغِنَى فِي النِّكَاحِ
”نکاح کے ذریعہ غنا تلاش کرو۔“

اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:

إِنِّي لَا عَجَبَ مِمَّنْ يَدْعُ النِّكَاحَ بَعْدَ سَمْعِهِ لِهَذِهِ الْآيَةِ))

(مجمع الزوائد)

”مجھے اس شخص پر حیرت ہوتی ہے جو یہ آیت سننے کے بعد بھی نکاح نہیں کرتا۔“

ان فرمودات پر غور کیا جائے تو واقعات و حقائق اس حقیقت کی صداقت پر شاہد ہیں۔ عموماً دیکھنے میں آیا ہے کہ شادی ہو جانے کے بعد گھر کی دیکھ بھال بیوی بچوں کے حقوق کی ادائیگی نان و نفقہ کی ذمہ داری مرد کے کندھوں پر آ پڑتی ہے مرد ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لئے اپنی تمام تر استعداد و پردے کا لالٹا ہے اور ان

ذمہ داریوں کو نبھانے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے جس کے نتیجے میں فقر و افلاس دور ہو جاتا ہے اور خوشحالی و فراوانی ذریعے ڈال لیتی ہے۔

اور یہ بھی عام مشاہدہ میں ہے کہ اونچے اور خوشحال گھرانے کے مرد سے شادی عورت کی کایا پلٹ دیتی ہے اور نہ صرف یہ کہ اس کی زندگی سنور جاتی ہے بلکہ بے اوقات تو اس کے بہن بھائیوں اور والدین کے معاشی حالات بھی فقط اسی سنت نبوی پہ عمل کرنے سے سنور جاتے ہیں۔

﴿شادی عزت و عظمت کا ذریعہ﴾

جس طرح لباس مرد و عورت کی زینت ہے اسی طرح شوہر بیوی کی زینت ہے اور بیوی اپنے شوہر کی زینت ہے۔

عورت سے مرد کی زینت یہ ہے کہ شادی شدہ آدمی لوگوں کی نظر میں معزز ہوتا ہے جبکہ غیر شادی شدہ آدمی کی دنیا والوں کی نظر میں عزت کم ہوتی ہے۔

دوسرے یہ کہ شادی شدہ آدمی سے لوگ اپنے بیوی بچوں پر خطرہ محسوس نہیں کرتے جبکہ غیر شادی شدہ سے ہر شخص کو اپنے بیوی بچوں اور عزت و آبرو کا خطرہ رہتا ہے۔

اور مرد سے عورت کی زینت یہ ہے کہ لوگ اس پر کسی قسم کا شک و شبہ نہیں کرتے مرد خواہ پاس رہے یا پردیس میں رہے جبکہ نکاح سے پہلے عورت کی عزت و آبرو ہر وقت خطرے میں رہتی ہے۔

﴿شادی تحفظِ صحت کا ذریعہ﴾

تمام اطباء اور ڈاکٹر حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ شادی انسانی صحت کے لئے ضروری ہے اور انسان کی صحت برقرار رکھنے میں ازدواجی زندگی کو بڑا دخل ہے اگر مادہ تولید ایک عرصہ تک رکا رہے تو قسمائیم کی بیماریاں جنم لیتی ہیں۔

جبکہ جانیوس اپنی کتاب حفظ الصحت میں لکھتے ہیں:

مادہ تولید کا اخراج معتدل صحت پر خوشگوار اثرات مرتب کرتا ہے بہت سی بیماریوں سے آدمی محفوظ رہتا ہے ورنہ رکاوٹ سے ایک زہریلا مادہ تمام جسم میں دوڑ جاتا ہے جو صحت کے لئے مضر ہے۔

آگے چل کر وہ لکھتے ہیں: بیوی سے اختلاط مخصوص اعتدال کے ساتھ تندرستی کے مختلف ذرائع میں سے ایک بڑا ذریعہ ہے اور بہت سے امراض کے لئے شفاء ہے۔

﴿شادی عفت و عصمت کی حفاظت کا ذریعہ﴾

انسان کا سب سے قیمتی جوہر اس کی عفت و پاکدامنی ہے اس کو ہر نایاب کو محفوظ رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے بے شمار قواعد و ضوابط مقرر فرمائے ہیں جن میں سے ازدواجی زندگی ایک بنیادی ذریعہ ہے۔ قرآن پاک نے نکاح کو احسان سے تعبیر کیا ہے جس کے معنی قلعہ کے ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَأَحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ

مُفْسِحِينَ﴾ (النساء: ۲۴)

”اور محرمات کے علاوہ دیگر عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں اس طرح کہ تم انہیں اپنے مال کے عوض عقد نکاح میں لانے والے بنو محض خواہش پوری کرنے والے نہ بنو۔“

گویا نکاح مرد و عورت کے لئے ایک قلعہ ہے جہاں سے شیطان ان پر حملہ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

قرآن مجید میں دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت کو ایک دوسرے کے لئے لباس قرار دیا ہے چنانچہ فرمانِ ذی شان ہے۔

﴿مَنْ لِبَاسٍ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهَا﴾ (البقرہ: ۱۸۷)

”عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم عورتوں کا لباس ہو۔“

جس طرح لباس انسانی جسم کی پردہ پوشی کرتا ہے اسی طرح مرد و عورت جب عقد نکاح میں آ جاتے ہیں تو وہ ایک دوسرے کے جوہر عفت کی حفاظت کرتے ہیں۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغْصَى لِلْبَصَرِ وَأَخْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ))

(مشکوٰۃ کتاب النکاح)

”اے نوجوانو! تم میں سے جو حقوق زوجیت ادا کرنے کی قدرت رکھتا ہو اسے نکاح کر لینا چاہئے کیونکہ اس سے نگاہ پست رہتی ہے اور شرمگاہ کی حفاظت ہوتی ہے اور جو استطاعت نہ رکھتا ہو وہ روزے رکھے کیونکہ روزہ اس کے حق میں ڈھال ہے۔ ایک دوسری حدیث کا مفہوم ہے:

((مَنْ أَرَادَ أَنْ يَلْقَى اللَّهَ طَاهِرًا مُطَهَّرًا فَلْيَتَزَوَّجِ الْخَرَائِرَ))

(مشکوٰۃ کتاب النکاح)

”جو شخص اللہ تعالیٰ سے صاف ستھرا بن کر ملاقات کرنے کا خواہشمند ہے اسے چاہئے کہ شریف عورتوں سے شادی کرے۔“

اسلام میں عفت و عصمت کی اہمیت:

① عفت و عصمت زندگی کا ایک ایسا مقدس ہیرا ہے جسے انسان کبھی لٹا ہوا گوارا نہیں کر سکتا اس کے تحفظ کی خاطر اپنی پوری قوت صرف کر دیتا ہے حتیٰ کہ جان تک کی بازی لگا دیتا ہے اور اپنی عزت و آبرو پر آٹھ نہیں آنے دیتا۔

قرآن پاک نے متعدد مقامات میں عفت و عصمت اور سیرت و کردار کی ترغیب دی ہے۔ ایک مقام پر عفت و عصمت اور عزت و آبرو کی حفاظت کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا ہے:

((وَالْحَفِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَفِظَاتِ وَالذَّكِرِينَ اللَّهُ كَثِيرًا

وَالذَّكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا)) (الاحزاب: ۳۵)

”اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے مرد اور عورتیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔“

دیکھئے! اس آیت میں کتنی وضاحت سے فرمایا گیا ہے کہ جو خواتین و حضرات گوہر عصمت اور جوہر عفت کا تحفظ کرتے ہیں دل و دماغ میں تقصیر پیدا نہیں ہونے دیتے حدود و خداوندی میں رہتے ہوئے جنسی خواہشات پوری کرتے ہیں اور حدود اللہ کو توڑنے سے اجتناب کرتے ہیں ایسے افراد کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت و بخشش اور اجر عظیم کی لازوال نعمت تیار کر رکھی ہے۔

① اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے ایک بڑی صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ اپنی عزت و آبرو عفت و عصمت پر بدرکداری کا سیاہ دھبہ نہیں لگنے دیتے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

((وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي

حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ)) (الفرقان: ۶۸)

”اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جو کسی انسان کو ناحق قتل نہیں کرتے اور زنا نہیں کرتے۔“

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عفت و عصمت اور پاکدامنی انسان کی ایک ایسی صفت ہے جو سیرت و کردار اور اخلاق و اعمال کی روح رواں ہے۔ جس طرح غیر اللہ کی پرستش سے توحید کی رگ جان کٹ جاتی ہے اور آدمی کافر ہو جاتا ہے اور قتل ناحق سے آدمی کی ظاہری اور موجودہ زندگی کا تعلق ختم ہو جاتا ہے اسی طرح زنا و بدکاری انسان کی عفت و عصمت اور سیرت و کردار کی مٹی پلید کر کے عزت و آبرو خاک میں ملا کر ابدی نیند سلا دیتی ہے۔

نکاح کی اہمیت کا بین الاقوامی طور پر تسلیم کیا جانا

مصر کے دار الحکومت قاہرہ میں مختلف دانشوروں کی ایک کانفرنس ہوئی جس کا موضوع تھا ”شادی کے فوائد“ ناس کانفرنس میں شریک ماہرین نے جو دلائل دیئے وہ کچھ یوں تھے۔

شادی انسان کی فطری ضرورت ہے۔

شادی شدہ افراد کی صحت غیر شادی شدہ افراد کے مقابلے میں عموماً بہتر ہوتی ہے اور ۵۵ فیصد افراد میں خطرناک بیماریوں کی وجہ غیر شادی شدہ ہونا یا طلاق کے بعد تنہا رہنا ہے۔

شادی کرنے سے لوگ کئی نفسیاتی بیماریوں سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ شادی کرنا بذات خود نفسیاتی اور ذہنی صحت کی علامت ہے۔ شادی شدہ افراد نفسیاتی بیماریوں سے عموماً محفوظ رہتے ہیں۔

۵۵ سے ۶۰ سال کی عمر کے نو ہزار افراد پر تحقیق ہوئی تو معلوم ہوا کہ بڑھاپے کے امراض سے محفوظ اور تندرست رہنے کا سب سے بڑا از خوشگوار ازدواجی زندگی گزارنا ہے۔

یہ بات اب بین الاقوامی طور پر تسلیم کی گئی ہے کہ شادی شدہ افراد کی عمریں غیر شادی شدہ افراد کی نسبت بہت زیادہ طویل ہوتی ہیں۔

شادی شدہ افراد اعصابی اضطراب سے عموماً محفوظ رہتے ہیں وہ عملکین و افسردگی اور نفسیاتی دباؤ کا شکار نہیں ہوتے۔

نکاح نہ کرنے کے نقصانات

فرمانبردار بچو!

آج کل آپ نے دنیاوی زندگی کے دوڑ میں اپنے آپ پر طرح طرح کی پابندیاں لگا رکھی ہیں اور ہر پابندی کی تان یہی آ کر ٹوٹتی ہے کہ میں ابھی نکاح کے بندھن میں نہیں بندھنا چاہتی۔ ابھی تو میری پڑھائی ہی پوری نہیں ہوئی۔ ابھی تو میں نے عملی زندگی کی بابت کچھ سیکھا ہی نہیں اور جن کا یہ بہانا نہیں چلتا وہ اپنے والدین کو ”لاچ“ میں جتلا کئے ہوئے ہیں کہ ساری زندگی آپ نے میری پڑھائی پہ ”انوسٹنٹ“ کی میرا بھی تو کچھ فرض ہے کہ آپ کا ہاتھ بناؤں۔

اونادان بچو!

والدین اپنی اولاد پر کبھی بھی اس لئے صرف نہیں کرتے کہ انہیں اس کے بدلے کچھ چاہیے ہوتا ہے۔ یہ سوچ آپ کی صرف اسی وقت تک برقرار ہے جب تک آپ خود ماں نہیں بن جاتیں۔

خدارا!

ان باتوں کا بہانہ بنا کر اپنے آپ کو ان ”مشکلات“ میں پڑنے سے بچانے کے بہانے مت تراشے۔ یاد رکھئے! انہی ”مشکلات“ سے گزر کر آپ کی جنت کا راستہ جاتا ہے۔ پیاری بیٹیو! چاہے آپ کو برا لگے لیکن میں تو بار بار یہ باتیں کہتا ہی رہوں گا۔ اب جبکہ آپ اس بندھن میں بندھ چکی تو دوسری بہنوں کو بھی آگاہ کرنا آپ کا فرض ہے کہ شادی جلدی کرنے میں کتنے فوائد ہیں اور انہیں اس رشتے کے positive

پہلو بتائیے نہ کہ اپنی زندگی تو انجوائے کرتی رہے اور انہیں ڈرائی جائیے۔ شادی میں دیر کی وجہ سے جو مسائل پیدا ہوتے ہیں ان کا ہم یہاں پر کچھ ذکر کئے دیتے ہیں:

۱) بدکاری و زنا کاری کا فروغ:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ حجتہ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ مادہ تولید کی پیداوار میں جب زیادتی پیدا ہو جاتی ہے تو اس کا بخار دماغ کی طرف چڑھتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خواہ صورت مردوں کو دیکھنا عورت کا محبوب مشغلہ بن جاتا ہے اور ان کی محبت دلوں میں جگہ بنانے لگتی ہے اس بخار کا ایک حصہ شرمگاہ کی طرف بھی آتا ہے جس کی وجہ سے تقاضے میں شدت پیدا ہوتی ہے اور مقاربت کی قوت ابھرتی ہے اور یہ عموماً نو جوانی کے دور میں ہوتا ہے اور شادی نہ ہونے کی صورت میں بالآخر یہ چیز زنا کے لئے ابھارتی ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جہاں نکاح نہیں ہو گا وہاں سفاح (زنا) ہوگا۔

زنا اور اس کی تباہ کاریاں:

مولانا ظفر الدین اپنی کتاب اسلام کا نظام عفت و عصمت میں امام رازی کے حوالہ سے زنا کے مفاسد کی نشان دہی کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

① زنا سے نسب مختلط اور مشتبہ ہو جاتا ہے آدمی یقین کے ساتھ تو نہیں کہہ سکتا کہ زانیہ کی اولاد کس مرد سے ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس بچہ کی پرورش کا کوئی مرد بھی ذمہ دار نہیں بنتا بچہ ضائع ہو جاتا ہے یا خود ماں ایسے بچہ کو مار ڈالتی ہے اور پھینک دیتی ہے یا وہ غریب بچہ سرپرست نہ ہونے کی وجہ سے نتیجتاً تباہ و برباد ہو جاتا ہے جو عالم کی ویرانی اور انتظامِ نسل انسانی کا ذریعہ ہوتا ہے۔

② زانیہ عورت کو زنا کی لت پڑ جاتی ہے طبع سلیم رکھنے والے مرد کو ایسی عورت سے کہیں

معلوم ہوتی ہے پھر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی سلیم الطبع اس سے شادی تک کرنے کے لئے اپنے کو آمادہ نہیں کر سکتا محبت والفت تو خیر دور کی بات ہے اور یہی وجہ ہے کہ جو عورت زنا میں مشہور ہو جاتی ہے اس سے لوگ عموماً نفرت کا اظہار کرتے ہیں اور سوسائٹی میں وہ حقیر اور ذلت آمیز نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔

⑤ زنا کا دروازہ جب کھل جاتا ہے کوئی مستقل قاعدہ و قانون باقی نہیں رہتا تو پھر کسی خاص مرد کو کسی خاص عورت سے کوئی خاص لگاؤ باقی نہ رہے گا جس کو جہاں موقع مل گیا اور جس نے جس کو بلایا وہاں دونوں مل گئے اور جو کچھ کرنا ہو کر گزریں اور یہی حال حیوانات کا ہے پھر انسان و حیوان میں فرق ہی کیا رہ جائے گا۔

⑥ عورت سے صرف یہی مقصد نہیں ہے کہ اس سے جنسی تقاضے پورے کئے جائیں بلکہ مقصد یہ بھی ہے کہ دو جان مل کر ایک دوسرے کے رفیق حیات ہوں گھر کے کاموں میں بھی کھانے پینے میں بھی بچوں کی تعلیم و تربیت میں بھی اور زندگی کی دوسری ضروریات میں بھی پھر غم میں بھی اور خوشی میں بھی اور یہ ساری باتیں اس وقت تک قطعاً پیدا نہیں ہو سکتی ہیں جب تک عورت کسی ایک کی جائز طریقہ پر ہو کر نہ رہے اور اس کی شکل یہی ہو سکتی ہے کہ زنا کو بالکل حرام قرار دے دیا جائے اور نکاح کے قانونی دائرہ میں مرد و عورت کے تعلقات کو محدود کر دیا جائے۔

بوقت زنا ایمان کی حالت:

رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

((إِذَا زَنَى الْعَبْدُ خَرَجَ مِنْهُ الْإِيمَانُ فَكَانَ فَوْقَ رَأْسِهِ

كَالْظِّلَّةِ فَإِذَا خَرَجَ مِنْ ذَلِكَ الْعَمَلِ يَزْجَعُ إِلَيْهِ الْإِيمَانُ))

(مشکوٰۃ باب الکبائر)

”بندہ جب زنا کرتا ہے اس وقت ایمان اس سے نکل جاتا ہے اور اس کے

سر پر سائبان کی طرح سایہ فلن ہوتا ہے اور جب عمل زنا سے فارغ ہوتا ہے تو ایمان اس کی طرف پلٹ آتا ہے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زنا اتنی بری چیز اور اس قدر معیوب فعل ہے کہ اس کے ارتکاب کے وقت ایمان کا پلٹنا ہے اور گھبرا کر قالب چھوڑ دیتا ہے اس کی غیرت برداشت نہیں کرتی کہ اس حالت میں بندہ سے چمٹا رہے ہاں جب وہ فارغ ہوتا ہے اس کا قلب اس کو ملامت کرتا ہے اور جب قلب مضطرب ہوتا ہے تو پھر وہ ترس کھا کر پلٹ آتا ہے اور ایمان کو غیرت کیوں نہ آئے کہ خود رب العزت کو ایسے فعل پر غیرت آتی ہے۔

غیرت خداوندی:

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحابی نے دریافت کیا اگر کوئی اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو دیکھ لے تو کیا کرے؟ آپ نے فرمایا چار مہینے گواہ پیش کرے مگر سعد بن عبادہ جو فطرنا غیر معمولی غیور تھے بول اٹھے اگر میں اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو دیکھ لوں تو میری غیرت برداشت نہ کر سکے گی میں اسی وقت نکواری اٹھا کر اس کے دو ٹکڑے کر دوں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سعد کی غیرت پر تعجب کیوں کرتے ہو؟ خدا گواہ ہے میں خود سعد سے زیادہ غیرت والا ہوں اور میری غیرت سے بڑھ کر خود اللہ رب العزت کی غیرت ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ظاہری اور باطنی تمام فواحش کو حرام قرار دیا ہے۔

ایک نوجوان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت:

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک نوجوان خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور اس نے درخواست کی یا رسول اللہ! مجھے زنا کی اجازت دیجئے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس کی یہ گستاخی بہت بری معلوم ہوئی چنانچہ اس کو سب ہی

لوگوں نے ڈانٹا اور اس کے اس سوال پر نفرت کا اظہار کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نوجوان سے فرمایا قریب آ جاؤ وہ قریب آ گیا۔ آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ وہ بیٹھ گیا اب آپ نے اس کو سمجھانے کے لئے سوال و جواب شروع کر دیئے۔ آپ نے فرمایا کیا تم اس (زنا کے) کام کو اپنی ماں کے لئے پسند کرتے ہو؟ نوجوان نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوسرے لوگ بھی اس برائی کو اپنی ماں کے لئے پسند نہیں کرتے۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا: اس زنا کو تم اپنی لڑکی کے حق میں اچھا جانتے ہو؟ نوجوان نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوسرے لوگ بھی اس بدکاری کو اپنی لڑکیوں کے لئے اچھا نہیں جانتے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: اس برے کام کو اپنی بہن کے حق میں برداشت کر سکتے ہو؟ نوجوان نے عرض کیا یا رسول اللہ ہرگز نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوسرے لوگ بھی اس گندگی کو اپنی بہنوں کے لئے برداشت نہیں کرتے۔

اس طرح جب یہ مسئلہ اس کے ذہن نشین کرا چکے تو آپ نے اپنا دست مبارک اس کے سینے پر رکھ کر دعا فرمائی:

((اللّٰهُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَهُ وَطَهِّرْ قَلْبَهُ وَاخْصِنْ فَرْجَهُ)) (ابن

کثیر)

”اے اللہ! اس کے گناہ معاف فرما دے اس کا دل پاک فرما دے اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت فرما۔“

راوی کا بیان ہے کہ اس ترغیب اور دعائے نبوی کا یہ اثر ہوا کہ اس شخص کو کبھی بھی

اس واقعہ کے بعد زنا کا خیال نہ آیا۔

ذرا غور کیجئے! بات بھی کتنے پتہ کی بیان کی گئی ہے کوئی ایسی عورت ہے جو کسی کی ماں نہ ہو بیوی نہ ہو بیٹی نہ ہو بہن نہ ہو پھوپھی نہ ہو خالہ نہ ہو پھر کیا یہ انسانیت ہے کہ

انسان کسی کی ماں، بہن، بیٹی اور پھوپھی وغیرہ سے ناجائز کام کرے۔

زنا جرم عظیم ہے:

زنا ایک ایسا جرم عظیم ہے جسے نہ کبھی معاشرے نے بخشا ہے اور نہ شریعت اسلام نے نہ کسی مذہب نے برداشت کیا ہے اور نہ ہی کسی قانون نے زنا صالح معاشرے اور صالح خاندان کی عزت و آبرو کو مجروح کر دیتا ہے جس سے انسانیت کے عقیف دامن پر بدکرداری کا سیاہ داغ لگ جاتا ہے نسل انسانی کی بنیادیں مجروح ہو جاتی ہیں اور تعمیر انسانیت کا جنازہ نکل جاتا ہے۔

زنا کی سزا:

زنا کی عقیق کا اندازہ اس کی سزا سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کیونکہ جس قدر گناہ سنگین ہوگا اس کی سزا اسی قدر شدید ہوگی۔

چنانچہ اس جرم کی پاداش میں قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے:

﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ

الْآخِرِ وَلِكَيْتُمْ تَتَذَكَّرُوا عَذَابُهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (النور: ۲۰)

”زانیہ عورت اور زانی مردان میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو اور تمہیں اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں ان دونوں پر ذرا رحم نہ آنا چاہئے اگر اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہو اور دونوں کو سزا دیتے وقت مؤمنین کی ایک جماعت کو حاضر رہنا چاہئے۔“

اللہ اکبر! الب و لہجہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے یہاں اپنی ساری نرمی اٹھا رکھی ہے اور اس کے غضب کی تلوار بے نیام ہے حاکم وقت کو بھی تنبیہ کی

جاری ہے اور اسے ہدایت دی جا رہی ہے کہ ایسے مجرموں پر رحم اور ترس کھانا بھول جاؤ۔

اس شخص پر بھلا کیسے رحم کیا جائے اور ترس کھایا جائے جس کے سامنے اسلام نے عفت و عصمت کی اہمیت واضح بیان کی ساتھ ہی زنا کے مفاسد اور اس کے دینی و دنیوی نقصانات ظاہر کئے اور چارٹز طریقے سے جنسی جذبات اور نفسانی خواہشات کی تکمیل کی اجازت مرحمت کی بائیں ہمہ پھر اس نے حدود اللہ سے تجاوز کیا۔

یاد رکھئے! اس موقع پر رحم اور ترس نہ کھانے کی تاکید غالباً اس لئے ہے کہ عموماً ایسے موقع پر آدمی کو یہ سوچ کر رحم آ جاتا ہے کہ یہ انسان کی فطری خواہش ہے جس سے کبھی مغلوب ہو جاتا ہے اور یہ خیال بھی گزرتا ہے کہ جو کچھ ہوا دونوں کی باہمی رضامندی سے ہوا۔ آیت میں اس شیطانی وسوسہ کو دور کر دیا۔

زنا کی سزا کی تشہیر:

بے دردی اور بے رحمی سے کوڑے مارنے کے علاوہ یہ بھی قرآنی ہدایت ہے کہ زانیہ عورت اور زانی مرد نے جب اپنی عفت و عصمت کو داغدار کیا اور شرم و حیا کو تار تار کیا تو پھر ان کی سزا پردہ میں کیوں ہو بلکہ خوب تشہیر ہو جس کی صورت یہ ہے کہ سزا دیتے وقت کھلے میدان میں ایمان والوں کا ایک ہجوم ہوتا کہ دوسرے لوگوں کے لئے بھی عبرت و بصیرت بن جائے۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لوگوں کی موجودگی سے یہ مقصود ہو کہ عوام کو پتہ چل جائے کہ اس مجرم نے غذائی کیڑوں کو جذب کر لیا ہے اور ممکن ہے وہ اسے معاف نہ کریں اور دوبارہ جرم پر آمادہ کر دیں اس لئے اس سے ہوشیار رہنا چاہئے۔

قرآن پاک کی ایک اور آیت میں فرمایا گیا ہے:

﴿الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ

مُشْرِكٌ (النور)

”زانی مرد نکاح بھی بجز زانیہ یا مشرک کے کسی اور کے ساتھ نہیں کرتا اور زانیہ عورت کے ساتھ بھی اور کوئی نکاح نہیں کرتا بجز زانی یا مشرک کے۔“

اس آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ زنا کار کی اول نظر زنا ہی پر جاتی ہے اور زنا کا خیال اس کی طبیعت میں رچ بس جاتا ہے اس لئے ایسے شخص سے ہوشیار رہنا بہت ضروری ہے بہر حال زانی مرد اور زانیہ عورت کے ساتھ ایسا سلوک ہو کہ انہیں محسوس ہو کہ جو کچھ ہم نے کیا برا کیا اتنا برا کہ سماج اور معاشرہ بھی اسے برداشت نہیں کر سکتا اس طرح وہ اپنے کئے پر پچھتا نہیں کسی لفظ سے ان کے اس برے فعل پر تائید کا پہلو پیدا نہ ہونے پائے تاکہ دوسروں پر بھی یہ معاملہ اثر انداز ہو۔

واضح رہے کہ اگر زنا کے مرتکب مرد و عورت شادی شدہ ہوں تو ان کی سزا یہ ہے کہ انہیں سنگسار یعنی پتھر مار مار کر قتل کر دیا جائے۔

حد زنا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ دو آدمی آنحضرت ﷺ کی خدمت عالیہ میں اپنا جھگڑا لے کر پیش ہوئے۔ ایک نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہمارا فیصلہ اللہ کی کتاب کے مطابق فرما دیجئے۔ دوسرا بولا جو پہلے سے کچھ سمجھدار تھا جی ہاں! یا رسول اللہ ﷺ ہمارا فیصلہ اللہ کی کتاب کے موافق فرما دیجئے۔ مجھے کچھ عرض کرنے کی بھی اجازت مرحمت فرمائیے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ کہنے لگا کہ میرا بیٹا اس شخص کے ہاں مزدوری کرتا تھا۔ اس نے اس شخص کی بیوی کے ساتھ زنا کر لیا۔ مجھے لوگوں نے بتایا کہ تیرے بیٹے کو رجم ہوگا۔ میں نے سو کبریاں اور ایک باندی فدیہ میں دے دی پھر اہل علم سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ تیرے بیٹے کو سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی کی سزا ہوگی۔ اس کی بیوی

پر رجم ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ میں تمہارے درمیان اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ تیری بکریاں اور باندی تجھے واپس ملے گی اور تیرے بیٹے کو سو کوڑے لگیں گے اور ایک سال کی جلا وطنی کی سزا ہوگی۔ آپ ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ اس شخص کی بیوی کے پاس جا کر دریافت کرو اگر وہ اعتراف کر لے تو رجم کر دو۔ چنانچہ عورت نے اقبال جرم کر لیا۔ اس پر حد رجم جاری کر دی گئی۔

شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کے لیے زنا کی سزا:

حدیث شریف سے زنا کا حکم معلوم ہو گیا ہے کہ زانی مرد یا عورت جب کہ شادی شدہ نہ ہوں تو ان پر سو کوڑے لازم ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان بھی ہے:

﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةً جَلْدَةٍ ۖ كَ الزَّانِيَةِ عَوْرَتٍ ۖ وَ زَانِي مَرَّةٍ ۖ﴾

ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ۔

﴿وَلَا تَأْخُذْ كُ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ﴾ [النور: ۲]

”اور تم لوگوں کو ان پر اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں ذرا رحم نہ آنا چاہئے۔“

یعنی اللہ تعالیٰ کی حدود کے بارے میں تم پر شفقت اور مہربانی کا غلبہ نہیں ہونا چاہئے کہ کہیں حدود اللہ کو ہی ختم کر دو حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر تم سے کہیں زیادہ مہربان ہیں اور اس کے باوجود اس نے زانیوں کو حد لگانے کا حکم فرمایا جس پر دنیا میں حد قائم نہ ہوئی قیامت کے دن سرعام اسے آگ کے کوڑے لگائے جائیں گے۔ پھر ارشاد مبارک ہے:

﴿إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾

”یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ کی توحید اور قیامت کے دن کا یقین رکھتے ہو تو حد کو معطل نہ کرو۔“

﴿وَلْيَشْهَدْ عَذَابُهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾

”اور حد قائم کرتے وقت مؤمنوں کا ایک گروہ موجود ہونا چاہئے۔“

تاکہ سزا میں شدت پیدا ہو اور لوگوں کے سامنے خوب شرمندگی ہوگی۔ اس طرح آئندہ کو باز رہیں گے اور جرم کا اعادہ نہ کریں گے۔ یہ غیر شادی شدہ کی حد کا بیان ہے اور اگر مرد شادی شدہ ہے کہ نکاح کے بعد مباشرت کر چکا ہے۔ یا عورت ایسی ہے کہ اس کا خاوند اس کے ساتھ مباشرت بھی کر چکا ہے پھر وہ زنا کر لیں تو ان کی سزا رجم ہے۔

حد رجم ☆

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت مالک بن مالک کو رجم کی سزا دی۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر زنا کا اقرار کیا اور اسی گناہ سے اسے حمل بھی تھا۔ آپ ﷺ نے بچہ پیدا ہونے تک اسے واپس فرما دیا۔ ولادت سے فارغ ہو کر وہ پھر حاضر ہوئی تو اسے رجم کی سزا دی گئی۔

(مسلم ۱۶۹۵۔ ابوداؤد ۵۴۴۲۔ احمد ۲۱۸۷۱۔ دارمی ۲۲۲۱)

یہ دنیا کی سزا ہے اگر دنیا میں مل گئی تو درست ہے ورنہ آخرت میں ملے گی۔ آخرت کا عذاب بہت ہی شدید اور دیر پا ہے۔ لہذا زنا سے بہت ہی بچنا چاہئے کہ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزَّانِي إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا﴾

[بنی اسرائیل: ۳۲]

”اور زنا کے پاس بھی مت پھٹو بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی کی بات ہے۔“

مطلب یہ ہے کہ زنا نہ کرو اور اس سے بہت ہی بچو کہ یہ بہت بڑا گناہ ہے اور اللہ

تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے اور بہت ہی برا راستہ ہے۔ یعنی اہل زنا کے لیے بدترین راستہ ہے جو انہیں جہنم کی طرف لے جا رہا ہے اور ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَّنَ﴾ [انعام: ۱۵۱]

”اور بے حیائی کے جتنے طریقے ہیں ان کے پاس بھی مت جاؤ خواہ وہ علانیہ ہو خواہ پوشیدہ۔“

بد نظری بھی زنا ☆

ظہور سے مراد بڑا گناہ۔ یعنی زنا اور بطن سے بوس و کنار وغیرہ مراد ہے۔ یہ سبھی زنا ہی میں داخل ہیں۔ (ابوداؤد: ۲۱۵۲، احمد: ۳۷۱)

جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ ہاتھ زنا کرتے ہیں اور آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَى لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ﴾ [النور: ۳۰، ۳۱]

”آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لیے زیادہ صفائی کی بات ہے بیشک اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے جو کچھ لوگ کیا کرتے ہیں اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔“

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مردوں اور عورتوں کو نگاہیں پست رکھنے اور اپنی شرمگاہوں کو حرام سے محفوظ رکھنے کا حکم فرمایا ہے اور زنا کو تو رات، انجیل، زبور اور فرقان کی بہت سی آیات میں حرام قرار دیا ہے اور یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ بھلا کسی مؤمن کی عزت و آبرو لوٹنے سے بڑھ کر اور ان کے نسب کو خراب کرنے سے بڑھ کر کیا

گناہ ہوگا۔

حضرت جعفر بن ابی طالب سے روایت ہے کہ انہوں نے جاہلیت میں بھی زنا نہیں کیا اور کہا کرتے تھے کہ جب مجھے یہ گوارا نہیں کہ کوئی شخص میری عزت کو پامال کرے تو میں کسی کی عزت کیسے پامال کر سکتا ہوں۔

زنا میں چھ بُری خصلتیں ☆

بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ زنا سے بہت بچو کہ اس میں چھ خصلتیں ہیں۔ تین دنیا میں تین آخرت میں۔ دنیا کی تو یہ ہیں:

- ① رزق میں کمی اور بے برکتی ہو جاتی ہے۔
- ② نیکی کی توفیق سے محروم ہو جاتی ہے۔
- ③ لوگوں کے دلوں میں اس سے نفرت ہو جاتی ہے۔

آخرت کی تین یہ ہیں:

- ① اللہ کا غضب۔
- ② عذاب کی سختی۔
- ③ دوزخ میں داخلہ جسے اللہ تعالیٰ نے النار الکبریٰ فرمایا ہے کہ وہ سب سے بڑی آگ ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ تمہاری یہ آگ دوزخ کی آگ کا سترواں حصہ ہے۔ (مسلم: ۲۸۱۳، ترمذی: ۲۵۸۹، حدیث حسن صحیح۔ ابن ماجہ: ۳۳۱۸، احمد: ۷۰۲۵، داری: ۲۷۲۳)

دوزخ کا حال حضرت جبرائیل علیہ السلام کی زبانی ☆

روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ دوزخ کا کچھ حال سناؤ کہنے لگے۔ اے پیغمبر ﷺ وہ انتہائی سیاہ اور تاریک ہے اگر سوئی کے سوراخ کے برابر بھی اس کی آگ باہر آ جائے تو روئے زمین کی ہر چیز جل

جائے۔ اس کے کپڑوں میں سے کوئی کپڑا اگر زمین و آسمان کے درمیان ٹکا دیا جائے تو تمام زمین والے اس کی بدبو سے مر جائیں اور اس کے زقوم کا ایک قطرہ اگر زمین پر ڈال دیا جائے تو زمین والوں کے تمام اسباب حیات تباہ ہو کے رہ جائیں اور ان انیس فرشتوں میں سے جن کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے اگر کوئی ایک فرشتہ زمین پر نمودار ہو جائے تو سب اہل زمین اس کی ہیبت سے مر جائیں اور اس کی زنجیروں کا ایک حلقہ اگر زمین پر گر دیا جائے تو وہ اسے نیچے تک دھنسا تا چلا جائے۔ کہیں نہ رکے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا جبرائیل بس کافی ہے اور رونے لگے اور جبرائیل بھی رونے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جبرائیل تم کیوں روتے ہو تمہارا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت اونچا مقام ہے۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا یا رسول اللہ ﷺ مجھے کیا بھروسہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اسی مقام پر رہوں گا یا مجھے بھی ہاروت ماروت اور ابلیس کی طرح کسی امتحان اور آزمائش میں مبتلا ہوتا پڑے گا۔

(ترمذی ۲۵۸۵ - ابن ماجہ ۴۳۲۵ - احمد ۲۵۹۹)

ذرا سوچئے! ☆

جب جبرائیل علیہ السلام اور مقررین فرشتے بارگاہ خداوندی میں روتے ہیں تو ایک گنہگار آدمی کو تو بہت ہی رونا چاہئے۔ دیکھنا کہیں اپنی حیات اور صحت کے دھوکہ میں نہ رہنا کہ دنیا تو ختم ہونے والی ہے اور عذاب بہت طویل ہے۔ زنا سے بچتے رہو کہ وہ غضب ناراضگی اور دردناک عذاب لاتا ہے۔ انتہائی سنگین وہ زنا ہے جس میں کوئی شخص مسلسل لگا رہتا ہے۔ مثلاً اپنی بیوی کو طلاق دے کر یونہی بطور حرام اپنے پاس ٹھہرائے رکھتا ہے۔ رسوائی کے ڈر سے لوگوں میں ظاہر نہیں کرتا۔ ایسے شخص کو آخرت کی رسوائی کے خوف کی وجہ سے زنا سے بہت ہی بچنا چاہئے اس پر ہرگز اصرار نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مقابلہ کی تاب کس کو ہے۔ خوب تو یہ کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتے ہیں اور توبہ اور ندامت کا وقت دنیوی زندگی تک ہی

ہے۔ مرنے کے بعد نہ تو یہ کچھ فائدہ دے گی اور نہ ہی ندامت کام آئے گی۔

اہل ایمان کون؟ ☆

اللہ تعالیٰ نے ان اہل ایمان کی مدح فرمائی ہے جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِغُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ فَمَنْ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ﴾ [المؤمنون: ۷۰]

”اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں لیکن اپنی بیویوں سے یا اپنی لونڈیوں سے تو ان پر کوئی الزام نہیں ہاں جو اس کے علاوہ کا طلبگار ہو ایسے لوگ حد سے نکلنے والے ہیں۔“

یعنی یہ لوگ نافرمان ہیں۔ لہذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ خود بھی زنا سے توبہ کرے اور لوگوں کو بھی اس سے روکتا رہے۔ کیونکہ جس خطے میں زنا عام ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ وہاں پر طاعون جیسی وبائی امراض عام کر دیتے ہیں۔

جب دیکھو کہ..... ☆

حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت ابن عباسؓ سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ جب یہ حالات دیکھنے میں آئیں کہ تلواریں سوختی ہوئی ہیں اور خون بہائے جا رہے ہیں۔ تو یقین کر لو کہ ان لوگوں نے اللہ پاک کے حکم کو ضائع کیا ہے۔ جس کا انتقام ایک دوسرے کے ذریعہ لیا جا رہا ہے اور جب دیکھو کہ بارش بند ہو رہی ہے تو سمجھ لو کہ لوگوں نے زکوٰۃ بند کر دی ہے جس کی

وجہ سے اللہ پاک نے اپنی بارش روک لی ہے جب دیکھو کہ وہ باپھیل رہی ہے تو یقین کر لو کہ زنا عام ہو رہا ہے۔

صحیح بخاری میں مروی ہے:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ أَنَّ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَحَدُهُمَا لِقَضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللَّهِ وَقَالَ الْآخَرُ أَجَلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَاقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللَّهِ وَانْزِلْ لِي أَنْ أَتَكَلَّمَ قَالَ تَكَلَّمْ قَالَ إِنَّ ابْنِي كَانَ عَسِيفًا عَلَى هَذَا فَرَزْنِي بِأَمْرَاتِهِ فَاخْبَرُونِي أَنَّ عَلَى ابْنِي الرَّجْمَ فَأَقْتَدَيْتُ مِنْهُ بِمِائَةِ شَاهٍ وَبِجَارِيَةٍ لِي ثُمَّ إِنِّي سَأَلْتُ أَهْلَ الْعِلْمِ فَاخْبَرُونِي أَنَّ عَلَى ابْنِي جُلْدَ مِائَةٍ وَتَغْرِيْبُ عَامٍ وَأَنَّمَا الرَّجْمُ عَلَى امْرَأَتِهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا قُضِيَتْ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللَّهِ أَمَّا غَدَمُكَ وَجَارِيَتُكَ فَرَدُّ عَلَيْكَ وَأَمَّا ابْنُكَ فَعَلَيْهِ جُلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيْبُ عَامٍ وَأَمَّا أَنْتَ يَا أُنَيْسُ فَاغْذُ عَلَى امْرَأَةٍ هَذَا فَإِنْ اعْتَرَفَتْ فَأَرْجُمُهَا فَاغْتَرَفَتْ فَارْجَمَهَا)) [متفق عليه]

صحیح بخاری: کتاب الايمان والنذور، باب کیف كانت بعین النبی، ص ۶۶۳۔
”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم ﷺ کی خدمت میں دو آدمی اپنا قضیہ لے کر آئے ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے موافق حکم کیجئے دوسرے نے بھی

عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے موافق حکم کیجئے اور مجھے اجازت دیجئے کہ میں بیان کروں کہ قضیہ کی صورت کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا بیان کرو اس شخص نے بیان کیا کہ میرا بیٹا اس شخص کے ہاں مزدور تھا اس نے اس کی بیوی سے زنا کیا لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تمہارے بیٹے کی سزا سنگساری ہے لیکن میں نے اس کو سنگسار کرنے کے بدلے میں سو بکریاں اور ایک لونڈی دے دی پھر جب میں نے اس بارے میں علماء سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ تمہارا بیٹا چونکہ محسن یعنی شادی شدہ نہیں ہے اس لئے اس کی سزا سو کوڑے ہیں اور ایک سال کی جلا وطنی ہے اور اس شخص کی عورت کی سزا سنگساری ہے کیونکہ وہ شادی شدہ ہے رسول کریم ﷺ نے یہ قضیہ من کر فرمایا کہ آگاہ رہو اہم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ یعنی قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں تمہارے درمیان کتاب اللہ ہی کے موافق فیصلہ کروں گا تو سنو کہ تمہاری بکریاں اور تمہاری لونڈی تمہیں واپس مل جائے گی اور اگر خود ملزم کے اقرار یا چار گواہوں کی شہادت سے زنا کا جرم ثابت ہے تو تمہارے بیٹے کو سو کوڑوں کی سزا دی جائے گی اور ایک سال کیلئے جلا وطن کر دیا جائے گا پھر آپ ﷺ نے حضرت انیس رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ انیس تم اس شخص کی عورت کے پاس جاؤ اگر وہ زنا کا اقرار کر لے تو اس کو سنگسار کر دو۔ چنانچہ اس عورت نے زنا کا اقرار کر لیا اور حضرت انیس نے اس کو سنگسار کر دیا۔ (بخاری و مسلم)

”کتاب اللہ“ سے مراد قرآن کریم نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم مراد ہے کیونکہ قرآن کریم میں رجم و سنگساری کا حکم مذکور نہیں ہے لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ کتاب اللہ سے قرآن کریم ہی مراد ہو اس صورت میں کہا جائے گا کہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ آیت رجم کے الفاظ قرآن کریم سے منسوخ التلاوت نہیں ہوئے تھے۔

ایک سال کے لئے جلا وطن کر دیا جائے گا کے بارے میں حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ ایک سال کی جلا وطنی بھی حد میں داخل ہے یعنی ان کے نزدیک غیر شادی شدہ زنا کار کی حد شرعی سزا یہ ہے کہ اس کو سو کوڑے بھی مارے جائیں اور ایک

سال کے لئے جلاوطن بھی کر دیا جائے جب کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ ایک سال کی جلاوطنی کے حکم کو مصلحت پر محمول فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک سال کی جلاوطنی حد کے طور پر نہیں ہے بلکہ بطور مصلحت ہے کہ اگر امام وقت اور حکومت کسی سیاسی اور حکومتی مصلحت کے پیش نظر ضروری سمجھے تو ایک سال کے لئے جلاوطن بھی کیا جاسکتا ہے بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں یہی حکم نافذ و جاری تھا مگر جب یہ آیت کریمہ: الزانیۃ والذانی فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة (یعنی زانی اور زانیہ کو کوڑے مارے جائیں اور ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارے جائیں) نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

فَاعْتَرَفَتْ قَرْجَمَهَا : چنانچہ اس عورت نے اقرار کیا اور حضرت انیس رضی اللہ عنہ نے اس کو سنگسار کر دیا اس سے بظاہر یہ ثابت ہوتا ہے کہ حد زنا کے جاری ہونے کے لئے ایک مرتبہ اقرار کرنا کافی ہے جیسا کہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے لیکن حضرت امام ابو حنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ چار مجلسوں میں چار بار اقرار کرنا ضروری ہے یہاں حدیث میں جس "اقرار" کا ذکر کیا گیا ہے اس سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ وہی اقرار یعنی چار مرتبہ مراد لیتے ہیں جو اس سلسلہ میں معتبر و مقرر ہے چنانچہ دوسری احادیث سے یہ صراحتاً ثابت ہے کہ چار مرتبہ اقرار کرنا ضروری ہے۔

کتب یہودیوں میں بھی زنا ایک جرم عظیم:

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَفْرٍو أَنَّ الْيَهُودَ جَاءُوا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرُوا لَهُ أَنَّ رَجُلًا مِنْهُمْ وَامْرَأَةً زَانِيًا فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَجِدُونَ فِي التَّوْرَةِ فِي شَأْنِ الرَّجْمِ قَالُوا نَقْضُحُهُمْ وَيُجْلَدُونَ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَلَامٍ كَذَبْتُمْ إِنَّ فِيهَا الرَّجْمَ

فَاتُوا بِالتَّوْرَةِ فَتَشْرُوهَا فَوَضَعَ أَحَدُهُمْ يَدَهُ عَلَى آيَةِ الرَّجْمِ فَقَرَأَ مَا قَبْلَهَا وَمَا بَعْدَهَا فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَلَامٍ ازْفَعْ يَدَكَ فَرَفَعَ فَإِذَا فِيهَا آيَةُ الرَّجْمِ فَقَالُوا صَدَقَ يَا مُحَمَّدُ فَبَيَّنَّا آيَةَ الرَّجْمِ فَأَمَرَبِهِمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَجَمَا وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ ازْفَعْ يَدَكَ فَرَفَعَ فَإِذَا آيَةُ الرَّجْمِ تَلَوُحٌ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّ فِيهَا آيَةَ الرَّجْمِ وَلَكِنَّا نَتَنَكَّ ثَمَّةَ بَيْنِنَا فَأَمَرَبِهِمَا فَرَجَمَا (متفق علیہ)

صحیح بخاری کتاب التَّوْحِيدِ باب مَا يَحُوزُ مِنْ تَفْسِيرِ التَّوْرَةِ ج ۷ ص ۵۴۳
"اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک دن یہودیوں کی ایک جماعت رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور انہوں نے آپ ﷺ کے سامنے یہ بیان کیا کہ ان کی قوم میں سے ایک عورت اور ایک مرد جو دونوں محسن (شادی شدہ) تھے نے زنا کیا؟ آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تم نے تورات میں رجم کے بارے میں کیا پڑھا ہے؟ یہودیوں نے کہا کہ ہم زنا کرنے والوں کو ذلیل و رسوا کرتے ہیں اور ان کو کوڑے مارے جاتے ہیں ان کی یہ بات سن کر حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا کہ تم لوگ جھوٹ بولتے ہو تورات میں بھی رجم کا حکم مذکور ہے تورات لاؤ میں تمہیں رجم کا حکم دکھاتا ہوں چنانچہ جب تورات لائی گئی اور اس کو کھولا گیا تو یہودیوں میں سے ایک شخص نے حجت سے اس جگہ اپنا ہاتھ رکھ دیا جہاں رجم کے بارے میں آیت تھی یعنی اس نے اپنے ہاتھوں سے رجم کی آیت کو چھپانے کی کوشش کی اور اس کے آگے پیچھے کی آیتیں پڑھنے لگا یہ دیکھ کر حضرت عبداللہ بن سلام نے اس سے کہا کہ اپنا ہاتھ ہٹاؤ اس نے

اپنا ہاتھ اٹھایا تو دیکھا گیا کہ وہاں رحم کی آیت موجود تھی اس آیت کو چھپانے والے نے کہا کہ اے محمد! تورات میں رحم کی آیت موجود ہے مگر ہم آپس میں اس کو مٹا بر نہیں کرتے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان دونوں کو سنگسار کرنے کا حکم دیا اور وہ دونوں سنگسار کر دیئے گئے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے (کہ جس نے رحم کی آیت کو اپنے ہاتھ کے نیچے چھپانے کی کوشش کی تھی) کہا کہ اپنا ہاتھ ہٹاؤ اور پھر جب اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا تو دیکھا گیا کہ وہاں رحم کی آیت موجود تھی اس آیت کو چھپانے والے نے کہا کہ "اے محمد! تورات میں رحم کی آیت موجود ہے مگر ہم آپس میں ظاہر نہیں کرتے"۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان دونوں کو سنگسار کرنے کا حکم دیا اور وہ سنگسار کر دیئے گئے"۔ (بخاری مسلم)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ پہلے یہودی تھے مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں راہ ہدایت پر گامزن کیا اور وہ مسلمان ہو گئے ان کا شمار بڑے اونچے درجہ کے علماء یہود میں ہوتا تھا تورات پر عبور رکھتے تھے چنانچہ مجلس نبوی میں جب یہودیوں نے اپنی روایتی تلمیذ و تحریف سے کام لیا اور آنحضرت ﷺ سے یہ کہا کہ تورات میں زنا کے مرتکب کو سنگسار کرنے کا حکم نہیں ہے بلکہ ہم نے تورات میں یہ پڑھا ہے کہ جو شخص زنا کا ارتکاب کرے اس کو قہر کے ذریعہ ذلیل و رسوا کیا جائے اور کوڑے مارے جائیں تو حضرت عبداللہ بن سلام نے اس کی تکذیب کی اور یہ بتایا کہ تم جو بات کہہ رہے ہو وہ سراسر تحریف ہے تورات میں رحم کا حکم موجود ہے اور پھر جب انہوں نے تورات منگائی اس میں مذکورہ رحم کی آیت دکھانی چاہی تو اس موقع پر بھی یہودیوں نے اپنی عیاری و مکاری دکھانی چاہی اور ان میں سے ایک شخص نے ایک روایت کے مطابق جس کا نام عبداللہ بن صور یا تھا اس جگہ اپنا ہاتھ رکھ دیا جہاں رحم کی آیت مذکور تھی اور

اس کے آگے پیچھے کی آیتیں پڑھنے لگا مگر عبداللہ بن سلام نے ان کی اس عیاری کا راز بھی طشت از باہم کر دیا۔

اگر یہاں یہ اشکال پیدا ہو کہ رحم (سنگسار) کا سزاوار ہونے کے لئے محسن شادی شدہ ہونا شرط ہے اور محسن ہونے کے لئے مسلمان ہونا شرط ہے یعنی سنگساری کی سزا اسی زانی کو دی جاسکتی ہے جو محسن ہو اور محسن کا اطلاق اسی شخص پر ہو سکتا ہے جو مسلمان ہو تو آنحضرت ﷺ نے ان یہودیوں کو جو مسلمان نہیں تھے رحم کا حکم کیوں دیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان یہود کو رحم کا جو حکم دیا وہ تورات کے حکم کے تحت تھا اور یہودیوں کے مذہب میں رحم کے سزاوار کے لئے محسن ہونا شرط نہیں تھا پھر یہ کہ آنحضرت ﷺ اس بارے میں پہلے تورات کے حکم پر عمل کرتے تھے مگر جب قرآن میں اس کا حکم نازل ہو گیا تو تورات کا حکم منسوخ ہو گیا۔

اس موقع پر یہ بتادینا بھی ضروری ہے کہ حضرت امام شافعی کے نزدیک محسن ہونے کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے یعنی ان کے مسلک کے مطابق محسن کا اطلاق اس شادی شدہ آدمی پر بھی ہو سکتا ہے جو مسلمان نہ ہو نیز حنفیہ میں سے حضرت امام ابو یوسف کا بھی ایک قول یہی ہے۔

ایک اشکال یہ بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے محض یہودیوں کے کہنے پر ان دونوں کو کیسے سنگسار کرا دیا کیونکہ یہودیوں کی گواہی سرے سے معتبر ہی نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کیا ضروری ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صرف ان یہودیوں کے کہنے پر ہی حکم نافذ کیا ہو بلکہ بظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ یا تو خود ان دونوں نے زنا کا اقرار کیا ہوگا یا ان کے زنا کی چار مسلمانوں نے گواہی دی ہوگی اور اسی پر آنحضرت ﷺ نے ان دونوں کو سنگسار کرایا ہوگا۔

اس موقع پر ملا علی قاری نے بڑی تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے یہاں اس کا

خلاصہ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح) مکتبہ حقانیہ والے عربی نسخے سے ترجمہ کر کے نقل کیا گیا ہے اہل علم ان کی کتاب "مرقاۃ" سے مراجعت کر سکتے ہیں۔

بد نظری:

بالغ لڑکے اور لڑکی کی جب بروقت شادی نہ ہو تو انہیں غیر لڑکوں اور غیر لڑکیوں کے محاسن اور ان کے اعضائے صغریٰ پر غلط نگاہ ڈالنے کی لت پڑ جاتی ہے دل و دماغ میں بیجانی کیفیت اور اعضائے صغریٰ میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے اسی انتشار و بیجان اور بد نظری کو شریعت میں اعضاء کا زنا قرار دیا گیا ہے چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

((الْعَيْنَانِ زَنَايُهُمَا النَّظَرُ وَالْأُذُنَانِ زَنَايُهُمَا السَّمْعُ وَاللِّسَانُ زَنَايُهُمَا الْكَلَامُ وَالْيَدَانِ زَنَايُهُمَا الْبَطْشُ وَالرِّجْلَانِ زَنَايُهُمَا الْخُطَا وَالْقَلْبُ يَهْوَى وَيَتَمَنَّى وَيَصْدُقُ ذَلِكَ الْفَرْجُ أَوْ يُكَذِّبُهُ)) (صحیح مسلم)

"آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے کانوں کا زنا سنا ہے زبان کا زنا بات کرنا ہے ہاتھ کا زنا پکڑنا اور پاؤں کا زنا چلنا ہے اور دل کا کام آرزو و تمنا کرنا ہے اور شرمگاہ اس کی عملاً تا سید یا تر دید کرتی ہے۔"

حافظ ابن قیم تحریر فرماتے ہیں:

نگاہ شہوت کی قاصد اور پیامبر ہوتی ہے اور نگاہ کی حفاظت دراصل شرمگاہ اور شہوت کی حفاظت ہے جس نے نظر کو آزاد کر دیا اس نے اسے ہلاکت میں ڈال دیا اور نظریں ان تمام آفتوں کی بنیاد ہے جن میں انسان مبتلا ہوتا ہے کیونکہ نظر کھٹک پیدا کرتی ہے پھر کھٹک فکر کو وجود بخشی ہے اور فکر شہوت کو ابھارتی ہے شہوت ارادہ کو جنم دیتی ہے ارادہ قوی ہو کر عزیمت میں تبدیل ہو جاتا ہے اور عزیمت میں مزید پختگی ہو کر فعل واقع ہوتا ہے جس سے منزل پر پہنچ کر اس وقت کوئی چارہ کار نہیں رہتا جب کوئی مانع

حائل نہ ہو۔

سب سے بڑی چیز جو ایک مرد کو عورت کی طرف یا عورت کو مرد کی طرف مائل کرتی ہے وہ نگاہ ہے عقلی طور پر سنجیدگی سے غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ آنکھوں میں ایسا زہر پوشیدہ ہے جو موقع پا کر انسانی دل و دماغ میں خیزی سے سرایت کرنے کی سعی پیہم کرتا ہے اور جب سرایت کر جاتا ہے تو دل و دماغ کو ماؤف کر ڈالتا ہے۔ چنانچہ آپ نے دیکھا اور سنا ہوگا کہ اجنبی مرد نے جب کسی اجنبی عورت کو زینت میں دیکھا اور بار بار بار دیکھا تو اس کی دلی چنگاری انگارے میں تبدیل ہو گئی نگاہ کی اسی تاثیر کے پیش نظر اسلام نے مرد و عورت دونوں کو حکم دیا ہے کہ اپنی نظریں پست رکھیں۔

﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّونَ مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُونَ فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ

أَوْكَى لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ﴾ (النور)

"اے پیغمبر! آپ مسلمان مردوں سے فرمادیجئے اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزگی کی بات ہے اللہ تعالیٰ اس سے خوب باخبر ہے جو یہ لوگ کیا کرتے ہیں۔"

اس کے بعد عورتوں کو خطاب کر کے فرمایا:

﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ

"اے پیغمبر! آپ مومن عورتوں سے فرمادیجئے اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔"

معاشرے کو جنسی بیجان اور انتشار سے پاک صاف رکھنے کے لئے چہرہ کا پردہ ایک ظاہری تدبیر ہے جبکہ نگاہیں پست رکھنے کا حکم باطنی تدبیر ہے۔

اسلام نے ان سوتوں اور سوراخوں کو ہی بند کر ڈالا جہاں سے فتنہ کا چشمہ ابلتا تھا اور معاشرتی اخلاق پر جہاں سے ضرب پڑتی تھی کائنات کو فتنہ و فساد سے محفوظ رکھنے

کے لئے جائز حد تک نظر اٹھانے کی اجازت دی اور اس کے بعد پہرہ بٹھا دیا تاکہ نہ کسی خوبصورت دلربا کی ادا لہجائے اور نہ کوئی مرغ بھل کی طرح تڑپتا رہے۔ غور کریں اسلام نے قوانین عفت و عصمت مرتب کر کے دنیا اور اہل دنیا پر کس قدر احسان عظیم کیا ہے۔

نامحرم کو دیکھنا:

((عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا قَالَ بَلَغَنِي أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَعَنَ اللَّهُ النَّاطِرَ وَالْمَنْظُورَ إِلَيْهِ)) (بیہقی)

”حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جو اپنی عورت کے علاوہ کسی اجنبی عورت کو قصد دیکھے اسی طرح اللہ تعالیٰ اس عورت پر لعنت کرے جو بلا ضرورت اپنا آپ کسی نامحرم کو دکھائے۔“

پاک نظری کی تعلیم:

((عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ يَا عَلِيُّ لَا تَتَّبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ فَإِنَّ لَكَ الْأُولَى وَلَيْسَتْ لَكَ الْآخِرَةُ)) (ترمذی، ابوداؤد)

”حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؑ سے فرمایا: اے علی! غیر عورت پر دوسری مرتبہ نظر نہ ڈالنا کیونکہ پہلی نظر جو اچانک پڑ گئی ہے وہ تیرے حق میں معاف ہے (البتہ دوسری مرتبہ قصد نہ دیکھو) دوسری نظر معاف نہ ہوگی (بلکہ دوسری نظر پہلی تصور ہوگی)۔“

پاک نظری کا ثمرہ:

((عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَنْظُرُ إِلَى مَخَابِرِ امْرِأٍ أَوْ لَمْرَةٍ ثُمَّ يَغْضُ بَصَرَهُ إِلَّا أَخَذَتِ اللَّهُ لَهُ عِبَادَةً تَجِدُ خَلَا وَقْتَهَا)) (رواہ احمد)

”حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ جس مسلمان کی کسی اجنبی عورت کے حسن و جمال پر نظر پڑی اور اس نے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنی نظر نیچی کر لی تو ایسے ایماندار مرد کو اس کے عوض ایسی عبادت نصیب ہوگی جس کی حلاوت و محاسن وہ اپنے دل میں محسوس کرے گا۔“

اسی طرح ایک حدیث قدسی کا مفہوم ہے کہ:

((الْأَنْظَرُ سَهْمُهُ مِنْ سَهْمِ إِبْلِيسَ مَنْ تَرَكَهَا مَخَافَتِي أَبْدَلْتُهُ بِهَا إِيْمَانًا يَجِدُ خَلَا وَقْتَهُ فِي قَلْبِهِ)) (بخاری)

”نظر شیطان کے تیروں میں سے ایک تیر ہے جس نے میرے خوف سے نظر بد کو چھوڑ دیا میں اس کے بدلہ میں اسے ایسا ایمان عطا فرماؤں گا جس کی حلاوت و شیرینی اپنے دل میں پائے گا۔“

لحہ فکریہ:

ہر سلیم الفطرت شخص کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ میری بیوی بلا شرکت غیرے خالص میری ہی ہو کر رہے اگر خدا نخواستہ آپ کی نظریں اجنبی عورت پر ہوں تو پھر اخلاص آپ کی بیوی بھی آپ کی پابند نہیں ہو سکتی اور نہ ہی آپ اس کی آزادی میں خلل انداز ہونے کا کوئی حق رکھتے ہیں جب آپ خالص اس کے نہیں ہیں تو وہ کیسے آپ کے خالص ہو سکتی ہے؟

عریانی و فحاشی:

آج جس معاشرے میں نکاح سے فرار اختیار کرتے ہیں یعنی شادی کرنے سے اوائد کرتے ہیں آپ دیکھئے وہاں جنسی تسکین کے لئے فحاشی کے اڈے کھلے ہوئے ہیں جنسی تسکین اور لذت حاصل کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں نہ قانون کی رکاوٹ نہ مذہب کی نہ اخلاق کی رکاوٹ نہ معاشرے کی رکاوٹ ہے۔ مغربی معاشرے میں ایک مرد اور عورت آپس میں ایک دوسرے سے لذت حاصل کرنا چاہیں تو ایک سرے سے دوسرے سرے تک چلے جائیں کوئی رکاوٹ نہیں۔

اسلام عریانی و فحاشی کو معاشرتی ترقی کے لئے تباہ کن قرار دیتا ہے اس لئے اسلام نے مرد و عورت کو نکاح کے بندھن میں باندھ دیا اور آزاد حیوانی زندگی گزارنے سے منع کرتے ہوئے پردہ کا حکم دیا تاکہ مرد و عورت کا آزادانہ اختلاط نہ ہو سکے۔

اختلاط مرد و زن:

کسی مرد و عورت کا تنہائی میں ایک دوسرے سے ملنا جس قدر خطرہ کا باعث ہو سکتا ہے وہ ظاہر ہے۔ عورتوں اور مردوں کا آزادانہ ملنا جلنا اور مخلوط تعلیم کی بدولت نوجوانوں کا عشق و محبت ایک طرہ امتیاز بن گیا ہے۔ اختلاط مرد و زن دونوں صنفوں میں آرائش حسن جذبہ نمائش اور جلوہ آرائی جیسی فطری کمزوریوں کو بیدار کرنے کا بہت بڑا محرک ہے مخلوط محفلوں اور پروگراموں میں پُرکشش چہرے نظروں ہی نظروں میں کتنی منزلیں طے کر لیتے ہیں اور پھر چوری چھپے خفیہ ملاقاتوں، عشق و محبت کے وعدوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جو گھر سے فرار، اغوا برائے تاوان، کورٹ میرج، مقدمہ بازی سے ہوتا ہوا انتقام اور قتل و غارت تک جا پہنچتا ہے۔ اسلام نے جن ذرائع کو حرام قرار دیا ہے ان میں سے ایک اجنبی عورت کے ساتھ خلوت و تنہائی میں رہنا ہے۔

امام قرطبی فرماتے ہیں ان خیالات و وساوس سے دلوں کو پاک رکھا جائے جو عورتوں کے اختلاط سے مردوں کے دل میں اور مردوں کے اختلاط سے عورتوں کے دل میں پیدا ہوتے ہیں کسی شخص کے لئے مناسب نہیں کہ وہ خود اعتمادی سے کام لیتے ہوئے کسی اجنبی عورت کے ساتھ خلوت میں رہے۔

چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((الَا يَخْلُقُ زُجْلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ))

(مشکوٰۃ کتاب النکاح)

”جب کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں ہوتا ہے تو وہاں ان دونوں کے علاوہ تیسرا شیطان بھی ضرور موجود ہوتا ہے۔“

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں ذکر ہے:

((عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَلْجُوا عَلَى الْمُغَيَّبَاتِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنْ أَحْبَابِكُمْ

مَجْرَى الدَّمِ قُلْنَا وَمَنْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ وَمِنْنِي وَلَكِنَّ

اللَّهُ أَعَانَنِي عَلَيْهِ فَأَسْلَمُ))

(ترمذی، مشکوٰۃ)

”حضرت جابرؓ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جن عورتوں کے خاوند باہر گئے ہوئے ہوں ان کے پاس علیحدگی میں مت جاؤ کیونکہ شیطان تمہاری رگ رگ میں ایسے دوڑتا ہے جیسے خون دوڑتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ پر بھی شیطانی اثر ہوتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ہاں وہ دائرہ تو مجھ پر بھی چلاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر غلبہ دے دیا ہے میں اس کے شر سے محفوظ رہتا ہوں (وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ

سکتا۔

ایک اور حدیث پاک میں آتا ہے:

((إِيَّاكُمْ وَالذُّخُولَ عَلَى النِّسَاءِ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ

أَرَأَيْتَ الْخَفْوُ قَالَ الْخَفْوُ الْمَوْتُ)) (مشکوٰۃ)

”عورتوں کے پاس آنے سے بچو۔ ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! دیور کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا: دیور تو موت ہے۔“

یعنی جس طرح زہر کھانے سے موت واقع ہو جاتی ہے اسی طرح دیور جیٹھ کا بے تکلف گھر آنا جانا اور بھابی کے ساتھ تخیل میں رہنا ایمان کے لئے زہر قاتل ہے۔

الغرض اسلام ان تمام امور کو ناجائز اور ممنوع قرار دیتا ہے جو اسلامی معاشرہ میں عریانی اور فحاشی پیدا کرنے کا ذریعہ ہو سکتے ہیں اور جنسی میلان میں بیجانی کیفیت کی وجہ بن سکتے ہیں۔ انسانی فطرت ہے کہ محل ستر دیکھنے سے جنسی میلان میں بیجان پیدا ہوتا ہے خواہ مرد مرد کا ستر دیکھے یا عورت عورت کا یا مرد عورت کا ستر دیکھے اور عورت مرد کا اور جب جنسی میلان میں بیجانی کیفیت پیدا ہوتی ہے تو انسان بے چین اور بے قرار ہو جاتا ہے دل میں ایک غلط جذبہ پروان چڑھنے لگتا ہے جس کے نتیجے میں کبھی مرد کو مرد سے اور کبھی عورت سے محبت ہو جاتی ہے اور یہی حال عورت کا ہے کبھی آپس میں ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہو جاتی ہیں اور کبھی کسی مرد سے آنکھیں دوچار ہو جاتی ہیں بالا خرہ موقع پا کر گناہ کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں اس لئے شریعت نے مرد کا مرد سے اور عورت کا عورت سے پردہ ضروری قرار دیا ہے۔

((عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ لَا يَنْظُرُ الرَّجُلُ إِلَى عَوْرَةِ الرَّجُلِ وَلَا الْمَرْأَةُ إِلَى

عَوْرَةِ الْمَرْأَةِ وَلَا يُفْضِي الرَّجُلُ إِلَى الرَّجُلِ فِي ثَوْبٍ

وَأَحَدٌ وَلَا تُفْضِي الْمَرْأَةُ إِلَى الْمَرْأَةِ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ))

(مسلم)

”حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: کوئی مرد کسی مرد کی شرمگاہ کو نہ دیکھے اور کوئی عورت کسی عورت کی شرمگاہ کو نہ دیکھے اور نہ دوسرے (بچے ہو کر) ایک کپڑے میں لپٹیں اور نہ دو عورتیں (بچگی ہو کر) ایک کپڑے میں لپٹیں۔“

یعنی جس طرح عورت کا مرد سے پردہ ہے اسی طرح مرد کا مرد سے اور عورت کا عورت سے بھی پردہ ہے ناف سے لے کر گھٹنوں تک مرد کو مرد کی طرف اور عورت کو عورت کی طرف دیکھنا اور کھولنا حرام ہے۔

شادی نہ کرنا رہبانیت ہے:

حافظ بشیر حسین صاحب اپنی کتاب ہدیۃ العروس میں رقمطراز ہیں۔

بعض لوگ اس غلط فہمی کی بنا پر مجرد (غیر شادی شدہ) رہنے کا فیصلہ کر لیتے ہیں کہ اس طرح مجرد رہنے سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے اور عبادت خداوندی کا زیادہ سے زیادہ وقت اور موقع مل جاتا ہے جبکہ شادی کی وجہ سے معاشی و معاشرتی ذمہ داریاں بڑھ جانے کی وجہ سے عبادت و ریاضت کا زیادہ موقع نہیں مل پاتا اور دوسری بات یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے بقول جسمانی لذت اور نفسانی شہوات کی تسکین سے حیوانیت و بہیمیت کو تقویت ملتی ہے جبکہ شادی نہ کرنے سے روحانیت کو جلا اور اخلاق کو پاکیزگی ملتی ہے۔ چنانچہ اس فلسفہ کی بنیاد پر نہ صرف یہ کہ شادی سے گریز کی غیر قطری کوششیں کی جانے لگیں بلکہ شادی کو نجس و خمس خیال کیا جانے لگا۔

انسانی تاریخ میں اس فلسفہ کی ابتدا عیسائی راہبوں سے ہوئی جنہوں نے رہبانیت (ترک دنیا) کے لہادہ میں نہ صرف یہ کہ دین عیسوی میں تحریف کا ارتکاب کیا

ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ یہ سن کر آپ خاموش رہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں میں نے دوبارہ یہی درخواست کی مگر آپ نے خاموشی ہی اختیار فرمائی تیسری مرتبہ پھر یہی گزارش کی تو آپ نے سکوت توڑا اور فرمایا: اسے ابو ہریرہ! جو کچھ ہونے والا ہے وہ (لوح محفوظ) میں لکھا جا چکا ہے تم خصی ہو یا خصی ہونے سے باز رہو یعنی اگر تمہاری تقدیر میں گناہ لکھا ہے تو وہ خصی ہونے کے باوجود تم سے صادر ہو کر رہے گا اور اگر گناہ نہیں لکھا ہوا تو پھر خصی نہ ہونے کے باوجود تم گناہ سے محفوظ رہو گے۔ پھر خواہ مخواہ ایک موبوم خدشہ کی بناء پر غلط اقدام کی اجازت طلب کرتے ہو؟ اسی بنیاد پر اسلام میں اپنے آپ کو خصی کر لینا ناجائز ہے۔

⑤ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ حضرت عثمان بن مظعونؓ نے آپ کے سامنے خصی ہو جانے کا ارادہ ظاہر کیا تا کہ فارغ البالی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکیں اور رات دن عبادت الہی میں مشغول رہیں مگر آپ نے ان کے اس جذبے کی تردید فرمائی بالآخر حضرت عثمان بن مظعونؓ کو اپنے ارادے سے باز رہنا پڑا۔

⑥ ایک مرتبہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بیوی خولہ بنت حکیمؓ پرانے بوسیدہ کپڑوں میں ملبوس مکلی کچلی حالت میں ازواج مطہرات کی خدمت میں گئیں تو ازواج مطہرات نے ان سے دریافت فرمایا: ”تم نے اپنی حالت کیا بنا رکھی ہے؟“ انہوں نے اپنے خاوند کی شکایت کرتے ہوئے بتلایا کہ وہ رات بھر نمازیں پڑھتے ہیں دن بھر روزہ رکھتے ہیں ازواج مطہرات نے یہ بات آپ تک پہنچا دی آپ نے حضرت عثمان بن مظعونؓ سے فرمایا:

((يا عثمان ان الربانية لم تكتب علينا افمالك في اسوة

فوالله ان اخشاكم واحفظكم لحدوده لانا))

(طبقات ابن سعد، کنز العمال)

”اے عثمان! ہم پر رہبانیت فرض نہیں کی گئی، کیا تمہارے لئے میری ذات

کامل نمونہ نہیں ہے؟ اللہ کی قسم! میں تم میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے

ڈرنے والا اور حدودِ خداوندی کی حفاظت کرتا ہوں۔“

اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ صحابی کی تعبدی زندگی اور ازواجی زندگی کے درمیان اعتدال و توازن قائم رکھنے کا حکم فرماتے حتیٰ کہ یہ اعتدال اور توازن صحابہ کرامؓ کی طبیعت اور فطرتِ ثانیہ بن گئی اگر اس سے آزاد ہو کر کوئی عبادت و زہد اور معاشرتی حقوق کی ادائیگی سے کنارہ کشی میں مبتلا نہ کرتا تو صحابہ آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں اس کا واقعہ ذکر کرتے۔

حضرت سلمان اور ابو درداء رضی اللہ عنہما کا واقعہ:

جب آپ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مداخلت یعنی بھائی چارہ قائم فرمایا اور حضرت سلمان فارسیؓ کو حضرت ابو درداءؓ کا بھائی بنا دیا۔ حضرت سلمان کبھی کبھی اپنے بھائی سے ملاقات کر لیا کرتے، ایک مرتبہ ان کی ملاقات کے لئے تشریف لائے تو وہ گھر پر موجود نہیں تھے ان کو معلوم ہوا کہ ام درداءؓ مکلی کچلی رہتی ہیں اور صاف ستھرا کپڑا پہننا چھوڑ دیا ہے تو پوچھا آپ کا یہ کیا حال ہے؟ انہوں نے جواب دیا آپ کے بھائی ابو درداءؓ کو دنیا کی کوئی ضرورت نہیں۔ اتنے میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بھی تشریف لائے۔ معاف نہ کیا اور ان کی تشریف آوری پر اظہارِ مسرت فرمایا ان کے لئے کھانا پکوا کر پیش کیا اور فرمایا آپ کھائیے میرا تو روزہ ہے۔ حضرت سلمانؓ نے فرمایا بخدا میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ جب تک آپ میرے ساتھ نہ کھائیں۔ حضرت ابو درداءؓ نے اپنا

رہبانیت فطرت سے متصادم ہے:

یہ رہبانیت (ترک دنیا) جس کی عیسائی راہب دعوت دیتے ہیں اور اپنے دین کا شعار اور علامت بتاتے ہیں اس پر فخر کرتے ہیں اسے قرب خداوندی کا ذریعہ قرار دیتے ہیں اور ترک نکاح کو روحانیت کی ترقی خیال کرتے ہیں۔ انسانی فطرت سے ٹکراتی ہے اور کائنات میں نسل انسانی کی بقا کے منشاء خداوندی کے بالکل خلاف ہے یہ صرف پادریوں اور راہبوں کی ایجاد کردہ ایک من گھڑت بات ہے۔ عرصہ دراز تک یورپ سینٹ پال کی ایجاد کردہ مسیحیت کے دامن میں گرفتار رہے۔ جس نے حضرت عیسیٰ کی اصل تعلیمات میں تحریف کر کے تجرد و ترک نکاح کو انسانی زندگی کا آئینہ قرار دیا، عوام سے قطع نظر خود چرچ اپنی عظمت کے دور عروج میں مثالی جنسی بے اعتمادیوں کا شکار رہا بڑے بڑے پادری شرافت و اخلاق کی تمام حدود کو بالائے طاق رکھتے ہوئے شہوت پرستی میں ڈوبے رہتے تھے۔ صلیب لگانے ایک خاص ڈھب کے سفید لباس میں ملبوس مردوں اور عورتوں کو آپ نے دیکھا ہوگا یہ دنیا کے عیسائیت کے راہب اور رہبانیں ہیں جن کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ ابدی نجات اور خوشیاں حاصل کرنے کے لئے دنیاوی شہوتیں اور لذتیں خود پر حرام ٹھہرا لیتے ہیں۔ ان کو پادری یا قادر کہا جاتا ہے اور کلیساؤں کے اندر پھیلی ہوئی روحانی فضاؤں اور مراقبوں کے بارے میں بھی یہ کہا جاتا ہے کہ ان سے خدا خونی دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے لیکن واقعات راز جب اس کا پردہ اٹھاتے ہیں تو اس معصومیت اور پاکیزگی کے پیچھے کتنی خباثت اور بے رحمی چھپی ہوئی نظر آتی ہے اس کی دو مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

پادری کا بچوں کے ساتھ فعل بد:

امریکہ کے ایک شہر میں ایک سابق رومن کیتھولک پادری نے عدالت کے روبرو

روزہ توڑ کر ان کے ساتھ کھانا تناول فرمایا۔ جب رات ہو گئی تو حضرت ابودرداءؓ نے ان کے لئے بستر بچھا دیا اور خود نماز میں مشغول ہو گئے حضرت سلمانؓ نے ان سے فرمایا کہ جب تک آپ آرام نہیں کریں گے میں بھی آرام نہیں کروں گا۔ حضرت ابودرداءؓ آرام فرمانے کے لئے لیٹ گئے تھوڑی دیر آرام فرمانے کے بعد کھڑے ہونے لگے تو حضرت سلمانؓ نے فرمایا ابھی اور آرام کیجئے۔ جب آخری رات ہوئی تو حضرت سلمانؓ نے ان سے فرمایا کہ اب آپ کھڑے ہو جائیے دونوں حضرات نے نماز ادا فرمائی پھر حضرت سلمانؓ نے حضرت ابودرداءؓ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

((اِنَّ لِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ

لِرِزْقِكَ عَلَيْكَ حَقًّا فَلَا تُعْطِ كُلَّ دَنِي حَقِّ حَقِّهِ)) (بخاری)

”بے شک آپ کے رب کا آپ پر حق ہے اور آپ کے نفس کا بھی آپ پر حق ہے اور آپ کی بیوی کا بھی آپ پر حق ہے لہذا ہر ایک کا حق ادا کیجئے۔ جب اس بات کی خبر آپ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا صدق مسلمان کہ سلمان نے سچ کہا۔“

بہر حال پیغمبر اسلام نے اس شہود کے ساتھ نکاح سے کنارہ کشی کرنے والوں کے جذبہ کی اس تردید فرمائی کہ یہ اقدام نہایت غلط اور اسلام کی روح کے منافی تھا ایک ایسی نعمت جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ودیعت فرمائی ہے یہ کسی طریقہ سے اس کے مناسب نہ تھا اگر خدا نخواستہ اس بات کی اس وقت تردید نہ کی جاتی تو آج اس کا بڑا خطرناک انجام ہوتا روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کی معاشی حالت نکاح کی ذمہ داریاں قبول کرنے کی اجازت نہ دیتی ہو تو اسے روزے رکھ کر جنسی میلان کے زور کو توڑنا چاہئے لیکن اسلام اختصاء اور رہبانیت کی اجازت قطعاً نہیں دیتا۔

اس امر کا کھلا اقرار کیا ہے کہ اس نے اپنی ملازمت کے دوران تقریباً ۱۰۰ بچوں کے ساتھ برا فعل کیا۔

راہبہ کی بچوں کے ساتھ زیادتی:

ایک راہبہ کیتھرائن اپنے مقامی چرچ میں بچوں کو مذہبی تعلیم دینے پر مامور تھی۔ تین سال قبل اس کے پاس کچھ بچے بغرض تعلیم آئے جن سے اس نے مذہبی تعلیم کی آڑ میں ناجائز تعلقات استوار کر لئے جو مسلسل تین سال تک جاری رہے جس سے تین بچے ذہنی انتشار کا شکار ہو گئے جنہیں والدین نے ماہر نفسیات کو دکھایا تو انہوں نے اس راہبہ کے خلاف عدالتی کارروائی کرنے کو کہا۔ راہبہ نے بھی پولیس تفتیش کے دوران اپنی زیادتی کا اعتراف کر لیا ہے بچے ابھی تک نارمل نہیں ہو سکے۔ (نوائے وقت لاہور)

چنانچہ قرآن پاک میں ان کی مذمت اور شکایت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَرَهْبَانِيَّةٍ ابْتَدَعُوا مَا كَتَبْنَا هَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا﴾ (الحديد: ۲۷)

”اور وہ رہبانیت جس کو نصاریٰ نے اپنی طرف سے گھڑ لیا تھا اس کو ان پر ہم نے فرض نہیں کیا تھا مگر انہوں نے اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے (ایجاد کیا تھا) پھر انہوں نے اس کی رعایت نہیں کی جیسا کہ رعایت کرنے کا حق تھا۔“

چونکہ رہبانیت فطرت سے متصادم ہے اس لئے تاریخ کے کسی دور میں بھی کامیاب نہ ہو سکی بلکہ عیسائیوں میں بھی یہ رواج صرف رومن کیتھولک عقیدہ کے لوگوں تک محدود ہے۔

رہبانیت کی ابتداء:

رہبانیت حضرت مسیحؑ کے قریباً دو سال بعد مروج ہوئی۔ ابتداء میں حضرت مسیحؑ کو ماننے والے بہت سادہ زندگی بسر کرتے تھے وہ حرم و ہوس اور مال دنیا کو کوئی وقعت نہ دیتے تھے۔ وہ دنیاوی معاملات کے متعلق بات چیت کرنے سے قبل عبادات سے فارغ ہو جاتے تھے اس کے بعد آنے والے عیسائیوں میں ایک طبقہ ایسا پیدا ہوا جس کے لوگ بغیر مال و متاع اور زن و اولاد کے زندگی بسر کرتے تھے وہ کھجوریں وغیرہ کھا کر گزارہ کرتے تھے پھر وہ لوگ بھی اس گروہ میں شامل ہونے لگے جو زندگی اور دنیا کی مشکلات و صعوبات سے گھبرا کر راہ فرار اختیار کرتے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں کہن لکھتا ہے کہ وہ نشاط زندگی اور فرائض دنیوی سے بالکل دستبردار ہو جاتے تھے۔ وہ نہایت سادہ غذا کھاتے۔ جو اکثر مانگ کر حاصل کی جاتی یا انہیں پیش کی جاتی وہ گوشت نہیں کھاتے تھے اور نہ شراب پیتے تھے وہ جسم کو ہر ممکن طریق سے ازیت پہنچاتے محبت، قیض، آرام اور مسرت کو گناہ تصور کرتے اور تجر کو تقدس کا درجہ دیتے تھے۔ پھر مذہبی خدمات انجام دینے والوں کے لئے یہ بات ناپسندیدہ تصور کی جائے گی کہ وہ شادی کریں۔ بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ مسیحی رہبانیت کا بانی ”انطونی“ تھا جس نے اپنی دولت اور کنبہ سے کنارہ کشی اختیار کر کے رہبانیت کی زندگی گزارنے کے لئے صحرا میں چلے گئے اور ریاضت شروع کر دی۔ جلد ہی اس کی درویشی کی شہرت پورے مصر میں پھیل گئی۔ ہزاروں لوگوں نے اس کی تقلید میں رہبانیت کو اپنا لیا اور انطونی کو اپنا قائد تسلیم کر لیا اس طرح رہبانیت ایک تحریک کی صورت اختیار کر گئی اور اسے زور پکڑتے دیکھ کر کلیسا نے اس کی حمایت کر دی پھر راہبوں نے اپنی خانقاہیں قائم کر لیں اور رفت رفتہ صحرائے لیبیا اور وادی نیل میں ہزاروں خانقاہیں نظر آنے لگیں۔ شمالی نیل میں جو پہلی خانقاہ قائم ہوئی اس میں چودہ سو

راہب رہبانیت کی زندگی گزارتے تھے اور قلیل عرصہ میں ان کی تعداد پچاس ہزار ہو گئی ان سے تیاگ 'جسمانی اذیت' ریاضت اور دنیاوی قیش سے اجتناب کا عہد لیا جاتا تھا۔ پھر روم اور شام میں بھی خانقاہیں نظر آئے لگیں۔ ادھر "بلبرین" نے بارہ سال تک دنیاوی آلائشوں سے کنارہ کشی کر کے مقبولیت حاصل کر لی تو اس کے بے شمار مریدین شام میں راہبانہ زندگی کی تبلیغ کرنے لگے پھر عیسائیت جہاں بھی گئی رہبانیت بھی اس کے ساتھ ساتھ رہی۔ مؤرخین کا خیال ہے کہ لوگ فوجی زندگی کے مصائب سے بچنے کے لئے خانقاہوں میں پناہ لیتے تھے بعض روئے ساء جب اپنی سیاہ کاریوں سے تنگ آ جاتے تو مزائے اعمال کے خوف سے رہبانیت اختیار کر لیتے تھے تاکہ انہیں موت کے بعد بھی جنت کا لطف اٹھانے کا موقع مل سکے۔ بتایا جاتا ہے کہ خانقاہوں میں عورتیں اکثر راہبوں کی ہوس کاریوں کا شکار ہوتی تھیں۔

جدید تحقیقات کی روشنی میں

شادی نہ کرنے کے نقصانات

جالبینوس کا قول ہے کہ مادہ تولید پر آگ اور نوا غالب ہے اور اس کی طبیعت گرم تر ہے اس کا فاضل حصہ جب روک لیا جاتا ہے اور ایک عرصہ تک رکا رہتا ہے تو اس سے خراب قسم کی بیماریاں جنم لیتی ہیں کبھی وسواس کی بیماری ہوتی ہے کبھی جنون کا مرض لاحق ہو جاتا ہے اور کبھی مرگی کی بیماری پیدا ہوتی ہے نیز مادہ تولید کا اخراج معتدل صحت پر خوشگوار اثر ڈالتا ہے بہت سی بیماریوں سے آدمی محفوظ رہتا ہے ورنہ رکاوٹ سے ایک ذہریلا مادہ تمام جسم میں دوڑ جاتا ہے جو صحت کے لئے مضر ہوتا ہے اور اسی وجہ سے زیادتی کے وقت انسانی طبیعت اس کے باہر نکلنے پر مجبور ہوتی ہے۔

ملازمہ نفسی کہتے ہیں کہ مادہ تولید کا خارج کرنا ضروری ہے کیونکہ اگر اسے ترک کر دیا جائے اور وہ طرف میں زیادہ ہو جائے تو یہ حرارت غریزی کا گلا گھونٹ دے گا اور اسے بچا دے گا اور لازم ہوگا کہ وہ خود خشنڈا پڑ جائے اور بدن کو بھی ٹھنڈا کر دے مادہ تولید کا جس اور اس کے نقصانات یہیں ختم نہیں ہو جاتے بلکہ اور بھی مفاسد پیدا ہو جاتے ہیں۔

مادہ تولید زہر آلود طبیعت میں بدل جاتا ہے اور یہ زہر آلود مادہ دل و دماغ کی طرف زہر آلودی بخارات کو روانہ کرتا ہے جو نفسی امرگی اور اس طرح کی دوسری بیماریوں کا موجب بنتا ہے۔

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ مقدار بست سے بالکل کنارہ کش نہ ہونا چاہئے ورنہ جس

طرح اس کنوئیں کا پانی خراب ہو جاتا ہے جس کا پانی نکالائیں جاتا بھی حشرنگی پر ہیز کا بھی ہوگا۔

محمد بن زکریا فرماتے ہیں ترک مقدار بت سے اعصابی قوتیں کمزور پڑ جاتی ہیں اس کے سوت بند ہو جاتے ہیں اور عضو تناسل سکڑ کر رہ جاتا ہے۔

ایک موقع پر علامہ نووی لکھتے ہیں مرد پر جنسی میلان کا تقاضا بسا اوقات مستولی ہو جاتا ہے اگر اس تقاضے کی تکمیل میں تاخیر ہے کام لیا جائے گا تو اس کا نقصان بدن کو بھی پہنچتا ہے اور دل کو بھی اور بینائی کو بھی۔

ان تمام اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ شادی کرنا ضروری ہے کیونکہ مادہ تولید کا اخراج تقاضے کی شدت کے وقت اگر نہ کیا جائے گا تو صحت بھی بگڑتی ہے اور اس کے علاوہ دینی و دنیاوی نقصانات کا بھی آدمی نشانہ بن جاتا ہے۔

نکاح

نکاح کی لغوی تشریح:

نکاح لغت میں ضم کرنے (merge) کے معنی میں مستعمل ہے۔ پھر وطی کے معنی میں نقل کر لیا گیا۔ وطی کے ضم پر مشتمل ہونے کی وجہ سے پھر عقد نکاح کی طرف نقل کر لیا گیا۔ اس لئے کہ عقد سبب ضم ہے گویا عقد مجاز الحجاز ہے۔ لفظ نکاح کا اطلاق مجامعت کرنے اور "عقد" کے معنی پر بھی ہوتا ہے کیونکہ مجامعت اور عقد دونوں ہی میں "جمع ہونا اور ملنا" پایا جاتا ہے لہذا اصول فقہ میں نکاح کے یہی معنی یعنی جمع ہونا بمعنی "مجامعت کرنا" مراد لینا چاہئے بشرطیکہ ایسا کوئی قرینہ نہ ہو جو اس معنی کے خلاف دلالت کرتا ہو۔

اقسام نکاح:

نکاح شرعی کی تین قسمیں ہیں: سنت مؤکدہ واجب مکروہ۔ مہر نفقہ اور وطی۔ قدرت کی صورت میں نکاح سنت مؤکدہ ہے۔ عورتوں کی طرف شدت اشتیاق کے وقت واجب ہے۔ جس وقت ظلم کا غالب گمان ہو اور فراق و سنن کے ترک کا تو ایسی صورت میں نکاح مکروہ ہے۔

فقہی تشریح:

علماء فقہ کی اصطلاح میں "نکاح" اس خاص عقد و معاہدہ کو کہتے ہیں جو مرد و عورت کے درمیان ہوتا ہے اور جس سے دونوں کے درمیان زواجیت کا باہمی رشتہ استوار ہو جاتا ہے۔

نکاح کی اہمیت:

نکاح یعنی شادی صرف دو افراد کا ایک سماجی بندھن ذاتی ضرورت ایک طبعی میلان اور صرف ایک ”ذاتی معاملہ“ ہی نہیں ہے بلکہ یہ انسانی معاشرے کے وجود و بقاء کا ایک بنیادی ستون بھی ہے اور شرعی نقطہ نظر سے ایک خاص اہمیت و فضیلت کا حامل بھی ہے۔ نکاح کی اہمیت اور اس کی بنیادی ضرورت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم تک کوئی ایسی شریعت نہیں گزری ہے جو نکاح سے خالی رہی ہو اسی لئے علماء لکھتے ہیں کہ ایسی کوئی عبادت نہیں ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک مشروع ہو اور جنت میں بھی باقی رہے۔ سوا نکاح اور ایمان کے چنانچہ ہر شریعت میں مرد و عورت کا اجتماع ایک خاص معاہدہ کے تحت مشروع رہا ہے اور بغیر اس معاہدہ کے مرد و عورت کا یا بھی اجتماع کسی بھی شریعت و مذہب نے جائز قرار نہیں دیا ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ اس معاہدہ کی صورتیں مختلف رہی ہیں اور اس کے شرائط و احکام میں تغیر و تبدل ہوتا رہا ہے۔ چنانچہ اس بارے میں اسلام نے جو شرائط مقرر کی ہیں جو احکام نافذ کئے ہیں اور جو قواعد و ضوابط وضع کئے ہیں اس باب سے ان کی ابتدا ہو رہی ہے۔

نکاح کے فوائد و آفات:

نکاح کا جہاں سب سے بڑا عمومی فائدہ نسل انسانی کا بقاء اور پابہم تولد و تناسل کا جاری رہنا ہے وہیں اس میں کچھ مخصوص فائدے اور بھی ہیں جن کو ترتیب وار اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے:

فوائد نکاح ☆

① نکاح کر لینے سے بیجان کم ہو جاتا ہے۔ یہ جنسی بیجان انسان کی اخلاقی زندگی کا ایک

ہلاکت خیز مرحلہ ہوتا ہے جو اپنے سکون کی خاطر مذہب و اخلاق ہی کی نہیں شرافت و انسانیت کی بھی ساری پابندیاں توڑ ڈالنے سے گریز نہیں کرتا مگر جب اس کو جائز ذرائع سے سکون مل جاتا ہے تو پھر یہ پابند اعتدال ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ جائز ذریعہ صرف نکاح ہی ہو سکتا ہے۔

②

نکاح کرنے سے اپنا گھر بستا ہے خانہ داری کا آرام ملتا ہے گھریلو زندگی میں سکون و اطمینان کی دولت نصیب ہوتی ہے اور گھریلو زندگی کے اس اطمینان و سکون کے ذریعہ حیات انسانی کو فکر و عمل کے ہر موڑ پر سہارا ملتا ہے۔

③

نکاح کے ذریعہ سے کنبہ بڑھتا ہے جس کی وجہ سے انسان اپنے آپ کو مضبوط و زبردست محسوس کرتا ہے اور معاشرہ میں اپنے حقوق و مفادات کے تحفظ کے لئے اپنا رعب و اب قائم رکھتا ہے۔

④

نکاح کرنے سے نفس مجاہدہ کا عادی ہوتا ہے کیونکہ گھریلو اور اہل و عیال کی خبر گیری و نگہداشت اور ان کی پرورش و پرداخت کے سلسلہ میں جدوجہد کرنا پڑتی ہے اس مسلسل جدوجہد کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان بے عملی اور لاپرواہی کی زندگی سے دور رہتا ہے جو اس کے لئے دنیاوی طور پر بھی نفع بخش ہے اور اس کی وجہ سے وہ دینی زندگی یعنی عبادات و طاعات میں بھی چاق و چوبند رہتا ہے۔

⑤

نکاح ہی کے ذریعہ صالح و نیک بخت اولاد پیدا ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی شخص کی زندگی کا سب سے گراں مایہ سرمایہ اس کی صالح اور نیک اولاد ہی ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ نہ صرف دنیا میں سکون و اطمینان اور عزت و نیک نامی کی دولت حاصل کرتا ہے بلکہ اخروی طور پر بھی فلاح و سعادت کا حصہ دار بنتا ہے۔

یہ تو نکاح کے فائدے تھے لیکن کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں جو نکاح کی وجہ سے بعض لوگوں کے لئے نقصان و تکلیف کا باعث بن جاتی ہیں اور جنہیں نکاح کی آفات کہا جاتا ہے چنانچہ ان کو بھی ترتیب وار اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

آفات نکاح ☆

- ① طلب حلال سے عاجز ہونا یعنی نکاح کرنے کی وجہ سے چونکہ گھر بار کی ضروریات لاحق ہو جاتی ہیں اور طرح طرح کے فکر و انگیز رہے ہیں اس لئے عام طور پر طلب حلال میں وہ ذوق باقی نہیں رہتا جو ایک مجروح و تنہا زندگی میں رہتا ہے۔
- ② حرام امور میں زیادتی ہونا۔ یعنی جب شوہر کے آجانے اور بال بچوں کے ہو جانے کی وجہ سے زندگی کی مصروفیات بڑھ جاتی ہیں تو بسا اوقات اپنی زندگی کا وجود معیار برقرار رکھنے کے لئے حرام امور کے ارتکاب (شوہر سے) کروانے تک سے گریز نہیں کیا جاتا جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آہستہ آہستہ ذہن و عمل سے حلال و حرام کی تمیز بھی اٹھ جاتی ہے اور بلا جھجک حرام چیزوں کو اختیار کیا جاتا ہے۔
- ③ مردوں کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرنا۔ اسلام نے مردوں کو جو بلند و بالا حقوق عطا کئے ہیں ان میں شوہر کے ساتھ اچھے سلوک اور حسن معاشرت کا ایک خاص درجہ ہے لیکن ”مساوات انسانی کی آڑ میں“ شوہروں کے حقوق کی پامالی اور ان کے ساتھ برے سلوک و برتاؤ بھی ایک ”ذاتی معاملہ“ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا حالانکہ یہ چیز ایک انسانی اور معاشرتی بد اخلاقی ہی نہیں ہے بلکہ شرعی طور پر بڑے گناہ کی حامل ہے اور اس سے دین و دنیا دونوں کا نقصان ہوتا ہے۔
- ④ شوہر و بچوں کی وجہ سے حقوق اللہ کی ادائیگی سے باز رہنا یعنی ایسی کم ہی خواتین ہوتی ہیں جو اپنی گھریلو زندگی کے استحکام اور شوہر و بچوں کے ساتھ حسن معاشرت کے ساتھ ساتھ اپنی دینی زندگی کو پوری طرح برقرار رکھتی ہوں جب کہ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ شوہر و بچوں اور گھر بار کے ہنگاموں اور مصروفیتوں میں پڑ کر دینی زندگی مضلل و بے عمل ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نہ تو عبادات و طاعات کا خیال رہتا ہے نہ حقوق اللہ کی ادائیگی پورے طور پر ہو پاتی ہے۔

نکاح کے ان فوائد و آفات کو سامنے رکھ کر اب یہ سمجھئے کہ اگر یہ دونوں مقابل ہوں۔ یعنی فوائد و آفات برابر برابر ہوں۔ تو جس چیز سے دین کی باتوں میں زیادتی ہوتی ہو اسے ترجیح دی جائے مثلاً ایک طرف تو نکاح کا یہ فائدہ ہو کہ اس کی وجہ سے جنسی بیجان کم ہوتا ہے اور دوسری طرف نکاح کرنے سے یہ دینی نقصان سامنے ہو کہ عورت کی بد مزاجی پر صبر نہیں ہو سکے گا تو اس صورت میں نکاح کرنے ہی کو ترجیح دی جائے کیونکہ اگر نکاح نہیں کرے گا تو زمانہ میں مبتلا ہو جائے گا اور ظاہر ہے کہ یہ چیز عورت کی بد مزاجی پر صبر نہ کرنے سے کہیں زیادہ دینی نقصان کا باعث ہے۔

نکاح کے مستحبات:

جب کوئی شخص نکاح کرنا چاہے خواہ مرد ہو یا عورت تو چاہئے کہ نکاح کا پیغام دینے سے پہلے ایک دوسرے کے حالات کی اور عادات و اطوار کی خوب اچھی طرح جستجو کر لی جائے تاکہ ایسا نہ ہو کہ بعد میں کوئی ایسی چیز معلوم ہو جو طبیعت و مزاج کے خلاف ہونے کی وجہ سے زوجین کے درمیان نا چاقی و کشیدگی کا باعث بن جائے۔

یہ مستحب ہے کہ عمر، عزت، حسب اور مال میں بیوی، خاوند سے کم ہو اور اخلاق و عادات، خوش سلیقی و آداب، حسن و جمال اور تقویٰ میں خاوند سے زیادہ ہو۔ مرد کے لئے یہ بھی مسنون ہے کہ وہ جس عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے اس کو نکاح سے پہلے دیکھ لے بشرطیکہ یہ یقین ہو کہ میں اگر اس کو پیغام دوں گا تو منظور ہو جائے گا۔

مستحب ہے کہ نکاح کا اعلان کیا جائے اور نکاح کی مجلس اعلانیہ طور پر منعقد کی جائے جس میں دونوں طرف سے اعزہ و احباب نیز بعض علماء و صلحا، بھی شریک ہوں۔ اسی طرح یہ بھی مستحب ہے کہ نکاح پڑھانے والا نیک بخت و صالح ہو اور گواہ عادل و پرہیزگار ہوں۔

ایجاب و قبول اور ان کے صحیح ہونے کی شرائط:

نکاح ایجاب و قبول کے ذریعے منعقد ہوتا ہے اور یہ ایجاب و قبول دونوں ماضی کے لفظ کے ساتھ ہونے چاہئیں (یعنی ایسا لفظ استعمال کیا جائے جس سے یہ بات سمجھی جائے کہ نکاح ہو چکا ہے) جیسے عورت یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو تمہاری زوجیت میں دیا یا عورت کا ولی مرد سے یہ کہے کہ میں نے فلاں عورت کا جس کا نام یہ ہے تمہارے ساتھ نکاح کیا اور اس کے جواب میں مرد یہ کہے کہ میں نے منظور کیا یا ایجاب و قبول میں سے کوئی ایک ماضی کے لفظ کے ساتھ ہو جیسے عورت یہ کہے کہ مجھ سے نکاح کر لو یا عورت کا ولی مرد سے یہ کہے کہ فلاں عورت سے جس کا نام یہ ہے نکاح کر لو اور اس کے جواب میں مرد یہ کہے کہ میں نے نکاح کر لیا یا اس کا برعکس ہو جیسے مرد یہ کہے کہ میں نے تمہارے ساتھ اپنا نکاح کر لیا اور اس کے جواب میں عورت یہ کہے کہ میں منظور کرتی ہوں اور اگر مرد عورت سے یوں کہے کہ ”کیا تم نے اپنے آپ کو میری زوجیت میں دیا؟ یا کہے کہ ”کیا تم نے مجھے قبول کیا“ اور اس کے جواب میں عورت (ہاں میں نے دیا یا ہاں میں نے قبول کیا کہنے کی بجائے) صرف یہ کہے کہ ہاں دیا۔ یا ہاں قبول کیا (یعنی لفظ ”میں“ نہ کہے) تو اس صورت میں بھی نکاح ہو جاتا ہے۔ البتہ گواہوں کے سامنے صرف یہ کہنے سے کہ ”ہم بیوی خاوند ہیں“ نکاح نہیں ہوتا۔

جس طرح ایجاب و قبول میں ماضی کا لفظ استعمال کرنا ضروری ہے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ ایجاب و قبول میں خاص کر نکاح اور تزویج کا لفظ استعمال کیا جائے مثلاً یوں کہا جائے کہ میں نے تمہارے ساتھ نکاح کیا یا تمہارے ساتھ تزویج کیا یا نکاح و تزویج کے ہم معنی کوئی دوسرا لفظ استعمال کیا جائے جو نکاح کا مطلب صراحتہ ادا کرتا ہو جیسے مرد یوں کہے کہ میں نے تمہیں اپنی بیوی بنا لیا یا یوں کہے کہ میں تمہارا شوہر ہو گیا۔ یا اس کہے کہ تم میری بیوی ہو گئیں اور نکاح و تزویج یا اس کا ہم معنی لفظ صراحتہ استعمال نہ کیا

جائے بلکہ کوئی ایسا لفظ استعمال کیا جائے جس سے کنایہ نکاح کا مفہوم سمجھا جاتا ہو تو یہ بھی جائز ہے بشرطیکہ وہ لفظ ایسا ہو جس کے ذریعہ سے کوئی ذات کامل کی ملکیت فی الحال حاصل کی جاتی ہو جیسے ہبہ کا لفظ یا صدقہ کا لفظ یا تملیک کا لفظ یا بیع و شراء کا لفظ جیسے بیوی یوں کہے کہ میں نے اپنی زوجیت تمہیں ہبہ کر دی یا میں نے اپنی ذات تمہیں بطور صدقہ دے دی۔ یا میں نے تمہیں اپنی ذات کا مالک بنا دیا یا یوں کہے کہ میں نے تمہیں اس قدر روپیہ کے عوض خرید لیا اور ان سب کے جواب میں مرد یہ کہے کہ میں نے قبول کیا۔“ لیکن اس کے صحیح ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ متکلم نے اس لفظ سے نکاح مراد لیا ہو اور کوئی قرینہ اس پر دلالت کرتا ہو اور اگر کوئی قرینہ نہ ہو تو قبول کرنے والے نے متکلم کی مراد کی تصدیق کر دی ہو نیز گواہوں نے بھی سمجھ لیا ہو کہ اس لفظ سے مراد نکاح ہے خواہ انہوں نے کسی قرینہ سے سمجھا دیا ہو یا بتا دینے سے سمجھا ہو۔

ایجاب و قبول کے وقت عاقدین (دولہا و دلہن) میں سے ہر ایک کے لئے دوسرے کا کلام سننا ضروری ہے خواہ وہ بالاصالۃ (یعنی خود) سنیں خواہ بالوکالت سنیں (یعنی ان کا وکیل سنے) اور خواہ بالولایۃ سنیں (یعنی ان کا ولی سنے)۔

ایجاب و قبول کے وقت دو گواہوں کی موجودگی نکاح صحیح ہونے کی شرط ہے اور یہ گواہ خواہ دو مرد ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں گواہوں کا آزاد ہونا ضروری ہے۔ لونڈی یا غلام گواہوں کی گواہی معتبر نہیں ہوگی اسی طرح گواہوں کا عاقل اور مسلمان ہونا بھی ضروری ہے۔ مسلمانوں کی گواہی ہر حال میں کافی ہوگی خواہ وہ پرہیزگار بنوں یا فاسق ہوں اور خواہ ان پر حد قذف لگائی جا چکی ہو۔ گواہوں کا بیٹا ہونا یا زوجین کا رشتہ دار نہ ہونا شرط نہیں ہے چنانچہ اندھوں کی گواہی اور زوجین کے رشتہ داروں کی گواہی معتبر ہوگی خواہ وہ زوجین کے یا ان میں سے کسی ایک کے بیٹے ہی کیوں نہ ہوں۔ گواہوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ دونوں ایجاب و قبول کے الفاظ کو ایک ساتھ سنیں اور سن کر یہ سمجھ لیں کہ نکاح ہو رہا ہے گواہوں کے الفاظ کے معنی نہ سمجھیں (مثلاً ایجاب و قبول کسی ایسی زبان

میں ہو جسے وہ نہ جانتے ہوں) اگر دونوں گواہ ایجاب و قبول کے الفاظ ایک ساتھ نہ سنیں بلکہ الگ الگ سنیں تو نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ اگر کسی شخص نے دوسرے شخص سے کہا کہ میری فلاں نابالغ لڑکی کا نکاح فلاں شخص کے ساتھ کر دو اور اس شخص نے اس لڑکی کا نکاح اس باپ اور ایک دوسرے مرد کی موجودگی میں کیا تو یہ جائز ہوگا لیکن اگر باپ موجود نہ ہو تو پھر دونوں مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی موجودگی کے بغیر نکاح درست نہیں ہوگا۔

غیر کفو (بے جوڑ) شادیوں کا انجام

کفایت کا قرآنی تصور:

قرآن پاک نے میاں بیوی کے بارے میں جو تصور دیا ہے یقیناً اس کے اظہار کے لئے اس سے زیادہ مناسب اور مطلب خیز کوئی دوسری تعبیر نہیں ہو سکتی۔ قرآن پاک میں میاں بیوی کے درمیان استوار رابطہ کو بڑے خوبصورت اور لطیف پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ﴾ (البقرہ ۱۸۷)

”عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم عورتوں کا لباس ہو۔“

لباس سے تشبیہ دینے میں ایک حکمت یہ ہے کہ لباس کو انسان کے بدن میں زبردست اہمیت حاصل ہے یہی لباس انسان کے قد و قامت پر اس طرح چست ہوتا ہے کہ نہ کہیں سے چھوٹا ہوتا ہے نہ بڑا ہوتا ہے۔ پھر مرد و عورت ایک دوسرے سے قطعی ہم آہنگ ہوتے ہیں جب ان کا آپس میں ملاپ ہوتا ہے تو دونوں اس طرح یک جان دو قالب ہوتے ہیں اور یوں آپس میں شیر و شکر ہو جاتے ہیں کہ کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کس کی حد کہاں اور کس کا زاویہ کیا ہے؟ اس اعتبار سے لباس میں جس قدر مناسبت کا خیال رکھا جاتا ہے دیگر ضروریات زندگی اور اسباب آسائش میں شاید ہی اس قدر خیال رکھا جاتا ہو جب چند مہینے زیب تن کئے جانے والے لباس میں اس قدر مناسبت کی رعایت ملحوظ ہوتی ہے تو جس لباس کا زندگی بھر کے لئے انتخاب کیا جائے اس میں بدرجہ اتم مناسبت کی رعایت ملحوظ ہونا ضروری ہے اسی مناسبت کی رعایت رکھنے کو فقہی اصطلاح میں کفایت و کفو سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

بالعموم دو اشخاص کو ایک دوسرے کا کفو کہا جاتا ہے جو آزاد ہوں مال اور خاندان

میں مساوی حیثیت کے مالک ہوں ہم پیشہ ہم مذہب اور ہم عمر ہوں۔

فقہی اصطلاح میں کفایت سے مراد مرد و عورت کا آپس میں اسلام خاندان آزادی پیشہ سیرت و کردار مال اور عمر میں برابر ہونا ضروری ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

بعض لوگ کفایت کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہیں کہ اسلام بھی غیر مذہب کی طرح ذات پات کی تفریق حسب و نسب اور اونچ نیچ کا قائل ہے۔

یاد رکھئے! اسلام نے انسانیت کے سچ اونچ نیچ کی دیوار قطعاً کھری نہیں کی بلکہ اسلامی نقطہ نظر سے ہر شخص برابر ہے خواہ امیر ہو یا غریب تخت شاہی پر بیٹھنے والا ہو یا فٹ پاتھ پر بھیک مانگنے والا ہولند انسانی برادری کے مابین کسی بھی بنیاد پر امتیاز یا اظہار برتری غلط ہے۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں:

((لَمْ يَخْلُقْ فِي الْغِنَاءِ وَالْفَقَرِ بِالْغِنَاءِ))

”حسب و نسب میں کفایت کے معتبر ہونے سے متعلق کوئی بھی صحیح حدیث نہیں۔“

بلکہ اس کے برخلاف کتب احادیث کے ذخیرہ میں ایسی روایات و آثار ملتے ہیں جن سے واضح ہو جاتا ہے کہ عہد نبوی اور عہد صحابہ میں نسبی کفایت کو کسی قسم کی اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔

ذیل میں چند آثار و روایات کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

① آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سگی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش کا نکاح حضرت زید بن حارثہ سے کیا جو غلام تھے۔

② فاطمہ بنت قیس جو قریش سے تھیں ان کا نکاح حضرت اسامہ بن زید سے ہوا تھا جو غلام ابن غلام تھے۔

③ حضرت عبدالرحمن بن عوف کی بہن ہالہ بنت عوف کا نکاح حضرت بلال سے ہوا تھا جو حبشی النسل تھے۔

④ حضرت عمرؓ نے اپنی بیٹی حفصہؓ سے نکاح کے لئے حضرت سلمان فارسیؓ کو پیش کش کی تھی جو فارسی النسل اور غلام رہ چکے تھے۔

حافظ ابن قیمؒ نے اس پر بڑی تفصیل سے لکھا ہے کہ نسب میں کفایت معتبر نہیں اور کفایت فی النسب میں شدت اختیار کرنا اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ وہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مختلف قبائل اور خاندانوں کو دنیا میں باہمی تعارف کا ذریعہ بنایا ہے اسلام میں اس کا کوئی خاص مقام نہیں ہے۔ اسلام کی نظر میں عزت و شرافت کا معیار تقویٰ ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد الہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاهُمْ﴾

(سورۃ الحجرات: ۱۳)

”اے لوگو! بلاشبہ ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور ہم نے تمہارے مختلف خاندان اور قبائل بنا دیے تاکہ تم ایک دوسرے کی پہچان کر سکو یقیناً اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔“

کفایت کو فقہاء کیوں اہمیت دیتے ہیں:

اسلام چونکہ دین فطرت ہے جو ہر ہر موڑ پر فطرت سلیم کی رعایت ملحوظ رکھتا ہے بالخصوص نکاح جیسے اہم معاملے میں چند عقلی مصالح کے پیش نظر کفایت میں حسب نسب کی رعایت کا خیال رکھا۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ ماحول انسان پر اثر انداز ہوتا ہے

ماحول کے اختلاف سے عادات و مزاج میں بھی اختلاف پایا جانا لازمی امر ہے۔ ایک مخصوص ماحول میں پہلی بڑھی، مخصوص طرز زندگی گزارنے والی لڑکی جب اپنے سے مختلف ماحول میں بیاہ دی جائے گی تو اس سے عملی زندگی میں مندرجہ ذیل خرابیاں اور پیچیدگیاں پیدا ہوں گی۔

- ① مرد کے خاندان میں وہ عورت بے قدر رہتی ہے۔
- ② اہل برادری اس کو اپنے برابر کا نہیں سمجھیں گے۔
- ③ اولاد کی شادی میں دشواریاں پیش آتی ہیں۔
- ④ مرد و عورت کی نظر میں ایک دوسرے کی وقعت نہیں رہتی۔
- ⑤ غیرت و مصلحت کے بھی خلاف ہے۔

اسی مصلحت کے پیش نظر شریعت نے مسلم اور غیر مسلم کے درمیان نکاح منوع قرار دیا ہے۔

غیر مسلم سے رشتہ:

اولاً اسلام مومن مرد و عورت کو مشرک مرد و عورت سے شادی بیاہ کرنے کی اجازت نہیں دیتا کیوں کہ جہاں مومن شوہر یا بیوی کے اثر سے مشرک شوہر یا بیوی پر۔ اس کے خاندان اور اس کی نسل پر اسلامی عقائد اور مومنانہ طرز حیات کا نقش ثبت ہو سکتا ہے وہاں یہ بھی امکان غالب ہے کہ مشرک شوہر یا بیوی کے اثر سے مومن شوہر اور بیوی پر اس کے خاندان اور اس کی نسل پر باطل عقائد، مشرکانہ طرز زندگی اور کافرانہ طور و طریق چھا جائے۔

چنانچہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی حیات میں نہایت ہی خوب و دیدہ زیب اور خوب صورت عناق نام کی ایک عورت تھی وہ کسی کے ساتھ نکاح کرنے پر راضی نہ تھی۔ حضرت ابن ابی مرید غنوی صحابی تھے صرف ان سے وہ نکاح کرنا چاہتی تھی لیکن چونکہ وہ مسلمان

نہ تھی اس لئے ابن مرید نے سرکارِ دو عالم ﷺ سے عناق کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت طلب کی۔ ان کا اجازت طلب کرنا تھا کہ مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی:

﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُوْمِنَ وَلَا أُمَّةً مُّؤْمِنَةً خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَلَا أَعْبَبَتْكُمْ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُوْمِنُوا وَلَعَبَدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَلَا أَعْبَبَكُمْ أُولَٰئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ﴾ (البقرة)

”تم مشرک عورتوں سے نکاح نہیں کر سکتے جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ ایک مومن باندی مشرک شریف زادی سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں بھلی معلوم ہوتی ہوں اس طرح تم اپنی عورتوں کا نکاح مشرک مردوں سے نہیں کر سکتے جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں ایک مومن غلام مشرک شریف زادے سے بدرجہا بہتر ہے اگرچہ وہ مشرک مرد تمہیں بھاتا ہی کیوں نہ ہو مشرک مرد اور مشرک عورتیں یہ سب دوزخ کی طرف لے جانے والے ہیں اور اللہ اپنی مغفرت اور جنت کی طرف بلاتا ہے۔“

مذکورہ آیت و روایت میں کافر مردوں اور عورتوں سے نکاح کرنے کی صراحتاً ممانعت کی گئی ہے کیونکہ زن و شوکی زوجیت کا تعلق اتنا نازک اور لطیف ہوا کرتا ہے کہ اگر مومن مرد و عورت کا رشتہ مشرک مرد و عورت کے ہاں جوڑ دیا جائے تو زوجین میں اختلاف و عداوت کی وجہ سے باہم محبت و رافت پیدا نہ ہوگی اور ازدواجی زندگی کا لطف اٹھ جائے گا اور اگر باہم محبت و رافت، پیار و الفت بھی قائم ہوگی تو مشرک شوہر یا بیوی کے کافرانہ رسم و رواج، مراسم اور لوازمات اور ان کے شرک سے چشم پوشی کرنی پڑے گی اور یہی چشم پوشی مومن مرد و عورت کے دین و ایمان کو تباہ کر ڈالے گی اور آہستہ آہستہ مشرکانہ عقائد و خیالات رسوم و روایات ان کے ذہن و دماغ اور رگ و ریشہ میں سرایت

کر جائیں گے اور مشرکانہ عقائد و خیالات اور کافرانہ رواسم و روایات جہنم کی طرف لے جانے کے زبردست سامان ہیں۔

یہی وہ وجہ ہے کہ مسلمان غلام اور مسلمان باندی کو ان آزاد غیر مسلم مردوں اور عورتوں پر آیت و روایت میں ترجیح دی گئی ہے کہ ان کا غیر مسلم مردوں اور عورتوں سے اچھے تو یہ تمہارے غریب مسلمان غلام اور باندیاں ہیں ان سے نکاح کرلو۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے شوہر مالک بن نضر ایمان نہیں لائے اور مذاہب کے اختلاف نے مزاج اور حالات میں بھی اختلاف پیدا کر دیا۔ مگر مالک بن نضر کسی قیمت پر اپنا آبائی مذہب ترک کرنے کو تیار نہ تھے حضرت ام سلیم ہمیشہ انہیں سمجھاتی تھیں اور اسلام کے حلقہ میں لانے کی کوشش کرتیں مگر مالک بن نضر ہمیشہ ان کی بات رد کر دیتے اور لڑتے جھگڑتے اس لئے کشیدگی حد درجہ بڑھ گئی اور مالک بن نضر ناراض ہو کر مدینہ سے شام چلے گئے اور کچھ عرصہ بعد ان کا وہاں انتقال ہو گیا۔ پھر ایک عرصہ بعد ابو طلحہ انصاریؓ نے حضرت ام سلیمؓ کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا مگر حضرت ام سلیمؓ نے ابو طلحہؓ سے یوں فرمایا:

”میں رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائی ہوں اور تم مشرک ہو میں تمہارے ساتھ نکاح کس طرح کر سکتی ہوں۔ جو لکڑی زمین سے پیدا ہوتی ہے تم اس لکڑی سے بنے ہوئے بت کو پوجتے ہو جس کو حبشی غلام بسولے سے گھڑ کر تیار کرتا ہے وہ بے جان لکڑی کا بت جو تم کو نہ نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان افسوس کہ تم اللہ کو نہیں پوجتے جس کی بادشاہت آسمانوں اور زمینوں پر ہے اور جو حقیقت میں قادر مطلق ہے۔“

حضرت ام سلیمؓ کی ایمان افروز باتیں ابو طلحہؓ کے دل میں گھر کر گئیں اور وہ مشرف باسلام ہو گئے۔ چنانچہ ابو طلحہؓ کے اسلام لانے کے بعد حضرت ام سلیمؓ نے ان سے نکاح کر لیا۔

الغرض اسلام مسلمان عورت کو کسی غیر مسلم مرد سے اور اسی طرح کسی مسلمان مرد کو کسی غیر مسلم عورت سے شادی کرنے کی اجازت نہیں دیتا یہ اسی وقت ہوگا جب کہ دونوں مسلمان ہو جائیں۔ جیسا کہ ابھی مذکورہ واقعہ سے بھی معلوم ہوا اور انہیں سب وجوہات کی بنا پر مسلمان غلام اور مسلمان باندی کو ان آزاد غیر مسلم مردوں اور عورتوں پر آیت و روایت میں ترجیح بھی دی گئی کہ ان کا غیر مسلم مردوں اور عورتوں سے اچھے تو یہ تمہارے غریب مسلمان غلام اور باندیاں ہیں۔ ان سے نکاح کرلو۔

مؤمن اور بدکار مسلمان سے رشتہ:

اسلام صالح مسلمان مردوں کو بدچلن بدکار اور بازاری مسلمان عورتوں سے اور پاک دامن مسلمان عورتوں کو ذلیل دنی الطبع اور بدکار مسلمان مردوں سے بھی رشتہ طے کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ کیونکہ جہاں صالح مرد اور پاکباز عورتیں بدچلن مرد اور بدکار عورتوں پر اپنا اثر ڈال سکتے ہیں وہیں پر بدچلن مرد اور بدکار عورتیں صالح مردوں اور پاکباز عورتوں پر اپنا اثر جما سکتے ہیں۔

قرآن کہتا ہے:

”بدکار مرد صرف بدکار عورت سے ہی نکاح کر سکتا ہے یا مشرک عورت سے اور ربی زانیہ عورت تو اس سے صرف بدکار مرد ہی نکاح کر سکتا ہے یا مشرک مرد یہ سب کے سب مومنوں پر حرام ہیں۔“ (النور)

خلاصہ

معلوم ہوا کہ قرآن اپنے ان واضح بیانات اور نافع ہدایات کے ذریعہ کفر اور اسلام خیر اور شر پاکیزگی اور گندگی کی ملی جلی مرکبات سے مسلمانوں کو روک کر صالح مردوں اور پاکیزہ عورتوں سے رشتہ حیات اور بدکار مردوں اور بدچلن عورتوں کے رشتہ ازدواج کے درمیان ایک امتیاز قائم کرتا ہے ہر ایک کو اس کا مناسب درجہ اور مقام بخشا

ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے:

﴿الْغَيْبِثُ لِلْغَيْبِثِينَ وَالْغَيْبِثُونَ لِلْغَيْبِثِ وَالطَّيِّبُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبِ﴾ (النور)

”بدچلن عورتیں بدکار مردوں کے لئے اور بدکار مرد بدچلن عورتوں کے لئے ہیں اور پاکدامن عورتیں مردوں کے لئے اور صالح مرد پاکدامن عورتوں کے لئے ہیں۔“

اپنی ذات غلط یا اپنے سے اونچی ذات بتانا:

عموماً ہمارے ہاں لوگ اپنے سے اونچی ذات یا برادری میں شادی کرنے کے لئے اپنی ذات اور برادری غلط بتا دیتے ہیں یا جس کے ہاں اپنے لڑکے لڑکی کی شادی کرنا چاہتے ہیں اس کی ذات بتا دیتے ہیں۔ یاد رکھئے! یہ سراسر دھوکا اور گناہ کبیرہ ہے۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزْعِبُوا عَنْ آبَائِكُمْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ أَبِيهِ فَقَدْ كَفَرَ))

(بخاری)

”حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے باپ دادا کی ذات سے اعراض مت کرو جو شخص اپنے باپ دادا کی ذات سے اعراض کرتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے۔“

ایک دوسری حدیث میں یوں آتا ہے:

((عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ غَيْرُ أَبِيهِ فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ)) (مسلم)

”حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی ذات اپنے باپ دادا کی ذات کے علاوہ بتلاتا ہے اس پر جنت حرام ہے۔“

ہم ذیل میں مؤخر الذکر عمر میں مساوات کا تذکرہ کرتے ہیں۔

لڑکی لڑکے میں عمر کا تناسب ایک شرعی چیز ہے:

عمر میں مساوات کی رعایت بہت ضروری ہے خاص طور پر میاں بیوی میں یہ امر طبعی تو ہے مگر کسی قدر شرعاً بھی مقصود ہے اور شریعت میں بھی قابل التفات ہے۔ قرآن پاک میں حوروں کے تذکرے میں ہے:

﴿قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ أَتَوَّابٌ﴾ (الزمر: ۵۲)

”یعنی حوریں نظریں نیچی رکھنے والی ہم عمر ہوں گی۔“

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَجَعَلْنَهُنَّ أَبْكَارًا عُرُبًا أَتْرَابًا﴾ (الواقعه: ۳۶-۳۷)

”ہم نے حوروں کو کنواری، پیار کرنے والی، ہم عمر پیدا کیا ہے۔“

تفاوتِ عمر کے اثر سے اجنبیت ہوتی ہے آپ دیکھئے بچے سے بچہ کو جیسی محبت ہوتی ہے بڑے سے نہیں ہوتی۔

لڑکے اور لڑکی کا ہم عمر ہونا:

((خَطَبَ أَبُو بَكْرٍ وَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا فَاطَمَةَ فَقَالَ

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهَا صَغِيرَةٌ فَخَطَبَهَا

عَلَيَّ فَرَوَّجَهَا مِنْهُ))

”حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے یکے بعد دیگرے حضرت فاطمہؓ سے نکاح

کا پیغام دیا (چونکہ ان دونوں حضرات کو یہ شرف حاصل تھا کہ ان کی صاحبزادیاں حضور ﷺ کے حرم پاک میں داخل تھیں اس لئے انہوں نے سوچا کہ یہ شرف بھی ان ہی کو حاصل ہو جائے کہ آنحضرت ﷺ کے داماد بنیں مگر) آپؐ نے فرمایا کہ وہ کم سن ہے پھر حضرت علیؑ نے حضرت فاطمہؑ سے نکاح کا پیغام دیا تو آپؐ نے حضرت فاطمہؑ کا نکاح حضرت علیؑ سے کر دیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تناسب بین العمر یعنی لڑکے کی عمر میں تناسب ملحوظ رکھنا ضروری ہے اگر لڑکی چھوٹی ہو تو لڑکے کی عمر زیادہ نہ ہونی چاہئے۔

لڑکے اور لڑکی کی عمر میں فرق:

سیدہ فاطمہؑ کا نکاح جب حضرت علیؑ سے ہوا تو اس وقت حضرت فاطمہؑ کی عمر ساڑھے پندرہ سال اور بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہؑ کی عمر اٹھارہ سال تھی اور حضرت علیؑ کی عمر اکیس برس تھی۔ لڑکی اور لڑکے کی عمر میں تناسب ملحوظ رکھنے کے ساتھ بہتر یہ ہے کہ لڑکا کسی قدر عمر میں لڑکی سے بڑا ہو۔

بے جوڑ نکاح کے مضمرات

کم سن لڑکی کا زیادہ عمر والے لڑکے سے رشتہ کرنے کے نقصانات:

اگر لڑکی کم سن اور مرد سن (زیادہ عمر والا) ہو تو غالب یہ ہے کہ وہ بے چاری بہت جلد بیوہ ہو جائے گی لوگ ہم عمری کا قطعی خیال نہیں کرتے بے زبان کنواری لڑکی یا تیرہ چودہ برس کی لڑکیوں کو ساٹھ ساٹھ برس کے بوڑھوں کے ساتھ بیاہ دیتے ہیں یہاں بھی درج ذیل مفاسد پیش آتے ہیں۔

اگر عورت عقیقہ پاکدامن اور خود کو پارسار کھنے والی ہوئی تب تو وہ تمام عمر کے لئے قید میں مبتلا ہوگئی اور اگر اس صفت سے خالی ہوئی تو بدکاری میں مبتلا ہوئی اور دونوں حالتوں میں میاں بیوی میں ناگوار رنجش اور نا اتفاقی ضرور ہوگی۔ دوسری صورت میں دونوں کی بے آبروئی بلکہ دونوں کے خاندان کی بھی ساتھ ساتھ رسوائی ہے۔ اور سب سے بڑا مفیدہ یہ ہے کہ اکثر بوڑھا پہلے مر جاتا ہے اور وہ مظلومہ اکثر رسم و رواج میں غار ہونے کی وجہ سے بیوہ بیٹھی رہتی ہے۔

اور بعض اوقات یہ غریب کھانے پینے سے محتاج ہو جاتی ہے اگر عرفی شرافت ہے تو کسی کی مزدوری نہیں کر سکتی اور اگر مزدوری گوارا کی تو دوسرے کے گھر بسا اوقات رہنا پڑتا ہے اور چونکہ اس کا کوئی سرپرست نہیں ہوتا بڑے خیالات کے لوگ اس بے چاری کے درپے ہو جاتے ہیں کبھی لالچ اور کبھی ذرا دھمکا کر اور کبھی کسی حیلہ بہانہ سے اس کی آبرو اور دین خراب کر دیتے ہیں بالخصوص جب اس عورت میں بھی نفسانی تقاضا ہو۔

کم عمر لڑکے کی زیادہ عمر والی لڑکی سے رشتہ کرنے کی خرابی:

بعض قوموں میں اس کے برعکس یہ عام رواج پایا جاتا ہے کہ لڑکا چھوٹا ہوتا ہے اور

لڑکی بڑی اب لڑکی تو پہلے جوان ہو گئی اور لڑکا ابھی چوں چوں کا بچہ ہے بلکہ کہیں اتنا تفاوت ہوتا ہے کہ لڑکا اس کی گود میں کھلانے کے لائق ہوتا ہے ان بے عقلوں نے یہ نہ دیکھا کہ سب تعلقات کی بنیاد زوجین کی باہمی موافقت ہے جبکہ اس صورت میں خود اسی کی امید نہیں چنانچہ ایسے مواقع پر دیکھا گیا ہے کہ لڑکی میں جوانی کا تقاضا پیدا ہو گیا اور لڑکا کسی قابل ہی نہیں یا تو وہ کسی اور سے خراب ہو گئی یا گھٹ گھٹ کر تپ وق میں مبتلا ہو گئی۔

بے جوڑ شادی میں لڑکی کو انکار کر دینا چاہئے:

آج کل اس کو بے شری سمجھتے ہیں کہ ماں باپ نکاح کرنا چاہیں اور لڑکی انکار کر دے حالانکہ شادی کی فرمائش کرنا بے شری ہے انکار کرنا بے شری نہیں بلکہ یہ تو عین حیا ہے کہ بیاہ کے نام کو پسند نہیں کرتی دیکھ لو یہ عقل کی بات ہے یا نہیں تو ایسے موقع پر لڑکیوں کو ضرور انکار کر دینا چاہئے۔

کم عمر میں شادی کر دینے سے قوی ضعیف ہو جاتے ہیں:

آج کل قوی بہت ضعیف ہیں جس کی زیادہ وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ آج کل شادی کم عمری میں ہو جاتی ہے، اعضاء میں پورا نمو (کمال و پختگی) نہیں ہونے پاتا جلدی شادی کرنے کی وجہ یا تو چوچلا پن ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو دولہا دلہن دیکھنے کا ارمان ہے اور کہیں یہ خیال ہوتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ ہم مرجائیں اور بیٹے کی شادی نہ دیکھ سکیں اور کہیں ماں باپ کا قصور نہیں ہوتا بلکہ خود بچے ہی ماں باپ کے پیٹ سے نکلتے ہی مستیاں شروع کر دیتے ہیں جس سے ماں باپ کو ان کی شادی کرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔

اگلے زمانے کے لوگ بڑے قوی ہوتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی شادی موختم ہونے کے بعد ہوتی تھی یعنی جب ان کے بدن میں پوری جوانی، کمال اور پختگی ہو جاتی

تھی اسی وجہ سے ان کی عمریں زیادہ ہوتی تھیں۔

بچپن میں شادی کر دینے کی خرابیاں:

ایک کوتاہی بعض قوموں میں یہ ہے کہ بہت تھوڑی عمر میں نکاح کر دیتے ہیں جس وقت لڑکے لڑکی کو کچھ تمیز بھی نہیں ہوتی کہ نکاح کیا چیز ہے اور اس کے کیا حقوق ہوتے ہیں اس میں بہت سی خرابیاں ہوتی ہیں بعض اوقات لڑکا نالائق نکلتا ہے جس کو منکوحہ سیانی ہو کر یا لڑکی کے اولیاء پسند نہیں کرتے اب فکر ہوتی ہے تفریق کی کوئی مسئلہ پوچستا ہے کوئی بے مسئلہ پوچھے ہی دوسری جگہ نکاح کر دیتا ہے اور لڑکا ہے کہ نہ اس کے حقوق ادا کرتا ہے نہ اس کو طلاق دیتا ہے۔

بعض جگہ کم سنی میں نکاح کر کے یہ ہوا کہ نکاح ہونے کے بعد وہ لڑکی اس لڑکے کو پسند نہیں وہ اپنے لئے کہیں اور تلاش کر لیتا ہے اور اس کی نہ خبر گیری کرتا ہے نہ طلاق دیتا ہے اور عذر کر دیتا ہے کہ مجھ کو خبر ہی نہیں کہ میرا نکاح کب ہوا؟ جنہوں نے کیا دوزخ دار ہیں اور طلاق دینے کو عرفاً عار سمجھتا ہے۔

بعض اوقات دونوں بچپن میں ایک جگہ کھیلتے اور لڑتے ہیں جس کا اثر بعض جگہ یہ ہوتا ہے کہ آپس میں نفرت اور بغض پیدا ہو جاتا ہے اور چونکہ شروع ہی سے دونوں ساتھ رہے ہیں اس لئے شوہر کو کوئی خاص میلان کیفیت شوق کے ساتھ نہیں ہوتا جیسا کہ بالغ ہونے کے بعد نئی بیوی کے ملنے سے ہوتا ہے اور اس کا ثمرہ بھی ہر طرح براسی برا ہے کیا ان خرابیوں سے بچنے کی کوشش ضروری نہیں ہے۔

رشتوں کی تلاش میں خود ساختہ رکاوٹیں

پاکستان میں اس وقت تقریباً ہر خاندان دو پریشان کن مسئلوں سے دوچار ہیں۔ پہلا یہ کہ اس کے نوجوان بے روزگار ہیں۔ دوسرا یہ کہ ان کے گھروں میں شادی کے قابل اور جوان بیٹیاں ہیں جن کے مناسب رشتے نہیں آ رہے۔ یوں مسائل بڑھتے چلے جاتے ہیں اور والدین نفسیاتی مسائل کا شکار ہوتے جا رہے ہیں۔ جس صورت حال کا ہمیں آج سامنا ہے ایسی پہلے کبھی نہ تھی۔ جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے لڑکیوں کے رشتوں کا مسئلہ بھی پیچیدہ ہوتا جا رہا ہے حالانکہ اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے شادی دفتر کی ایک بڑی تعداد بھی مصروف عمل ہے اگرچہ ان کا مقصد اپنا کاروبار چلانا اور پیسہ کمانا ہے۔ یہ بات طے شدہ ہے کہ اگر اچھے ہوئے مسائل کے اسباب کی نشان دہی کی جائے تو ان مسائل کو حل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ ہم ان مختلف وجوہ کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں جن کی بنیاد پر رشتے طے میں تاخیر ہو رہی ہے اور لڑکیوں کی عمریں گزرتی جا رہی ہیں۔ آئیے اب ہم ان مسائل پر غور کریں۔

والدین کی ایک بڑی تعداد یہ غدر کرتی ہے کہ مناسب رشتہ ہی نہیں ملتا تو کیا کسی کو بھی ہاتھ پکڑا دیں؟ یہ غدر اگر حقیقت میں درست ہوتا تو ٹھیک تھا۔ یعنی سچ مچ اگر مناسب رشتہ نہ آتا تو یہ شخص واقعی معذور تھا لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ جو رشتے آتے ہیں کیا وہ سب ہی نامناسب ہوتے ہیں؟

اصل بات یہ ہے کہ نامناسب کا مفہوم خود ہم نے اپنے ذہن میں بنا رکھا ہے جو ان سخت اور بے جا خواہشات و معاملات پر مبنی ہے:

• حسب و نسب میں حضرت حسینؑ جیسا ہو

• اور اخلاق میں جنید بغدادی جیسا ہو

اور علم میں اگر دینی علم ہے تو ابو حنیفہؒ کے برابر ہو اگر دنیاوی علم ہے تو ڈاکٹر عبدالقدیر کا چنی ہو

حسن میں یوسف علیہ السلام کا ہم پلہ ہو وہ حسن جس کے آگے باقی سب چراغ بجھ جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ مائیں اپنے بیٹوں کی خاطر ایک گھر کے بعد دوسرا گھر تلاش کرتے کرتے لاتعداد لڑکیوں کو دیکھتی ہیں اور ان سب و مسترد کر دیتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ جہاں مناسب رنگت والی لڑکیاں بھی نظر میں نہ آج چکیں تو ذرا دے ہوئے رنگ والی کہاں مقام حاصل کر سکتی ہیں۔ رنگت پر اتنا زور تو شاید لڑکے خود بھی نہیں دیتے لیکن لڑکوں کی ماؤں اور بہنوں کو ہم نے آسانی حور کی تلاش میں دنیا چھاننے ہوئے خود دیکھا ہے۔

مناسب رشتے نہ ملنے کے سبب لڑکیوں کے والدین اپنی بیٹیوں کو مزید تعلیم کے حصول کے لئے یونیورسٹی وغیرہ بھیج دیتے ہیں لیکن اس سے جہاں لڑکی کو ایم۔ اے اور ایم۔ ایس۔ سی کی ڈگری مل جاتی ہے وہیں عمر اور تعلیم ہو جانے کے سبب ان کے ہم پلہ رشتے ملنا بھی دشوار ہو جاتا ہے۔

آج کی دنیا میں لڑکوں کو معیار زندگی بلند کرنے کی بہت فکر رہتی ہے۔ وہ اگر تعلیم حاصل کر رہے ہوں تو مزید تعلیم کی خاطر اور اگر ملازمت کر رہے ہوں تو زیادہ بہتر ملازمت کی خاطر شادی سے گریز کرتے ہیں۔ فی زمانہ زندگی اتنی مہنگی ہو گئی ہے کہ لڑکوں کی اچھی آمدنی حاصل کرنے تک شادی سے انکار بڑی حد تک درست بھی ہے کم آمدنی میں ایک نئے کنبے کا قیام بہر حال بہت سارے مسائل کھڑے کرنے کا باعث بنتا ہے۔ تاہم لڑکوں کی اس تاخیر کی وجہ سے لڑکیوں کی شادی پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے اور ان کے رشتے طے میں تاخیر ہونے لگتی ہے۔

ایک اور سبب لڑکیوں کے والدین کا اپنی بیٹیوں کے لئے ڈاکٹر اور انجینئر کے حصول پر بے جا اصرار بھی ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ والدین ان پیشوں کے لئے کسی قدر

جنون کا عالم رکھتے ہیں۔ اس بے جا دلچسپی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بیٹیوں کے لئے ان کے والدین کے پاس اگر دیگر اچھے رشتے آتے بھی ہیں تو وہ انہیں ناپسند کرتے ہوئے مسترد کر دیتے ہیں۔ اسی طرح وہ ان کی شادی کی عمریں بیت جانے کا خود ہی بڑا سبب بن جاتے ہیں۔

اگرچہ حالات کے جبر کے تحت حسب و نسب اور ذات پات کی شرائط آج بہت کمزور پڑ گئی ہیں تاہم آج بھی والدین کی خاصی تعداد اپنے ہونے والے داماد میں ان صفات کا پایا جانا لازم سمجھتی ہے اور ان کے مقابلے میں کسی دوسری برادری اور ذات کے رشتوں کو قطعی اہمیت نہیں دیتی۔ یہ بھی ہمارے معاشرے کا ایک عجیب لطیفہ ہے کہ صاحب زدگان یورپ سے کسی عیسائی یہودی نو مسلم لڑکی کو اپنی بیوی بنا کر گھر لے آتے ہیں لیکن والدین اس کا برا ماننے کی بجائے فخر سے جھومنے لگتے ہیں۔ وطن سے باہر ایک یہودی لڑکی بھی ہماری عزت و وقار میں چار چاند لگانے کا باعث بنتی ہے لیکن وطن کے اندر ایک عزت دار برادری کی حسین و جمیل لڑکی بھی حسب و نسب کو خراب کر دیتی ہے۔

اس کا ایک بنیادی سبب لڑکے والوں کے جینز کے بھاری بھر کم مطالبے بھی ہیں۔ یہ مطالبے تو خیر شروع ہی سے ہوتے آئے ہیں لیکن اس میں کاروباریت نئے دور کی ایجاد ہے۔ لڑکے والے تو اب کاڑ پلاٹ مکان اور بیرون ملک بلاوے وغیرہ کے مطالبات بھی بلا جھجھک کرنے لگے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کے مطالبات پورے کرنا ہر ماں باپ کے بس کی بات نہیں ہوتی چنانچہ لڑکیوں کی عمریں بیتنے لگتی ہیں اور رشتے ملنے میں رکاوٹ ہونے لگتی ہے۔

رشتوں میں پیچیدگیاں اس وجہ سے بھی پیدا ہونے لگی ہیں کہ اب متبادل رشتے عام طور پر پسند نہیں کئے جاتے۔ لڑکی کے والدین کے پاس اس قسم کے رشتے آتے تو رہتے ہیں لیکن وہ مسلسل انکار کرتے چلے جاتے ہیں حتیٰ کہ بیٹیوں کے ساتھ ان کے

بیٹیوں کی عمریں بھی تیس سے پینتیس اور ۳۵ سے ۴۰ سال تک پہنچ جاتی ہیں۔ یہ درست ہے کہ اس طرح کے رشتے عمومی طور سے کامیاب کم ہی ثابت ہوتے ہیں لیکن اسے ایک کلیہ قرار دینا بھی درست نہیں ہے۔

ہمارے معاشرے میں بعض پرانی قد ریں کئی لحاظ سے اب تک مستحکم ہیں۔ بھائی بہنوں کی خاطر اپنی ذات کی قربانی دیتے رہتے ہیں اور بہنوں کے مناسب رشتے آنے تک خود بھی شادی پر آمادہ نہیں ہوتے۔ ظاہر ہے کہ ایک طرف جہاں پہلے گھر کی لڑکی متاثر ہو رہی ہوتی ہے وہیں بھائی کی شادی نہ کرنے کے باعث دوسرے گھر کی لڑکی بھی متاثر ہوتی ہے۔ رشتوں کی تلاش میں یہ معاملہ بھی رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔

دورِ جدید کے تحفوں میں سے ایک تحفہ یہ بھی ہے کہ اس نے رشتے داریوں میں دائر زیں ڈال دی ہیں۔ ایک بھائی دوسرے بھائی سے اور ایک بہن دوسری بہن سے سخت متنفر ہیں یہاں تک کہ ان کا ایک دوسرے کے گھر میں آنا جانا بھی بند ہو چکا ہوتا ہے۔ پہلے خاندانوں میں باہمی شادیاں بہت آسانی سے ہو جایا کرتی تھیں بلکہ انہیں ترجیح دی جایا کرتی تھی لیکن تفرقوں کی وجہ سے رشتے گھر میں موجود ہونے کے باوجود شادیوں کا سلسلہ قائم نہیں ہو پاتا۔

شادی بیاہ کرتے وقت آج کل لڑکے والوں کا یہ پہلو بھی نظر میں رکھا جاتا ہے کہ ان کا کنبہ بڑا نہ ہوتا کہ بیٹی پر کام کا زیادہ بوجھ نہ ہو سکے۔ نزا اکتیں بڑھ گئی ہیں اور کنبے مختصر ہونے لگے ہیں اس لئے رشتوں کی تلاش میں چھوٹے خاندان کی تلاش بھی ایک ضروری امر بن گیا ہے۔ بے شک ایسا کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے تاہم اکثر اوقات اس کی وجہ سے بھی رشتوں کے مسائل کھڑے ہو جاتے ہیں۔

مہنگائی نے انسان کے کس بل نکال دیئے ہیں اور محض ایک فرد کی آمدنی سے خاندان چلانا کٹھن ہو گیا ہے اس لئے آج کل کے لڑکے اکثر اوقات ایسی شریک

حیات تلاش کرتے ہیں جو معاشی بوجھ میں بھی ان کی ہم سفر بن سکے یعنی انہیں ملازمت کرنے والی لڑکیوں کی تلاش رہتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر خاندان کی لڑکیاں تو ہمارے معاشرے میں ملازمت نہیں کرتی ہیں اس لئے باوجود اچھا لڑکے ہونے کے ملازمت نہ کرنے والی معصوم غریب لڑکی خواہ مخواہ بیٹھی رہ جاتی ہے۔

آج کل جہاں نوجوانوں میں بہتر تعلیم حاصل کرنے کا جذبہ تیز ہوا ہے وہیں فی دی۔ وی سی آر اور کالی کی وجہ سے ان میں ملازمت کی جانب سے لاپرواہی کا عنصر بھی بڑھ گیا ہے۔ لڑکوں کی ایک بڑی تعداد یا تو ملازمت کا رجحان ہی نہیں رکھتی یا پھر انتہائی غیر ذمہ دارانہ رویے کے باعث ایسے لڑکے اپنی ملازمتیں بار بار چھوڑ کر گھروں میں بیٹھ جاتے ہیں اور ماں باپ کی آمدنی سے فیض اٹھانے لگتے ہیں۔ اس زمانے میں جب کہ رشتوں کا کال ہے اس طرح کے لڑکے مزید مسائل کا سبب بنتے ہیں اور رشتوں میں تاخیر ہوتی ہے۔ ان میں سے کئی اسباب ایسے ہیں جن کے باعث ہم خود اپنی بیٹیوں کے رشتے نامنظور کر دیتے ہیں۔ خوب سے خوب تر کی تلاش بہت اچھی چیز ہے لیکن اس کی بھی کوئی حد ہونی چاہئے۔ زیادہ مال و دولت، حسن اور مختصر کتب کی تلاش بہت ساری خرابیاں جنم دینے کا باعث بنتی ہے مناسب تحقیقات کے بعد اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے لڑکے اور لڑکی دونوں کو ابتدائی عمر ہی میں بیاہ دینا چاہئے اسی میں ہم سب کی بہتری ہے۔

وٹہ سٹہ کی شرط

بعض مسلمان برادری کے خول میں جکڑے ہوئے وٹہ سٹہ کی شرط بھی لگا دیتے ہیں چنانچہ کتنے ہی علاقوں میں یہ رواج عام پایا جاتا ہے کہ تم ہمیں اپنی بہن بیٹی کا رشتہ دے دو ہم تمہیں اپنی بہن یا بیٹی کا رشتہ دے دیں گے اور بسا اوقات وہ بچی ابھی پیدا بھی نہیں ہوئی ہوتی۔ ایک کر یا دوسرا نیم چڑھا کے مصداق اس کی متوقع پیدائش کا انتظار کیا جاتا ہے اور لڑکے لڑکیاں یوں انتظار میں بوڑھے ہو جاتے ہیں پھر خدا خدا کر کے انتظار ختم ہوا اور شادی کی نوبت آ ہی جائے تو جوڑے میں علم و عمل سیرت و کردار کا اتنا تفاوت ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے جذبات، احساسات کو اچھی طرح سمجھ نہیں پاتے جس سے پھر طلاق تک نوبت آ جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کی شروط شادیوں سے منع فرمایا ہے۔

بہو خو بصورت بھی ہونی چاہیے اور ”کما و پوت“ بھی

اچھا رشتہ ہر کوئی چاہتا ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ملک کی معاشی حالت اور بڑھتی ہوئی بے روزگاری کی شرح نے خود نوجوان لڑکوں کی سوچ کو بھی متاثر کیا ہے اور ان کے والدین بھی بیٹوں کے لئے ایسے رشتے تلاش کرتے ہیں جو لڑکے کے معاشی حالات کو مددگار ثابت ہوں یعنی یا تو لڑکی ڈاکٹر، ٹیچر، ہوتا یا ہم اگر لڑکے کے والدین کا سماجی مقام سفید پوش یا اس سے بھی کم ہو تو پھر تان لیچر پر آ کر نونتی ہے۔ بالفرض اگر یہ سب کچھ نہ بھی ہو تو پھر لڑکی کے والدین کا دولت مند ہونا یا بیرون ملک کام کرنا بھی لڑکے والوں کے لئے پُرکشش ہو جاتا ہے کیونکہ ان کے خیال میں لڑکی والے اپنے ہونے والے داماد کو بیرون ملک روزگار فراہم کروا سکتے ہیں اگر بات یہی ہو تو کچھ زیادہ بری نہیں اگر آپ لڑکے کی عملی زندگی کو بہتر راستے پر ڈالنے میں مدد دیں گے تو اس

کا فائدہ خود لڑکی کو بھی ہوگا لیکن بری بات یہ ہے کہ لڑکی والوں کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ لڑکا کم عمر ہونے کے علاوہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور نہایت اچھی شکل و صورت کے ساتھ اعلیٰ عہدے پر بھی فائز ہو یا پھر بڑا کاروبار ہو۔ اب آپ خود فیصلہ کر لیں کہ جب یہ سوچیں گے کہ ان فتنی معیارات کے ساتھ ہم ایک پاکیزہ سماجی و شرعی بندھن کو باندھنے کا آغاز کریں گے تو پھر اچھا رشتہ کہاں ملے گا؟

یاد رکھئے! لڑکے کا ہر روز گزارنا ہونا بھی ایک خواہ مخواہ کا بہانہ ہے کتنے ہی لوگ شادی کے بعد بے روزگار ہو جاتے ہیں تو کیا ان کی عورتیں گھر چھوڑ کر میسے چلی آتی ہیں؟ اسباب و وسائل کے اسیر اعداد و شمار کے پیانے سے ناپنے والے اور بہت زیادہ حسابی ذہنیت رکھنے والے ایسے لوگوں کے موہوم خیال کو دور کرنے کے لئے قرآن پاک میں فرمایا گیا:

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَكْبَرُ مُنْجَاةً مِنَ الْعَذَابِ إِنَّ رَبَّكَ فَاعِلٌ ۚ﴾

(النور: ۳۲)

”اور تم میں سے جو مجر دیں خواہ مرد ہوں یا عورت ان کے نکاح کر دو اسی طرح تمہارے غلام اور باندیوں میں جو حقوق زوجیت کے قابل ہوں ان کا بھی نکاح کر دو اگر وہ تنگ دست ہوں تب بھی نکاح کر دو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل و کرم سے غنی کر دے گا۔“

اس آیت کی تفسیر میں حضرت صدیق اکبرؓ فرماتے ہیں: لوگو! تم اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرو اس کے عوض اللہ تعالیٰ (خوشحالی و غنی اور روزگار مہیا ہونے) کا اپنا وعدہ پورا فرمائیں گے۔

دُنیاوی تعلیم کا نہ ختم ہونے والا گورکھ دھندا:

ہمارے ہاں اعلیٰ تعلیم کا حصول بھی شادی میں رکاوٹ اور تاخیر کا ایک بڑا سبب

ہے عام طور پر ماں باپ زیر تعلیم لڑکے لڑکیوں کی تعلیم کے اختتام کے بعد معاشی مسئلہ کے مستقل حل تک شادی کو ملتوی رکھتے ہیں دوران تعلیم اگر کوئی رشتہ آ جائے تو یہ کہہ کر رشتہ سے انکار کر دیا جاتا ہے کہ ابھی تو ہمارے بچے پڑھ رہے ہیں اور مزید اعلیٰ تعلیم حاصل کرنی ہے۔ بالفرض اگر ماں باپ بچوں کی شادی کرنے پر آمادہ ہوں تو بچے تعلیم کا بہانہ کر کے شادی کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

لڑکی جب اعلیٰ تعلیم حاصل کر لیتی ہے اور نوکری بھی شروع کر دیتی ہے تو پھر وہ زمین پر دیکھنا ہی چھوڑ دیتی ہے ہر وقت افسانوی دنیا میں گمن رہتی ہے قضاؤں اور خیالاتی ہواؤں میں اڑان بھرتی ہے اور کسی رومانوی سنویری کی طرح سوچتی ہے کہ کوئی اعلیٰ تعلیم یافتہ شہزادہ اس کی زندگی میں آئے گا اور اسے ڈولی میں سجا کر بہت بڑے محل میں لے جائے گا جہاں وہ رانی بن کر راج کرے گی جو حقیقی دنیا میں رہتے ہوئے تو ناممکن ہے۔

الغرض اعلیٰ تعلیم کے حصول کے چکر تک لڑکی کی جوانی آدھی سے زیادہ گزر چکی ہوتی ہے اگر پھر بھی کوئی رشتہ آئے تو لڑکی اور اس کے ماں باپ یہ کہہ کر ٹھکرا دیتے ہیں ہماری لڑکی ٹھیک ٹھاک پڑھی لکھی اور عمدہ جاب کرتی ہے ہمیں تو اپنی لڑکی کے لئے اپنی لڑکی جیسا اعلیٰ تعلیم یافتہ اچھے عہدے پر فائز لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ ادھر لڑکے والے بھی لڑکی والوں سے کم نہیں ہوتے وہ بھی اپنے لڑکے کے لئے اعلیٰ تعلیم یافتہ کم عمر لڑکی کا چکر میں غرے سے اس بڑی عمر کی لڑکی کو ٹھکرا دیتے ہیں اور تقریباً ۹۰ فیصد لڑکیاں حسرت بھری امیدیں لئے ساری زندگی ماں باپ کی دہلیز پر گزار دیتی ہیں۔

اتنا چڑھ لیا ہے اب کچھ کما بھی تو لوں:

ہمارے ہاں بالخصوص دیہات میں ملازم پیشہ خواتین کو قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ پہلے زمانے میں خواتین کی ملازمت کو گھر بھر اور رشتہ داروں کے لئے ایک طمانچہ سے کم نہ سمجھا جاتا تھا لڑکیوں کی اعلیٰ تعلیم بھی خاندان کے لئے ایک گالی کی حیثیت

ہوتی ملازمت کا حق صرف مردوں کو ہوتا تھا عورت بحالت مجبوری صرف دو جگہ سکول میں لیچر زکی اور ہسپتال میں نرس کی حیثیت سے ملازمت کر سکتی تھی اس کے علاوہ عورت چادر و چادر یواری کے تقدس کی خاطر گھر سے باہر قدم نہ رکھ سکتی تھی اگر عورت کو گھر سے باہر قدم مجبوراً رکھنا پڑتا تو ایک بڑی سی چادر میں لٹکی بغیر پردے کے گھر سے نکلنا عورت کا کردار مشکوک بنا دیتا تھا۔ مردوں سے آنکھ ملانا بات کرنا تو دور کی بات مردوں کے قریب سے بھی نہ گزرتی تھی۔ مگر آج عورت زندگی کے ہر شعبے میں کام کرنا اپنا پیدائشی حق اور فرض منہی سمجھتی ہے مردوں کے شانہ بشانہ بلکہ مردوں سے آگے بڑھنے کے چکر میں ضروریات زندگی کے ہر شعبے میں عبور حاصل کرنے کے چکر میں کورسز کرتی ہے۔

مانا کہ دور جدید میں مرد و عورت دونوں طبقے ایک ہی راستے پر گامزن ہیں مگر پھر بھی فاشی اور عربانی کے شیوع کے اس دور میں لوگ ملازمت پیشہ عورت کو اپنے مقدس لینا ناپسند کرتے ہیں خواہ وہ کتنی ہی عقیقہ اور پاکدامن کیوں نہ ہو اس کی سیرت و کردار کو مشکوک سمجھتے ہیں اس کا رشتہ لینا گوارا نہیں کرتے اگر کوئی رشتہ لے بھی لے تو ساری زندگی اسے طعنوں کی بھیٹ چڑھائے رکھتا ہے۔ یہ کہاں کا تقدس ہے کہ عورت کے ذمہ دوہری ڈیوٹی سونپی جائے وہ گھر بھی سنبھالے اور ملازمت بھی کرے جبکہ خاوند فارغ رہے یا ایک ڈیوٹی کرے۔ یاد رکھئے! ملازمت پیشہ عورت صرف دولت کما سکتی ہے وہ ہند سکون زندگی نہیں دے سکتی۔

بڑی گھر بیٹھی ہے تو چھوٹی کو کیونکر بیاہ دیں؟

ہمارے ہاں عموماً یہ رواج ہے پہلے بڑی لڑکی کی شادی کی جاتی ہے بعد میں چھوٹی لڑکی کی باری آتی ہے۔ بڑی لڑکی کی شادی سے قبل چھوٹی لڑکی کا رشتہ کرنا معیوب تصور کیا جاتا ہے حالانکہ یہ بات غلط ہے اگر لڑکے والوں کو چھوٹی لڑکی پسند آگئی اور بظاہر لڑکا بھی اچھی شکل و صورت عمدہ اخلاق و اعمال کا مالک ہے تو چھوٹی لڑکی کا رشتہ کر دینے

میں کوئی قباحت نہیں یوں چھوٹی لڑکی کی جب شادی ہو جائے گی تو اب رشتے کے لئے آنے والے بڑی لڑکی کا رشتہ پسند کر لیں گے۔ یہ عام مشاہدہ ہے کہ دیکھنے بڑی گئے مگر پسند چھوٹی آگئی اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو پھر بڑی لڑکی کے ساتھ ساتھ چھوٹی لڑکی شادی کی عمر سے گزر جاتی ہے اور پھر لڑکیاں ماں باپ کو اس کا فم و دامن بھرتی ہیں۔

(منسوں شادی مرد و رکاوٹیں بخذف و اختصار)
بندہ کا ذاتی تجربہ ہے کہ بڑی لڑکی کو بٹھا کر چھوٹی لڑکی کے جوڑ کا خاوند مل جانے کی صورت میں اگر خاندان رشتہ و اڑا اہل محلہ کی باتوں کی پرواہ کئے بغیر رشتہ کر دیا جائے تو ان شاء اللہ خیر و برکت ہوگی اور بڑی لڑکی کے لئے بھی جلد یا بدیر بہت اچھے رشتے کا انتظام ہوگا۔

ہمارا دور معیار رشتہ نہ ملنے کی سب سے بڑی وجہ:

شعبہ تعلیم میں چالیس کا عرصہ گزارنے کے بعد ہیڈ مسٹر لیس کے طور پر ریٹائرڈ ہونے والی اصغری خالہ کہتی ہیں: اس دور میں اچھے رشتے نہ ملنے کا سب سے بڑا سبب خود ہمارا دور معیار ہے۔ اگر ہم اپنے بیٹے کے لئے رشتہ تلاش کرتے ہیں تو لڑکی اور اس کے گھرانے کا ایک بلند معیار ہم اپنے ذہن میں قائم کر لیتے ہیں۔ یہ معیار خود ہمارے اپنے سماجی معیار سے بھی کہیں اونچا ہوتا ہے لیکن جب ہم خود اپنی بیٹی کے لئے آنے والے رشتے کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمارے معیار بالکل بدل جاتے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ لڑکے والے خواہ ان کا سماجی و معاشی مقام ہم سے کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو صرف ہماری بیٹی کی شرافت، سکھ پین اور اس کی سیرت کو دیکھ کر رشتہ کر دیں لیکن ذرا آپ خود سوچئے جب ہم بیٹے والے بن کر لڑکی والوں کے گھر جاتے ہیں تب ہم خود یہ سب کچھ کیوں نہیں سوچتے؟ اس وقت شرافت، سلیقہ شعاری اور سیرت کے بجائے ہم ان کے والدین کے سماجی و معاشی قد کاٹھ سے اپنے ذہن میں قائم خود ساختہ معیار کا موازنہ

کیوں کرنے لگتے ہیں۔ میری نظر میں لڑکیوں کی شادی میں تاخیر اور اچھے رشتوں کے نہ ملنے کا رونا و نہی لوگ روتے ہیں جن کی زندگی کے معیار دور رخ ہوتے ہیں۔ جو لوگ بدلتی ہوئی سماجی اقدار کے باوجود اس خیال سے متفق ہوتے ہیں کہ رشتے بنائے نہیں جاتے بلکہ یہ آسمانوں پر ملے ہو جاتے ہیں زمین پر تو صرف ان کا ملن ہوتا ہے ایسے لوگ کبھی پریشانی کا شکار نہیں ہوتے اور نہ ہی ان کے گھروں کے آگن خوشیوں سے محروم رہتے ہیں لہذا ہمیں چاہئے کہ اگر بیٹی کے لئے کوئی رشتہ آتا ہے تو صرف ان کی خاندانی شرافت اور لڑکے میں کسب کمال کی صلاحیت کو اپنے مد نظر رکھیں کیونکہ جس شخص میں اپنی محنت سے دو وقت کی روٹی کمالینے کی صلاحیت ہو تو وہ دنیا بھر کی آسائش بھی خدا کی مرضی سے وقت آنے پر حاصل کر ہی لیتا ہے۔

مسز رفعت تحسین ۵۰ سالہ خاتون مینگر ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہماری بچا تو قعات ہی اچھے رشتے نہ ملنے کا سبب ہوتی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ "جب ۳۲ برس قبل میری شادی ہوئی تو میری عمر صرف اٹھارہ برس تھی اور میں نے ان ہی دنوں ایف اے کا امتحان پاس کیا تھا میرے شوہر قلیل تنخواہ پانے والے ایک پرائمری سکول ٹیچر تھے۔ ہم جوائنٹ فیملی میں رہتے تھے لہذا جیسے تیسے گزارہ ہو رہا تھا۔ مکان بھی کرائے کا تھا۔ یہ سب باتیں مجھے پریشان کرتی تھیں میں نے اپنے شوہر سے گریجویشن کرنے کی اجازت مانگی جو انہوں نے دے دی میں نے پرائیویٹ طور پر گریجویشن کیا اور پھر یونیورسٹی سے ایم اے کیا ایم اے کے بعد میں نے اپنے شوہر سے ملازمت کرنے کی اجازت لے لی اور بینک میں مجھے ملازمت مل گئی۔ ہم دونوں نے رزق حلال سے اپنی دو بیٹیوں اور ایک بیٹے کی شادی کی۔ اللہ نے ہمیں اپنا ذاتی مکان بھی دیا اور آج اللہ کے فضل سے ہم نہایت خوش حال زندگی گزار رہے ہیں۔ ہمارے سامنے چونکہ ہماری اپنی زندگی کی مثال تھی لہذا جب ہماری بیٹیوں کے رشتے آئے تو ہم نے صرف یہ دیکھا کہ لڑکا آیا کہ باصلاحیت ہے یا نہیں اور جب بیٹے کی باری آئی تو لڑکی کے والدین کے سماجی مرتبے کے بجائے

ہم نے لڑکی کی تعلیم اور اس کی سلیقہ شعاری کو اپنا معیار بنایا۔ مجھے ان والدین سے جو بیٹیوں کے لئے اچھے رشتے نہ ملنے کی شکایت کرتے ہیں بس یہی کہنا ہے کہ خدارا! صرف لڑکے کی صلاحیت کو دیکھیں اگر لڑکا باصلاحیت ہے تو آنے والے برسوں میں خدا اسے محنت کا پھل ضرور دے گا کیونکہ جو لڑکا آج اپنی عملی زندگی شروع کر رہا ہے اسے منزل پر پہنچنے میں دیر تو لگے گی لیکن منزل ملے گی ضرور۔

رضوان الحق قریشی ملک گیر سطح پر خواتین کے حقوق اور ان کے مسائل پر کام کرنے والی ایک این جی او سے وابستہ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ "شادی کی عمر کو پہنچ جانے والی لڑکیوں کے والدین کی یہ فطری خواہش ہوتی ہے کہ وہ جلد از جلد اپنے گھر باری ہو جائیں۔ ہم نے بڑے شہروں سے لے کر دور دراز کے دیہاتوں میں اس مسئلے کا مشاہدہ کیا ہے لیکن افسوسناک بات یہ ہے کہ صورت حال دن بدن تشویش ناک ہوتی جا رہی ہے۔ یہ مسئلہ نہایت گھمبیر صورت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ اچھا رشتہ ہر کوئی چاہتا ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ملک کی معاشی حالت اور بڑھتی ہوئی بے روزگاری کی شرح نے خود نو جوان لڑکوں کی سوچ کو بھی متاثر کیا ہے اور ان کے والدین بھی بیٹوں کے لئے ایسے رشتے تلاش کرتے ہیں جو لڑکے کے معاشی حالات کو مددگار نے میں مددگار ثابت ہوں۔ یعنی کہ یا تو لڑکی ڈاکٹر، ٹیچر یا ہوتا ہم اگر لڑکے کے والدین کا سماجی مقام سفید پوش یا اس سے بھی کم ہے تو پھر تان ٹیچر پر آ کر ٹوٹتی ہے۔ بالفرض اگر یہ سب کچھ بھی نہ ہو تو پھر لڑکی کے والدین کا دولت مند ہونا یا لڑکی کے بھائیوں یا پھر باپ کا بیرون ملک کام کرنا بھی لڑکے والوں کے لئے ہڈ کشش ہو جاتا ہے کیونکہ ایسے والدین سمجھتے ہیں کہ لڑکی والے ہونے والے داماد کو بیرون ملک روزگار فراہم کروا سکتے ہیں۔ اگر بات یہی ہو تو کچھ زیادہ بری نہیں ہوتی۔ اگر آپ لڑکے کی عملی زندگی کو بہتر راستے پر ڈالنے میں مدد دیں گے تو اس کا فائدہ خود لڑکی کو بھی ہوگا لیکن بری بات یہ ہے کہ لڑکی والوں کی خواہش ہوتی ہے کہ لڑکا کم عمر کے علاوہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور نہایت اچھی شکل و

صورت کے ساتھ ساتھ اعلیٰ عہدے پر بھی فائز ہو یا پھر بڑا کاروبار ہو۔ اب آپ خود فیصلہ کر لیں کہ جب یہ سوچیں لے کر ان ذہنی معیارات کے ساتھ ہم ایک پاکیزہ سماجی و شرعی بندھن کو باندھنے کا آغاز کریں گے تو پھر اچھا رشتہ کہاں ملے گا۔

یعنی مقبول ایک اشاعتی ادارے سے وابستہ نوجوان نسل کی نمائندہ ہیں۔ یہ کہتی ہیں کہ ”سب کہتے ہیں کہ لڑکیوں کے لئے اچھے رشتے نہیں ملتے“ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اچھے رشتے کا معیار کیا ہے؟ بہو کی تلاش ہو یا داماد کا انتخاب۔ میرے خیال میں ایک اچھا رشتہ وہ ہوتا ہے جو تعلیم یافتہ ہو روشن خیال ہو حالات کو قسمت کا لکھا سمجھ کر صابر و شاکر ہونے کے بجائے حالات کو ہی بدلنے کا سوچے دولت ہی صرف مرکز نگاہ نہیں ہونی چاہئے۔“ یعنی مقبول مزید کہتی ہیں کہ ”انسان کی زندگی تین چیزوں کے حصول کے گرد گھومتی ہے اور انہی کی مطابقت سے ہم ”اچھے رشتے“ کا تصور قائم کر لیتے ہیں۔ پہلی چیز ہے ضرورت دوسری ہے آسائش اور تیسری ہے تعیش۔ انسان کی سب سے اہم چیز ضرورت ہے جو ضرورت کو آسان کرنے کا حل ڈھونڈ لیتا ہے میرے خیال میں وہ اچھا رشتہ ہوتا ہے۔ یہ کلیہ بہو اور داماد دونوں کے لئے یکساں ہے۔ مثلاً اگر بیوی تعلیم یافتہ سلیقہ شعار اور باشعور ہے تو وہ بخوبی سمجھتی ہے کہ شوہر ”ضرورت“ تو پوری کر لیتا ہے مگر اب آسائش کے لئے دونوں مل جل کر کام کر لیں تو بچوں کو پر تعیش اور پرسکون ماحول مل سکتا ہے لہذا وہ اپنے شوہر کا ہاتھ بنا کر صرف چند برسوں میں ہی بہت کچھ کر سکتی ہے۔ یوں دونوں اور ان دونوں کے آنے والوں کی زندگی بھی مطمئن ہو جاتی ہے لہذا والدین کو بہو میں تعلیم سلیقہ اور شعور جب کہ لڑکی والوں کو داماد میں ایک کوالٹی ڈھونڈنی چاہئے وہ یہ کہ کیا وہ شخص آنے والی زندگی کے دور کی ضروریات پوری کر سکتا ہے۔ بد قسمتی سے ہمارے یہاں کچھ اور ہی سوچ ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ لڑکی سسرال میں آئے تو لڑکے اور اس کے گھر والوں کے لئے آسائش اور تعیشات کے سارے لوازمات جہیز کی شکل میں ساتھ لے کر آئے۔ دوسری جانب لڑکی والوں کی سوچ ہوتی ہے کہ ہماری بیٹی اپنے گھر

مثالی ذلہن میں جیسی بھی زندگی بسر کرتی رہی وہ الگ ہے لیکن سسرال جائے تو اسے تمام تعیشات ہم ہوں۔ بس یہی بنیادی چیز ہے کہ ہم اچھے رشتوں کے بروقت نہ ملنے کا رونا روتے رہتے ہیں۔ لڑکی کم عمر ہوتی ہے اور زیر تعلیم ہوتی ہے کہ رشتے آنے شروع ہو جاتے ہیں لیکن غریب والدین اس آس میں کہ بیٹی پڑھ لکھ کر کوئی نوکری کر لے پھر جہیز جمع کر کے شان سے شادی کر دیں گے سوچ کر رشتوں کو انکار کرتے رہتے ہیں اور پھر جب سب کچھ ان کے حسب نشاء ہو جاتا ہے تو پھر لڑکی کے رشتے نہیں آتے اور وہ والدین کی دہلیز پر ہی بوڑھی ہونے لگتی ہے۔ اگر ہم شریعت محمدی ﷺ پر چلیں سادگی کو اپنائیں اور مروجہ جہیز کی لغت کو ختم کر لیں تو آج ہمیں جو سماجی مسئلہ درپیش ہے وہ کبھی کا ختم ہو جائے گا لیکن اس کے لئے پہل خود ہمیں اپنے گھر سے ہی کرنی ہوگی۔ انتظار ہے تو بس یہ کہ پہلا پتھر کون پھینکے۔

مناسب رشتہ نہ ملنے کا فضول عذر:

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں بعض لوگ یہ عذر کرتے ہیں کہ کہیں سے موقع کا رشتہ ہی نہیں آتا تو کیا کسی کے ہاتھ پکڑا دیں؟ یہ عذر اگر واقعی ہوتا تو صحیح تھا یعنی سچ سچ اگر موقع کا رشتہ نہ آتا تو واقعی یہ شخص معذور تھا لیکن خود اسی میں کلام ہے کہ جو رشتے آتے ہیں کیا وہ سب ہی بے موقع ہیں؟ بات یہ ہے کہ بے موقع کا مفہوم خود انہوں نے اپنے ذہن میں تصنیف کر رکھا ہے جس کے اجزاء یہ ہیں: (۱) حسب و نسب حضرات حسنین جیسا ہو۔ (۲) اخلاق میں جنید جیسا ہو۔ (۳) دینی علم ہے تو امام ابو حنیفہ کے برابر ہو اگر دنیوی علم ہے تو بوعلی سینا کا مثل ہو۔ (۴) حسن میں یوسف کا ثانی ہو۔ (۵) ثروت و ریاست میں قارون و فرعون کے ہم پلہ ہو۔ غلو ہر امر میں مذموم ہے ایک ہی شخص میں تمام صفات کا مجتمع ہونا شاذ و نادر ہے جن صفات کو جس درجہ میں تم دوسروں میں ڈھونڈتے ہو تم کو جس شخص نے لڑکی دی تھی جس کی بدولت آج اپنی لڑکی

کے باپ بن کر یہ جوانیاں دکھا رہے ہو کیا اس شخص نے تمہارے لئے ایسی ہی تفتیش و تحقیق کی تھی اگر وہ ایسا ہی کرتا تو تم کو عورت ہی میسر نہ ہوتی اگر اس نے ایسا نہیں کیا تو تم نے یا تمہارے باپ نے دوسرے مسلمان بھائی کی بدخواہی کیوں کی؟ باوجود تمہارے اندر ان صفات کے پورے طور سے مجتمع نہ ہونے کے اس کی لڑکی پر نکاح کے ذریعہ قبضہ کر لیا (جو چیز تم اپنے لئے پسند کرتے ہو وہ دوسروں کے لئے کیوں نہیں پسند کرتے) اس پر عمل کیوں نہیں کیا؟ دوسرے یہ کہ جب تم اپنی لڑکی کے لئے ان صفات کا حامل شوہر تلاش کرتے ہو انصاف کرو تم نے جب اپنے لڑکے کے لئے کسی لڑکی کی درخواست کی تھی یا کرنے کا خیال ہے کیا اپنے صاحبزادے میں بھی یہ صفات اسی درجہ کی دیکھ لیں یا دیکھنے کا ارادہ ہے؟ تیسرے یہ کہ جس طرح لڑکوں میں بے شمار خوبیاں اھونڈی جاتی ہیں اگر دوسرا شخص تمہاری لڑکیوں میں اس سے دسواں حصہ خوبیاں اور ہنر دیکھنے لگے تو میں یقین کرتا ہوں کہ تمام عمر ایک لڑکی بھی نہ بیاہی جائے گی۔ غرض یہ نذر کہ رشتہ موقع مناسب کا نہیں ملتا اکثر حالتوں میں بے موقع ہوتا ہے۔

رسوم و رواج کی قباحیتیں

رسم صرف اس بات کو نہیں کہتے جو نکاح اور تقریبات میں کی جاتی ہے بلکہ غیر ضروری چیز کو ضروری سمجھ لینے کا نام رسم ہے خواہ شادی بیاہ کی تقریبات میں ہو یا روزمرہ کے معمولات میں۔ رسم وغیرہ رسم کا معیار اس میں صرف دو چیزیں دیکھنی ضروری ہیں ایک یہ کہ وہ رسم کسی غیر مسلم قوم کی دیکھا دیکھی تو کسی مسلم علاقے میں رائج نہیں ہوئی؟ دوسرے یہ کہ اس میں کسی شرعی حکم کی خلاف ورزی تو نہیں پائی جاتی؟ اگر مسلمانوں کے کسی بھی علاقائی رواج میں غیر مسلموں کی مشابہت یا شریعت کی خلاف ورزی کا پہلو نہیں ہے تو ایسے رواجوں پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بعنوان دیگر جب نہ رسم کی نیت ہو اور نہ رسم والوں کے طریقہ پر کریں تو وہ رسم نہیں نہ حقیقتاً نہ صورتاً بھی معیار فرقی ہے۔

رسم و رواج بھی گناہ میں داخل ہیں:

بہت سے گناہ ایسے ہیں جن کی طرف آج خیال بھی نہیں جاتا بلکہ چھوڑنے سے جی گھبراتا ہے اور یوں تو گناہ سب ہی بڑے ہیں لیکن ایسے گناہ زیادہ خطرناک ہیں جو عموماً عادت اور رواج میں داخل ہو گئے ہیں کیونکہ طبیعتیں ان سے مانوس ہو گئی ہیں حتیٰ کہ ان کی برائی ذہن سے دور ہو گئی ہے ان کے چھوٹنے کی کیا امید ہو سکتی ہے؟ آدمی چھوڑتا تو اس چیز کو ہے جس کی برائی ذہن میں ہو اور جس چیز کی برائی ذہن سے نکل جاتی ہے پھر اس کو کیوں چھوڑنے لگا؟

یہ وہ حقیقت ہے جس کو موت قلب (دل کی موت) کہتے ہیں اس کے بعد تو بہ کی بھی کیا امید ہے کیونکہ تو بہ کی حقیقت ندامت ہے یعنی پشیمانی اور پشیمانی اس کام سے ہوا کرتی ہے جس کی برائی ذہن میں ہو اور جب گناہ دل میں ایسا رچ گیا کہ اس پر فخر کرتے

ہیں تو پشیمانی کہاں؟

ان (رسوم) نے ایسا رواج پایا ہے جیسے سالن میں ہلدی، مصالحہ، نمک، مرچ ان کے بغیر سالن بنتا ہی نہیں حتیٰ کہ جو لوگ مرچ زیادہ کھاتے ہیں ان سے کوئی ماہر طبیب بھی کہے کہ مرچ میں یہ نقصان ہے تو کبھی ان کا دل قبول نہ کرے گا اور یہی جواب دینے کے کہ میاں طب کو رہنے دو تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے ساری عمر کھاتے ہو گئی کوئی بھی نقصان نہیں ہوا اور بے مرچ کے لطف ہی کیا؟

اسی طرح مسلمان غیر قوموں کی صحبت سے رسوم کے ایسے خوگر ہو گئے ہیں کہ بغیر ان کے کسی تقریب (شادی) میں لطف ہی نہیں آتا چاہے گھرویران ہو جائے لیکن رسمیں نہ قضاء ہوں اصل یہ ہے کہ اعتقاد میں ان کا معصیت اور گناہ ہونا ہی نہیں رہا حتیٰ کہ اگر کوئی رسم رہ جاتی ہے تو مرتے مرتے وصیت کر جاتے ہیں۔

کیسا حس باطل ہوا ہے؟ آپ کے بے حس ہو جانے سے معصیت طاعت نہیں بن جائے گی خدا تعالیٰ کے یہاں دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو گا یہ حالت بہت اندیشہ کی چیز ہے کہ معصیت کا برا ہونا بھی ذہن سے اٹھ جائے۔

آج کل کی رسوم کے ممنوع اور ناجائز ہونے کے شرعی دلائل:

پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ گناہ کیا چیز ہے گناہ کی حقیقت ہے خدا کے احکام کو جانہ لانا۔ آپ نے جو فہرست گناہوں کی بنائی ہے اس میں بہت سی کوتاہیاں ہیں۔ شریعت کی دی ہوئی فہرست میں اور بھی گناہ ہیں آپ کی نظر چونکہ اپنی فہرست پر ہے اس واسطے رسوم کو گناہ نہیں سمجھتے میں نے بتا دیا کہ شریعت کی فہرست میں ایک گناہ تھا خربھی ہے یہ جس عمل میں پایا جائے گا اس کو فاسد کر دیتا ہے۔

(خوب) سمجھ لیجئے کہ شریعت نے جو گناہوں کی فہرست دی ہے اس میں اور بھی گناہ ہیں جو آپ کی رسوم کا جز ہیں یعنی اس میں تکبر اور تفاخر وغیرہ بھی داخل ہیں۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ﴾ (لقمان: ۱۸)
”بے شک اللہ تعالیٰ ایسوں کو پسند نہیں کرتے جو اپنے کو بڑا سمجھتے ہوں، شنی کی باتیں کرتے ہوں۔“

اور فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ﴾
”بے شک اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنَ الْكِبْرِ))
”جو شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں داخل نہ ہو گا۔“

اور دوسری حدیث میں ہے:

((مَنْ سَمِعَ سَمْعَ اللَّهِ بِهٖ)) (مشکوٰۃ)
”جو شخص شہرت کے واسطے کوئی کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو شہرت دے گا (اور قیامت کے دن اس کو رسوا کرے گا)۔“

اور ایک حدیث میں ہے:

((مَنْ لَبَسَ ثَوْبَ شَهْرَةِ الْبَيْسِ لَلَّهِ ثَوْبُ الذِّلِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))

”جو شخص دکھاوے اور شہرت کی غرض سے کوئی کپڑا پہنے گا خدا تعالیٰ اس کو قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائے گا۔“

ان آیات اور احادیث سے عجب اور تکبر اور تصنع اور دکھاوے کی برائی واضح ہے اب دیکھ لیجئے کہ رسوم کی بناء ان ہی پر ہے یا نہیں ہے۔

ہمارے پاس دلیل موجود ہے جس کی بنا پر ہم ان رسوم کو برا کہتے ہیں وہ دلیل یہ ہے کہ تکبر و تفاخر اور دکھاوے کو شریعت نے معصیت قرار دیا ہے جس فعل میں یہ معصیت موجود ہوگی وہ بھی معصیت ہوگا۔

اب آپ دیکھ لیجئے کہ آپ کی رسوم کا یہ جزا عظیم ہے یا نہیں؟ دیکھئے کپڑا پہننا جائز ہے مگر جب تفاخر شامل ہو جائے تو جائز نہیں، کھانا کھانا جائز ہے مگر تفاخر کے ساتھ جائز نہیں، کسی کو لینا دینا رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا سب سے اچھا مگر تفاخر کے ساتھ جائز نہیں، یہ تفاخر حلال چیزوں کو ایسا گندہ کرتا ہے جیسے نجاست کنویں کو جس کو آپ نے بہت بہل سمجھا رکھا ہے اور اس کا نام ہی اپنی فہرست سے اڑا دیا ہے حالانکہ غور سے دیکھا جائے تو رسوم کی بناء اور اصل بھی تفاخر ہے حتیٰ کہ بیٹی کو جو چیز جیڑ میں دی جاتی ہے اس کی اصل بھی یہی ہے بیٹی لخت جگر کہلاتی ہے ساری عمر تو اس کے ساتھ یہ برتاؤ رکھا کہ چھپا چھپا کر اس کو کھلاتے تھے دوسرے کو دکھانا پسند نہ تھا شاید نظر لگ جائے نکاح کا نام آتے ہی ایسی کا یا پٹنی کہ ایک ایک چیز جمع کو دکھائی جاتی ہے برتن اور جوڑے اور صندوق حتیٰ کہ آئینہ کنگھی تک شمار کر کے دکھائے جاتے ہیں اگر آپ غور کریں گے تو اس کی وجہ صرف تفاخر پائیں گے برادری کو دکھانا ہے کہ ہم نے اتنا دیا یہ منظور نہیں ہوتا کہ ہماری بیٹی کے پاس سامان زیادہ ہو جائے اسی واسطے تمام جیڑ ایسا تجویز کیا جاتا ہے کہ ظاہری بناوٹ میں بہت اجلا ہو۔

بیہ شادی کی رسوم کے ناجائز ہونے کی قوی دلیل:

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ﴾ (المائدہ: ۹۱)
 ”شیطان کی جوئے اور شراب سے یہ غرض ہے کہ آپس میں دشمنی ڈال دے اور ذکر اللہ اور نماز سے روک دے۔“

حق تعالیٰ نے اس آیت میں جوئے اور شراب کے دو نقصان بتلائے ہیں ایک یہ کہ شیطان ان کے ذریعے تمہارے آپس میں نفاق ڈال دے۔ دوسرے یہ کہ خدا تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے روک دے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ عداوت اور بغض نماز اور ذکر اللہ سے غافل کرنے کے لئے یہ دونوں چیزیں آتی ہیں اور آلہ اور علت ایک ہی چیز ہے اسی واسطے اس کی شرح میں جناب رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: كل ما الهاك عن ذكر الله فهو ميسر ”یعنی جو چیز تجھ کو ذکر اللہ سے غافل کر دے وہ سب جوا ہے۔“ حدیث میں جو اس کو جوا کہا گیا ہے وہ علت کے اشتراک کی بنا پر ہے اس کی تصریح ہو گئی کہ نمی عن الخمر والمیسر کی علت الہاء عن ذکر اللہ (یعنی اللہ کے ذکر اور نماز سے غفلت کرنا) پایا جائے گا اور وہ سب حکماً خمر اور میسر (یعنی شراب اور جوا کے حکم میں) ہوگا۔

اب اسی سے اپنی رسوم کا حکم نکال لیجئے۔ حدیث کے الفاظ صاف کہتے ہیں کہ (جو چیز نماز اور ذکر سے غافل کر دے) ان کا حکم بھی جوئے اور شراب کا سا ہے کیونکہ نماز سے غافل ہونے کا سبب ہو گئیں۔

اگر اور دلیلوں سے قطع نظر بھی کر لیا جائے تو یہ دلیل میں نے ایسی پیش کی ہے کہ اس کے سامنے کسی اور دلیل کی حاجت نہیں اور اس کا جواب آپ کچھ بھی نہیں دے سکتے جب چاہے مشاہدہ کر لیجئے کہ جہاں یہ رسمیں ہوتی ہیں وہاں نماز کی (پابندی) نہیں ہوتی۔

جب برادری میں خبر مشہور ہوتی ہے کہ فلاں گھر میں تقریب ہے تو ہر بی بی کو نئے قیمتی جوڑے کی فکر ہوتی ہے کبھی خاوند سے فرمائش ہوتی ہے کبھی خود۔ بزاز (کپڑے بیچنے والے) کو دروازہ پر بلا کر اس سے ادھار لیا جاتا ہے یا سودی قرض لے کر اس سے خرید اجاتا ہے۔ شوہر کو اگر وسعت نہیں ہوتی تب بھی اس کا عذر قبول نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے یہ جوڑا محض ریا اور تفاخر کے لئے بنتا ہے اس غرض سے مال خرچ کرنا اسراف ہے۔

خاوند پر اس کی وسعت سے زیادہ بلا ضرورت فرمائش کرنا اس کو ایذا پہنچانا ہے اگر خاوند کی نیت ان فرمائشوں سے بگڑ گئی اور حرام آمدنی پر اس کی نظر پڑی کسی کا حق تلف کیا رشوت لی اور فرمائش پوری کیں اب سب گناہوں کا باعث یہ بنی لی۔ ان رسوم کے پورا کرنے میں اکثر مقروض بھی ہوتے ہیں گویا غی فروخت یا گروی ہو جائے اور گوسود دینا پڑے اس میں التزام مالا یلزم اور نمائش شہرت اسراف وغیرہ سب خرابیاں موجود ہیں اس لئے یہ بھی منوعات میں داخل ہیں۔ (اصلاح الرسوم)۔

برامت منائیے لیکن.....! رسوم و رواج کی جز آپ عورتیں ہی ہیں:

جتنے سامان بیاہ شادی کے ہیں سب کی بناء تفاخر اور نمود (شہرت) پر ہے اور یہ تفاخر گومرد بھی کرتے ہیں مگر اصل جز اس میں عورتیں ہی ہیں یہ اس فن کی امام ہیں اور ایسی شاق اور تجربہ کار ہیں کہ نہایت آسانی سے تعلیم دے سکتی ہیں۔ جو آدمی جس فن کا ماہر ہوتا ہے اس کو اس فن کے کلیات خوب معلوم ہوتے ہیں یہ ایک کلیہ (قاعدہ) میں سب کچھ سمجھا دیتی ہیں جب ان سے پوچھا جائے کہ بیاہ شادی میں کیا کیا کرنا چاہئے تو ایک ذرا سا کلیہ چٹکھ سا سمجھا دیتی ہیں کہ زیادہ نہیں اپنی شان کے موافق تو کرلو۔ یہ کلیہ نہیں بلکہ کلیہا ہے اور کلیہا بھی ایسی ہے کہ ہاتھ بھی اس میں سما جائے۔ یہ تو اتنا سا جملہ کہہ کر الگ ہو گئیں کرنے والوں نے جب اس کی شرح پوچھی تو وہ اتنی طویل ہوئی کہ ہزاروں جزئیات اس میں سے نکل آئیں جن سے دنیا کی بھی بربادی ہوئی اور آخرت کا بھی کوئی گناہ نہیں بچا۔ انہوں نے تو صرف ایک لفظ یہ کہہ دیا تھا کہ اپنی شان کے موافق کر لو جس کو مردوں نے شرح کرا کر اتنا بڑھا لیا کہ ریائیں کی ریائیں عادت ہو گئیں ہزاروں گناہ کبیرہ سرزد ہو گئے۔

عورتوں کے جمع ہونے کے مفاسد اور خرابیاں:

مستورات (عورتوں) کے جمع ہونے میں بہت سی خرابیاں اور گناہ ہیں جو عقل مند

دیندار کو مشاہدہ اور غور کرنے سے بے تکلف معلوم ہو سکتے ہیں اس لئے میری رائے یہ ہے کہ ام المفاصد (تمام برائیوں کی جز) یہ عورتوں کا جمع ہونا اس کا انداد (بندوبست) سب سے زیادہ ضروری ہے۔ میں رائے دیتا ہوں کہ عورتوں کو آپس میں ملنے نہ دیا کرو خربوزہ سے دوسرا خربوزہ رنگ بدلتا ہے۔

میری رائے بلا شک و شبہ قطعی طور سے یہ ہے کہ ان عورتوں کو ایک جگہ جمع ہی نہ ہونے دیں اور اگر کسی ایسی ضرورت کے لئے جمع ہوں جس کو شارع نے بھی ضرورت قرار دیا ہو تو مضافاً فقہ نہیں مگر اس میں بھی خاوندوں کو چاہئے کہ عورتوں کو اس پر مجبور کریں کہ کپڑے بدل کر مت جاؤ جس طرح اور جس حالت میں باورچی خانہ میں بیٹھی ہو چلی جاؤ۔

تقریبات میں عورتیں چند موقعوں پر جمع ہوتی ہیں اس اجتماع میں جو خرابیاں ہیں ان کا شمار نہیں مثال کے طور پر بعض کا بیان ہوتا ہے۔

بیاہ شادیوں میں عورتوں کے مفاسد کی تفصیل:

① شیخی عورتوں کی گویا سرشت میں داخل ہے اٹھنے بیٹھنے میں بولنے میں چلنے میں کہیں جا کیں گی تو بے دھڑک اتر کر گھر میں داخل ہوں گی یہ احتمال نہیں کہ شاید گھر میں کوئی نا محرم مرد پہلے سے ہو اور بارہا ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ ایسے موقع پر نا محرم کا سامنا ہو جاتا ہے مگر عورتوں کو تیز ہی نہیں کہ پہلے گھر میں تحقیق کر لیا کریں۔

② اب گھر میں پہنچیں حاضرین کو سلام کیا بعضوں نے زبان کو تکلیف ہی نہیں دی فقط ماتھے پر ہاتھ رکھ دیا بس سلام ہو گیا جس کی مروت حدیث میں آئی ہے۔ بعضوں نے لفظ سلام کہا تو صرف لفظ سلام یہ بھی سنت کے خلاف ہے السلام علیکم کہنا چاہئے۔ اب جواب ملاحظہ فرمائیے جیتی رہو۔ ٹھنڈی رہو سہاگن رہو بھائی جئے بچہ جئے غرض کنبہ بھر کی فہرست شمار کرنا آسان اور ولیم السلام کہنا مشکل جو سب کو

جامع ہے۔

۴۱ وہاں پہنچ کر ایسی جگہ نہیں گئی کہ سب کی نظر ان پر پڑے ہاتھ کا ان ضرور دکھائیں گی ہاتھ کسی چیز میں گھرا ہوا ہو تب بھی کسی بہانہ سے نکالیں گی اور کان کو ڈھکے ہوئے ہوں مگر گرمی کے بہانہ سے یا کسی ضرورت کے بہانہ سے کھول کر ضرور دکھائیں گی کہ ہمارے پاس اتنا زیور ہے۔ اگر کسی کی نظر نہ بھی پڑے تو کھجلی اٹھا کر کان تو دکھائی دیں گی جس سے اندازہ کیا جائے کہ جب اتنا زیور ان کے کانوں میں ہے تو گھر میں نامعلوم کتنا ہوگا؟

۴۲ اب مجلس جمی تو شغل اعظم یہ ہوا کہ گیس شروع ہوئیں بیٹھتے ہی سوائے فیبت کے کوئی اور دوسرا مشغلہ ہی نہیں جو سخت ممنوع اور قطعی حرام ہے ان عورتوں کو شغلی کے دو موقع ملتے ہیں ایک خوشی کا ایک غمی کا انہی دو موقعوں پر اجتماع ہوتا ہے۔

۴۳ باتوں کے درمیان ہر بی بی اس کوشش میں ہے کہ میری پوشاک اور زیور پر سب کی نظر پڑ جانی چاہئے ہاتھ سے پاؤں سے زبان سے غرض تمام بدن سے اس کا اظہار ہوتا ہے جو صریح ریابے اور جس کا حرام ہونا سب کو معلوم ہے۔

۴۴ اور جس طرح ہر بی بی (دوسروں کو اپنا زیور) دکھاتی ہے اسی طرح دوسروں کی مجموعی حالت دیکھنے کی بھی کوشش کرتی ہے چنانچہ اگر کسی کو اپنے سے کم پایا تو اس کو حقیر اور ذلیل سمجھا اور اپنے کو بڑا یہ صریح تکبر اور گناہ ہے اور اگر دوسری کو اپنے سے بڑھا ہوا پایا تو حسد، ناشکری اور حرص اختیار کی یہ تینوں گناہ ہیں۔

۴۵ اکثر اس طوفان اور بے ہودہ مشغولی میں نمازیں اڑ جاتی ہیں ورنہ وقت تو ضرور تنگ ہو جاتا ہے۔

۴۶ اکثر تقریب والے گھر کے مرد بے احتیاطی اور جلدی میں بالکل دروازہ میں گھر کے روبرو کھڑے ہو جاتے ہیں (بلکہ گھر کے اندر گھس جاتے ہیں) اور بہتوں پر نگاہ پڑتی ہے ان کو دیکھ کر کسی نے منہ پھیر لیا کوئی آڑ میں آگئی کسی نے سر نیچا کر لیا بس

پردہ ہو گیا۔

۴۷ فراغت کے بعد جب گھر جانے کو ہوتی ہیں تو یا جوج ماجوج کی طرح وہ تموج ہوتا ہے کہ ایک پر دوسری اور دوسری پر تیسری غرض دروازہ پر سب لپٹ جاتی ہیں کہ پہلے میں سوار ہوں۔

۴۸ پھر کسی کی کوئی چیز گم ہو گئی تو بلا دلیل کسی کو تہمت لگانا اس پر تشدد کرنا اکثر شادیوں میں پیش آتا ہے۔

لباس زیور میک اپ (زینت) کا مفسدہ:

۴۹ غضب یہ ہے کہ ایک شادی کے لئے ایک جوڑا بناوہ دوسری شادی کے لئے کافی نہیں۔ اس کے لئے پھر دوسرا جوڑا چاہئے۔ یہ تو پوشاک کی تیاری تھی اب زیور کی فکر ہوئی۔ اگر اپنے پاس نہیں ہوتا تو مانگ مانگ کر پہنا جاتا ہے اور اس کی عاریت (مانگا ہوا) ہونے کو پوشیدہ رکھا جاتا ہے۔ اس کو اپنی ہی ملکیت ظاہر کیا جاتا ہے۔ یہ ایک قسم کا جھوٹ ہے۔

۵۰ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص بہ تکلف اپنی آسودگی (خوشحالی) ظاہر کرے ایسی چیز سے جو اس کی نہیں ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے کسی نے دو کپڑے جھوٹ اور قریب کے پہن لئے یعنی سر سے پاؤں تک جھوٹ ہی جھوٹ پیٹ لیا۔

۵۱ پھر اکثر ایسا زیور پہنا جاتا ہے جس کی جھٹکا ردور تک جائے تاکہ محفل میں جاتے ہی سب کی نگاہیں انہیں کے نظارہ میں مشغول ہو جائیں بختا زیور پہننا خود ممنوع ہے۔ حدیث میں ہے کہ ہر باجے کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے۔

۵۲ بعض عورتیں ایسی بے احتیاط ہوتی ہیں کہ ڈولی (سواری) سے پلٹ لٹک رہا ہے یا کسی طرف سے پردہ کھل رہا ہے یا عطر و پھل اس قدر ملا ہے کہ راستہ میں خوشبو مہکتی جاتی ہے یہ ناخرموں کے روبرو زینت ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ جو عورت گھر سے عطر لگا کر نکلے یعنی اس طرح کہ دوسروں کو بھی خوشبو پہنچے تو وہ ایسی ویسی ہے (یعنی

بدکار زانیہ ہے۔

بیوی کن لوگوں کے سامنے خوشبو لگا سکتی ہے:

میں ان صفحات میں آپ کے سامنے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے فرمودات نقل کر رہا ہوں لیکن اسی نفع میں مناسب جانا کہ آپ نے خوشبو کی بابت کچھ تحریر فرمایا تو یہاں خوشبو کی بابت کچھ تحریر کر دو۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد عالی شان ہے:

وَعَنْ عَمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا أَزْكِبُ الْأَوْجُونَ وَلَا أَلْبَسُ الْمُعْصِفِرَ وَلَا أَلْبَسُ الْقَبِيضَ الْمُكَفَّفَ بِالْحَبِيرِ وَقَالَ أَلَا وَطَيْبُ الرِّجَالِ رِيحٌ لَا لَوْنٌ لَهُ وَطَيْبُ النِّسَاءِ لَوْنٌ لَا رِيحَ لَهُ (رواه ابو داود)

احمد المسند۔

”اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں ارغوانی یعنی سرخ رنگ کے ازمین پوش پر سوار نہیں ہوتا نہ میں کسم کا رنگ ہوا کپڑا پہنتا ہوں اور نہ میں ایسا پیرہن (کرتا وغیرہ) پہنتا ہوں جس پر ریشمی سخاف (یعنی ریشمی گوٹ و ہیل وغیرہ) لگی ہوئی ہو اور پھر فرمایا یاد رکھو مرد جو خوشبو لگائیں وہ ایسی ہونی چاہئے جس میں مہک تو ہو رنگ نہ ہو جیسے گلاب اور عطر وغیرہ تاکہ رنگ دار خوشبو لگانے سے کپڑے رنگین نہ ہو جائیں اور عورتیں جو خوشبو لگائیں وہ ایسی ہونی چاہئے جس میں رنگ تو ہو مہک نہ ہو جیسے زعفران و مہندی وغیرہ تاکہ ان کی مہک باہر نکل کر مردوں کے لئے فتنہ و ابتلا کا سبب نہ بن جائے۔“

خوشبو کا مسئلہ:

میری تو سمجھ سے باہر ہے کہ چلنے پھرنے وغیرہ کی بابت تو ہو سکتا ہے کہ کبھی شوہر کو احساس نہ ہو یا عورت ہی کو ہو سکتا ہے کہ احساس نہ ہو (اگرچہ یہ محض میری خوش فہمی ہے) کہ کپڑے ذرا باریک ہیں یا وہ یہ سوچ کر پیمین لے کہ چلو اوپر تو پردہ ہے وغیرہ وغیرہ لیکن خوشبو کا مسئلہ تو سب کو معلوم ہے پھر مرد اس بابت اپنی بیویوں کو باہر لے جاتے وقت کوئی احتیاط کا مطالبہ نہیں کرتے۔

یاد رکھئے!

ایک زندہ حقیقت ہے مرے سینے میں مستور ☆ کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے ہوسرد نے پردہ نہ تعلیم نئی ہو کہ پرانی! ☆ نسوانیت زن کا نگہبان ہے فقط مرد گزشتہ حدیث میں سرخ کپڑا مراد ہے خواہ وہ ریشمی ہو اور یا غیر ریشمی اور گویا یہ ارشاد گرامی اپنے مفہوم کے اعتبار سے اس حکم کو زیادہ سے زیادہ تاکید کے ساتھ واضح کر رہا ہے کہ مردوں کو سرخ رنگ کا لباس پہننے سے اجتناب کرنا چاہئے جب کہ آپ خواتین کی بابت کوئی ایسی ممانعت نہیں۔

اور نہ میں پہنتا ہوں..... کا مطلب یہ ہے کہ میں ایسا کرتا یا جب وغیرہ نہیں پہنتا جس میں ریشمی سخاف چار انگشت سے زیادہ ہو یہ ارشاد گرامی تقویٰ اور احتیاط پر محمول ہے۔ ”جس میں رنگ تو ہو مہک نہ ہو“ کا مطلب یہ ہے کہ عورت کو اپنے گھر سے باہر نکلتے وقت ایسی کوئی چیز استعمال کرنی درست نہیں ہے جس میں مہک اور خوشبو ہو ہاں..... گھر کے اندر رہتے ہوئے اس کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ حدیث میں خوشبو کے سلسلے میں جو کچھ فرمایا گیا ہے اس کا ظاہری اسلوب بیان ”خبر“ کا ہے لیکن معنی میں امر یعنی حکم کے ہے جس کا مطلب یہ ہے جیسا کہ ترجمہ میں بھی واضح کیا گیا ہے کہ مرد جو خوشبو استعمال کریں اس میں رنگ کی آمیزش نہ ہونی چاہئے۔ اس کے برخلاف عورت

جو خوشبو استعمال کرے اس میں مہک نہ ہونی چاہئے۔ اسی طرح شامل تہذیب کی ایک روایت میں یوں ہے کہ مردوں کی خوشبو ایسی چیز ہونی چاہئے جس سے مہک تو نکلتی ہو لیکن اس کا رنگ ظاہر نہ ہو اور عورتوں کی خوشبو ایسی چیز ہونی چاہئے جس کا رنگ تو ظاہر ہو لیکن اس سے مہک نہ نکلتی ہو۔ اس روایت کا مطلب بھی وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے کہ عورت گھر سے باہر نکلتے وقت کوئی ایسی چیز استعمال نہ کرے جس کی مہک پھیلی ہو کیونکہ اگر یہ مطلب نہیں لیا جائے گا تو عبارت کا مفہوم اس لئے غیر واضح ہو جائے گا کہ کوئی بھی ”خوشبو“ بغیر مہک کے نہیں ہو سکتی اس صورت میں اس کی طرف ”مہک“ کی نسبت غیر ضروری اور بے فائدہ ہوگی اور اگر یہ کہا جائے کہ کچھ خوشبوئیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن میں بالکل مہک نہیں ہوتی اور عورتوں کے لئے ایسی ہی خوشبوؤں کا استعمال جائز کیا گیا ہے تو یہ بات بالکل غیر حقیقی اور غیر صحیح ہوگی۔

عورتوں کو بناؤ سنگھار میں کچھ ایسی چیزوں کی ممانعت جس میں وہ

بہت زیادہ مبتلا ہیں:

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

وَعَنْ أَبِي رَحْمَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَشْرِ عَنِ الْوَشْرِ وَالْوَشْمِ وَالنَّتْفِ وَعَنْ مَكَامَةَ الرَّجُلِ بِغَيْرِ شِعَارٍ وَمَكَامَةَ الْمَرْأَةِ الْمَرْأَةِ بِغَيْرِ شِعَارٍ وَأَنْ يُجْعَلَ الرَّجُلُ أَسْفَلَ ثِيَابِهِ حَرِيرًا مِثْلَ الْأَعَاجِمِ أَوْ يُجْعَلَ عَلَى مَنْكِبَيْهِ حَرِيرًا مِثْلَ الْأَعَاجِمِ وَعَنْ النَّهْبِيِّ وَعَنْ زُكُوبِ النُّمُورِ وَلُبُوسِ الْخَاتَمِ إِلَّا لَذِي

سُلْطَانٍ (رواہ ابو داؤد والنسائی)

احمد المسند۔

”اور حضرت ابو ریحانہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دس باتوں سے منع فرمایا ہے: دانتوں کو تیز کرنے سے، جسم کے کسی حصہ کو گودنے سے، بال اکھاڑنے سے، مرد کو مرد کے ساتھ سونے سے اگر درمیان میں کپڑا حائل نہ ہو اور آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ مرد اپنے کپڑے کے نیچے ریشم (کا استر) لگائے جیسا کہ عجمی لوگ لگاتے ہیں یا عجمی لوگوں کی طرح موڑھوں پر ریشمی کپڑا لگائے اور آپ ﷺ نے کسی کا مال لوٹنے اور چیتے کی زمین پر سونے سے منع فرمایا نیز آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص مہر والی انگوٹھی پہنے الا یہ کہ صاحب حکومت ہو“۔ (ابوداؤد والنسائی)

عرب میں یہ دستور تھا کہ بوزھی عورتیں جو ان عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے کے لئے اپنے دانت کے کناروں کو تیز اور باریک کیا کرتی تھیں لہذا آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔ اسی طرح ایک روایت یہ بھی تھا کہ عورتیں اپنے جسم کے بعض حصوں کو سوئی سے گود کر اس میں نیل یا سرمہ بھر دیتی تھیں (جیسا کہ ہمارے یہاں بھی بعض غیر مسلم میں یہ دستور ہے کہ جسم کے کسی حصہ خاص طور سے ہاتھ پر نام وغیرہ گودتے ہیں) آپ ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا۔ بال اکھاڑنے سے منع فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ آرائش و زیبشت کی خاطر داڑھی اور سر کے سفید بال چننا ممنوع ہے یا یہ کہ عورتوں کا اپنے چہرہ یعنی پیشانی کے بال چننا ممنوع ہے۔ ان چیزوں کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اول تو ان سے اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں تغیر کرنا لازم آتا ہے دوسرے یہ چیزیں آرائش و زیبشت کے لئے بے جا اور برے قسم کے تکلفات کا مرکب ہونے کا باعث ہیں اگرچہ زیب و زینت اختیار کرنا عورتوں کے لئے جائز ہے مگر اس طرح کے مذموم تکلفات ان کے لئے بھی ممنوع ہیں۔

بناؤ سنگھار کی بابت دلہنوں کی زبردست غلطی:

یہ عجیب بات ہے کہ گھر میں تو بھنگنوں اور ماماؤں کی طرح رہیں اور ڈولی (گاڑی وغیرہ) آتے ہی بن سنور کر بیگم صاحب بن جائیں کوئی ان سے پوچھے کہ اچھے کپڑے پہننے کی غرض کیا صرف غیروں کو دکھانا ہے؟ تعجب ہے کہ جس کے واسطے یہ کپڑے بنے اور جس کے دام لگے اس کے سامنے کبھی نہ پہنا جائے اور غیروں کے سامنے پہنا جائے حیرت ہے کہ خاوند سے کبھی سیدھے منہ بات نہ بولیں، کبھی اچھا کپڑا اس کے سامنے نہ پہنیں اور کپڑے کے اچھے ہونے کے دوسرے ہیں ایک یہ کہ برائے ہو جس سے اپنا دل خوش ہو اور دوسرے کے سامنے ذلیل نہ ہونا پڑے اس کا کچھ حرج نہیں۔

اور ایک یہ کہ دوسروں سے بڑھا چڑھا ہو کہ اس کی طرف نظریں اٹھیں یعنی دوسرے کی نظر میں بڑا ہونے کے لئے پہنا جائے یہ برا اور ناجائز ہے۔

رسوم کی پابندی میں بوڑھی عورتوں کی کوتاہی:

بعض عورتوں نے مجھ سے مرید ہونا چاہا تو میں نے ان سے شرط لگا دی کہ رسمیں چھوڑنا پڑیں گی، کہنے لگیں کہ میرے کچھ ہے ہی نہیں نہ بال نہ بچہ میں کیا رسمیں کروں گی؟ میں نے کہا کرو گی تو نہیں لیکن صلاح (مشورہ تو ضرور) دو گی۔

یہ پرانی بوڑھیاں (رسوم کے معاملہ میں گویا) شیطان کی خالہ ہوتی ہیں خود اگر نہ کریں تو دوسروں کو بتلاتی ہیں۔ چنانچہ دیکھتا ہوں کہ جن عورتوں کے خاوند نہیں وہ خود تو کچھ نہیں کرتیں لیکن دوسروں کو تعلیم دیتی ہیں۔ کوئی پوچھے تو اس کو کیا شامت سوار ہوئی ہے اس کو تو یہ مناسب تھا کہ تسبیح لے کر مصلے پر بیٹھ جاتی کچھ فکر تو ہے نہیں اللہ تعالیٰ نے سب فکروں سے خالی رکھا تھا۔ (کاش) وقت کی قدر جانتیں مگر یہ ہرگز نہ ہوگا بس یہ مشغلہ ہوگا کہ کسی کی غیبت کر رہی ہیں کسی کو رائے دے رہی ہیں گویا یہ بڑی بنتی ہیں۔ بات بات میں دخل دیتی ہیں۔

یاد رکھو زیادہ بولنے سے کچھ عزت نہیں ہوتی عزت اسی عورت کی ہوتی ہے جو خاموش رہے اگر خاموش ہو کر ایک جگہ بیٹھ کر اللہ کا نام لے کر (تسبیح پڑھے) تو اس کی بڑی قدر اور وقعت ہوتی ہے مگر باتیں کرنے کی جن کو عادت ہو جاتی ہے یہ کیسے چھوٹ سکتی ہے خواہ ذلت و خواری ہو کوئی ان کی بات بھی کان لگا کر نہ سنے لیکن ان کو اپنی باتیں سے کام عورتیں اس کو سن کر کہا کرتی ہیں کہ بیٹھ تو جائیں لیکن کوئی چین تو لینے دے میں کہتا ہوں کہ تم اپنے منہ کو جب لگام لگا کر بیٹھو گی (یعنی بالکل خاموش رہو گی تو کیا کسی کا سر پھرا ہے) (کوئی پاگل ہے) جو تم سے مزاحمت (مقابلہ) کرے زیادہ فساد اور گناہ بولنے ہی سے ہوتے ہیں۔

واقعی زیادہ گناہ ہم لوگوں کے اس زبان ہی کی بدولت ہوتے ہیں۔ اس مضمون کو مرد اور عورتیں سب یاد رکھیں، لیکن آج کل مشکل یہ ہے کہ آنسو بہا لیں گے آپیں بھر لیں گے اور سن کر کہیں گے کہ بس جی ہمارا کیا ٹھکان ہے؟

ساجو! ان باتوں سے کام نہیں چلتا کام تو کرنے ہی سے ہوتا ہے پس کام کرو اور باتیں نہ بھاگو۔

عورتوں کی رسوم میں اصل قصور سر پرستوں کا ٹھہرتا ہے:

جس کی وجہ یہ ہے کہ جن کاموں سے عورتوں کو منع کرتے ہیں ان کاموں میں مردوں کو بھی حظ (مزا) آتا ہے ان کا منع کرنا برائے نام ہوتا ہے حتیٰ کہ عورتیں جب رسمیں کرتی ہیں اور مردان کو منع کرتے ہیں تو وہ جواب دیتی ہیں کہ مجھے کیا مل جائے گا تمہارا ہی نام کروں گی۔ بس اس وقت مرد خاموش ہو جاتے ہیں معلوم ہوا کہ نام کرنے کی خواہش ان کو خود بھی ہے جب ان ہی کے افعال میں کوتاہی ہے تو ان کے حکموں کے افعال میں کیوں نہ ہوگی؟

آپ یہ نہ کہیں کہ عورتیں راہ پر آتی ہی نہیں (بات ماننی ہی نہیں) کیونکہ خدا تعالیٰ

نے آپ کو حاکم اور ان کو محکوم بنایا ہے۔

الرجال قوامون على النساء مرد عورتوں پر حاکم ہیں حاکم کا محکوم پر بڑا قبضہ ہوتا ہے یہ صرف حیلہ ہے کہ وہ مانتی نہیں اس کو ہم سچ جب سمجھیں کہ وہ کھانے میں نمک تیز کر دیں اور آپ دو چار مرتبہ کہنے کے بعد چپکے بیٹھ کر کھالیا کریں مگر دنیا کے کاموں میں یہ کبھی نہیں ہو سکتا سنا تو دین ہے کہ اس کو جس طرح چاہیں رکھیں بات درحقیقت یہ ہے کہ عورتوں کو ایک دو بار نصیحت کر کے خاموش ہو جانے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا منع کرنا برائے نام ہوتا ہے (ورنہ) ان کاموں میں مردوں کو بھی حظ (لطف) آتا ہے۔

مردوں کے سر کا تاج:

مردوں نے ان کاموں میں امام بھی عورتوں ہی کو بنا رکھا ہے خود کچھ بھی نہیں کرتے تقریبات (بیاہ شادی) کے تمام کام عورتوں سے پوچھ پوچھ کر کرتے ہیں۔ کانپور میں ایک بارات آئی تو لڑکی والے سے احباب نے پوچھا کہ بارات کہاں ٹھہرائیں؟ اس نے کہا اس میں تمہیں کیا دخل ہے منی کی اماں سے پوچھ لو اتنی سی بات کے لئے جتنی منی کی اماں سے پوچھنے کی ضرورت تھی۔

غرض مردوں نے ایسی اپنی مہار (نکیل) عورتوں کے ہاتھوں میں دے دی ہے کہ اتنی اتنی سی بات میں بھی ان کے خلاف نہیں چل سکتے حالانکہ ان کو شریعت سے پوچھ کر کام کرنا چاہئے تھا۔ بت کدہ سے نکل کر مسجد میں آنا چاہئے تھا مگر یہ تو بیروانی صاحب سے پوچھ رہے ہیں کہ مدرسہ سے کعبہ کی طرف جاؤں یا میکدہ کی طرف کبھی کسی مرد نے کسی مولوی سے جا کر نہ پوچھا کہ شادی میں فلاں فلاں کام کریں یا نہ کریں یہ استفتاء عورتوں ہی سے ہوتے ہیں پھر جیسی وہ مفتی ہیں ویسے ہی فترے بھی ہوتے ہیں مردوں کو تو بے وقوف بناتی ہیں اور خود تقریبات میں ایسی منہمک ہوتی ہیں کہ کچھ بھی ہوش نہیں رہتا۔

رسوم سے منع کرنے والے دو قسم کے لوگ:

تعب ہے کہ اکثر مرد بھی عورتوں کے رسوم میں ان کے تابع ہو جاتے ہیں اور بعض مرد جو اس میں مخالفت کرتے ہیں وہ دو قسم کے ہیں۔ ایک تو اہل دین جو دین کی حیثیت سے ان کی مخالفت کرتے ہیں دوسرے انگریزی تعلیم یافتہ جو دینی حیثیت سے ان کی مخالفت نہیں کرتے ہاں عقل کے خلاف سمجھتے ہیں۔ سہ پہلے لوگ قابل قدر ہیں۔ باقی دوسروں کی مخالفت ایسی ہے کہ فر من المطر ووقف تحت المیزاب یعنی بارش سے بھاگ کر پر نالہ کے نیچے کھڑے ہو گئے۔

وجہ یہ ہے کہ عورتیں تو رسوم میں دو تین بار ہی عمر بھر میں خرچ کرتی ہوں گی اس پر ان کو ملامت کی جاتی ہے کہ بہت فضول خرچی کرتی ہو اور خود رات دن اس سے بڑھ کر فضول میں جلا ہیں کہیں فوٹو گراف آرہا ہے کہیں ہارمونیم ہے کہیں ولایتی فضول چیزوں سے کمرہ سجایا جا رہا ہے چھ چھ جوڑے جوتے رکھے ہیں فیشن کے کپڑے قیمتی قیمتی سلوائے جا رہے ہیں۔ بعض لوگوں کے کپڑے لندن سلنے اور دھلنے جاتے ہیں یہ لوگ رات دن اسی قصہ میں مشغول ہیں خود کی تو یہ حالت ہے اور عورتوں کو فضول خرچ بتاتے ہیں۔

یہ حضرات جو عورتوں کو رسوم سے روکتے ہیں تو صرف اسلئے کہ دو طرف خرچ نہ ہوں یہ روکنا قابل قدر نہیں ہاں دین کی وجہ سے روکنا الہیہ مطلوب ہے جس میں روکنے والا اپنے نفس کو بھی شریک رکھتا ہے یعنی وہ بھی اس کا عامل (اس کے مطابق عمل کرنے والا) ہے۔

مردوں سے شکایت:

عورتوں کی کیا شکایت میں مردوں کو بھی کہتا ہوں کہ شاف و ناد را ایسا ہوتا ہوگا کہ ایک بات کو کسی کا جی چاہے پھر وہ اتنا سوچ لے کہ یہ کام اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے موافق

ہے یا نہیں بس جو جس کے جی میں آتا ہے وہ کر گزرتا ہے کبھی کسی مرد نے کسی مولوی سے جا کر نہ پوچھا کہ شادی میں فلاں فلاں کام کریں یا نہ کریں۔

اور اگر اس کام (رسم وغیرہ) میں دنیا کی بھی کوئی مصلحت ہو تو اس صورت میں یہ خیال آتا تو درکنار کہ یہ کام اللہ و رسول ﷺ کے خلاف ہے یا نہیں؟ اگر کوئی یاد بھی دلائے کہ یہ کام جائز نہیں تو کبھی نہ سنے اور جو سنے بھی تو کھینچ تان کر اس کو جائز ہی کر کے چھوڑے ویسے کرنا تو ایک ہی گناہ تھا اب یہ جہل مرکب ہو گیا اور اصرار علی المعصیت کا مرتبہ اور (گناہ) ہو گیا۔

رسوم و رواج کے ختم کرنے کے طریقے:

- ① ان رسوم کو ختم کرنے کے دو طریقے ہیں ایک تو یہ کہ سب برادری والے متفق ہو کر یہ سب بکھیرے موقوف کر دیں ویکھا دیکھی اور لوگ بھی ایسا ہی کریں گے اسی طرح چند روز میں یہ طریقہ عام ہو جائے گا اور کرنے کا ثواب اس شخص کو ملے گا اور مرنے کے بعد بھی وہ ثواب لکھا جاتا رہے گا۔
- ② دیندار کو چاہئے کہ نہ خود ان رسوم کو کرے اور جس تقریب میں یہ رسمیں ہوں ہر گز وہاں شریک نہ ہو صاف انکار کر دے برادری کنبد کی رضامندی اللہ تعالیٰ کی ناراضی کے رو برو کچھ کام نہ آئے گی۔
- ③ اس بات کا التزام کر لو کہ بلا پوچھے اور بلا سمجھے محض اپنے نفس کے کہنے سے کوئی کام نہ کرو تا کہ کمال ایمان میسر ہو۔ اسی کو جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ تَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جُنْتُ بِهِ تَمَّ مِنْهُ" سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہش ان احکام کے تابع نہ ہو جائے جن کو میں لایا ہوں۔

(بعض لوگ) کہتے ہیں کہ ہم تو دنیا دار ہیں ہم سے کہیں شریعت بچھ سکتی ہے؟ کیوں

صاحبو! جس وقت جنت سامنے کی جائے گی اس وقت یہ کہہ دو گے کہ ہم تو دنیا دار ہیں ہم کیسے اس میں جائیں شریعت کو ایسی ہولناک چیز فرض کر لیا ہے کہ جو دنیا داروں کے بس کی نہیں۔ (حالانکہ) شریعت میں بہت وسعت ہے۔

رسوم و رواج کو ختم کرنے کا شرعی طریقہ:

رسوم و رواج میں عمل کی تبدیلی بھی ضروری ہے (کیونکہ) سینہ سے حرج (اور زوم) نکلتا نہیں مگر عمل کو ایک مدت تک بدل دینے سے اسی لئے اخراج حرج (یعنی دل سے اس کی برائی ختم کرنے کے لئے) ایسا کرنے سے ضرور عند اللہ ماجور ہوگا۔ اس کی نظیر میں حدیث شریف موجود ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ بعض روغنی برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع فرما دیا تھا پھر فرماتے ہیں: ((كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنِ الدُّبَاءِ وَالْحَتَمِ فَأَنْبَذُوا فِيهَا فَإِنَّ الظَّرْفَ لَا يُجْلَى شَيْئًا وَلَا يُحَرِّمُ)) یعنی پہلے میں نے روغنی برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع کر دیا تھا اب اس میں نبیذ بنایا کرو اور علت ارشاد بیان فرماتے ہیں کہ برتن نہ کسی چیز کو حرام کرتا ہے اور نہ حلال کرتا ہے پھر اس کے باوجود منع فرما دیا تھا وجہ صرف یہ تھی کہ لوگ شراب کے عادی ہیں تھوڑے سے نشہ کو محسوس نہ کر سکیں گے اور ان برتنوں میں پہلے شراب بنائی جاتی تھی اس لئے خمر (شراب) سے پورا اجتناب نہ کر سکیں گے اور گنہگار ہوں گے پس پورے اجتناب (بچنے) کا طریقہ یہی ہے کہ ان برتنوں میں نبیذ بنانے سے مطلقاً روک لیا جائے جب طبیعتیں شراب سے بالکل متنفر ہو جائیں اور ذرا سے نشہ کو پہچاننے لگیں تو پھر اجازت دے دی جائے۔

اسی طرح ان رسوم کی حالت ہے کہ ظاہری اباحت کو دیکھ کر لوگ اس کو اختیار کرتے ہیں اور ان منکرات کو نہیں پہچانتے جو ان کے ضمن میں پائے جاتے ہیں تو اس کے لئے اصلاح کا کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا سوائے اس کے کہ چند روز تک اصل عمل ہی کو

ترک کر دیں اور یہ بات کہ اصل عمل باقی رہے اور منکرات عام طور سے دور ہو جائیں ہمارے امکان سے تو باہر ہے جب رسول اللہ ﷺ نے یہ طریقہ اختیار فرمایا تھا تو ہم کیا کریں کہ اس کے سوا تدبیریں اختیار کرتے پھریں جب ایک تدبیر عقلاً بھی مفید معلوم ہوتی ہے اور نقلاً بھی ثابت ہو چکی تو ضرورت ہی کیا ہے کہ اس سے عدول کیا جائے؟

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی رسموں کی بابت ایک صائب رائے:

ایک شخص نے شادی کی رسموں کے متعلق مجھ سے کہا تھا کہ ایک دم سے سب رسموں کو منع نہ کیا کرو ایک ایک کر کے منع کرو میں نے کہا سلام ہے جب میں ایک کو منع کروں گا ایک کو منع نہ کروں گا تو مجھ سے بدگمان ہوں گے کہ رسوم ہونے میں تو دونوں برابر ہیں پھر ایک کو کیوں منع کیا اور ایک کو کیوں منع نہ کیا؟ پھر بار بار منع کرنے سے قلب میں تنگی پیدا ہوگی کہ یہ تو روز ایک بات کو منع ہی کرتے رہتے ہیں خدا جانے کہاں تک قید کریں گے اس لئے منع تو سب کو کروں گا مگر مجبور نہیں کرتا کہ سب کو ایک دم سے چھوڑ دو تم چھوڑنے میں ایک ایک کر کے چھوڑ دو۔

بہر حال اگر کسی میں بہت سے عیوب ہوں تو بتاؤ دے سب کو مگر پہلے ایک کو چھڑا دے پھر دوسرے کو چھڑا دے پھر تیسرے کو چھڑا دے۔

رسوم کے خلاف ڈٹ جانے والا اللہ کا مقبول بندہ:

بعض لوگ طعن و تشنیع کے خوف سے رسوم پر عمل کر لیتے ہیں مگر جس شخص میں احکام کی تعمیل کا مادہ ہوگا وہ رسوم کو ترک کرنے میں کسی کی طعن و تشنیع کا کبھی خیال نہ کرے گا اور گویا باہمت مسلمان سے یہ کچھ بعید نہیں لیکن آج کل مخالفت عامہ کی وجہ سے ایسا شخص قابل تعریف ہے ایسا شخص آج کل ولی اور خدا کا مقبول بندہ ہے۔

رسوم کے پابند موجب لعنت:

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا چھ شخصوں پر میں اور حق تعالیٰ اور فرشتے لعنت کرتے ہیں مجملہ ان کے ایک وہ شخص ہے جو رسم جاہلیت کو تازہ کرے۔

(ایک حدیث میں) رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے زیادہ بغض اللہ تعالیٰ کو تین شخصوں کے ساتھ ہے ان میں سے ایک یہ بھی فرمایا جو شخص اسلام میں آ کر جاہلیت کا کام برتنا چاہے۔ مضامین مذکورہ کی بہت سی احادیث موجود ہیں۔

اس بارے میں تم لوگ شریعت کا مقابلہ کر رہے ہو خدا کے لئے ان کفار کی رسوم کو چھوڑ دو۔

ہر مسلمان مرد و عورت پر لازم ہے کہ ان سب بیہودہ رسموں کو مٹانے پر بہت باندھے اور دل و جان سے کوشش کرے کہ ایک رسم بھی باقی نہ رہے اور جس طرح حضرت محمد ﷺ کے مبارک زمانہ میں سادگی سے سیدھے سادھے طور پر کام ہوا کرتے تھے اس کے موافق اب پھر ہونے چاہئیں جو مرد و عورت یہ کوشش کریں گے ان کو بڑا ثواب ملے گا۔ حدیث شریف میں آیا ہے:

((مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِي عِنْدَ فَسَادِ أُمَّتِي فَلَهُ أَجْرُ مِائَةِ شَهِيدٍ))

(بخاری)

”جو شخص میری امت کے بگاڑ کے وقت میری سنت پر جما رہے گا اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملتا ہے۔“

بہنوں اور بیٹیوں سے ایک دردمندانہ درخواست:

میں عورتوں سے درخواست کرتا ہوں کہ ان کو چاہئے کہ جاہلیوں مردوں کو رسوم

سے روکیں ان کا روکنا بہت مؤثر ہے ایک تو اس وجہ سے کہ ان رسم و رواج کی اصل بانی وہی ہیں جب یہ خود روکیں گی اور مردوں کو روکیں گی تو کوئی بھی قصہ نہ ہوگا۔ اس کے علاوہ ان کا لب و لہجہ اور کلام بے حد مؤثر ہوتا ہے ان کا کہنا دل میں گھس جاتا ہے اس لئے عورتیں چاہیں تو بہت جلد مردوں کو روک سکتی ہیں اور سارے رسم و رواج ختم ہو جائیں۔

(اسلامی شادی)

موجودہ دور میں شادی بیاہ کی مروجہ رسومات

۱) مائیوں بٹھانے کی رسم:

شادی سے چند دن قبل گھر کی خواتین جمع ہو کر بے چاری دلہن کو الگ کمرے میں مبیوس کر دیتی ہیں۔ یہ خالص ہندو اندازہ رسم ہے اور چند خرافات سے مرکب ہے (۱) دلہن کو الگ کمرے میں بٹھانے کو ضروری سمجھتا خواہ گرمی ہو یا جس مگر یہ فرض قضاء نہ ہو۔ (۲) گھر کے ایک کونے میں بند کر دینا سارے گھر والوں سے بول چال بات چیت بند کر دینا اپنی ضروریات میں دوسروں کی محتاج ہونا حتیٰ کہ پیشاب پالٹھانہ وغیرہ کے لئے خود نہ جاسکنا اور وضو کے لئے اپنے منہ سے پانی نہ مانگ سکتا۔ (۳) غضب بالائے غضب یہ ہے کہ حیا و بے حیائی کا امتحان لینے کے لئے گدگدی کرنا اگر وہ غصہ پڑے تو بے حیا اور نہ ہنسے تو باحیا۔

دین سے قطع نظر یہ بات عقل کے بھی خلاف ہے کہ اس کو انسان سے حیوان بلکہ جمادات (پتھر) بنا دیا جائے اس لئے ان منکرات کے ہوتے ہوئے اسلام میں اس رسم کی گنجائش نہیں ہے۔

۲) رسم حنا:

شادی سے دو تین روز پیشتر پہلے دو لہا والوں کی طرف سے خواتین دلہن کے لئے مہندی لے کر جاتی ہیں پھر دلہن والوں کی طرف سے خواتین دو لہا کے لئے مہندی لے کر آتی ہیں۔

مہندی کی رسم بھی چند منکرات سے مرکب ہے۔ (۱) رسم مہندی کی یہ تقریب بڑے لاؤ لشکر اور بہت بڑے جلوس کی شکل میں انجام دی جاتی ہے۔ خصوصاً عورتوں کا

اس قدر بن سنور کا شریک ہونا جیسے وہ زرق برق لباسوں کی نمائشوں یا حسن کے مقابلے میں جا رہی ہوں۔ (۲) مردوں اور عورتوں کا آزادانہ اختلاط ہوتا ہے۔ (۳) ناچ گانے اور ذھول باجے کا بھرپور اہتمام کیا جاتا ہے کس قدر افسوس اور حیرت کا مقام ہے کہ حضور ﷺ تو فرمائیں مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ تمام دنیا سے راگ باجہ مٹا دوں اور ہم حضور ﷺ کے امتی ہونے اور آپ سے محبت کا دعویٰ کرنے کے باوجود ناچ گانے اور راگ باجے کی محفل میں شریک ہوں۔ (۴) اگرچہ دلہن کو مہندی لگانا جائز ہی نہیں بلکہ مستحب ہے مگر دولہا کو مہندی لگانا جائز نہیں ہاں البتہ صرف سر اور داڑھی کے بالوں میں مہندی لگا سکتا ہے (بطور زینت) حدیث پاک میں آتا ہے:

((طَلِبُ الرِّجَالِ مَا حَقَّى لَوْنُهُ وَظَهَرَ رِيحُهُ وَطَلِبُ النِّسَاءِ

مَا ظَهَرَ رِيحُهُ وَحَقَّى لَوْنُهُ))

”مردوں کی خوشبو وہ ہے جس کا رنگ پوشیدہ ہو اور خوشبو ظاہر ہو اور عورتوں کی خوشبو وہ ہے جس کا رنگ واضح ہو اور خوشبو پوشیدہ ہو۔“

(۵) اس پر طرہ یہ کہ ویڈیو فلم بنائی جاتی ہے۔ (۶) بے حیائی اور بے پردگی کا ایک طوفان برپا ہوتا ہے پردے کا یا شرم و حیا کا کوئی تصور نہیں ہوتا۔ (۷) علاوہ ازیں فضول خرچی کا بھی خوب مظاہرہ ہوتا ہے۔

(۳) سہرا بندی:

شادی کے دن بارات کی روانگی سے پہلے دولہا عروسی لباس زیب تن کر کے سر پر سہرا سجا کر سٹیج پر براجمان ہوتا ہے۔

(۴) ہار پہنانا:

دولہا کو سہرے کے ساتھ نوٹوں کے ہار پہنائے جاتے ہیں اس مقصد کے لئے پہلے سے طے شدہ انتظام کے تحت وسیع و عریض میدان میں شامیانے لگا کر شیپے سلج بنایا جاتا

ہے اور باراتیوں کے لئے کرسیاں لگا دی جاتی ہیں ہر آنے والا باراتی حسب استطاعت دوسو سے دس ہزار تک اصلی قیمتی نوٹوں پر مشتمل ہار دولہا کو پہناتا ہے حتیٰ کہ دوست احباب رشتہ دار اور پڑوسی دولہا کو اس قدر ہار پہناتے ہیں کہ دولہا ہاروں کے بوجھ تلے ہار ہٹتا ہے گرمی ہو یا سردی دولہا کو بہر حال ہار پہننا ضروری سمجھا جاتا ہے۔

(۵) گھوڑی چڑھانا:

شادی بیاہ میں دولہا کو گھوڑی پر چڑھانا یا قد رتی اور مسنونہ پھولوں سے بکھی سجائی گاڑی پر سوار ہونا بھی لازمی حصہ سمجھا جاتا ہے اس کے بغیر بارات کی روانگی کو اپنی شان کے خلاف سمجھا جاتا ہے حالانکہ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو اس کی بھی ضرورت نہیں یہ ہوائے اسراف اور فضول خرچی کے اور کچھ نہیں۔ نیز اس میں مقابلہ بازی فخر و ریا اور تکبر و غرور کا جذبہ بھی موجزن ہوتا ہے اس لئے اس سے بھی حتی الامکان گریز ہی بہتر ہے۔

(۶) آتش بازی / چراغاں:

دولہا کے گھر سے بارات کی روانگی اور دلہن کے گھر تک پہنچنے کے دوران اور پھر رخصتی کے وقت انار پٹانے اور آتش بازی کا مظاہرہ بھی بڑے جوش و خروش سے کیا جاتا ہے یہ اپنی جان اور مال کے ساتھ ساتھ دوسرے لوگوں کے لئے بھی نقصان کا باعث ہے۔

یہ تو صاف ظاہر ہے کہ آتش بازی اپنا مال اپنے ہاتھوں نذر آتش کر دینے کے مترادف ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾ (الاعراف)

”اور فضول خرچی مت کرو بے شک اللہ تعالیٰ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔“

دوسری جگہ ارشاد پاک ہے:

﴿وَلَا تُبْذِرْ تَبْذِيرًا إِنَّ الْمُبْذِرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيْطَانِ﴾

(بنی اسرائیل: ۲۶ ۲۷)

”اور فضول خرچی مت کرو بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔“

اور بسا اوقات آتش بازی سے کوئی نہ کوئی شخص نذر آتش ہو جاتا ہے ورنہ ہاتھ پاؤں کے جلنے کا اندیشہ یا مکان میں آگ لگ جانے کا خوف تو ہوتا ہی ہے اور اپنی جان اور مال کو ایسی بلاکت اور خطرے میں ڈالنا خود شریعت میں برا ہے نیز یہ واضح طور پر ہندوؤں کی رسم دیوالی سے مشابہت رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ آتش پرستوں کی نقل ہے کیونکہ خوشی کے موقع پر چراغاں کرنا مجوسیوں کا شعار ہے۔ یہ رسم ہندوستان کے بت پرستوں نے آتش پرستوں سے لی اور ہندوؤں کی دیکھا دیکھی مسلمان بھی اختیار کرنے لگے اس سے اجتناب ضروری ہے۔

۶) پیسے لٹانا:

شادی کے موقع پر پیسے لٹا کر اپنے فخر و ریاء کے جذبے کو تسکین دینا بھی ایک لازمی امر ہے نیز دولہا کے سر پر پیسے گھما کر مراٹھیوں، بھائیوں کو دینا نیک شگون خیال کیا جاتا ہے حالانکہ اس سے نیک شگون لینا حقیقت سے بالاتر ہے کاش! یہی رقم غرباء و مساکین کو تقسیم کر دی جاتی یا مسجد و مدرسہ میں صدقہ و خیرات کر دی جاتی۔

شگون کی حقیقت:

آئیے یہاں آپ خواتین کو شلوک (ایچھے یا برے) کی بات کچھ تحریر کر دوں۔
نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ قَالَ الطَّيْرَةُ شُرُكٌ قَالَهُ ثُلَاثًا وَمَا مِنْهَا إِلَّا وَلَكِنَّ اللَّهَ يُذِيبُهُ بِالتَّوَكُّلِ (رواه ابو داود و الترمذی وقال سمعت محمدا بن اسمعيل يقول كان سليمان بن حرب يقول في هذا الحديث) وَمَا مِنْهُ إِلَّا وَلَكِنَّ اللَّهَ يُذِيبُهُ بِالتَّوَكُّلِ بِذَا عِنْدِي قَوْلُ ابْنِ مَسْعُودٍ ابُو دَاوُدَ وَ التَّرْمِذِيُّ

ابوداؤد، کتاب الطب، باب فی الطیرہ، ح ۳۹۱۰۔

”حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: طیرہ شرک ہے۔ آپ نے یہ بات تین دفعہ کہی۔ (مبالغہ کے طور پر تا کہ لوگ اس فعل سے بچیں) اور ہم میں سے جو بھی شخص ایسا ہوتا کہ (جس کے دل میں تردد و غلبان پیدا ہوتا ہے) تو اللہ تعالیٰ اس کو اس پر بھروسہ و اعتماد کرنے سے روک دیتا ہے۔ یعنی یہ ایمان کا تقاضا ہے کہ کسی کام و سفر کے قصد و ارادہ کے وقت کوئی ایسی چیز ظاہر ہو جائے جس سے بتقاضائے بشریت دل و دماغ میں کوئی وہم و تردد پیدا ہوا تو اس وہم و تردد پر قطعاً بھروسہ و اعتماد نہ کیا جائے بلکہ اللہ تعالیٰ پر توکل و یقین رکھتے ہوئے اس کام کو کیا جائے یا اس سفر پر چلا جائے۔

شگون بد لینا شرک ہے اور یہ شرکوں کی رکیں ہیں اور موجب شرک خفی ہیں اگر یوں شگون لیا جائے اور پورے وثوق سے کہا جائے یوں ہی ہوگا تو کفر ہے۔

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ رَسْمُولٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ بِيَدِ مَجْذُومٍ وَفَوَضَّعَهَا مَعَهُ فِي الْقَصْعَةِ وَقَالَ كُلْ ثَقَّةً بِاللَّهِ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ (رواه ابن ماجه)

ابن ماجہ، کتاب الطب، باب الحذام، ح ۳۵۴۲۔

”اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن رسول کریم ﷺ نے ایک جذامی کا ہاتھ پکڑ کر اس کو کھانے کے پیالے میں اپنے ساتھ شریک کیا اور فرمایا کھاؤ میرا اللہ پر اعتماد اور بھروسہ ہے اور میں اس کی ذات پر توکل کرتا ہوں۔“

اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ توکل و یقین کا مرتبہ حاصل ہو جانے کے بعد جذامی سے بھاگنا اور اس سے دور رہنا ضروری نہیں۔

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا بَأْسًا وَلَا غَدَاوَى وَلَا طَبِيزَةَ وَإِنْ تَكُنِ الطَّبِيزَةُ فِي شَيْءٍ فَقُنِ الدَّارَ وَالْفَرَسَ وَالْمَرْأَةَ (رواه ابو داود)

”حضرت سعید بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا نہ بامہ کوئی چیز ہے اور نہ ایک سے دوسرے کو بیماری کا لگنا کوئی حقیقت رکھتا ہے نہ بدشگونی کی کوئی اصل ہے اگر کسی چیز میں شگون بد ہوتا تو گھر میں گھوڑے اور عورت میں ہوتا۔“

بدشگونی کوئی چیز نہیں:

سعید بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تحقیق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بامہ عدوی اور شگون بد بے حقیقت ہیں طیرہ کے متعلق مختلف احادیث منقول ہیں۔ جن احادیث سے طیرہ کے اثرات کی نفی اور اس اعتبار و اعتقاد کی ممانعت آئی ہے ان کی تعداد زیادہ ہے بعض احادیث سے عورت، گھوڑے اور گھر میں طیرہ کا ثبوت یقینی ہے۔ إِنَّمَا الشُّوْمُ فِي ثَلَاثِ الْفَرَسِ وَالْمَرْأَةِ وَالْذَّارِ یعنی اس میں کوئی شک نہیں کہ تین چیزوں میں نحوست ہے گھر، گھوڑا اور عورت میں۔ ایک دوسری روایت میں وہ تینوں

چیزیں زمین، خادم اور گھوڑا بیان کی گئی ہیں۔ ساتھ لفظ شرط کے آیا جیسا کہ اس حدیث میں اور اس جیسی دوسری احادیث کے الفاظ ہیں کہ اگر بدشگونی اور نحوست کوئی چیز ہوتی تو ان چیزوں میں پائی جاتی۔ جیسا کہ حدیث ابن ابی ملیکہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیا ہے کہ ان چیزوں میں نحوست پائے جانے کا اعتقاد زمانہ جاہلیت کے خیالات ہیں۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے روایت ہے۔ بدشگونی اور نحوست کے متعلق اس کا وجہ مطابقت اور خلاصہ یہ ہے کہ تطہیر اور کسی چیز کو منجوس سمجھنا بالکل بے حقیقت ہے۔ بالفرض یہ یقین کر لیا جائے کہ چیزوں میں نحوست ہے تو اس کا گمان موقع و محل قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسا کہ اس روایت میں کہا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: لو كان شئ سابق القدر لسبقه العين یعنی اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت لانے والی ہوتی تو وہ نظر بد ہوتی۔“

یہ اس طرح کا کلام ہے۔ قاضی نے کہا کہ حدیث میں پہلے تو طیرہ کا انکار کرنا اور اس کے بعد یہ شرطیہ جملہ کہ اگر شگون بد ہوتا تو وہ گھر، گھوڑے اور عورت میں ہوتا۔ لیکن اس کا بھی وجود ثابت نہیں ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں اگر ان چیزوں میں نحوست کا مفہوم ہوتا تو ایسی عورت جس کا بچہ نہ ہوتا ہو یا وہ اپنے شوہر کی نافرمانی کرتی ہو یا اگر وہ مکروہ بد شکل ہو تو اس اعتبار سے اس کو منجوس کہا جاتا ہے۔ گھر میں نحوست ہونے کا مفہوم و مطلب یہ ہے کہ اس کے ہمسائے برے ہوں۔

گھوڑے کی نحوست اس کی سرکشی، کم مانگی اور ست رفتاری ہے یعنی وہ اپنے مقاصد پورے نہ کرتا ہو۔

خادم کی نحوست یہ ہے کہ وہ بھی اپنے مقاصد پر پورا نہ اترتا ہو بعض چیزوں میں نحوست کا ہونا مفہوم کے اعتبار سے ہوتا ہے اور نحوست سے مراد ان چیزوں کا طبعی طور پر یا کسی شرعی قباحت کی بناء پر غیر پسندیدہ ہوتا ہے۔

آنحضرت ﷺ بیک فال لینے کے لئے اچھے ناموں کا سننا پسند فرماتے تھے۔

جب یہ بات سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے بیان کی گئی تو انہوں نے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا اور کہا کہ تم نے عورت کو جانور کے ساتھ ملا دیا۔ اسی وجہ سے علماء اس حدیث پہ کلام کرتے ہیں کہ اگر یہ بات نبی کریم ﷺ سے ثابت ہوتی تو سیدہ رضی اللہ عنہا ایسی بات ہرگز ارشاد نہ فرماتیں۔

وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُغَجِّبُهُ إِذَا خَرَجَ لِحَاجَةٍ أَنْ يَسْمَعَ يَأْرَاشُهُ يَأْنَجِيحُ

(رواہ الترمذی)

الترمذی، کتاب السیر، باب ما جاء فی الطیرة، ح ۱۶۱۶۔

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب کسی کام کے لئے باہر نکلتے تو آپ کو یہ اچھا معلوم ہوتا کہ آپ کسی زبان سے یہ سنیں یا اسے ارشاد اسے شیخ یعنی کسی کام کے لئے جاتے وقت اس طرح کے نام و الفاظ سننا نیک قال ہے۔“

وَعَنْ بُرَيْدَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَتَطَلَّيْتُ مِنْ شَيْءٍ فَإِذَا بَعَثَ غَاسِلًا سَأَلَ عَنْ إِسْمِهِ فَإِذَا أَعْجَبَهُ اسْمُهُ قَرَّحَ بِهِ وَرَوَى بِشْرُ ذَلِكَ فِي وَجْهِهِ وَإِذَا دَخَلَ قَرْيَةً سَأَلَ عَنْ اسْمِهَا فَإِذَا أَعْجَبَهُ اسْمُهَا قَرَّحَ بِهِ وَرَوَى بِشْرُ ذَلِكَ فِي وَجْهِهِ وَإِنْ كَرِهَ اسْمُهَا رَوَى كَرَاهِيَةً ذَلِكَ فِي وَجْهِهِ (رواہ ابو داود)

ابو داود، کتاب الطب، باب فی الطیرة، ح ۳۹۲۰۔

”اور حضرت بريدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کسی چیز سے شگون بد نہ لیتے تھے اور جب آپ کسی عامل کو روانہ کرنے لگتے تو اس

کا نام دریافت کرتے اگر اس کا نام اچھا ہوتا تو آپ اس سے خوش ہوتے اور آپ کی خوشی آپ کے چہرہ مبارک سے ظاہر ہوتی اور اگر اس کا نام برا معلوم ہوتا تو اس سے آپ ﷺ کی ناگواری آپ کے چہرہ مبارک سے ظاہر ہوتی اور اسی طرح جب آپ کسی بستی میں داخل ہوتے تو اس بستی کا نام پوچھتے اگر آپ کو اس کا نام اچھا معلوم ہوتا تو اس سے خوش ہوتے اور آپ کی خوشی آپ کے چہرہ مبارک سے ظاہر ہوتی اور اگر اس کا نام برا معلوم ہوتا تو آپ کی ناگواری آپ کے چہرہ مبارک سے ظاہر ہوتی۔“

طبیائع پر اسماء کا اثر:

کسی برے نام کو سن کر ناگواری ہونا تطہیر نہیں تطہیر تو اس صورت میں ہوتا جب آپ برے نام کو سن کر اپنے کام یا اپنے سفر کو ترک کر دیتے۔ جیسا کہ شگون بد لینے کی صورت میں ہوتا ہے تاہم کسی شخص یا آبادی کا برا بھلا نام سن کر آپ کے چہرہ مبارک سے ناگواری کے اثرات نمایاں ہوتا ہے کیونکہ طبیعت کا اچھائی و برائی سے متاثر ہونا اور اس کے نتیجے میں خوشی یا ناخوشی کا ظاہر ہونا تفاؤل و تطہیر سے قطع نظر ایک فطری بات ہے۔

ابن ملک کہتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنی اولاد یا اپنے خادم کے لئے اچھے نام و اختیار کرنا سنت ہے کیونکہ بعض اوقات برے نام تقدیر کے موافق ہو جاتے ہیں اور اس سے نتائج و دور رس اثرات کے حامل ہوتے ہیں۔

مثال کے طور پر اگر کوئی شخص اپنے بیٹے کا نام خسارہ رکھے تو ہو سکتا ہے کہ کسی موقع پر خود وہ شخص یا اس کا وہ بیٹا تقدیر الہی خسارہ میں مبتلا ہو جائے اور اس کے نتیجے میں لوگ یہ سمجھنے لگیں کہ اس کا خسارہ میں مبتلا ہونا نام کی وجہ سے ہے اور بات یہاں تک پہنچے کہ لوگ اس کو منحوس جاننے لگیں اور اس کی صحبت و ہم نشینی تک سے احتراز کرنے لگیں۔

ایسا ہی ایک واقعہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے ایک خاتون مسئلہ پوچھنے حاضر

ہوئی تو اس نے اپنا نام معصومہ بتایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنا نام بدل۔
تیرے معصومہ ہونے یا نہ ہونے کا تو فقط اللہ ہی کو علم ہے۔

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ إِنَّا كُنَّا فِي دَارٍ كَثُرَ فِيهَا
عَذْدُنَا وَأَمْوَالُنَا فَتَحَوَّلْنَا إِلَى دَارٍ قَلَّ فِيهَا عَذْدُنَا وَأَمْوَالُنَا
فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَرُونَهَا ذَمِيمَةٌ
(رواہ ابو داؤد)

ابو داؤد: کتاب الطب: باب فی الطیرۃ: ح ۳۹۲۵۔

”اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن بارگاہ رسالت میں
ایک آدمی آیا اور اس نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہم ایک مکان میں
رہا کرتے تھے جس میں ہمارے افراد کی تعداد بھی زیادہ تھی اور ہمارے
پاس مال بھی بہت تھا پھر ہم ایک دوسرے مکان میں منتقل ہو گئے تو اس میں
ہمارے آدمیوں کی تعداد بھی کم ہو گئی اور ہمارا مال بھی تھوڑا ہو گیا آپ نے
فرمایا اس مکان کو چھوڑ دو جو برا ہے۔“

بدشگونی کا کہہ کر شوہر کو ”ناجائز“ طور پر اس کے والدین سے الگ نہ کیجئے:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا مکان کو چھوڑ دینے کا حکم اس مکان کو منوس سمجھنے کی بناء
پر نہیں تھا۔ بلکہ اس مکان کی آب و ہوا اور اس کی سکونت چونکہ یکینوں کو اس میں آتی
اس لئے آپ نے بہتر یہی سمجھا کہ وہ اس مکان کو چھوڑ دیں۔

خطابیؒ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو مکان چھوڑ دینے کا حکم اس
مصلحت کے پیش نظر دیا ان کے دلوں میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ سارے نقصان اور ساری
چیزیں مکان میں ہے اگر ہم اس مکان میں نہ رہتے تو نہ ہمارے آدمیوں میں کمی آتی اور
نہ ہمارے مال و اسباب کا نقصان ہوتا۔ لہذا آپ نے ان کو مکان چھوڑ دینے کا حکم دینا

مناسب سمجھا تا کہ ان کے اس غلط خیال اور واہم کی جڑی کٹ جائے اور یہ شرک نفسی
کے گرداب میں نہ پھنسیں۔

وَعَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُحَيْرٍ قَالَ أَخْبَرَنِي مَنْ سَمِعَ
فَرُوقَةَ بْنَ مُسْنَبٍ يَقُولُ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ عِنْدَنَا أَرْضٌ
يُقَالُ لَهَا أُنْبِيْنُ وَهِيَ أَرْضٌ رِيْفْنَا وَمِيزَتْنَا وَإِنَّ وَبَاءَ بَا
شَدِيدٌ فَقَالَ دَعْنَهَا عَنْكَ فَإِنَّ مِنَ الْقَرْفِ التَّلَفَ

ابو داؤد: کتاب الطب: باب فی الطیرۃ: ح ۳۹۲۳۔

”اور حضرت یحییٰ بن عبد اللہ بن بحیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے رسول
صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا کہ جس نے حضرت فروہ بن مسیب سے یہ روایت سنی کہ
انہوں نے یعنی فروہ نے کہا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے
پاس ایک زمین ہے جس کو انبین کہا جاتا ہے اور وہ ہماری زراعت و غلہ کی
زمین ہے لیکن اس زمین کی وبا سخت ہے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اس کو چھوڑ
دو پس بے شک وبا کا قرب ہلاکت اور اختلاف کا باعث ہوتا ہے۔“

زمین کا چھوڑنا فقط آب و ہوا کے ناموافق آنے کی وجہ سے ہونا چاہیے:

یحییٰؒ کہتے ہیں کہ اس زمین کو چھوڑنے کا حکم عدوی یعنی پھوت کے نقطہ نظر سے
نہیں تھا بلکہ اصول طب اور حفظان صحت کے پیش نظر تھا کیونکہ وہاں کی آب و ہوا کا اچھا
اوصاف اور موافق ہونا حفظان صحت کی بنیاد اور جسم و بدن کی تندرستی و سلامتی کے لئے
ضروری اسباب میں سے ہے اس کے برعکس آب و ہوا کا خراب ہونا موافق ہونا صحت و
تندرستی کیلئے انتہائی مضر اور بیماری و ہلاکت کا سبب ہوتا ہے۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ وبا کی جگہ سے
بھاگ جانا چاہئے وہ شاید اس مضمون حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ ان حضرات

کے مطابق اس شخص نے آنحضرت ﷺ سے وبا کی شکایت کی تھی کہ اس زمین میں وبا میں پھیلتی ہیں۔ لہذا آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس زمین کو چھوڑ دو اور وہاں سے نکل جاؤ کیونکہ وبائی امراض کی قربت و مخالطت ہلاکت کا باعث ہوتی ہے۔ حالانکہ حقیقت میں اس حدیث سے استدلال قطعاً غیر موزوں ہے۔ کیونکہ یہ حدیث اس صورت سے متعلق نہیں ہے کہ وہاں وبا پھیلی ہوئی تھی اور آپ نے وہاں سے بھاگ جانے کو جائز رکھا بلکہ اس شخص کی شکایت کا تعلق اس بات سے تھا کہ وہ زمین ایسی ہے جہاں وبا میں پھیلتی رہتی ہیں۔ گویا اس شخص نے اس زمین کو مکر وہ و منحوس جانا گویا اس کے باطنی احوال کی کمزوری کی وجہ سے اس کو یہ اجازت دینا بہتر سمجھا گیا کہ وہ اس زمین کو چھوڑ دے وہاں آنا جانا ترک کر دے تاکہ وہ ان وباؤں کو اس زمین کی نحوست سمجھ کر بے بنیاد عقیدے کا شکار نہ ہو جاؤ اور شرک فحش کا شکار نہ ہو۔ ویسے وبا کی جگہ کے مسئلہ میں علماء کے مختلف اقوال و مباحث ہیں۔ مگر جس صورت کو علماء نے زیادہ بہتر قرار دیا ہے اور جس پر عمل کیا جانا چاہئے وہ یہ ہے کہ پیش از وقوع تو احتراز کرنا چاہئے اور بعد از وقوع صبر و رضا اختیار کرنا چاہئے۔ اگر کسی ہستی میں وبا پھیلے تو وہاں سے بھاگنے کے بجائے دعا و تضرع کرنا چاہئے تاکہ وہ بابتعد ہو جیسا کہ بخاری و مسلم کی حدیثوں سے ثابت ہے۔ واضح رہے کہ وبا سے بھاگنے والے فعل کو جائز قرار دینے والے حضرات کا اس حدیث سے استدلال کرنا یوں بھی غیر مناسب ہے کہ اس حدیث کہ امام ابو داؤد نے نقل کیا ہے۔ جبکہ جو حدیثیں بھاگنے کی ممانعت کو ثابت کرتی ہیں ان کو بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے لہذا یہ حدیثیں بخاری و مسلم کی معارض نہیں ہو سکتیں۔ علاوہ ازیں اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ علماء نے فروہ ابن میک سے ایک دو حدیثوں کے علاوہ روایت نہیں کی بلکہ ان سے ایک دو حدیثیں نقل کی ہیں۔ وہ بھی ایک ایسے راوی کے واسطے سے جو مجہول ہے اور یحییٰ بن عبد اللہ ابن بحیر کے متعلق بھی اختلاف ہے کہ وہ محد راوی ہیں کہ نہیں۔ حاصل یہ ہے کہ بے شک وبا سے ڈر کر

بھاگنا ممنوع اور گناہ ہے۔ اگر کوئی اس یقین کے ساتھ ٹھہرے کہ اگر میں یہاں استقامت کے ساتھ ٹھہرا رہا تو مرو جاؤں گا۔ اگر یہاں سے نکل گیا تو نجات پاؤں گا تو ایسا آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ عقیدہ کے فساد کی وجہ سے۔ زلزلہ اور آگ لگنے کے وقت گھر سے باہر نکلنے کو اس پر قیاس کرنا فاسد ہے کیونکہ اس کے خلاف نص وار ہے اور کیونکہ زلزلہ گھر کے گر پڑنے اور آگ لگنے کی صورت میں گھر میں موجود رہنا یقیناً ہلاکت کا باعث ہے جیسا کہ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ اس کے برعکس وبا سے نہ بھاگنے کی صورت میں مرجانا قطعاً یقینی نہیں ہوتا فقط یہ کہا جاسکتا ہے کہ ظاہر آثار و قرآن سے ہلاکت کا خوف لاحق ہو جاتا ہے۔

نوٹ: [یہاں سے دوبارہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا مضمون نقل کر رہا ہوں]۔

۱۰) بینڈ باجے ناچ گانا:

شادی کے موقع پر بارات کے ساتھ بینڈ باجے ڈھول ڈھمکے اور ناچ گانے کا اہتمام بھی ایک اہم امر کا رجبہ رکھتا ہے پیشہ ورفکاروں اور گلوکاروں کی خدمات حاصل کرنا عام معمول کی بات ہے۔ اسی طرح میوزیکل شو کا پروگرام بھی ہماری شادیوں میں جڑھتا جا رہا ہے۔

شادیوں میں سینکڑوں روپے گانے بجائے رنڈیوں اور ڈومنیوں کے نچوانے گوانے پر خرچ کئے جاتے ہیں جس شادی میں ناچ گانا نہ ہو شہنائیوں کی گونج اور ڈھولک کی تھاپ نہ ہو بینڈ باجے والے نہ آئیں اسے پھیکا اور بے مزہ سمجھا جاتا ہے حالانکہ اس کی حرمت قرآن و حدیث سے صراحۃً ثابت ہے۔

قرآن پاک میں فرمان الہی ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾ (لقمان: ۶)

”اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو لبو الحمد یرث یعنی فضول باتیں خریدتے ہیں تاکہ لوگوں کو بغیر علم اللہ کے راستے سے ہٹا دیں اور اسے ہنسی مذاق بنائیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے رسوا کن عذاب ہے۔“

اس آیت میں لبو الحمد یرث سے مراد ہر ایسی بات اور ہر ایسا کام ہے جو انسان کو اپنے اندر مشغول کر کے دوسری چیزوں سے غافل کر دے۔

عام طور پر مفسرین اس آیت کے شان نزول کے بارے میں انصر بن حارث کا واقعہ نقل فرماتے ہیں کہ اس نے ناچ گانے والی باندیاں اس مقصد کے پیش نظر خرید لی تھیں تاکہ اسلام کی طرف مائل ہونے والے لوگوں کو اس طرف لگا کر اسلام سے ہٹانے کی کوشش کرے چنانچہ وہ راگ رنگ کی محفلیں جھاتاتا کہ لوگوں کی توجہ قرآن سے ہٹ جائے اور ان فضولیات میں لگے رہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جب لبو الحمد یرث کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے تین مرتبہ قسم کھا کر ارشاد فرمایا: ”هُوَ وَاللّٰهِ الْغَنَاءُ“ اللہ کی قسم! اس سے مراد گانا ہے۔

اب حدیث کو دیکھئے گانے بجانے کے متعلق حدیث میں کیا کہا گیا ہے؟
رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((أَمْرُنِي رُبِّي بِمَحْقِ الْمَغَازِفِ وَالْمَرَامِيذِ وَالْأَوْتَانِ وَالصُّلْبِ وَأَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ)) (مشکوٰۃ)

”مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ گانے بجانے کا سامان مٹا دوں، بتوں اور صلیب کو توڑ دوں اور جاہلیت کی تمام رسومات کو ختم کر دوں۔“

دوسری حدیث میں سخت وعید وارد ہوئی ہے ارشاد گرامی ہے:

((يُفْسَخُ قَوْمٌ مِّنْ بَنِي الْأَمَّةِ فِي خَيْرِ الزَّمَانِ قَرَدَةً

وَحَنَازِيرٌ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ يَشْتَدُّونَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنْ مُحَقَّمًا رَسُولُ اللَّهِ قَالَ يَصُومُونَ وَيُحْجُونَ وَيُصَلُّونَ قِيلَ فَمَا بِالْهُنِّ قَالَ اتَّخَذُوا الْمَغَازِفَ وَالْقَيْنَاتِ))

”آنحضور ﷺ نے فرمایا: اخیر زمانے میں اس امت کے کچھ لوگوں کی صورتیں سو اور بندرجہ کی بنا دی جائیں گی۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا وہ لوگ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ نہ کہتے ہوں گے؟ آنحضور ﷺ نے فرمایا: ارے وہ لوگ حج کرتے ہوں گے روزے رکھتے ہوں گے نماز پڑھتے ہوں گے کہا گیا پھر ان کی حالت ایسی کیوں؟ آنحضور ﷺ نے فرمایا: اس لئے کہ ان لوگوں نے گانے بجانے والی چیزیں بھی اختیار کر لی ہوں گی۔“

مغنیہ کی آواز سن کر نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا عمل:

حضرات صحابہ کرامؓ بجائے گاتوں یا جوں کے شغل کے ان سب چیزوں سے اس حد درجہ محتاط تھے کہ خدا نخواستہ کبھی باجے وغیرہ کی آواز کانوں میں پڑتی تو فوراً اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیتے اور اس راستے کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کر لیتے اور جب تک احتمال رہتا کانوں میں انگلیاں ڈالے رہتے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہیں جا رہے تھے گانے کی آواز سننے میں آئی تو فوراً انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیں اور اس راستے کو چھوڑ کر کے دوسرے راستے کو اختیار کر لیا اور پھر اپنے غلام حضرت نافع سے پوچھا کہ اب بھی وہ آوازیں آرہی ہیں یا نہیں؟ چنانچہ جب آواز آنا بند ہو گئی تب انگلیاں نکالیں پھر خود ہی فرمایا کہ میں نے اس طرح اس لئے کیا کہ ایک دفعہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا اچانک بانسری کی آواز

سنائی دی تو آپؐ نے فوراً کان مبارک میں اپنی با برکت انگلیاں ڈال لیں۔ سرکارِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الْعَيْنَاءُ يُنْبِثُ الْبَغَاقَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِثُ الْمَاءُ الزَّرْعَ))

(بیہقی)

”راگ اور گانا دل میں نفاق اس طرح پیدا کرتا ہے جس طرح پانی کھیتی کو اگاتا ہے۔“

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: گانا بجا اور رقص و سرود یہ دونوں نفاق کو اس طرح اگاتے ہیں جس طرح پانی سبزی کو اگاتا ہے اور قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے بے شک قرآن اور ذکر ایمان کو دل میں اس طرح اگاتے ہیں جس طرح پانی سبزی کو اگاتا ہے۔ (دہلی)

افسوس ہے کہ مدعیان اسلام ان چیزوں سے اپنی شادیوں کو سجاتے ہیں جن چیزوں کے منانے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کے مقاصد میں شامل فرمایا اور مصیبت بالائے مصیبت یہ ہے کہ مسجدوں میں نمازیں ہوتی رہتی ہیں اور مائیک سے گانے نشر ہوتے رہتے ہیں اور پورے محلے میں گانوں کی ایک مصیبت کھڑی ہو جاتی ہے گانے کے شور شرابے میں مریض بھی عافیت سے آرام نہیں کر سکتا ایک زمانہ تھا جب مسلمان بندوؤں سے بھڑ جاتے تھے اور مسجد کے سامنے باجا بجائے پر جان دینے اور لینے کے لئے تیار ہو جاتے تھے آج مسلمان خود ہی مسجد کے سامنے باجا اور موسیقی بجاتا ہے اور عین نماز کے وقت گانے کی آوازیں نمازیوں کے کانوں میں ٹھونکتا ہے۔

دری لے کر جانا:

لڑکے والے روانگی بارات کے وقت ایک بھاری بھر کم صندوق یا بریف کیس لے جاتے ہیں جو کہ دلہن کے ملبوسات زیورات اور کاسٹائلز (میک اپ) کے سامان پر مشتمل ہوتا ہے۔ جسے بعد میں سب باراتیوں کے سامنے کھول کر ایک ایک چیز کا معائنہ کروایا جاتا ہے۔ یہ واضح طور پر فخر و ریاہ کے زمرے میں آتا ہے۔ نیز یہ سامان اگر دلہن یا اس کے گھر والوں کو پسند نہ آئے تو یہیں رسم مومنا بھگڑے فساد کا سبب بھی بن جاتی ہے اس لئے اس سے بھی احتراز ضروری ہے۔

نیوتہ:

شادی بیاہ میں دعوت طعام کے موقع پر ایک شخص رجسٹر لے کر کرسی یا چارپائی پر براہمان ہو جاتا ہے جو کھانے میں شرکت کرنے والوں سے کھانے کا معاوضہ وصول کرتا ہے اسے ”نیوتہ“ یا ”نیو ندر“ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ بے مروتی اور کینہگی کی انتہا ہے کہ کسی کو دعوت پر بلا کر اس سے کھانے کی قیمت وصول کی جائے۔ یہ رسم اس قدر اپنی جڑیں مضبوط کر گئی ہے کہ پیسے نہ دینے والے کو لعن طعن کا مستحق سمجھا جاتا ہے بعض اوقات پیسے ادا نہ کرنے والوں کے ساتھ بھگڑا طول اختیار کر جاتا ہے اور اسے ہر اداری سے علیحدگی کا پروانہ عطا کر دیا جاتا ہے۔

بعض لوگ اس رسم کے جواز پر یہ استدلال کرتے ہیں کہ یہ ”مداہب خانہ“ کے ساتھ تعاون کی ایک صورت ہے یہ سوائے حیلہ سازی کے اور کچھ نہیں اس لئے کہ تعاون دل کی خوشی کے ساتھ کیا جاتا ہے تعاون کے سلسلے میں کسی پر جبر و اکراہ کرتا یہ کہاں کا تعاون ہے؟ نیز تعاون کرتے ہوئے یہ نظر یہ مد نظر نہیں ہوتا کہ کسی موقع پر ہم اس سے دو گنا تعاون کروانے پر مجبور کریں گے جبکہ نیوتہ میں یہ نظر یہ اور سوچ واضح ہوتی ہے اس لئے اسے تعاون کا نام دینا خواہوا ایک تحکم ہے۔ اگر یہ تعاون و ہمدردی ہوتا تو رسول

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو دینا شروع کیا ہے جبکہ نہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا نہ صحابہ و تابعین نے کیا تعاون تو تب ہوتا جبکہ قرض نہ ہوتا۔ چلنے اگر مان لیں کہ ہمارے مطالبے کے بغیر لوگوں نے کچھ روپے نکال کر دیے مگر بتائیے یہ بے عزتی ہے یا نہیں کہ کھانا کھلا کر قیمت وصول کی جائے؟ اگر کوئی کہے کہ اتنے آدمیوں کو اپنی گروہ سے کون کھلائے؟ تو بھائیو آپ کے سرگس نے یہ مصیبت ڈالی ہے کہ ضرور ہی اتنے لوگوں کو بلا کر ان کے پیسوں سے ان کی دعوت کی جائے اللہ کے رسولؐ نے تو جاہلیت کے طوق اور زنجیریں کاٹ دی تھیں آپؐ نے دوبارہ پہن لیں البتہ اگر کوئی شخص اپنی خوشی سے کوئی تحفہ پیش کر دے تو یہ کراہت سے خالی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس میں بھی واپس لینے کی نیت اور فریق ثانی کی طرف سے کچھ وصول نہ ہونے پر ناراضگی کا اظہار کا فرمانہ ہو۔

دولہا کے ساتھ غیر اخلاقی حرکات کرنا:

شادی کے موقع پر دولہا کے ساتھ بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ غیر اخلاقی حرکات کی جاتی ہیں مثلاً دولہا کو ٹوٹی ہوئی چارپائی یا کرسی پر بٹھانا، گرانے کی کوشش کرنا، نمک، مرچ ملا دو دھ پانا اور زور سے قہقہہ لگانا اس کے ساتھ ہنسی مذاق اور چھیڑ چھاؤ کرنا اس کی جوتی چرانا اور چرائی کا معاوضہ وصول کئے بغیر واپس نہ کرنا یہ سب نامناسب ہی نہیں بلکہ کھلی ہوئی بے حیائی تیز زبردست نفقے کے باعث حرام ہے۔

آخر کون سا طریقہ ہے؟ اول تو چوری دوسرے سینہ زوری قدم قدم پر رقم بنورنے کے حربے اور شادی بیاہ کے نام پر کھلی ذمہ داری۔

دروازے کی چوکھٹ پر چاول:

جب دلہن سسرال کے گھر میں اپنا پہلا قدم رکھتی ہے تو اس کے قدموں میں کسی

برتن کے اندر چاول یا دیگر غذائی اجناس ڈال کر رکھی جاتی ہیں اس برتن کو دلہن پاؤں سے وٹھیل کر اس میں موجود چیز کو گراتی ہے۔ (العیاذ باللہ) اس سے ایک شگون لیا جاتا ہے کہ اس طرح کرنے سے اس گھر میں رزق کی اس قدر فراوانی ہوگی کہ پامال کیا جائے گا، کیا وہیات و خرافات ہے؟ یہ رسم ہمیں تو ہم پرست ہندو سے ورثے میں ملی ہے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ قرآن تو کہتا ہے (الہین شکرتکم لازیدنکم ولین کفرتم ان عذابہی لشدید) (ابراہیم: ۷) اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ عطا کروں گا اور اگر ناکردی و ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بہت سخت ہے۔ اس آیت کو سامنے رکھتے ہوئے غور سے دیکھا جائے تو یہ بات اچھی طرح معلوم ہوتی ہے کہ یہ رزق کی فراوانی کا سبب ہے یا کمی کا؟ افسوس قرآن تو کہتا ہے کہ نعمت کی قدر دانی پر مزید نعمتیں حاصل ہوں گی مگر ہم قرآن کے حکم کو پس پشت ڈالتے ہوئے ہندوؤں کی رسم و رواج پر یقین کئے بیٹھے ہیں کہ رزق کے ساتھ اس طرح تو ہن آمیز رویہ اختیار کرنے پر فراوانی حاصل ہوگی۔ اس تفصیل میں تیل ڈالنے کی رسم بھی شامل ہے۔

ویڈیو فلم بنوانا یا تصاویر اتروانا:

شادی کے موقع پر دولہا دلہن اور حاضرین کی تصویریں بناتے ہیں اسی طرح گھر کے بعض حصوں میں تصویریں آویزاں کرتے ہیں یا تصویر والے کپڑوں سے سجاتے ہیں یہ فعل شریعت کے خلاف ہے۔ مجسم، غیر مجسم، شمع، غیر شمع، دسٹی، گیمبرہ والی ہر طرح کی تصاویر بنانے کی اسلام نے مخالفت کی اور تصاویر بنانے والوں کے لئے سخت وعید فرمائی۔

اس ضمن میں تصاویر بنانے کے نقصانات پر تحقیق پیش کرتے ہیں۔

جو خواتین اخبارات یا رسائل میں اپنی تصاویر شائع کراتی ہیں ان کے لئے شریعت

کی کھلی خلاف ورزی کے باعث انتہائی گھناؤنے اور گھمبیر مسائل پیدا ہو سکتے ہیں اور ان کی زندگی اجیرن بن سکتی ہے۔

انٹرنیٹ پر بے حیائی اور فحاشی کو فروغ دینے والے عناصر نے کمپیوٹر ٹیکنالوجی کے ذریعے انتہائی مہارت سے شریف گھرانوں کی لڑکیوں کی عریاں تصاویر شائع کرنا شروع کر دی ہیں جس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ کسی لڑکی کی عام سی تصویر حاصل کرتے ہیں اور پھر کمپیوٹر کے ذریعے اس کے چہرے کے ساتھ کسی عریاں عورت کا جسم جوڑ کر اسے انٹرنیٹ پر جاری کر دیتے ہیں یوں شریعت کی خلاف ورزی کرنے والی عورتیں پوری دنیا میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتیں۔ یہ صورت حال عورتوں کے علاوہ مردوں کے ساتھ بھی پیش آ سکتی ہے چہرہ کسی کا اور جسم کسی کا پھر یہ مرد بھی کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتا۔

بارات ایک بدعت

بارات ہندوؤں کی ایجاد اور ان کی رسم ہے:

اصل میں یہ بارات وغیرہ ہندوؤں کی ایجاد ہے کہ پہلے زمانہ میں امن نہ تھا اکثر راہزنوں اور قزاقوں (ڈاکوؤں) سے دوچار ہونا پڑتا تھا اس لئے دولہا، دلہن اور اسباب زیور وغیرہ کی حفاظت کے لئے ایک جماعت کی ضرورت تھی اور حفاظت کی مصلحت سے بارات لے جانے کی رسم ایجاد ہوئی اور اسی وجہ سے فی گھر ایک آدمی لیا جاتا تھا کہ اگر اتفاق سے کوئی بات پیش آئے تو ایک گھر میں ایک ہی بیوہ ہو اور اب تو امن کا زمانہ ہے اب اس جماعت کی کیا ضرورت ہے؟ اب حفاظت وغیرہ تو کچھ مقصود نہیں صرف رسم کا پورا کرنا اور نام آوری مد نظر ہوتی ہے۔ (مصلح الباحیہ)

بارات کی قطعاً ضرورت نہیں:

صاحبو! ان رسموں نے مسلمانوں کو تباہ کر ڈالا ہے اسی لئے میں نے مقتنی کا نام قیامت مغربی اور شادی (بارات) کا نام قیامت کبریٰ رکھا ہے۔
اب تو بارات بھی شادی کا رکن اعظم سمجھا جاتا ہے (اور اس کے بغیر شادی ہی نہیں ہوتی) اس کے لئے کبھی دولہا والے اور کبھی دلہن والے بڑے بڑے اصرار اور بھکار کرتے ہیں اور اس سے غرض ناموری (شہرت) اور تقاضا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کا رشتہ کیا اور رشتہ (طے کرنے) کے وقت تو حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود تھے لیکن نکاح کے وقت تو حضرت علی رضی اللہ عنہ خود بھی موجود نہ تھے۔ بلکہ معلق نکاح ہوا تھا کہ ان رضی علی یعنی اگر علی رضی اللہ عنہ رضامندی ظاہر کریں چنانچہ جب وہ حاضر ہوئے تو انہوں نے کہارضیت اب نکاح تام ہوا۔

میرا یہ مطلب نہیں کہ اس قصہ کو سن کر دولہا بھاگ جایا کرے شاید بعض لوگ ایسی سمجھ کے بھی ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ بارات وغیرہ کے تکلف کی ضرورت نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نوشرہ کے ہونے کی ضرورت نہیں سمجھی پھر بارات کا ہونا کیوں ضروری سمجھا جائے؟

بارات کے چند مفاسد

بارات نا اتفاقی اور ذلت کا سبب ہے:

اس بارات کے لئے کبھی دولہا والے کبھی دلہن والے بڑے بڑے اصرار و تکرار کرتے ہیں اور اس سے مقصود صرف ناموری اور تفاخر ہے اکثر اس میں ایسا بھی کرتے ہیں کہ بلائے پچاس اور چاہنے والے تو بن بلائے اس طرح کسی کے گھر جانا حرام ہے۔

((مَنْ دَخَلَ عَلَى غَيْرِ دَعْوَةٍ دَخَلَ سَارِقًا وَخَرَجَ مُغْنِيًّا))

(ابوداؤد)

حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص بن بلائے کسی کے گھر چلا جائے وہ گیا تو چور ہو کر اور نکال لیا ہو کر یعنی ایسا گناہ ہوتا ہے جیسے چوری اور لوٹ مار کر لیا۔ پھر دوسرے شخص کی اس میں بے آبروئی بھی ہو جاتی ہے کسی کو رسوا کرنا یہ دوسرا گناہ ہوا۔

پھر ان امور کی وجہ سے اکثر جانہن میں ایسی ضد اخدی اور بے لطفی (کدورت بلکہ بسا اوقات رنجش) ہوتی ہے کہ عمر بھر قلوب میں اس کا اثر باقی رہتا ہے چونکہ نا اتفاقی حرام ہے اس لئے اس کے اسباب بھی حرام ہوں گے اس لئے یہ فضول رسم ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ (اصلاح رسوم)

اب تو ان رسموں کی بدولت بجائے محبت و الفت کے جو کہ میل ملاپ سے اصلی مقصود ہے اکثر رنج و تکرار اور شکایت (کی نوبت آ جاتی ہے) پرالے کیوں کا تازہ کرنا اور صاحب تقریب کی عیب جوئی اور تذلیل کے درپے ہونا اور اسی طرح کی دوسری

خراپیاں دیکھی جاتی ہیں۔ اور چونکہ ایسا لینا دینا کھانا کھانا عرفاً لازم ہو گیا ہے اس لئے کچھ فرحت و مسرت بھی نہیں ہوتی نہ دینے والے کو کہ وہ ایک بے گاری اتارتا ہے نہ لینے والے کو کہ وہ اپنا حق ضروری یا معاوضہ سمجھتا ہے۔ پھر لطف (و محبت) کہاں اس لئے ان تمام خرافات کا حذف کرنا واجب ہے۔

بارات اور قابل فکر بات:

ڈرافٹور کیا جائے کہ جس طرح اپنی لڑکی یا اپنے گھر کی کسی لڑکی 'پوتی یا نواسی' بھانجی یا بھتیجی کی شادی میں جب اپنی حیثیت اپنی وسعت اور اپنے انتظام اور بلاوے سے زیادہ لوگوں کی بارات آ جاتی ہے تو خود ضرورت سے زیادہ پریشانیاں نظر آنے لگتی ہیں۔ باراتیوں کی خاطر و مدارات 'ضیافت' و تواضع اپنی عزت و ناموس کو بچانے کی خاطر باراتیوں کی پاسداری اور رواداری کی حد درجہ فکر لاحق ہوتی ہے اور ذہن ہر وقت متفکر رہا کرتا ہے کہ کس طرح عزت اور سہولت سے سارا کام نمٹ جائے۔

اسی طرح یہ بھی سوچنا چاہئے کہ اپنی ہی طرح ہر شخص اپنی بہن بیٹیوں بھانجیوں اور نواسیوں کی شادیوں میں حیران و سرگرداں اور پریشان نظر آتا ہوگا۔ ہمارا بارات میں جانا آخر کس طرح درست ہوگا؟

اور اس بات پر بھی توجہ دیں کہ جس کے دروازے پر آپ اپنی یا اپنے بھائی کی شادی پر اپنے لڑکے یا اپنے پوتے لے جا کر اس کے سر کا بوجھ بنا رہے ہیں وہ خود ہی گل سے ہونے والا آپ کا عزیز رشتہ دار کہلائے گا اور اس کی بیٹی یا بہن پوتی یا نواسی آپ ہی کی جیتی بیوی یا بہو کہلائے گی۔

تو کیا آپ اس ہونے والی بیوی یا بہو کے گھر والوں اور رشتہ داروں کو مشقت اور پریشانیوں میں ڈالنا ان کی ضرورتوں میں اضافہ کرنا اخلاقی حیثیت سے گوارا کر سکیں گے؟

قیام و طعام اور باراتیوں کا طرز عمل:

معاشرہ میں بارات کا مقصد فقط نوش کی عظمت اس کی شان و شوکت اس کے وقار اور اس کی خوشی کو دو بالا کرنا ہے مگر باراتیوں کا مدعا غائے خاص عمدہ کھانا اور سونے کے لئے بہتر بچھونا اور شان و بان ہے اگر یہ چیزیں انہیں خوش اسلوبی اور وقت سے مل گئیں تو تعریف اور مدحت سرائی کے جس قدر الفاظ چاہیں ان سے سن لئے جائیں۔

لیکن اگر برعکس ہوا کھانے پینے میں کوئی نقص پیدا ہو گیا یا قیام و طعام کے حسن میں کوئی فرق آ گیا یا کوئی کمی رہ گئی ہو یا حسب منشا کھانا نہ ملا تو لعن و طعن سب و شتم اور اخلاق سے گرے ہوئے ناشائستہ الفاظ سنے جائیں۔

حالانکہ ان کا یہ رعب ان کا غصہ ان کا تعیض اور ان کی خستہ زنی اور منہ بسورنا ہی ان کی بد اخلاقی کا حد درجہ ثبوت ہے اس لئے کہ ان کا جانا ہی اول غلط ہوا اور دوسرے گئے بھی تو ذرا ذرا سی باتوں پر طعنہ زن ہوتا قیام و طعام میں چہ میگوئیاں اور عیوب و نقائص پر انگلیاں اٹھانا زبان کھولنا اور ایسا ویسا کہنا آدمیت اور انسانی رواداری نہیں ہے بلکہ خستہ قلب 'فرومانگی' اور بد اخلاقی کا بدترین مظہر ہے۔

اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمْ عَلَى أَخِيهِ الْمُسْلِمِ فَلْيَأْكُلْ مِنْ طَعَامِهِ

وَلَا يَسْأَلْ وَيَسْأَلُ مَنْ سَأَلَهُ وَلَا يَسْأَلُ)) (بیہقی)

"تم میں سے جب کوئی اپنے مسلمان بھائی کے ہاں آئے تو جو کچھ وہ کھلائے کھالے چہ میگوئیاں نہ کرے اور جو کچھ پلائے پی لے چوں چہ انہ کرے۔"

باراتی کھانا:

احادیث میں لڑکے کی طرف سے نکاح کے بعد بطور ولیمہ کھانے کا ثبوت ملتا ہے جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی کیا اور اس کے کرنے کا حکم بھی دیا ہے اس کے علاوہ اور کسی طرح کے کھانے کا حکم شادیوں کے سلسلے میں نہیں ملتا بارات کا تو نام و نشان بھی نہیں چڑ جائیکہ لڑکی والوں کی طرف سے کھانے کا ذکر ملے۔

چنانچہ علماء نے بارات کا کھانا جو اگرچہ مباح ہے خلاف سنت قرار دیا ہے اور احقر خلاف سنت ہی نہیں بلکہ لڑکی والوں پر ظلم عظیم سمجھتا ہے۔ چنانچہ متقی اور پرہیزگار لوگ اور بارات میں جاتے ہی نہیں اگر گئے بھی تو بارات کے کھانے میں شریک نہیں ہوتے تاکہ لڑکی والوں کے ہاں کھانے کی رسم ٹوٹ جائے۔

باراتی کھانے کا جواز آخر کس طرح؟

شرعی اور اخلاقی حیثیت سے باراتی کھانے کا ثبوت اور اس کا جواز کیسے مل سکتا ہے اور اس قدر تعداد میں لوگوں کو ایک ایسے شخص کے گھر جا کر کھانے کی اجازت کیسے دی جا سکتی ہے جس کے دروازے سے بچپن کی پروردہ لڑکی اس کے آنکھوں سے اوجھل نئے لوگ ماحول اور نئے گھرانے میں ہمیشہ ہمیش کے لئے منتقل ہو رہی ہے خدا جانے اس کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ کیا جائے گا یا اس کو گھر کی لونڈی یا دور جاہلیت کی طرح گائے بھینس کی مانند استعمال کرنے کا جانور سمجھا جائے گا؟ اس کی زندگی کے شب و روز سکون و طمانیت اور آرام و ذہانت کے شاداب پھولوں کی طرح گزریں گے یا دکھ درد اور رنج و مصیبت کی خطرناک جھاڑیوں میں بسر ہوں گے؟

چنانچہ اسی بیم ورجا کے گرداب میں چھننے والی لڑکی کی کشمکش حیات کے فرط غم اور اس کے اسباب رخصتی کے انتظام میں اس کے گھر والے خود ہی آشفستہ حال پریشان اور سراپہ رنج رہتے ہیں وہ کیا بچارے باراتیوں کی خاطر تو واضح ان کی قدر و منزلت اور ان

کی عزت اور ان کا احترام صحیح معنوں میں کر سکیں گے؟ پھر بھی اگر کر دیتے ہیں تو بوجہ عزت اور غیرت۔

آپ ہی بتائیں کہ بچپن سے گود میں پلی ہوئی لڑکی کے جانے کا ایک غم تو اس پر خود لاحق ہے مزید سینکڑوں کی تعداد میں پہنچ کر دوسرا غم ڈالنا اور دوسرا غم بننا اور ان کے انتظامی امور میں افراتفری کرنا بہت دھرمی اور رزائل پن نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا یہی نسبت ہے؟

مروجہ جہیز ایک ہندوانہ رسم

شادی بیاہ کی بیشتر رسومات ہندوانہ کلچر سے مسلمانوں نے اخذ کی ہیں کیونکہ برصغیر میں مسلمانوں کی فتوحات اور آمد سے پہلے ہندوؤں کا راج تھا جو کروڑوں خداؤں کے پجاری اور بوں کھربوں رسومات میں جکڑے ہوئے اور کسی بھی سماوی دین سے گھوموں میل دور تھے حتیٰ کہ بے شمار ہندوؤں کے اسلام میں داخل ہونے کے باوجود ان کی زندگی سے ہندوانہ چھاپ کے اثرات محو نہ ہو سکے اور بے شمار قبیح رسومات اور فضول روایات مسلسل ان میں چلی آتی ہیں۔ علاوہ ازیں تقریباً ایک ہزار سال تک مسلمان انہی ہندوؤں کے ساتھ بود و باش اختیار کرتے رہے اگرچہ مسلمانوں نے ہمیشہ اسلامی تشخص کا امتیاز برقرار رکھنے کی کوششیں کیں لیکن تالاب میں ڈبکی لگا کر خشک ہی باہر آ جانا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن سی بات ہے۔ بہر حال میں اس گہرائی میں نہیں جانا چاہتا کہ مسلمان ان ہندوانہ رسومات کے تالاب میں لوٹ پوٹ کر کس قدر ”کچھڑ“ اپنے ساتھ پاکستان لے آئے تاہم جہیز کی رسم اس کی ایک ادنیٰ سی مثال ہے جو ہندوانہ معاشرے سے بطور ”تختہ“ مسلمان اپنے ساتھ لائے ہیں۔

دراصل ہندوانہ معاشرے میں والدین اپنی لڑکیوں کو وراثت میں شامل نہیں کرتے بالکل اسی طرح جس طرح دور جاہلیت میں اہل عرب اپنی لڑکیوں کو وراثت سے محروم کر دیتے تھے بلکہ دور جاہلیت کے اہل عرب میں وراثت کا حقدار صرف سب سے بڑا لڑکا ہوتا تھا جو باپ کی وراثت کے ساتھ اپنی سوتیلی ماں کا بھی وارث قرار پاتا تھا۔ لیکن جب نبی کریم ﷺ اس معاشرے میں تشریف لائے تو دین اسلام کی چمکی نکھری اور سادگی پر مبنی تعلیمات کے ذریعے دور جاہلیت کے تمام طوقوں کو آپ نے کاٹ پھینکا اور ان تمام رسومات سے لوگوں کو آزادی دی جن کی وجہ سے معاشرے کا

منالی ذلہن

۲۹۹

ایک بہت بڑا حصہ ظلم و ستم میں گھرا رہا تھا اسی احسان عظیم کی طرف قرآن مجید نے اس طرح اشارہ فرمایا:

”وہ (نبی) انہیں نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں لہذا جو لوگ اس نبی پر ایمان لا کر ان کی حمایت اور مدد کرتے ہیں اور اسی نور (ہدایت) کی پیروی کرتے ہیں جو اس کے ساتھ بھیجا گیا ہے ایسے لوگ ہی کامیاب ہونے والے ہیں۔“ (الاعراف: ۱۵۷)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو امن و امان اور سکون و راحت بہم پہنچانے کے لئے جن سنہری احکام کا اجزا کیا ان میں سے ایک حق وراثت تھا یعنی نبی بھی باپ کے اثاثہ میں حقدار اور صاحب نصاب ہے۔ اس کے برعکس ہندوانہ معاشرے میں آج بھی یہ رسم قاتل موجود ہے کہ نبی کو وراثت سے محروم کر دیا جاتا ہے لیکن اس کا فطری رد عمل یہ ہے کہ شادی کے موقع پر والدین زیادہ سے زیادہ سامان مہیا کر کے نبی کو رخصت کرنے کا اظہار کرتے ہیں کہ اب اس کا ہمارے ساتھ ہر طرح کا تعلق منقطع ہو رہا ہے تو اس کی دلجوئی کے لئے کچھ نہ کچھ سامان ضرور ہونا چاہئے۔ جسے ہندو ”دان“ (خیرات) سے موسوم کرتے ہیں اور مسلمانوں نے اسے ”جہیز“ کا نام دے لیا۔ یہ صرف نفلی مغایرت ہے وگرنہ معنوی طور پر دان اور جہیز میں کوئی فرق نہیں۔

یہ بات حرف آخر ہے کہ جو لوگ انفرادی یا اجتماعی طور پر کتاب و سنت کی شاہراہ پر گامزن رہیں گے وہی دنیا و آخرت میں کامیاب ہوں گے اور اگر دین اسلام کی سچی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا جائے تو دور جاہلیت کے ان گنت مسائل و مصائب از سر نو اسلامی معاشروں میں درآئیں گے اور فی الواقع اب ایسا ہو رہا ہے۔

ماہِ عسل (ہنی مون):

دولہا دولہن شادی کے بعد نئی زندگی کے خوشگوار لمحات کو انجوائے کرنے کے لئے کچھ وقت علیحدہ گزارنا چاہیں یا ان ایام کو یادگار بنانے کے لئے کسی خوبصورت مقام کی سیر و سیاحت پر نکل جانا چاہیں تو اس میں کچھ حرج نہیں خصوصاً شادی کے ابتدائی ایام میں مشترکہ خاندانی نظام کی بھیڑ سے بچنے کے پیش نظر ایسے خاندان کے نئی شادی شدہ جوڑوں کے لئے مناسب ہے کہ کچھ وقت الگ ماحول میں گزاریں تاکہ میاں بیوی ایک دوسرے کے مزاج سے اچھی طرح واقف ہو سکیں اور ایک دوسرے کو بھرپور اعتماد میں لے سکیں۔ نیز ایک دوسرے سے کھل کھلا کر اظہارِ محبت کر سکیں۔

یوں بھی قرآن پاک میں جا بجا عبرت و نصیحت کے نقطہ نظر سے سیر و سیاحت کا حکم ملتا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ﴾

(الانعام: ۱۱)

”اے پیغمبر! آپ فرما دیجئے (لوگو!) زمین میں چلو پھرو پھر دیکھو جہنماں والوں کا انجام کیسے ہوا؟“

دوسری آیت میں ہے:

﴿قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ﴾

(النمل: ۶۹)

”اے پیغمبر! آپ فرما دیجئے زمین میں سیر و سیاحت کرو اور دیکھو مجرموں کا انجام کیسے ہوا؟“

پھر کیا بعید ہے کہ نیا شادی شدہ جوڑا اپنی سیر و سیاحت میں جنسی تسکین سے لطف

اندوز ہونے کے ساتھ عبرت و نصیحت کے پاکیزہ جذبات کو شامل نہ کر سکے۔ مگر ایک مسلمان شادی شدہ جوڑے سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ جنسیات کے پیچھے دیوانہ وار پڑ کر نماز و تلاوت و ذکر و اذکار اور دیگر شرعی ذمہ داریوں میں کوتاہی برتے اس لئے مناسب ہے کہ ماہِ عسل کا اکثر حصہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں دین سیکھنے اور پھیلانے میں لگائیں تاکہ نئی زندگی کی ابتداء ہی نیک اعمال کی پابندی سے ہو اگر کچھ وقت بچے تو پھر اسی جگہ کے قدرتی مناظر سے لطف اندوز ہونے میں اگر گزارنا چاہیں تو خوشی سے گزاریں۔ اگر گنجائش ہو تو ہنی مون منانے کی بجائے عمرہ کرنے چلے جائیں تاکہ ان مقدس مقامات میں اپنے لئے ہونے والی اولاد کے لئے اور پوری امت کے لئے خوب دعا مانگیں۔

لیکن اگر محض یہود و نصاریٰ کی رسم ادا کرنا ہو تو پھر ماہِ عسل ہنی مون منانا منع ہے۔

مناسب شوہر کا انتخاب

لڑکی کے نکاح کے بارے میں اس بات کا لحاظ ضروری ہے کہ لڑکے کی دینداری کو دیکھ لیا جائے کیونکہ بغیر دینداری کے حقوق کی ادائیگی نہیں ہوتی جیسا کہ عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے کہ جو لوگ دیندار نہیں وہ حقوق کی ادائیگی کی بالکل پرواہ نہیں کرتے اس لئے اگر لڑکا بے دین ہو تو اس کے ساتھ لڑکی کی شادی ہرگز نہ کریں خواہ وہ دنیاوی طور پر کیسا ہی صاحب کمال ہو۔ جب تک آدمی دین کا پابند نہ ہو تو اس کی کسی بات کا اعتبار نہیں کیونکہ اس کا کوئی کام حدود کے اندر نہیں ہوگا۔ اگر دوستی اور محبت ہوگی تو وہ بھی حد سے بڑھی ہوئی ہوگی اور اگر کسی سے دشمنی اور نفرت ہوگی تو وہ بھی حد سے بڑھی ہوئی ہوگی۔

دینداری کی تعریف:

دینداری کو آج کل ہم نے صرف نماز روزے کے اندر منحصر کر رکھا ہے لیکن یہ درست نہیں ہے بلکہ دن کے اصولی اجزاء پانچ ہیں:

نمبر ۱: عقائد۔ نمبر ۲: عبادات۔ نمبر ۳: معاملات۔ نمبر ۴: معاشرت۔ نمبر ۵: تہذیب اخلاق۔

جو شخص ان تمام امور کا خیال رکھے وہ صحیح طور پر دیندار کہلانے کا مستحق ہے۔ فقہاء کرام کی عبارات سے بھی ہمیں ایسی ہی تعلیمات ملتی ہیں۔ رد المحتار میں ہے:

والمرأة تختار الزوج الدين الحسن والخلق الدوسعة

ولا تتزوج فاسقاً

عورت ایسے مرد کو اپنا شوہر نہائے جو دیندار با اخلاق اور وسیع الظرف ہو عورت اس مرد کو شوہر نہ بنائے جو دین سے بے گانہ ہو۔

اسی طرح اگر باپ اپنی لڑکی کی شادی کرے تو وہ بھی ان ضروری باتوں کو پیش نظر رکھے جیسا رواج ہو گیا کہ جاہل اور لالچی باپ جب اپنی لخت جگر کے لئے شوہر کا انتخاب کرتا ہے تو اس کی نگاہ دولت پر ہوتی ہے۔ عمر صلاحیت اور ذاتی شرافت پر نہیں ہوتی۔ اس رواج سے بھی متغیر ہونا اور گریز کرنا انسانی فریضہ ہے۔ فقہاء کرام لکھتے ہیں:

ولا يزوج ابنته الشابة شيخاً كبيراً ولا رجلاً دميماً
(رد المحتار ایضاً)

باپ اپنی جوان لڑکی کو کسی بڑھے اور بد صورت مرد سے نہ بیاہے۔

ہم عمری کا لحاظ:

لڑکی کی شادی میں شوہر کے ہم عمر ہونے کا لحاظ بھی ولی کا اخلاقی اور مذہبی فریضہ ہے۔ سرور کائناتؐ نے اپنی جگر گوشت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی میں ہم عمری کا لحاظ رکھا تھا۔ نسائی نے ایک باب الگ باندھا ہے:

تزوج المرأة مثلها في السن

یعنی عورت کی شادی اس کے ہم عمر سے کرنا۔ اور اس باب کے تحت میں حضرت بریدہؓ سے یہ روایت منقول ہے:

خطب ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما قاطمة فقال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انها صغيرة فخطبها

علیٰ فزوجها منه (نسائی ج ۲ ص ۴۹)

حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ نے حضرت فاطمہؓ سے شادی کا پیغام بھیجا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ (فاطمہ) کمسن ہے۔ پھر حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ سے نکاح کر لئے پیغام دیا تو آپؐ نے ان سے حضرت فاطمہؓ

کی شادی کر دی۔

محدثین نے اس حدیث کے ضمن میں لکھا ہے کہ ہم عمری کا لحاظ بڑی حد تک ضروری ہے اور یہ بڑے فوائد پر مشتمل ہے۔ گویا یہ بات مسلم ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت عائشہؓ سے ان کی کم سنی میں شادی کی مگر یہاں جو مقصد پیش نظر تھا وہ سب سے اہم تھا۔ دنیا کو اس کا علم ہے کہ حضرت عائشہؓ کے ذریعہ دین کا کتنا بڑا حصہ پھیلا اور اسلام کی کتنی عظیم الشان خدمت اس سلسلہ سے انجام پذیر ہوئی۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس مرد سے شادی ہو رہی ہے وہ ہر اعتبار سے مناسب و موزوں ہو دینی لحاظ سے بھی اور دنیوی پہلو سے بھی تاکہ باہم موافقت اور انس اور محبت قائم رہے۔ شرعی تعلیمات کی روشنی میں مردوں میں جن خوبیوں کا ہونا سمجھ میں آتا ہے ان کا اجمالی بیان یہ ہے:

✽ مرد دیندار اور نیک طبیعت ہو اسلامی عقائد میں شک و شبہ نہ ہو یا تمسخر و استہزاء سے پیش نہ آئے۔

✽ خوشی اور غم میں شریک ہونے والا اور نرم مزاج ہو اور اپنے متعلقین کے حقوق ادا کرنے کی اس سے توقع ہو۔

✽ پاک دامن امانت دار مہذب اور شاکر و صابر ہو۔

✽ صالح اور باعزت خاندان کا رکن اور خود بھی تعلیم یافتہ ہو۔ نیک صفتوں کا مالک اور عیوب سے پاک ہو۔ طبیعت میں صلاحیت ہو کہ اہل علم اور بزرگوں کا ادب کرنا

✽ بقدر ضرورت نان و نفقہ پر اس کا قادر ہونا ضروری ہے۔

✽ ان تین باتوں کا دیکھنا اور لحاظ کرنا بہت ضروری ہے۔

(۱) قوت اکتساب (یعنی باہنر یا مستقل کمائی کا ذریعہ رکھتا ہو)

(۲) کفایت (برابری) میں زیادہ تفاوت نہ ہو

حج (۱) دینداری

ان باتوں کو دیکھنے کے بعد زیادہ چھان بین چھوڑ دے ورنہ وہی بات پیش آئے گی جس کا ذکر حدیث میں آیا ہے کہ جب اخلاق اور دین کے ساتھ مناسبت ہو تو نکاح کر دیا کرو ورنہ زمین میں بہت بڑا فساد پھیل جائے گا۔

نکاح میں لڑکی کی رضامندی

حد بلوغ تک پہنچنے کے بعد عاقل لڑکا اور لڑکی جس طرح دنیا کے دوسرے معاملات میں بڑی حد تک آزاد ہوتے ہیں اسی طرح اسلام نے ان کی شادی کرنے میں بھی حدود اللہ کے اندر رہتے ہوئے آزادی بخشی ہے۔ والدین اور دوسرے اقربا اس شعبہ زندگی میں اپنے تجربات کی روشنی میں معتدل مشورے ضرور دے سکتے ہیں اور ان کو مشورہ دینا بھی چاہئے مگر یہ دباؤ اور جبر نہیں ڈال سکتے۔ شادی کرنے والے جوڑے کو چاہئے کہ اپنے بزرگوں کے مشوروں کو قبول کریں کہ ان کی رائے پختہ ہوتی ہے اور محبت اور شفقت میں ڈوبی ہوئی۔ بایں ہمہ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ ان کو ان مشوروں کو قبول کرنے پر اسلام نے مجبور نہیں کیا ہے۔

عورتوں کو شوہر کے انتخاب میں اختیار:

عورتیں جن کو ہم ہندوستان کے ماحول میں مجبور محض سمجھتے ہیں اسلام نے ان کو اتنا مجبور ہرگز نہیں کیا جتنا سمجھا جاتا ہے۔ بالغ لڑکوں کی طرح بالغ لڑکیوں کو بھی اس معاملے میں بڑی حد تک آزادی ہے۔ نکاح کے معاملے میں بالغ لڑکیوں کی رضامندی اور اجازت ہر حالت میں ضروری قرار دی گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لا تنکح الایم حتی تسامر ولا تنکح البکر حتی تستاذن

(بخاری: باب لا ینکح الاب وغیرہ البکر والثیب الا برضاہما)
بیوہ کی شادی اس وقت تک نہ کی جائے جب تک اس کا حکم نہ لے لیا جائے اور کنواری عورت کا نکاح بھی اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اس کی

اجازت حاصل نہ کر لی جائے۔

دوسری حدیث اس سے بھی واضح ہے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

الایمة احق بنفسها من ولیہا والبکر یستأذنها فی

نفسہا واذنہا صماحتہا

بیوہ عورت خود اپنی ذات کی ولی سے زیادہ حق دار ہے اور کنواری کے نکاح کے وقت اس سے اجازت لے لی جائے اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے۔

تیسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وہ عورت جو شبیہ ہے بذات خود ولی سے زیادہ حق دار ہے اور کنواری سے اس کا باپ اجازت حاصل کرنے اور اس کی اجازت اس کا چپ رہنا ہے۔

ان حدیثوں میں جوں و بہر اختیار کیا گیا ہے اور جو باتیں بیان کی گئی ہیں ان پر سنجیدگی سے غور کریں اور پھر فیصلہ کریں کہ پیغمبر اسلام کا فشاء کیا ہے؟ عورتوں کو شادی کے معاملے میں مختار بنایا گیا ہے یا ان کے اختیار کو سلب کر لیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن کو ذرا بھی فہم و عقل عطا کی وہ یہ فیصلہ دینے پر مجبور ہوں گے کہ اسلام نے عورتوں کی شادی کرنے کے سلسلہ میں مجبور محض نہیں بنایا ہے بلکہ ان کی منظوری کو ضروری قرار دیا ہے۔ بغیر عورت کی رضا حاصل کئے ہوئے اس کی شادی کسی مرد سے نہیں کی جاسکتی۔

ولی کی ذمہ داری:

ولی کا فریضہ ہے کہ پہلے بالغ سے رضا حاصل کرے پھر وہ کسی مرد سے اس کی شادی کی بات چیت طے کرے۔ حد یہ کہ باپ جو لڑکی کے حق میں سراپا رحیم و شفیق ہوتا

ہے اس کو بھی پیغمبر اسلام ﷺ دے رہے ہیں کہ لڑکی کی رائے معلوم کرے اور اس کی اجازت حاصل کرے پھر اس کی شادی پسند کے مطابق کرے۔

مگر اسلام نے جہاں لڑکی کی رضا اور اجازت کو ضروری قرار دیا ہے وہاں لڑکی کی حیاء اور شرم کو بھی مجروح نہیں ہونے دیا بلکہ لڑکی کے سکوت کو بھی اجازت کا درجہ ہے اگر وہ کنواری ہے۔ ہاں اگر شیبہ ہے تو اس کی صراحتاً اجازت کی ضرورت ہے۔

عورت کی عدم رضا سے نکاح کا رد عہد نبویؐ میں:

حدیث میں ایک صحابیہ حضرت خنساء بنت حزام کا واقعہ مذکور ہے کہ ان کے باپ نے کسی شخص سے ان کی شادی کر دی۔ حضرت خنساء کو یہ رشتہ پسند نہ آیا۔ دربار نبویؐ میں حاضر ہوئیں اور درخواست کی۔ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خنساء کی درخواست قبول فرمائی اور ان کے باپ کے کہنے ہوئے نکاح کو رد فرمادیا۔

دوسرا واقعہ عبد اللہ بن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک باکرہ عورت رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں آئی اور بیان کیا کہ میرے باپ نے جس سے میری شادی کر دی ہے وہ مجھے پسند نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو اختیار دے دیا جی چاہے رکھو جی چاہے رد کر دو۔

باپ کو بھی جبر کا اختیار نہیں:

ایک واقعہ بریدہ بیان کرتے ہیں کہ ایک نوجوان عورت دربار نبویؐ میں حاضر ہوئی اور بیان کیا کہ میرے والد محترم نے میری شادی میرے چچا زاد بھائی سے کر دی ہے جو مجھے پسند نہیں ہے۔ اس عورت کی اس رشتہ سے ناگواری سن کر آپؐ نے معاملہ عورت کے ہاتھ میں دے دیا کہ تم کو اس نکاح کے رکھنے نہ رکھنے کا اختیار ہے۔ عورت نے یہ سن کر اطمینان کی سانس لی اور بولی کہ میرے باپ نے جو کچھ کیا اس کی اجازت دے چکی ہوں لیکن اس وقت سوال کرنے اور حضورؐ سے جواب حاصل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ

عورتوں کو سبق دوں کہ باپ کے ہاتھ میں یہ نہیں ہے کہ بالغ لڑکی کی رضا حاصل کئے بغیر شادی کرے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

ولكن اردت ان تعلم النساء ان ليس الى الاباء من الامر شيء

(ابن ماجہ: باب من زوج ابنته وهي كارهة)

عبدالرحمن بن یزید اور مجمع بن یزید ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص سے جو خدام کے نام سے مشہور تھے انہوں نے اپنی لڑکی کی شادی کی۔ ان کی لڑکی کو یہ رشتہ پسند نہ آیا چنانچہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا چنانچہ آپؐ نے اس کے باپ کے کہنے ہوئے نکاح کو باطل قرار دے دیا اور پھر اس عورت نے ابولبابہ بن عبدالمندر سے شادی کی۔

ان حدیثوں کو پڑھنے کے بعد اس کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے کہ بالغ عورت کی شادی میں اس کو مجبور نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کو شوہر کے انتخاب میں پورا اختیار ہے اور اس ساری کدوکاوش اور اختیارات کا مقصد یہ ہے کہ عفت و عظمت، محبت و مودت اور بقائے نسل انسانی جو نکاح کے بنیادی مقاصد ہیں وہ بحسن و خوبی انجام پذیر ہوں۔

اجازت لینے کا طریقہ اور چند ضروری مسائل:

① اگر عورت خود وہاں (مجلس نکاح) میں موجود ہو اور اشارہ کر کے یوں کہہ دے کہ میں نے اس کا نکاح تمہارے ساتھ کیا وہ کہے کہ میں نے قبول کیا تب بھی نکاح ہو گیا نام لینے کی ضرورت نہیں۔

② اور اگر وہ وہاں موجود نہ ہو تو اس کا بھی نام لے اور اس کے باپ کا بھی نام لے اتنے زور سے کہ گواہ سن لیں اور اگر باپ کو بھی لوگ جانتے نہ ہوں تو دادا کا نام لینا بھی ضروری ہے۔ غرض یہ کہ ایسا پتہ ہونا چاہئے کہ سننے والے سمجھ لیں کہ فلانی

(لڑکی) کا نکاح ہو رہا ہے۔

③ جوان کنواری لڑکی سے ولی نے آکر کہا کہ میں تمہارا نکاح فلانے (لڑکے) کے ساتھ کئے دیتا ہوں۔ اس پر چپ رہی یا مسکرا دی یا رونے لگی تو بس یہی اجازت ہے۔ اب وہ ولی نکاح کر دے تو یہ نکاح صحیح ہو جائے گا یہ نہیں کہ جب زبان سے کہے تب ہی اجازت سمجھی جائے۔ جو لوگ زبردستی کر کے زبان سے قبول کراتے ہیں وہ بہت برا کرتے ہیں۔

④ (البتہ اگر) ولی نے اجازت لیتے وقت شوہر کا نام نہیں لیا نہ اس کو پہلے سے معلوم ہوا تو ایسے وقت چپ رہنے سے رضامندی ثابت نہ ہوگی اور اجازت نہ سمجھیں گے بلکہ نام و نشان بتانا ضروری ہے جس سے لڑکی اتنا سمجھ جائے کہ یہ فلاں شخص ہے۔ اسی طرح اگر مہر نہیں بتلایا اور مہر مثل سے بہت کم پر نکاح پڑھ دیا تو عورت کی اجازت کے بغیر نکاح نہ ہوگا اس لئے قاعدہ کے موافق پھر اجازت لینی چاہئے۔

⑤ نکاح (صحیح) ہونے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ کم سے کم دو مردوں کے یا ایک مرد اور دو عورتوں کے سامنے کیا جائے اور وہ لوگ اپنے کانوں سے نکاح ہوتے ہوئے وہ دونوں لفظ کہتے سنیں تب نکاح ہوگا (بہشتی زیور)۔

پیغام دینے کا پسندیدہ طریقہ

نسوانیت کے احترام فطری حیاء اور صنفی نزاکت کا اصل تقاضا یہ ہے کہ نکاح کی پیشکش عورت کی یا اس کے سرپرستوں کی طرف سے نہ ہو بلکہ مرد کی جانب سے ہو تاکہ وہ طالب اور پیشکش کرنے والا بنے اور عورت مطلوب۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ پیغام مرد کی طرف سے جائے اور وہ بھی براہ راست عورت کے پاس نہیں بلکہ اس کے (اگر سرپرست موجود ہیں تو) سرپرستوں کے پاس جائے اور یہ ذرا سی بے نیازی اور عزت نفس کا مظاہرہ کریں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے افضل الانبیاء اور سید البشر ہونے کے باوجود متعدد ازواج مثلاً حضرت عائشہ ام سلمہ ام حبیبہ وغیرہ کو خود ہی پیغام بھیجا تھا۔ مگر بعض مخصوص موقعوں اور ضرورتوں پر عورت یا اس کے سرپرستوں کی طرف سے بھی پیغام بھیجا جاسکتا ہے۔ اس کی نظیریں بھی احادیث میں ملتی ہیں۔

مشہور محدث امام بخاریؒ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "صحیح بخاری" میں باب عرض الانسان ابنته واخته علی اهل الخیر کا عنوان یہی بتانے کے لئے قائم کیا اور اس کے تحت حضرت عمرؓ کا یہ واقعہ نقل کیا کہ جب ان کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ بیوہ ہو گئیں اور ان کے نکاح کی فکر ہوئی تو پہلے انہوں نے از خود حضرت عثمانؓ سے شادی کی پیشکش کی۔ حضرت عثمانؓ نے چند روز کے بعد معذرت کر دی۔ پھر حضرت ابو بکر صدیقؓ سے کہا کہ تم پسند کرو تو حفصہؓ کو اپنی زوجیت میں قبول کر لو۔ وہ بھی خاموش رہے کیونکہ نبی اکرمؐ کے ارادہ نکاح کا انہیں علم ہو چکا تھا۔

اس عنوان اور واقعہ سے معلوم ہوا کہ بہتر اور مناسب موقع کے لئے عورت یا

اس کے اولیاء خود بھی پیشکش کر سکتے ہیں اور پیغام دے سکتے ہیں اگرچہ اس زمانہ میں بھی عورت کی طرف سے پیغام دینا حیا کے خلاف سمجھا جاتا تھا چنانچہ حضرت عائشہؓ نے یہ سن کر کہ ایک خاتون نے رسول اللہؐ سے نکاح کی خواہش ظاہر کی ہے فرمایا تھا: اما تستحي المرأة ان تحصب نفسها للرجل۔

شادی سے پہلے عورت کو دیکھنا

اسلام نے عفت اور عصمت کے تحفظ کے لئے اس کی بھی اجازت دی ہے کہ ممکن ہو تو بغیر کسی خاص اہتمام کے عورت کو شادی سے پہلے دیکھا بھی جاسکتا ہے اور خواتین کو بھی چاہیے کہ اس کو اپنی انا کا مسئلہ نہ بنائیں جیسا کہ آج کل تو یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہم کوئی بھیڑ بکریاں تھوڑی ہیں کہ کوئی دیکھے اور پسند کرے۔

ارے بچیو!

کیوں خود ہی احساس کمتری کا شکار ہو کر ذرا اسی بات پر Complex کا شکار ہوئی جاتی ہو۔ آپ کو تو اسلام نے وہ مقام عطا کیا جس سے بڑھ کر رشتوں میں کوئی مقام ہی نہیں۔ اس دیکھنے کی بابت حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا:

اذا خطب احدکم المرأة فان استطاع ان ينظر الی ما يدعوه الی نکاحها فلیفعل

(رواہ ابو داؤد: مشکوٰۃ، سنن ابی نعیم: سنن ابی داؤد)

تم میں سے جب کوئی عورت کو پیام نکاح دے اور وہ اس چیز کے دیکھنے پر قدرت رکھتا ہو جو اس عورت کے نکاح کی طرف داعی ہو تو اس کو ایسا کرنا چاہئے۔

معلوم ہوا نکاح سے پہلے مہذب اور شرعی طریقہ پر عورت کو دیکھ سکتا ہے تو دیکھ لے تاکہ تذبذب جاتا رہے اور شادی کرنے میں عورت کی طرف سے جو شکوک و شبہات ہیں دور ہو جائیں۔ آئندہ کے لئے یہ بھی فائدہ ہوگا کہ عورت کے متعلق کوئی ایسی بات

کہنے کا موقع نہ رہے گا جس سے عورت کی سبکی ہو اور اس طرح مقاصد نکاح بخوبی بروئے کار آسکیں گے۔ گو یہ ضروری نہیں کہ خود ہی دیکھے کوئی دوسرا دیکھ لے اور اس کے بیان پر اعتماد ہو تو یہی کیا جائے۔ مزید اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ عورت کے متعلق جو معلومات حاصل کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ دین بھال خاندان خوشحالی اور اس طرح کی دوسری باتیں تاکہ اطمینان حاصل کیا جاسکے۔

دیکھنے کے لئے مشورہ نبوی (ﷺ):

حضرت مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی شادی کا تذکرہ کیا۔ آپ نے فرمایا: تو نے دیکھ لیا ہے؟ حضرت مغیرہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: نہیں یا رسول اللہ۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا:

فانظر اليها غائبة احري ان يودم بينكما (ترمذی: باب ما جاء في النظر الى لمخطوبه)

اس عورت کو دیکھ لو اس لئے کہ یہ باہمی تعلقات کی استواری کے لئے مناسب ہے۔

یہ فرمان نبوی کھلا ثبوت ہے کہ جس عورت سے شادی ہونے والی ہے اس کو دیکھ لینا اور کچھ نہیں تو مستحب ضرور ہے۔ ترمذی نے بھی لکھا ہے کہ بعض اہل علم اس حدیث کی طرف گئے ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ عورت کو دیکھ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں شادی سے پہلے بشرطیکہ اس کا وہ حصہ نہ دیکھا جائے جس کا دیکھنا حرام ہے اور یہی مذہب امام احمد اور اسحاق کا ہے۔ پھر امام ترمذی فرماتے ہیں:

ومعنى ان يودم بينكما قال احري ان يودم المودة بينكما

(ترمذی)

ان تو دم بینکما کے معنی ہیں کہ تم میں پائیدار محبت رہے۔

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص جس

نے ایک عورت سے شادی کرنے کا ارادہ کیا تھا پوچھا: انظر اليها (کیا تو نے اسے دیکھ لیا ہے؟) اس نے نفی میں جواب دیا۔ حضور کو جب معلوم ہوا کہ اس نے دیکھا نہیں ہے اور شادی کرنا چاہتا ہے تو آپ نے فرمایا:

اذهب فانظر اليها فان في عين الانصار شيئا.

(مسلم: باب ندب من اراد امرأة الى ان ينظر قبل خطبتها: ج ۱ ص ۴۵۶)

امام نووی کی شرح:

امام نووی اس حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اس عورت کو دیکھنا جس سے شادی کرنے کا ارادہ کیا جائے مستحب ہے۔ مزید تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جمہور ائمہ کا مذہب یہ ہے کہ اس دیکھنے میں عورت کی رضا شرط نہیں ہے بلکہ بغیر اطلاع عورت کی غفلت پا کر بھی اس کو دیکھا جاسکتا ہے۔ عورت سے طلب اذن کی بھی شرط نہیں ہے عورت سے بغیر اجازت حاصل کئے اسے دیکھا جاسکتا ہے۔ اجازت کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے اور اس طرح کے معاملہ میں عورت کو اجازت دینے میں حیا بھی دامن گیر ہوا کرتی ہے اور معاملہ دھوکا کا ہے یقینی نہیں کیونکہ عموماً ایسا ہوا کرتا ہے کہ عورت کو دیکھا جاتا ہے اور وہ پسند نہیں آتی جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دیکھنے والا شادی نہیں کرتا ہے تو اگر اجازت کے حصول کے بعد دیکھا جائے تو شادی نہ کی جائے تو اس کو اس سے اذیت اور دلی تکلیف ہوگی اور اگر بغیر اطلاع دیکھ لی گئی اور اس سے شادی نہ کی گئی تو یہ فعل اس کے لئے موجب اذیت نہ ہوگا کیونکہ اس کو علم ہی نہیں ہے اور اسی وجہ سے ہمارے اصحاب (شوافع) کہتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ شادی کا پیغام بھیجنے سے پہلے ہی دیکھ لیا جائے تاکہ اگر پسند نہ آئے تو بغیر کسی تکلیف دینے ہوئے معاملہ ختم ہو جائے گا بخلاف اس صورت کے کہ پیغام نکاح کے بعد دیکھی جائے اور پسند نہ آنے پر چھوڑ دی جائے۔

ہمارے اصحاب (شوافع) کا قول ہے کہ اگر خود دیکھنا ممکن نہ ہو تو کسی ایسی عورت کو دیکھنے کے لئے بھیجا جائے جس پر اعتماد اور وثوق ہو تاکہ وہ آکر صحیح صحیح خبر دے اور یہ سب نکاح کی بات چیت کرنے سے پہلے ہونا چاہئے۔

محمد بن مسلمہ فرماتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إذالقى الله في قلب امرء خطبة امرأ فلا باس ان ينظر اليها

(ابن ماجہ: باب النظر الى المرأة الخ)

اللہ تعالیٰ جب کسی شخص کے دل میں کسی عورت سے نکاح کرنے کی خواہش ڈال دے تو اس کے لئے اس عورت کو دیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

دیکھنے میں اخلاص و اعتدال:

ان تمام حدیثوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ شادی سے پہلے عورت کو دیکھ لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں اچھا ہے۔ خواہ خود اپنی آنکھوں سے ہو یا کسی معتمد عورت کے ذریعہ سے ہو۔ اس سے بڑی حد تک اطمینان قلب ہوتا ہے اور شادی کرنے میں شکوک و شبہات اور شیطانی وساوس پیدا نہیں ہوتے پھر اس سلسلہ کے ابتدائی فتنے سر نہیں اٹھاتے۔ البتہ لازمی شرط یہ ہے کہ اخلاص ہو دیکھنے سے منشاء فتنہ پیدا کرنا نہ ہو۔ فقہاء بھی دیکھنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ مولانا تور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قالوا يجوز النظر الى المخطوبة كيلا ينجر الامر الى الفساد وقالوا يخلص النية عند ابتداء النظر ثم يفوض الامر الى الله

(العرف الشذی: باب النظر الى المخطوبة - ص ۳۹۰)

فقہاء نے کہا ہے کہ جس سے شادی کرنا چاہتا ہے اس کو دیکھنا جائز ہے تاکہ معاملہ فساد پر نہ کرے اور یہ بھی کہا ہے کہ دیکھتے وقت نیت میں خلوص ہو پھر معاملہ اللہ کے سپرد کر دے۔

شادی سے پہلے دیکھنا مستحب ہے:

اب یہ سوال کہ شادی سے پہلے عورت کو دیکھنا کیسا ہے؟ اس باب میں عموماً علماء مستحب کے قائل ہیں جسے وہ ندب کے لفظ سے ظاہر کرتے ہیں، صرف مولانا ثناء اللہ پانی پتی نے سنت کے لفظ سے تعبیر کیا ہے مگر مقصد ایک ہی ہے چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں:

سن للخاطب ان ينظر الى وجه المخطوبة وكفيها قبل

النكاح اجماعاً (تفسير مظہری: سورة النساء - ص ۶)

شادی کرنے والے کے لئے مسنون طریقہ یہ ہے کہ نکاح سے پہلے (عورت) مخطوبہ کو دیکھ لے۔ مخطوبہ کا چہرہ اور ہتھیلی دیکھنا بالاتفاق جائز ہے۔ فقہ کی کتابوں میں عام طور پر ندب ہی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے:

يندب اعلانه والنظر قبله

(در مختار - ج ۲ ص ۱)

نکاح کا اعلان اور نکاح سے پہلے دیکھنا مستحب ہے۔

ويندب نظر الزوج الى زوجته قبل العقد وان خاف

الشهوة

(الكواكب المشرقة - ص ۳)

عقد سے پہلے شوہر کا بیوی کو دیکھنا مستحب ہے گو شہوت کا خوف ہو۔

حدیثیں جو نقل کی جا چکی ہیں وہی بنیاد ہیں۔ صحابہ کرام کا بھی اس پر عمل تھا وہ بھی شادی سے پہلے عورت کو دیکھ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت جابر کا خود بیان ہے کہ میں نے ایک عورت کو شادی کا پیغام دیا اور میں نے چھپ کر اسے دیکھنے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب ہو گیا اور دیکھنے کے بعد اس میں کچھ ایسی باتیں دیکھیں کہ میں نے اس سے شادی کر لی۔

حضرت محمد بن مسلمہؒ فرماتے ہیں کہ میری نسبت ایک عورت سے ٹھہری میں نے چھپ کر اس کو دیکھنے کی سعی کی۔ بالآخر میں نے ایک دن اس کو اپنے باغ میں دیکھ لیا۔ ان کی اس حرکت پر بہت لوگوں نے اعتراض کیا کہ رسول اللہؐ کے صحابی ہو کر ایسا کرتے ہو۔ محمد بن مسلمہؒ کہتے ہیں: میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ دیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

حضرت عمرؓ کے متعلق نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے حضرت علیؓ کو کہلا بھیجا کہ آپ کی لڑکی ام کلثوم سے شادی کا ارادہ رکھتا ہوں اور اس روایت کے اخیر میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے پہلے ان کو دیکھ لیا تھا۔

دیکھنے کا شرعی طریقہ

مگر یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ ہمارے یہاں دیکھنے کی اجازت تو ضرور ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس سلسلہ میں وہ رواج بھی ہمارے یہاں جائز ہے جو غیر قوموں میں ہے کہ شادی سے پہلے ہونے والے میاں بیوی ایک مدت تک بے باکی کے ساتھ ملی جلی زندگی گزارتے ہیں اور عشق اور محبت کی وادی طے کر کے نکاح کی منزل پر پہنچتے ہیں۔ یہ طریقہ اسلام میں بالکل جائز نہیں ہے۔ ابھی حضرت جابر کے دیکھنے کا واقعہ نقل کیا گیا اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اسلام میں دیکھنے کی کیا نوعیت تھی۔ پھر یہ بات بھی واضح رہے کہ اسلام میں شریف عورت کا سارا جسم ستر ہے سوائے چہرہ اور ہتھیلی یا زیادہ سے زیادہ قدمین (یعنی پاؤں) بھی ان تین (چہرہ - ہتھیلی - قدمین) کے سوا دوسرے حصہ جسم کا عورت کے لئے کھولنا غیر مرد کے لئے جائز نہیں جیسا کہ تفصیل کے ساتھ آئندہ معلوم ہوگا تو بس ہمارے یہاں اسی حد تک دیکھنا چاہئے۔ دیکھنے میں تجسس جائز نہیں۔ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ عورت کو علم ہو کہ مجھے دیکھا جا رہا ہے۔ مرد کو مخطوبہ کے متعلق یقین کے ساتھ کسی طرح ضروری معلومات ہو جانا چاہئے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ صرف چہرہ اور ہتھیلی دیکھنا چاہئے چنانچہ لکھتے ہیں:

ثم انما يباح له النظر الى وجهها وكفيها فقط لانهما ليسا

بعورة ولانه ليستدل بالوجه على الجمال وبالكفين على

خصوصية البدن او عدمها (شرح مسلم، جلد ثبیرا - صفحہ نمبر ۳۵۶)

مرد کے لئے جائز ہے کہ مخطوبہ (جس سے شادی کرنا ہے) کا چہرہ اور ہتھیلی دیکھ لے کہ یہ دونوں ستر میں نہیں ہیں اور اس لئے کہ چہرہ سے خوبصورتی معلوم ہو جائے گی اور ہتھیلی سے بدن کی تروتازگی کا اندازہ مل جائے گا۔ یہ بالکل درست ہے کہ چہرہ دیکھ کر

آدمی عورت کی تراش خراش کا بڑی حد تک اندازہ لگا سکتا ہے۔ خوبصورتی اور بد صورتی چہرہ سے عیاں ہو جاتی ہے بلکہ آدمی ذرا ذہین ہو تو صرف چہرہ سے اس کی زندگی کے متعلق بہت کچھ معلومات حاصل کر سکتا ہے۔ قدرت نے چہرہ کو ظاہری بدن کا قلب بنایا ہے اور اگر اسے آلہ باطن نہ کہا جائے تو غلط نہیں۔

اس سلسلہ میں مولانا ثناء اللہ پانی پتی کا قول پہلے نقل کیا جا چکا ہے وہ بھی کہتے ہیں کہ نکاح سے پہلے مخطوبہ کا چہرہ اور اس کی ہتھیلی دیکھ لی جائے۔ حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ باقی قدمین۔ اس کا فقہاء نے بعض شرعی بنیاد پر اضافہ کیا ہے۔

گو اس باب میں علماء کا اختلاف ہے کہ مخطوبہ کا کونسا اور کتنا حصہ دیکھا جائے۔ چہرہ ہتھیلی پر تو اجماع ہے اس میں کسی کا بھی اور امام اوزاعی کہتے ہیں کہ مواضع کم کو دیکھا جائے گا اور داؤد دغاہری فرماتے ہیں کہ غلیظ حصوں کے سوا تمام بدن کو دیکھنا جائز ہے۔

آپ آگے پڑھیں گے کہ شریعت اسلام میں پہلی نگاہ جو پڑھ جائے اس کی اجازت ہے باقی پھر دوبارہ نہ ڈالی جائے اس کی قطعاً اجازت نہیں ہے کہ کوئی مرد اجنبی عورت سے تنہائی میں ملے اور بات چیت کرے۔ بوقت ضرورت لوگوں کے سامنے البتہ مل سکتا ہے۔ یہ اور اس طرح کی بہت ساری ہدایات آپ وہاں پڑھیں گے۔ ان کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ ہمارے یہاں دیکھنے کی گواہ اجازت ہے مگر ضرورت کی حد تک اور اعتدال کے ساتھ۔ اس سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔ عورت کو اس کے گھر میں اس کے دن رات کے لباس میں دیکھ لے اور پس۔ پھر شرط یہ ہے کہ نگاہ پاکیزہ ہو اور دل میں کوئی روگ نہ ہو۔

قالوا يخلص النية عند ابتداء النظر ثم يفوض الامر الى

الله (العرف الشذی ص ۳۹)

شرع میں دیکھتے وقت نیت مخلص ہو پھر معاملہ اللہ کے سپرد ہو۔

ان قوانین سے اسلام کا منشاء یہ ہے کہ شادی میں ان تمام ضروری امور کا لحاظ رکھا

جائے جس کی وجہ سے آئندہ ملی جلی زندگی میں کوئی بد مزگی پیدا نہ ہونے پائے اور مقاصد نکاح اس رشتہ سے پوری طرح ادا ہوں۔

ان تمام احادیث اور واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ شریعت میں لڑکے لڑکی پر شادی سے قبل ایک دوسرے کو دیکھنے میں کوئی پابندی نہیں لڑکا لڑکی ایک دوسرے کے ظاہری خدوخال سیرت و کردار سے متعلق اچھی طرح اندازہ کر لیں اور جب شادی ہونے لگے تو دونوں اپنی رضامندی سے ایک دوسرے کو قبول کریں۔ مناسب یہ ہے کہ والدین اپنی موجودگی میں چائے یا کھانے کی میز پر لڑکی لڑکے کی ملاقات کروادیں مگر واضح رہے کہ یہ دیکھنا شادی کے مقصد سے ہونا چاہئے ورنہ منگیتر کو لذت و شہوت اور گناہ بھری نگاہ سے دیکھنا ناجائز ہے۔

امام غزالی فرماتے ہیں پہلے زمانے کے لوگ دھوکہ سے بچنے کے لئے اپنی بیٹیوں کا نکاح دیکھ کر کیا کرتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں دھوکہ خوبصورتی کے بارے میں بھی ہو سکتا ہے اور اخلاق و کردار کے بارے میں بھی ہو سکتا ہے اس لئے مناسب ہے کہ ایک نظر دیکھ کر خوبصورتی سے متعلق دھوکا کھانے سے بچا جائے اور اچھی طرح تحقیق و تفتیش کر کے اخلاق سے متعلق دھوکہ میں پڑنے سے بچا جائے۔ مگر انتہائی افسوس کی بات ہے کہ آج ہم مسلمان حضرات تعلیم کی تعلیمات و ہدایات سے کتنی دور اور افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ شریف گھرانوں کے لوگ زیادہ پڑ و قار بنتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت کو نظر انداز کر دیتے ہیں عموماً وہ اپنی لڑکی کو کھانے کی بھی اجازت نہیں دیتے اگر کوئی لڑکا شادی سے قبل اپنی منگیتر کو دیکھنا چاہے تو اسے حیا باختہ اور مغرب زدہ سمجھا جاتا ہے۔ جبکہ بعض مسلمان اہل مغرب کی تقلید میں اتنا آگے نکل چکے ہیں کہ وہ لڑکے اور لڑکی کو منگیتی سے قبل اور منگیتی کے بعد خلوت و تنہائی اور اندر باہر آنے جانے کی تمام اجازت دے دیتے ہیں جس کے برے نتائج سب کے سامنے ہیں اور بسا اوقات اس کا انجام انتہائی خطرناک نکلتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی ممالک میں زیادہ تر عورتیں طلاق لے لیتی ہیں

لیکن ایک اسلامی معاشرے کے حالات اس کے بالکل برعکس ہیں۔ اسلام ہمیں جدید اصولوں سے ہم آہنگ ہونے سے منع نہیں کرتا لیکن ہمیں جدت کے نام پر تاریکیوں کے ان غاروں میں بھی اترنے کی اجازت نہیں دیتا جہاں فقط جنسی بد حالی کو پہنچے ہوئے انسان ماں، بہن اور بیٹی کے رشتے کو بھول جائے۔ جہاں ڈیننگ اور پیننگ جیسے گھناؤنے اصول رواج پا جائیں۔ آئیے اس نئے بارے میں ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ یہ کیا خرافات ہیں؟

ایک نئی وباء:

نوجوان لڑکے لڑکیاں شادی سے قبل آپس میں بے تہجک ملتے جلتے ہیں۔ سیر و تفریح کرتے ہیں تاکہ شادی سے قبل وہ ایک دوسرے کو بخوبی سمجھ سکیں۔ پہلی ملاقات کی تہجک وقتی ہوتی ہے جو جلد ہی اپنائیت میں بدل جاتی ہے اسی وقت انہیں جاننا ہوتا ہے کہ ان کی پسند کیسی ہے۔ عادات کیسی ہیں؟ زندگی کے بارے میں ان کا نظریہ کیا ہے؟ دوسرا قدم آگے بڑھاتے ہوئے وہ جسمانی دوری کو ختم کر دیتے ہیں ایک دوسرے سے لپٹنا، چومنا اس سلسلہ میں عام سی بات ہوتی ہے اس طرح کے عام جنسی کھیل کے ذریعہ وہ ایک دوسرے کو زیادہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں تیسرا قدم ایک دوسرے کو ٹھونسنے کا ہوتا ہے جس کے تحت وہ ایک دوسرے کے مخصوص جسمانی اعضاء کو چھونے اور ان کے ساتھ کھیلنے کے لئے آزاد ہوتے ہیں۔ اس کے بعد انہیں فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ کیا وہ ایک کامیاب میاں بیوی بن سکیں گے؟ فیصلہ اگر ہاں میں ہو تو وہ شادی کر لیتے ہیں اور اگر اتنا لمبا اتنا آزادانہ جنسی کھیل کھیلنے کے بعد وہ محسوس کریں کہ ان کا مزاج اور عادات آپس میں نہیں ملتیں تو کسی دوسرے جوان لڑکے یا لڑکی کے ساتھ یہی سلسلہ دوسری تیسری بار یا بہت بار چلتا رہتا ہے۔ (جنسی تعلقات)

ضروری گزارش

ماں باپ کی رضا مندی:

لڑکے لڑکی کو شریک حیات کا انتخاب والدین اور سرپرستوں کی اجازت و مشورہ کے بغیر کر لینا درست نہیں ہے بلکہ اپنی پسند کے ساتھ ساتھ والدین اور ولی کی اجازت بھی ضروری ہے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین اور سرپرستوں کی اجازت و رضا کے بغیر انجام پانے والے نکاح کو رد فرما دیا ہے۔

ذرا غور کریں تو معلوم ہوگا کہ واقعتاً آج کے دور میں بعض نوجوان لڑکے لڑکیاں اپنے والدین کی رضا اور انہیں گوش گزار کئے بغیر اپنا شریک حیات منتخب کر کے رشتہ ازدواج قائم کر لیتے ہیں اور بعد میں نا تجربہ کاری کی وجہ سے ازدواجی کشمکش اور تناؤ میں پھنس کر خون کے آنسو روتے ہیں پھر انہیں ماں باپ کی رضا اور رائے کا ضروری ہونا سمجھ میں آتا ہے لہذا سخت ضرورت ہے کہ لڑکے لڑکیاں اپنی پسند کے ساتھ ساتھ اپنے بزرگوں کی بھی رضا مندی اور خوشنودی کو مد نظر رکھیں اور چھپ چھپ کر نکاح کا عہد و پیمان کرتے ہوئے نا تجربہ کاری کا ثبوت دے کر روزِ روز کی کھٹ پٹ میں پھنس کر آئے دن کا رونا نہ روئیں۔

لڑکے لڑکی کی رضا مندی:

اسی طرح ماں باپ اور ذمہ دار حضرات کو بھی چاہئے کہ محض اپنی صوابدید پر لڑکے لڑکی کے لئے شریک حیات کا انتخاب نہ کر لیں بلکہ رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے والے لڑکے لڑکی کی پسند و پسند کو مد نظر رکھنا ضروری ہے۔

یاد رکھئے! اسلام ایک حقیقت پسند ترقی یافتہ اور ترقی پسند مذہب ہے! اسلام اس

قدرتِ نگر نہیں کہ لڑکے اور لڑکی کو ان کے مستقبل سے متعلق پسند ناپسند میں لب کشائی کا موقع نہ دے اسلام ماں باپ کو اولاد کی مرضی معلوم کئے بغیر ایسی جگہ رشتے ازدواج میں جھونک دینے کی اجازت نہیں دیتا کہ لڑکے اور لڑکی کو اپنے شریک حیات کی شکل و صورت اور عادات و اخلاق کا ذرہ برابر علم نہ ہو۔

اسلام لڑکے کی طرح لڑکی کو بھی اپنا رفیق زندگی منتخب کرنے کی اجازت دیتا ہے لیکن ہمارے ہاں یہ رواج ہے کہ لڑکے کی پسند ناپسند کو بہت اہمیت دی جاتی ہے بعض اوقات لڑکے خود بھی ضد کر کے یا کسی نہ کسی طرح اپنے رد عمل کا اظہار کر کے اپنی بات منوا لیتے ہیں لیکن اس کے مقابلے میں لڑکیوں کی پسند ناپسند کو قطعاً کوئی اہمیت نہیں دی جاتی کچھ تو لڑکیوں میں قدرتی لڑکوں کی نسبت جھجک زیادہ ہوتی ہے اور وہ اپنی پسند یا ناپسند کا اظہار نہیں کر پاتیں کچھ مشرقی رسم و رواج ایسا ہے کہ اس معاملے میں لڑکی کا اظہار خیال بے شری سمجھا جاتا ہے اور والدین لڑکیوں سے توقع رکھتے ہیں کہ جہاں کہیں وہ ان کے رشتے طے کر دیں انہیں زبان بند کر کے وہاں چلے جانا چاہئے شرعاً یہ طرز عمل درست نہیں گولڑی کو چاہئے کہ ماں باپ کے منتخب کردہ جوڑے پر خوش رہے اور ان کی رضا اپنی رضا سمجھے تاہم لڑکی کی مرضی کے بغیر کئے گئے نکاح کے معاملے میں آپ نے لڑکی کو پورا اختیار دیا ہے کہ وہ چاہے تو نکاح باقی رکھے اور چاہے تو ختم کر دے لہذا نکاح سے قبل لڑکیوں کی طرح لڑکیوں کو بھی اپنی پسند ناپسند کے اظہار کا پورا پورا موقع دینا چاہئے۔

اگر والدین لڑکی کے انتخاب کو کسی وجہ سے غلط سمجھتے ہوں تو اسے زندگی کے خفیہ و فراز سے آگاہ کر کے اتنا تو کر سکتے ہیں کہ اس کی پسند کو بدل دیں مگر یہ نہیں کر سکتے کہ اس کی مرضی کے بغیر زبردستی کسی جگہ اس کا نکاح کر دیں یہ طرز عمل نہ صرف یہ کہ شرعاً ناجائز ہے بلکہ دنیاوی اعتبار سے بھی اس کے نتائج تکلیف دہ اور پریشان کن بن سکتے ہیں۔

لڑکے، لڑکی کی رائے معلوم کرنے کا طریقہ:

اچھا طریقہ یہ ہے کہ جن سے وہ بے تکلف ہوں جیسے ہم عمر دوست اور سہیلیاں ان کے ذریعہ سے ان کے مافی الضمیر (دل کی بات) کو معلوم کر لیا جائے اور تجربہ کی بات ہے کہ اس طریقہ سے ضرور ان کے خیالات معلوم ہو جاتے ہیں اور بعض دفعہ تو بے دریافت کئے ہوئے وہ خود ہی ایسے بے تکلف دوستوں سے اپنی پسندیدگی یا ناپسندیدگی ظاہر کر دیتے ہیں اور اولیاء تک وہ خبریں پہنچ جاتی ہیں۔

لڑکے، لڑکی کی مرضی کے بغیر شادی کر دینے کا انجام:

ایک کوتاہی یہ ہے کہ اکثر مواقع میں لڑکے لڑکی کی مرضی حاصل نہیں کی جاتی، تعجب ہے کہ نکاح جو عمر بھر کے لئے دو شخصوں کا تعلق ہے جس کے ساتھ ہزاروں معاملات وابستہ ہیں وہ تعلق تو ہو کسی اور کا اور رائے ہو دوسرے کی گوان دونوں کے مصالح کے خلاف ہو اور گو وہ اپنی ناخوشی بھی ظاہر کرتے ہوں مگر ان سے ذرا بھی نہ پوچھا جائے اور زبردستی نکاح کر دیا جائے۔ بعض دفعہ عین وقت تک ان میں سے ایک برابر انکار کرتا رہتا ہے مگر اس کو جبر کر کے خاموش کر دیا جاتا ہے اور عمر بھر کی مصیبت میں اس کو جوت دیا جاتا ہے کیا اس میں ہزاروں خرابیوں کا مشاہدہ نہیں کیا جاتا؟

کیا ظلم و ستم ہے کہ بعض مہمل مصلحتوں کو پیش نظر رکھ کر ان کے خیال کی پروا نہیں کی جاتی اور ان کو گھونٹ داب کر اس بلا میں پھنسا دیا جاتا ہے۔

بہت سے مقامات ایسے ہیں کہ ناپسندیدگی کی حالت میں نکاح کر دیا گیا پھر شوہر نے عمر بھر بیوی کی خبر نہیں لی اور سمجھانے پر صاف جواب دے دیا کہ میں نے تو اپنی رائے ظاہر کر دی تھی جنہوں نے یہ عقد کیا ہے وہی اس کے ذمہ دار ہیں۔ اب ہٹلائیے اس کا کیا علاج ہے؟ بزرگوں کی تو مصلحت ہوئی اور غریب مظلوم عورت قید میں گرفتار

ہوئی کہاں ہیں یہ فرسودہ عقل والے؟ اب آئیں اور اس مظلومہ کی مدد کریں مگر مدد کیا کرتے اس وقت تک مر کھپ بھی گئے اور زندہ بھی رہ گئے تو یہ بات کہہ کر الگ ہو جاتے ہیں کہ صاحب! کوئی کسی کی قسمت میں تو گھس نہیں گیا ہم کیا کریں اس کی قسمت ہائے غضب کیا غضب کا جواب ہے۔

کچھ منگنی کی بابت

شادی سے پہلے شادی کی بات چیت طے کرنا اور شادی کے لئے لڑکے اور لڑکی کے سر پرستوں کا ایک دوسرے کے سامنے اظہار رضا مندی کرنا منگنی کہلاتا ہے۔ نکاح و رخصتی سے پہلے نکاح کی چنتہ بات کر لینا یا دوسرے لفظوں میں منگنی کر لینا جائز ہے۔ لیکن درحقیقت منگنی صرف وعدہ ہے جو صرف زبان سے ہوا کرتا ہے۔ اس موقع پر شادی کا سماں پیدا کرنا اور فضول خرچی کرنا انتہائی نامناسب ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک عورت سے منگنی (نکاح کی بات) کی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا:

انظر اليها فانها احري ان يؤدم بينكما

اس عورت کو دیکھ لو کیونکہ یہ تمہارے درمیان محبت قائم رکھنے میں زیادہ مناسب ہوگا۔

یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ شادی سے پہلے منگنی کرنا محض جواز کی حد تک ہے ورنہ یہ کوئی شادی کا ضروری حصہ نہیں کہ پہلے منگنی ہی کی جائے پھر ایک عرصہ کے بعد نکاح و رخصتی کی جائے۔ عہد رسالت میں منگنی کے بجائے نکاح کا رواج زیادہ تھا اور خود نبی اکرمؐ نے بھی سیدھا نکاح کا راستہ اختیار کیا البتہ آپ کے بعض نکاحوں میں ازواج مطہرات کی رخصتی فوراً ہی ہوگئی جبکہ بعض کی رخصتی قدرے تاخیر سے ہوئی۔ ہاں البتہ اگر کسی کولڑکے یا لڑکی یا ان کے خاندان کی طرف سے کوئی خدشہ یا خطرہ ہو تو وہ تحفظات کے پیش نظر منگنی کی رخصت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے بلکہ ایسی صورت میں پہلے منگنی کرنا ہی مناسب رہتا ہے تاکہ منگنی کے بعد دونوں خاندانوں کے لئے ایک دوسرے کو دیکھنے جانچنے اور پرکھنے کا موقع مل جائے۔

بارات کی ایک جائز صورت

شادی کے موقع پر لڑکے والے حسب ضرورت چند ایک متعلقہ لوگوں کو لے کر لڑکی والوں کے گھر جاسکتے ہیں مگر سیکڑوں کی تعداد میں دور و نزدیک کے تمام رشتہ داروں دوستوں بچوں عورتوں پر مشتمل بسوں اور گاڑیوں کا قافلہ لے کر لڑکی والوں کے ہاں جانا اسلام کی سادہ اور پاکیزہ تعلیمات کے یکسر منافی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی ہندوانہ رسم ہے۔ باقی رہا چند لوگوں کا شادی کے موقع پر جمع ہونا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

نکاح کی مجلسیں

(حضورؐ نے جب حضرت فاطمہؑ کا عقد نکاح فرمایا) تو ارشاد فرمایا کہ اے انس! جاؤ اور ابو بکر و عمر و عثمان و طلحہ و زبیر اور انصار کی ایک جماعت کو بلا لاؤ۔ اس سے معلوم ہوا کہ نکاح کی مجلس میں اپنے خاص لوگوں کو مدعو کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں اور حکمت اس میں یہ ہے کہ نکاح میں اشتہار و اعلان ہو جائے جو کہ مطلوب ہے مگر اس اجتماع میں غلو اور مبالغہ نہ ہو۔ وقت پر بلا تکلف دو چار آدمی قریب و نزدیک کے جمع ہو جائیں (وہ کافی ہیں)۔ (اصلاح الرسوم)

نکاح کون پڑھائے

- ① (حضرت فاطمہؑ کی شادی میں) حضورؐ نے ایک مبلغ خطبہ پڑھ کر ایجاب و قبول کرایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ باپ کا چھپے چھپے پھرنا خلاف سنت ہے بلکہ بہتر یہ ہے کہ خود باپ اپنی دختر کا نکاح پڑھ دے کیونکہ یہ ولی ہے (دوسرا وکیل) ولی کو بہر حال وکیل سے ترجیح ہوتی ہے نیز حضورؐ کی سنت بھی یہی ہے (اصلاح الرسوم)۔
- ② اس کا بہت اہتمام ہونا چاہئے کہ نکاح پڑھنے والا خود عالم ہو یا کسی عالم سے خوب تحقیق سے نکاح پڑھوائے۔ اکثر جگہ قاضی صاحبان نکاح کے مسائل اور ان کے متعلقات سے محض ناواقف ہوتے ہیں حتیٰ کہ بعض مواقع پر یقیناً نکاح بھی درست نہیں ہوتا تمام عمر بدکاری ہو کر رہتی ہے اور بعض ایسے طماع (لاچکی) ہوتے ہیں کہ لالچ میں آ کر جس طرح کی فرمائش کی جائے کہہ گزرتے ہیں خواہ نکاح ہو یا نہ ہو۔ (اصلاح الرسوم)

نکاح کا مسنون طریقہ

شریعت مطہرہ نے نکاح کو بہت آسان اور سادہ رکھا ہے۔ ضروری کام تو صرف ایجاب و قبول ہے۔ لیکن مسنون طریقہ یہ ہے کہ شروع میں خطبہ پڑھا جائے جس میں خاص طور پر دونوں کو نصیحتیں (بہتر زندگی گزارنے کا طریقہ) اور خدا کے خوف کا مضمون ہونا چاہئے کیونکہ زوجین کا تعلق خوف خدا کے بغیر صحیح طور پر قائم رکھنا بہت مشکل ہے کیونکہ اس میں ایک فریق (عورت) قہرہ کمزور ہوتا ہے اور کمزور کا حق دینا..... خوف خدا کے بغیر..... کسی اور وجہ سے عموماً مشکل ہی ہوتا ہے۔ پھر زوجین کے اکثر معاملات ایسے ہوتے ہیں جن کا قریبی دوستوں اور عزیزوں کے بھی سامنے لانا نامناسب خیال کیا جاتا ہے چہ جائیکہ عدالت میں لے جایا جانا۔ شاید اسی وجہ سے خطبہ مسنونہ میں جو تین آیتیں پڑھی جاتی ہیں ان سب میں تقویٰ کا مضمون ہے۔ ان میں پہلی آیت کے اندر (سورۃ النساء کی) یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ زوجین میں سے کسی بھی ایک شخص کو انسان ہونے کے لحاظ سے برتری حاصل نہیں ہے کیونکہ دونوں ایک ہی باپ (آدم) کی اولاد ہیں اس لئے شوہر بیوی کو حقیر نہ سمجھے۔

حق مہر

مہر کے متعلق نبی کریم کی احادیث طیبہ واضح ہیں۔ مثلاً

عن ابی سلمة قالت سألت عائشة کم کان صداق النبی قالت کان صداقه لازواجه اثنتی عشرة اوقیة ونش، قالت اتدری ما انش؟ قلت لا قالت نصف اوقیة فقلت

خمسمائة درهم (رواہ مسلم - مشکوٰۃ ص ۲۷۷)

حضرت ابوسلمہ کہتے ہیں کہ میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ سے دریافت کیا کہ آنحضرت کا مہر اپنی ازواج کے لئے کتنا تھا؟ فرمایا: ساڑھے بارہ اوقیہ اور یہ پانچ سو درہم ہوتے ہیں (صحیح مسلم مشکوٰۃ)

عن عمر ابن الخطاب قال "الا لا تغالوا صدقة النساء فانها لو كانت مكرمة في الدنيا وتقوى عند الله لكان اولكم بها نبي الله - ما علمت رسول الله شيئاً من نسائه ولا انكح شيئاً من بناته على اكثر من اثنتی عشرة اوقیة (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ)

والدارمی - مشکوٰۃ: ص ۲۷۷)

حضرت عمر ابن خطاب سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: دیکھو! عورتوں کے مہر زیادہ نہ بڑھایا کرو کیونکہ اگر یہ دنیا میں عزت کا موجب اور اللہ کے نزدیک تقویٰ کی چیز ہوتی تو نبی کریم تم سے زیادہ اس چیز کے مستحق تھے۔

مجھے علم نہیں کہ آنحضرتؐ نے اپنی ازواجِ مطہرات میں سے کسی سے بارہ اوقیہ سے زیادہ مہر پر نکاح کیا ہو یا اپنی صاحبِ زادیوں میں سے کسی کا نکاح اس سے زیادہ مہر پر کیا ہو (مشکوٰۃ شریف)۔

بیویوں کے حقوق میں سب سے پہلا حق مہر ہے جو شوہر کے ذمہ لازم ہوتا ہے۔ ہمارے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم (تقریباً دو تولے ساڑھے سات ماشے چاندی) ہے اور زیادہ مہر کی کوئی مقدار مقرر نہیں حسبِ حیثیت جتنا مہر چاہیں رکھ سکتے ہیں۔ یوں تو کوئی نکاح بغیر مہر کے نہیں ہوتا لیکن اس بارے میں بہت سی کوتاہیاں اور بے احتیاطیاں سرزد ہوتی ہیں۔

① ایک کوتاہی لڑکی کے والدین اور اس کے عزیز واقارب کی جانب سے یہ ہوتی ہے کہ مہر مقرر کرتے وقت لڑکے کی حیثیت کا لحاظ نہیں رکھتے بلکہ زیادہ سے زیادہ مقدار مقرر کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور بسا اوقات اس میں تنازع اور جھگڑے کی شکل بھی پیدا ہو جاتی ہے بلکہ اس سے بڑھ کر بعض موقعوں پر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اسی جھگڑے میں شادی رک جاتی ہے۔ لوگ زیادہ مہر مقرر کرنے کو فخر کی چیز سمجھتے ہیں لیکن یہ جاہلیت کا فخر ہے جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے ورنہ اگر مہر کا زیادہ ہونا شرف و سیادت کی بات ہوتی تو آنحضرتؐ کی ازواجِ مطہرات اور آپؐ کی صاحبِ زادیوں کا مہر زیادہ ہوتا حالانکہ آنحضرتؐ نے اپنی کسی بیوی کا اور کسی صاحبِ زادی کا مہر پانچ سو درہم سے زیادہ مقرر نہیں کیا۔ پانچ سو درہم ایک سو اکتیس تولے تین ماشے (۱۳۱/۴) چاندی بنتی ہے۔ اسی کو ”مہرِ فاطمی“ کہا جاتا ہے۔ بعض اکابر کا معمول رہا ہے کہ اگر ان سے نکاح پڑھانے کی فرمائش کی جاتی تو فرماتے کہ اگر ”مہرِ فاطمی“ رکھو تو نکاح پڑھائیں گے ورنہ کسی اور سے پڑھو لو۔ الغرض مسلمانوں کے لئے آنحضرتؐ کا اسوۂ حسنہ ہی لائقِ فخر ہونا چاہئے اور مہر کی مقدار اتنی رکھنی چاہئے جتنی آنحضرتؐ نے یہاں مقدس ازواج اور پیاری صاحبِ زادیوں

کے لئے رکھی۔ آپؐ سے بڑھ کر کس کی عزت ہے؟ گو اس سے زیادہ مہر رکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں لیکن زیادتی کو فخر کی چیز سمجھنا اس پر جھگڑے کھڑے کرنا اور باہمی رنجش کی بنیاد بنالینا جاہلیت کے جراثیم ہیں جن سے مسلمانوں کو بچنا چاہئے۔

② ایک کوتاہی بعض دیہاتی حلقوں میں ہوتی ہے کہ سوا تیس روپے مہر کو ”شرعِ محمدی“ سمجھتے ہیں حالانکہ یہ مقدار آج کل مہر کی کم سے کم مقدار بھی نہیں بنتی مگر لوگ اسی مقدار کو ”شرعِ محمدی“ سمجھتے ہیں جو بالکل غلط ہے۔ خدا جانے یہ غلطی کہاں سے چلی ہے لیکن افسوس ہے کہ ”میاں جی“ صاحبان بھی لوگوں کو مسئلہ سے آگاہ نہیں کرتے جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم یعنی دو تولے ۱۷ ماشے چاندی ہے اس سے کم مہر مقرر کرنا صحیح نہیں اور اگر کسی نے اس سے کم مقرر کر لیا تو دس درہم کی مالیت مہر واجب ہوگا۔

③ ایک زبردست کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ مہر ادا کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی بلکہ رواجِ بیک بن گیا ہے کہ بیویاں حقِ مہر معاف کر دیا کرتی ہیں۔ یہ مسئلہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ بیوی کا مہر بھی شوہر کے ذمہ اسی طرح کا قرض ہے جس طرح دوسرے قرض واجب الادا ہوتے ہیں۔ یوں تو اگر بیوی کل مہر یا اس کا کچھ حصہ شوہر کو معاف کر دے تو صحیح ہے لیکن شروع ہی سے اس کو واجب الادا نہ سمجھنا بڑی غلطی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص نکاح کرے اور مہر ادا کرنے کی نیت نہ رکھتا ہو وہ زانی ہے۔

④ ہمارے معاشرے میں جو اور بہت سی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ عورتوں کے لئے مہر لینا بھی عیب سمجھا جاتا ہے اور میراث کا حصہ لینا بھی معیوب سمجھا جاتا ہے اس لئے وہ چارونا چار معاف کر دینا ہی ضروری سمجھتی ہیں اگر نہ کریں تو معاشرے میں ”نکو“ سمجھی جاتی ہیں۔ دیندار طبقے کا فرض ہے کہ اس معاشرتی برائی کو مٹائیں اور لڑکیوں کو مہر بھی دلوائیں اور میراث کا حصہ بھی

دلوائیں۔ اگر وہ معاف کرنا چاہیں تو ان سے کہہ دیا جائے کہ وہ اپنا حق وصول کر لیں اور کچھ عرصہ تک اپنے تصرف میں رکھنے کے بعد اگر چاہیں تو واپس لوٹا دیں اس سلسلے میں ان پر قطعاً جبر نہ کیا جائے۔

⑤ مہر کے بارے میں ایک کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ اگر بیوی مر جائے اور اس کا مہر ادا نہ کیا ہو تو اس کو ہضم کر جاتے ہیں حالانکہ شرعی مسئلہ یہ ہے کہ خانہ آبادی سے اور میاں بیوی کی یکجائی سے پہلے بیوی کا انتقال ہو جائے تو نصف مہر واجب المادہ ہوگا اور اگر میاں بیوی کی خلوت (صحیحہ) کے بعد اس کا انتقال ہوا ہو تو پورا مہر ادا کرنا واجب ہوگا اور یہ مہر بھی اس کے ترکہ میں شامل ہو کر اس کے جائز ورثاء میں تقسیم ہوگا۔ اس کا مسئلہ علماء سے دریافت کر لینا چاہئے۔

ہمارے یہاں یہ ہوتا ہے کہ اگر لڑکی کا انتقال سسرال میں ہوا ہو تو اس کا سارا اثاثہ ان کے قبضہ میں آ جاتا ہے اور وہ لڑکی کے وارثوں کو کچھ نہیں دیتے اور اگر اس کا انتقال میکے میں ہو تو وہ قابض ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اور شوہر کا حق دینے کی ضرورت نہیں سمجھتے حالانکہ مردے کے مال پر ناجائز قبضہ جمالینا بڑی گری ہوئی بات بھی ہے اور ناجائز مال ہمیشہ نحوست اور بے برکتی کا سبب بنتا ہے بلکہ بعض اوقات دوسرے مال کو بھی ساتھ لے ڈھکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ عقل و ایمان نصیب فرمائے اور جاہلیت کے غلط رسوم و رواج سے محفوظ رکھے۔

مثالی ذلہن کے اوصاف

دنیا کے سب سے بڑے معلم و ہادی کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک بیوی کی چار خوبیاں بہت ہی مختصر اور جامع جملوں میں بیان فرمائیں اور پانچویں خوبی دوسری حدیث میں بیان کی گئی ہے۔ اس کے پڑھنے سے پہلے آپ یہ نیت کر لیں اور دعا مانگ لیں کہ اے رحیم و کریم آقا! یہ پانچ خوبیاں میرے اندر اور میری تمام مسلمان بہنوں میں پیدا فرما۔ آمین

إِنْ أَمَرَهَا أَطَاعَتْهُ وَإِنْ نَظَرَ إِلَيْهَا سَوَّرَتْهُ وَإِنْ أَقْسَمَ عَلَيْهَا أَتْبَرَتْهُ
وَإِنْ غَابَ عَنْهَا نَصَحَتْهُ فَيُ نَفْسِهَا وَمَالِهَا

(ابن ماجہ ۱۳۵ باب افضل النساء)

اگر شوہر کوئی حکم کرے (جو خلاف شرع نہ ہو) تو اس کی بات مانے اور اگر شوہر اس کی طرف دیکھے تو شوہر کو خوش کر دے اور اگر شوہر کسی کام پر قسم کھا بیٹھے کہ ضرورتاً ایسا کرو گی (اور وہ کام شرعاً جائز ہو) تو اس کی قسم سچی کر دے اور شوہر اگر کہیں چلا جائے (اور اس کے پیچھے گھر میں رہ جائے) تو اپنی جان اور اس کے مال کے بارے میں اس کی خیر خواہی کرے (یعنی خیانت نہ کرے)۔

اب ہم آپ کے سامنے اس کی تفصیل ذکر کرتے ہیں:

پہلی صفت:

مسلمان بیوی کو اس کے اور سارے جہاں کے سب سے بڑے اور آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو سب کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں پہلا سبق یہ دیتے

ہیں کہ اگر تمہارا شوہر کوئی حکم کرے تو اس کی اطاعت کرو بشرطیکہ اس چیز کو اللہ تعالیٰ نے اس کو منع نہ کیا ہو۔ اگر انہوں نے منع کیا ہے (جیسے نامحرم مردوں سے ملنا جلنا) مگر انہوں کی مجلسوں میں جانا وغیرہ) تو اس میں شوہر کی اطاعت کرنا جائز نہیں۔ جو بیوی اپنے اللہ کو راضی کرنے کے لئے اپنے شوہر کی ہر جائز بات مان لے اور اس کی چاہت کے موافق چلنے کی کوشش کرے تو شوہر کے دل میں اس کی محبت ضرور پیدا ہوگی اور شوہر اس کا سچا دوست اور اس پر جان فدا کرنے والا بن جائے گا لیکن یہ اسی وقت ہوگا جب بیوی اپنے آپ کو شوہر کی اطاعت میں فنا کر دے۔ لہذا بیوی شوہر کی اطاعت میں اپنا جین و آرام سب چھوڑ دے۔ اطاعت میں جتنی ذلتیں ملیں انہیں عین عزتیں سمجھے گا انہوں کا ہر سترے تو اس کو پھولوں کی سج خیال کرے۔ اگر ہر نئی دہن اس صفت کو اپنالے اور لگان کے بعد تھوڑے ہی عرصہ تک اس پر جم جائے پھر دیکھے کہ میاں بیوی میں کیسی محبت ہوتی ہے پھر یہ یک جان دو قلب ہوں گے ایک دماغ دو جسم ہوں گے ایک باطن دو ظاہر ایک مزاج دو دھیس ایک بیماری دو علاج چاہنے والے ایک پریشانی دو دعامانگنے والے ایک غم اور دو سہنے والے ایک خوشی دو ہنسنے والے ایک فکر دو سوچنے والے ہوں گے لہذا شوہر کی اطاعت اور فرمانبرداری کے ذریعے اس کی خوشی کے حاصل کرنے میں دن رات لگی رہیے۔ اگر ذرا بھی شوہر کے چہرہ پر رنج و غم و پریشانی کے آثار نظر آئیں تو فوراً بے چین ہو جائیے اور اس کے غم کے ساتھ غمگین ہو جائیے اس کے خوش ہونے کے ساتھ خوش ہو جائیے اس کے ہنسنے کے ساتھ ہنسیے اس کے رونے کے ساتھ رونا سیکھئے۔ جو شوہر کہے وہی پہنئے جو کہے وہی پکائیے جس طرح کہے ویسے کیجئے جب کہے تب کیجئے۔ بس ان لے اس وقت کی معصوم لڑکی اور تھوڑے عرصے میں بن جائے والی کسی کی بیوی کسی کی بہو اب نکاح کے دو بول بولنے کے بعد زندگی کا نیا دور شروع ہوگا بس ایک کے گوشہ چشم پر بیوی بن کر آتا ہوگا۔ اب تک بے فکری کے ساتھ زندگی گزاری لیکن کل سے نئی پابندی

ہوگی اس لئے شریف بچیوں کو پہلا سبق اطاعت کا ملتا ہے خدمت گزاری کا ملتا ہے اپنے دل کو مار کر دوسرے کا جی خوش کرنے کا ملتا ہے۔ کیونکہ اب تک اپنے واسطے تھی کل سے دوسرے کی خدمت کے لئے وقف ہوگی۔ اب نہ اپنے لئے کھانا نہ اپنے لئے پہننا نہ اپنے وقت پر سونا نہ اپنے وقت پر جاگنا۔ اللہ کی شان! اب تک جو دوسروں کی آنکھوں کی پتلیوں میں آرزوؤں اور اراموں کے گہواروں میں پٹی اور بڑھی کل سے وہ خود شوہر کی خدمت گزاری کے لئے وقف ہوگی۔ اچھی بری جو کچھ بھی ہوئی سب اسی دن کے لئے تھی۔ بے شک پہنے گی اور اوڑھے گی مگر اس لئے کہ شوہر کو اچھی لگے۔ اپنے کو سنوارے گی نکھارے گی مگر اس لئے کہ شوہر کی نظر میں نیچے اور جب ماں بنے گی تو اولاد کے آرام کی خاطر راتوں پر راتیں جاگے گی اور ٹہل ٹہل کر کائے گی اس لئے کہ نئی نسل کی ذمہ داری اٹھانی ہے۔

پس اے مسلمان بیوی! اپنے آقا رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نصیحت کو ہمیشہ یاد رکھنا کہ **إِنَّ أَمْرَهَا أَطَاعَتُهُ** کہ شوہر جو حکم کرے اس کی فرمانبرداری کرنا۔ منزل بے شک کڑی اور ذمہ داریاں سخت لیکن مسلمان لڑکی ایہ سن لے کہ انعامات بھی کیسے کیسے اور بشارتیں بھی کیا کیا ہیں؟

زندگی کے سفر میں جہاں میاں بیوی ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں اس میں اللہ تعالیٰ نے شوہر کو امیر اور نگران بنایا ہے۔ اس امارت کے علاوہ اور جتنی امارتیں ہیں وہ سب وقتی اور عارضی ہیں۔ کل ایک آدمی امیر بنا ہوا تھا اور آج وہ جیل خانے میں ہے۔ کل تک بادشاہ بنا ہوا تھا اور آج اسے کوئی پوچھنے کو تیار نہیں۔ لہذا یہ امارتیں اور کھوکھوتیں آنی جانی چیزیں ہیں۔ آج ہیں کل نہیں لیکن میاں بیوی کا تعلق زندگی بھر کا تعلق ہے دم دم کا ساتھ ہے ایک ایک لمحہ کی رفاقت ہے لہذا اس تعلق کے نتیجے میں شوہر کو جو امارت حاصل ہوتی ہے وہ مرتے دم تک برقرار رہتی ہے یا جب تک نکاح کا رشتہ برقرار رہے اس لئے

یہ امارت عام امارتوں سے مختلف ہے۔ دوسری امارتوں میں حاکم کا محکوم کے ساتھ 'امیر کا رعایا کے ساتھ صرف ایک ضابطے کا قانونی تعلق ہوتا ہے۔ لیکن میاں بیوی کا تعلق محض ضابطے قانون اور محض خانہ پوری کا تعلق نہیں ہے بلکہ یہ دو دلوں کا جوڑ ہے۔ یہ دلوں کا تعلق ہے جس کے اثرات ساری زندگی پر پھیلے ہوئے ہیں۔

إِنْ تَخْلُقْ إِلَيْهَا سِرَّةً

اگر شوہر اس کی طرف دیکھے تو اسے خوش کر دے یعنی اپنی چال و حال بطریق شرع شوہر کی مرضی کے مطابق رکھے کہ جب بیوی پر نظر پڑے تو اسے دیکھ کر اس کا دل خوش ہو۔ حضرت اقدس تھانویؒ فرماتے ہیں کہ یہ عجیب بات ہے کہ گھر میں تو بھگیوں ماسیوں (نوکرانیوں) کی طرح رہتی ہیں اور جہاں کہیں باہر جانا ہو تو بن سنور کر بیگم صاحبہ بن جائیں گی۔ کوئی ان سے پوچھے کہ اچھے کپڑے پہننے کی وجہ کیا ہے؟ کیا صرف غیروں کو دکھانا ہے؟ تعجب ہے کہ جس شوہر کے پیسوں سے یہ کپڑے بنے اس کے سامنے کبھی نہ پہنا جائے اور غیروں کے سامنے پہنا جانے۔ حیرت ہے کہ خاوند سے کبھی سیدھے منہ بات نہ کریں، کبھی اچھا کپڑا اس کے سامنے نہ پہنیں اور دوسروں کے گھروں میں جائیں تو شیریں (میٹھی) زبان والی بن جائیں اور کپڑے بھی ایک سے ایک اچھے سے اچھے پہن کر جائیں۔ کام آئیں غیروں کے اور دام لگیں خاوند کے (یعنی خرچہ و حقوق مانگیں شوہر سے) کیا یہ انصاف ہے اور اس بناوٹ کی کوئی حد ہے۔

(التبلیغ دواء العیوب بتصرف صفحہ ۹۱)

گھر میں سب سے میلے کچیلے پھٹے پرانے کپڑے پہننا جیسے سادگی بہت پسند ہے اور شوہر نے اور ساس نے جتنے نئے کپڑے سلوا دیئے ہیں وہ نہ پہننا اور بالکل گندے کپڑے اور گندی حالت میں شوہر کے سامنے رہنا یہ بہت بری بات ہے اس لئے حدیث پاک میں عورت کی یہ صفت بیان کی گئی کہ

شوہر کے سامنے اس طرح رہے کہ جب شوہر دیکھے تو دیکھ کر خوش ہو جائے اور اس کو اپنی بیوی دنیا کی تمام عورتوں سے زیادہ خوبصورت معلوم ہو۔ اگر عورت اپنے شوہر کے سامنے اچھے لباس میں صاف ستھری ہو کر رہے بالوں میں تیل آنکھوں میں کاجل کا اہتمام رکھے وغیرہ وغیرہ تو شوہر کی نگاہ میں یہ سب سے زیادہ حسین ہو جائے۔ بقول کسی کے "کہن خرق خویش پیر استن"۔

اور پہلے لوگ اپنی بچیوں کو خاص طور سے ان باتوں کی نصیحت کیا کرتے تھے۔ مثلاً: حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی کو حسب ذیل نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: غیرت یعنی رشک و تکبر اور غرور سے بچنا کیونکہ یہ طلاق کی چابی ہے۔ زیادہ ڈانٹ ڈپٹ سے پرہیز کرنا کیونکہ اس سے بغض و حسد پیدا ہوتا ہے۔ سرمہ ضرور استعمال کرنا کیونکہ یہ سب سے بہتر زینت ہے اور سب سے بہتر خوشبو پانی ہے۔ اسی طرح قراقصہ بن احوص نے اپنی بیٹی نائلہ کا نکاح امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کیا۔ جب ان کی رخصتی کا وقت قریب آیا تو انہوں نے نصیحت کرتے ہوئے کہا:

میری بیٹی! تو قریش کی عورتوں کے پاس جا رہی ہے جنہیں بہ نسبت تیرے خوشبو زیادہ میسر ہے اس لئے دو باتیں اختیار کرنے کی کوشش کرنا، سرمہ کا استعمال کرنا اور پانی کی خوشبو لگانا (یعنی خوب غسل کرنا) کہ تیری خوشبو مشکیزہ کی مہک کی طرح ہو جس پر بارش کا پانی پڑا ہو۔

(الافغانی والی الفرج الاصبہانی تحفۃ العروس۔ صفحہ ۱۲۲)

ابوالاسود نے اپنی بیٹی کو نصیحت کرتے ہوئے کہا:

زیب وزینت کا خیال رکھنا اور سب سے بہتر زینت سرمہ ہے۔ و شبو کا استعمال کرنا اور بہترین خوشبو اچھی طرح وضو کرنا ہے۔ (تحفۃ العروس ص ۱۲۳)

یورپ کی حسین و جمیل خاتون نے اپنے دور کی لڑکیوں کو دن بھر میں کئی مرتبہ ٹھنڈے پانی سے چہرہ دھونے کی تاکید کی تھی۔ معلوم ہوا کہ وضو میں کتنی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ آپ نے دیکھا اسلام میں شوہر کے لئے زینت کا اہتمام کیا گیا ہے۔ لیکن سادگی کیسی؟ ہر غریب سے غریب عورت چاہے سفر میں چاہے گھر میں ہو چاہے بیمار ہو چاہے تندرست ہو عمر کی کسی منزل پر بھی ہو چاہے جوان ہو یا بوڑھی ان باتوں کا خیال ضرور رکھے کہ اگر گرمی ہو تو دن میں دو مرتبہ ورنہ ایک مرتبہ تو غسل کر ہی لے (اگر غسل صحت کے لئے نقصان دہ نہ ہو) اور وضو تو چونکہ پانچ مرتبہ فرض نماز کے لئے کرے گی اس کے علاوہ بھی گھر کے کاموں سے جب فارغ ہو تو ہاتھ منہ ضرور دھو لے۔

اسی طرح سرمہ کا بھی ضرور اہتمام کرے اور یہ ایسی سادہ چیزیں ہیں کہ ان کے لئے بہت پیسہ خرچ کرنے کی ضرورت ہے نہ اس میں شوہر کا مال برباد ہوگا نہ کافروں کے ملکوں کی بنی ہوئی خوشبوئیں اور میک اپ کا سامان لینے کی ضرورت نہ اس میں اپنا قیمتی وقت برباد کرنے کی ضرورت ہوگی نہ ایسی زیب و زینت ہوگی جس سے وضو اور غسل بھی نہیں ہوتا۔

اس لئے اسلام کا اصلی جوہر سادگی ہے۔ کاش اگر عورتیں یہ فیصلہ کر لیں کہ ہم سادگی اپنائیں گی تو آج مسلمانوں کا مال جو تباہ و برباد ہو رہا ہے وہ نہ ہو۔ ابو الفرج الاصفہانی نے لکھا ہے:

خوبصورت عورت بھی اپنے شوہر کی نظر میں اس وقت اپنا مقام بنانا پاتی ہے جب وہ زیب و زینت اختیار کرے اور صاف ستھری رہنے کی پابند ہو۔ اپنے حسن کو مزید دلکش بنانے کے لئے جائز طرز کے بناؤ سنگھار طرح طرح کے کپڑے اور آرائش کے ایسے طریقوں پر کاربند ہو جنہیں شوہر پسند کرتا ہو اور اگر اس نے ان چیزوں میں کوتاہی برتی تو اس کا نقصان خود اٹھائے گی کیونکہ اس کا قوی اندیشہ ہے کہ شوہر اس کی سستی اور

لا پرواہی کو محسوس کر کے کسی اور کی طرف مائل ہو جائے گا (تختہ العروس - ۱۲۴) لہذا عورتوں کو چاہئے کہ اپنے کپڑے صاف ستھرے رکھیں۔ اگر کپڑے پر کوئی دھبہ لگ جائے تو فوراً صاف کر دیں ایک دھبہ بھی اپنے جسم پر یا کپڑوں پر نہ لگا رہے دیں۔ اسی طرح خوشبو لگانا، مسواک کرنا، خال کرنا، میل کچیل سے خود کو بچائے رکھنا، زائد بالوں کی صفائی کرنا اور ناخن تراشنا یہ سب بیوی کے لئے ضروری چیزیں ہیں لہذا ان میں غفلت نہ کرنا چاہئے۔

بیوٹی پارلر

یاد رکھئے شوہر کے دل میں محبت اور گھر میں سکون اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے سے ملے گا۔ دل تو اللہ ہی کے قبضہ میں ہے لہذا مرد بیوٹی پارلر جہاں اللہ تعالیٰ کے بے شمار احکامات توڑے جاتے ہیں وہاں سے میک اپ کروا کر شوہر کے پاس گئیں تو یہ ناجائز حرکت شوہر کے دل میں بغض و نفرت آج نہیں تو کل ضرور بخدا دے گی۔

لہذا بیوٹی پارلر میں نہ خود جائیں نہ دوسروں کو بھیجیں بلکہ یہ یقین رکھیں کہ دل میں محبت ڈالنے والے اللہ تعالیٰ ہیں وہی دلوں کے مالک ہیں اس کی دو انگلیوں کے درمیان انسانوں کے دل ہیں وہ جس طرف چاہیں اس کو پھیر دیتے ہیں۔ جو سادہ زینت گھر میں ہو سکے وہ کر لیں۔ اللہ تعالیٰ اسی زینت و میک اپ کے ذریعے شوہر کے دل میں نہ مٹنے والی محبت بٹھادیں گے اور پہلی رات ہی سے میاں بیوی میں ایک روح و جسم والا تعلق ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ تمام دلیہوں کو ہر قسم کے ناجائز و حرام کاموں سے بچنے کی اور جن کاموں کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ان پر عمل کرنے کی اور جن کاموں سے منع کیا ہے ان سے بچنے کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے (آمین)۔

دیکھیں زیب و زینت عورت کا فطری حق ہے ہر عورت چاہتی ہے کہ وہ خوبصورت نظر آئے۔ اسلام اس فطری خواہش کا مخالف نہیں البتہ یہ ضرور چاہتا ہے کہ اس کا مظاہرہ صرف ایک مرد کے سامنے ہی کما جائے وہی مرد جو اس کا شریک حیات اور زندگی کا ہم سفر ہے لہذا ہر قسم کی زینت اور ہر قسم کی خوشبو صرف شوہر ہی کے لئے استعمال کی جائے اس لئے کہ حدیث کا مفہوم ہے کہ جو عورت عطر لگا کر باہر نکلے اور اس کا گزر ایسے لوگوں پر ہو جو

اس کی خوشبو محسوس کریں تو عورت زانیہ (بدکار - جیسی گناہ گار) ہوگی۔

(الترغیب والترہیب - جلد ۳ صفحہ ۴۰)

عورت اگر راستے میں خوشبو لگا کر چلے جو کہ پیام کا نہایت لطیف ذریعہ ہے اور اس سے لوگ گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں اس لئے اسلام کسی مسلمان عورت کو اس کی اجازت ہرگز نہیں دیتا کہ راستوں اور بالخصوص مردوں کی محفلوں کے پاس خوشبو میں اچھی طرح رچ بس کر اس کا گزر ہو کیونکہ حسن و جمال چھپ سکتا ہے لیکن خوشبو کو کون روک سکتا ہے؟ خوشبو فضا میں تحلیل ہو کر آگے بڑھے گی اور اس سے مردوں کے جذبات ضرور خراب ہوں گے۔

ان باتوں سے غفلت نے صد ہا جھگڑے لڑائیاں اور میاں بیوی کے درمیان کشیدگی پیدا کر رکھی ہے اس لئے جس قدر احتیاط ہو سکے احتیاط کی جائے۔ زیب و زینت ضرور کیجئے لیکن اس میں حد سے آگے نہ بڑھئے کہ اپنے بجٹ کا بھی خیال نہ ہو یا نئے سے نئے فیشن کے کپڑے اور مہنگے مہنگے زیورات کم از کم ایسے حالات میں تو استعمال نہ کریں جب کہ بہت سے لوگ سوکھی روٹی کے لئے ترس رہے ہیں۔

بگھ ویش میں ہر سال ایک صاحب ساڑھیاں مفت تقسیم کرتے ہیں۔ ایک سال عورتوں کا اتنا ہجوم ہوا کہ ۱۹ عورتیں اس ہجوم میں کچل کر مر گئیں۔ ان کو کیا پتہ تھا کہ ہمیں ساڑھیاں ملیں گی یا ہمیں کفن پہنایا جائے گا (ماخوذ از حقوق المسلمین - شیخ الاسلام شوپوری) لہذا آپ کی بہنوں کا تو غربت کی وجہ سے یہ حال ہو اور وہ دنیا کے کسی کونے میں اس حال میں زندگی گزار رہی ہوں اور آپ مٹی میں ملنے والے بدن کے لئے مہنگے مہنگے کپڑے زیورات کی تیاری میں لگی ہوئی ہوں یہ ہرگز مناسب نہیں۔

بیوٹی پارلوں میں جانے کا دوسرا نقصان جو ڈاکٹر عبدالمعصم، استاد و صدر شعبہ امراض طیبہ کالج قاہرہ - رسالہ ”تمہارا خصوصی معالج“ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس طرح بیوٹی پارلر جا کر بالوں کی سینگ اور کٹنگ کرانا یورپ کے فشن کی طرح سے اسے رنگنا بالوں کو جھاڑنے اور ان کے اندر غم دینے کے لئے مختلف غیر فطری طریقے استعمال کرنا جس سے بال جلدی گر جائیں اور ان کی جڑیں کمزور ہو جائیں یا سینگ مشین استعمال کرنے اور کیمیاوی دواؤں کے ذریعہ جن میں ایسے مادے شامل ہوتے ہیں جو بالوں کے لئے سخت نقصان دہ ہوتے ہیں۔ لہذا کسی بھی مسلمان عورت کے لئے مناسب نہیں کہ وہ ایسی زیب و زینت اختیار کرے۔

بہت ساری عورتوں کو یہ معلوم نہیں کہ بالوں کو کھینچ تان کر رکھنے کے کیا نقصانات ہیں اس لئے کہ ایک رات کے لئے بالوں کو کھینچ کر رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی جڑوں پر زور ڈالا جائے اور وہ خون کی مخصوص مقدار کو بالوں کی جڑوں میں پہنچنے نہ دیا جائے جس سے بالوں کی جڑیں کمزور ہو جائیں اور وہ جلدی گر جائیں جس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ بیوٹی پارلوں میں فیٹل پیئر کٹنگ، تھریڈنگ، ویکسنگ، پچنگ کر دیا اور آئی برووز اور اپر لپس ہوا کر بن ٹھن کر رکھنے والی چند دن تک بظاہر بہت اچھی بھی لگے گی لیکن اس کے بعد جوں جوں اس کا اثر ختم ہوتا ہے پھر ۲۵ سالہ لڑکی اگر پچاس سال کی نہیں تو چالیس کی ضرور لگتی ہے۔ نیز بیوٹی پارلر میں کام کرنے والی جو عورتیں ہوتی ہیں وہ اکثر بے نمازی اور بے پردہ اور آزاد خیال اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ناراض کرنے والی ہوتی ہیں جن میں سے بعض کا فر عورتیں بھی ہوتی ہیں جن کے شوہر خود ہی ان سے بیزار ہیں اور وہ خود اپنے شوہروں سے بیزار ہو کر ان کاموں میں لگ گئیں تو وہ کیا دوسری خبی ذلہن کو ایسا تیار کریں گی جس سے وہ شوہر کو اچھی لگے۔ کبھی نہیں۔

لہذا انہی نوٹی ذلہن کو ایسی عورت کو اپنے جسم پر ہاتھ بھی نہیں لگانے دینا چاہئے اور اگر (خدا وہ دن نہ دکھائے) بیوٹی پارلر میں کام کرنے والے مرد ہوں یا ان کا آنا جانا ہو تو اس کے حرام ہونے میں اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں کیا شبہ باقی رہ جائے گا۔ اس

لئے نیک اور سادہ عورت گھر سے ہی جو کچھ ہو سکے اس سے اپنے آپ کو آراستہ و پیراستہ کروائیے اس لئے کہ نیک عورتوں کی صحبت ضرور اپنا اچھا اثر دکھلاتی ہے اور یہ نیک عورتیں شوہر کی چاہت حاصل کرنے کا اصل گر بھی جانتی ہیں۔

اس لئے ہم کچھ اشعار جن کو شیخ بشر الغزالی نے فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا ہے اور شیخ علی فکری نے اپنی کتاب 'تربیۃ البنات' میں ذکر کیا ہے۔ یہ اشعار اس قابل ہیں کہ ہر مسلمان لڑکی کو یاد ہونے چاہئیں اور بری سہیلیوں اور فضول خرچ عورتوں کی صحبت سے بچنا چاہئے۔ ملک شام میں ایک خاص قسم کی مٹی کے ساتھ گلاب ملایا جاتا ہے اور اسی مٹی کو غسل کرنے کے بعد سر پر لگایا جاتا ہے جس سے دیر تک خوشبو آتی رہتی ہے۔ تو شاعر کہتا ہے:

فَقُلْتُ لَهُ أَفْكَ أَمْ عَنَبٌ

لَقَدْ صَبَّرْتُكِ بِالْحَبِّ مَغْرَمٌ

أَجَابَ الظُّمْنُ إِنِّي كُنْتُ تَرَبًّا

صَبَّغْتُ الْوَرْدَ صَبْرَتِي مُكْرَمٌ

أَلَفْتُ أَكْأَبْرًا وَازْدَدْتُ عِلْمًا

كَذَا مِنْ عَاشَرَ الْعُلَمَاءِ يُكْرَمُ

میں نے اس مٹی سے پوچھا کہ تمہاری خوشبو نے مجھے تمہارا عاشق بنا دیا ہے۔ تم مجھے یہ تو بتاؤ تمہارا کیا نام ہے؟ تم مشک ہو یا عنبر ہو۔

اس مٹی نے جواب دیا: میں تو ایک نرم مٹی گار سے کچھڑ کی طرح تھی لیکن گلاب کی صحبت میں رہ کر مجھ سے بھی خوشبو آنے لگی۔

جو کچھ تم مجھے آج دیکھتے ہو یہ گلاب کا کرم ہے۔ اس نے مجھے معزز بنا دیا ورنہ میں تو پاؤں میں روندنے کے قابل تھی۔

میں نے محبت کی اپنے بڑوں سے جس سے میرے علم میں اضافہ ہوا اسی طرح علماء

کی صحبت سے آدمی شرافت والا ہو جاتا ہے۔ غور کیجئے۔

جو عورت آپ کو بیوی پسند کر رہی ہے وہ دراصل آپ کے والد کی محنت کی کمائی ہوئی حلال روزی کو ایک ہی رات کے اندر ضائع کر ادیتی ہے وہ کیسے دوستی کے قابل ہے؟ کیا آپ کے دوسرے چھوٹے بھائی بہن نہیں ہیں جن پر والد کو خرچ کرنا ہے اور دنیا میں جہاں بھی کوئی مرد عورت رہتے ہیں وہ بھی آخر آپ کے دینی بھائی بہن ہیں۔ ابھی پچھلے دنوں جنگ اخبار میں آیا تھا کہ لاہور میں ایک لڑکے (اقبال) نے اس لئے خودکشی کر لی کہ اس کے پاس عید کا بڑا نہیں تھا۔ اپنے والد کی مسلسل تنگدستی کو وہ دیکھ نہ سکا اور دنیا سے چلا گیا۔ آپ بھی غور کر لیں۔

ہمارے بچوں کے اسکول کا یونیفارم الگ، گھر کے کپڑے الگ، عورت کے کپڑے الگ، کھیل کے الگ، رات سونے کے لئے الگ۔ اسی ملک میں ایسے کئی اقبال ہیں جو کھانے پینے اور عید کے جوڑے کے محتاج ہیں۔ کئی ایسے گھریلو گھر میں کے جن کے والد کی تنخواہ ۱۵ دن بعد ختم ہو جاتی ہے۔ ان کو تنخواہ صرف ۳۰۰ روپے ملتی ہے اس پر ان کا گزارہ بہت مشکل سے ہوتا ہے۔ بچوں کی اسکول فیس دینے کے لئے پیسے نہیں ہیں اور وہ مشکل سے گزارہ کر رہے ہیں۔ سوچئے اور پھر ٹھنڈے دل سے سوچئے جس غریب کا پورا گھرانہ چھ ماہ اتنے پیسوں میں گزارہ کر لیتا ہے وہ آپ ایک رات کی نظر کر دیں۔ پھر آپ یہ بھی خیال کریں کہ میں اچھا کام کر رہی ہوں۔ میں عائشہ و خدیجہ رضی اللہ عنہما کی تابعدار ہوں، میں فاطمہ و زینب رضی اللہ عنہما کی باعندی ہوں، میں اپنی گود میں صلاح الدین ایوبی کی خواہشمند ہوں، میں زبیدہ ہارون کی بہن ہوں، میں فاطمہ بنت عبد الملک کی بیٹی کی طرح ہوں۔ یہ آپ خوش فہمی میں جیتا ہیں۔

اس لئے اسے نئی نوپلی ذلہن! تو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف۔ اپنے آپ کو استعمال نہ کر، اللہ ہی کی بن جا۔ اسی سے مانگ، اس کی مان تو انشاء اللہ ہو سکتا ہے کہ کوئی ہونہار بچہ تیرے جگر کا کلزا بن کر اسلام کے لئے اور سارے انسانوں کے لئے خوشیاں

بکھیرنے کا سبب ہو جس میں اشرف علی تھانویؒ کی مہک ہو۔ الیاس کا ندھلویؒ کی تڑپ ہو۔ عبد اللہ بن مبارک کا ذوق ہے۔ ابن قیم جوزیؒ کی نظر ہو۔ اسماعیل شہید کا اثر ہو۔ ابن حجر عسقلانیؒ کا حافظہ ہو۔ عالمگیریؒ کی سیاست ہو۔ محمد بن قاسمؒ کی قائدانہ صلاحیت ہو۔ یا اللہ! اپنے فضل و کرم سے ہماری مسلمان عورتوں کو پورے پورے دین پر چلتے اور اس کو دنیا بھر میں پھیلانے والا بنادے، ان کی اولاد کو نیک بنادے، ان کو اپنا بنالے اور آپ ان کے ہو جائیے۔ ان کی شادی و غمی جینا اور مرنا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق بنادے (آمین)۔

یہ فرمایا کہ اگر شوہر کسی ایسی بات پر قسم کھالے جس کا انجام دینا بیوی سے متعلق ہو مثلاً یہ کہ آج تو ضروری میری والدہ کے پاس چلوگی یا فلاں بچے کو نہلاؤ دھلاؤ گی یا مثلاً تہجد پڑھو گی تو اس کی بیوی قسم میں اس کو سچا کر دکھائے یعنی وہ عمل کرے جس پر شوہر نے قسم کھائی ہے (بشرطیکہ وہ عمل شرعاً درست ہو)۔

یہ قسم کھالینا کہ تم ضروری یہ کام کرو گی بہت زیادہ محبت و الفت اور ناز کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جس سے تعلق ہوتا ہے اور جس پر ناز ہوتا ہے اسی سے کہا جاتا ہے کہ ایسا کرو۔ اسی تیسری صفت میں جو صالح نیک بیوی کی تعریف میں ذکر کی گئی ہے اسی خاص الفت اور چاؤ کا ذکر فرمایا ہے جو شوہر اور بیوی کے درمیان ہونا چاہئے (تحفہ خواتین۔ صفحہ نمبر ۵۲۷)۔

یہ فرمایا کہ اگر شوہر کہیں چلا جائے اور بیوی کو گھر پر چھوڑ جائے جیسا کہ اکثر ہوتا ہے تو بیوی کا فریضہ ہے کہ اپنی جان اور شوہر کے مال کے بارے میں وہی رویہ اختیار کرے جو اس کے سامنے رکھتی تھی۔ غیرت مند شوہر یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کی بیوی کسی غم مرد کی طرف دیکھے یا میر مرد کے سامنے آئے یا اس سے آنکھ ملائے یا دل ملائے جس طرح جب شوہر گھر میں ہوتا ہے تو عورت صرف اسی کی بن کر رہتی ہے۔ جب کسی سے نکاح ہو گیا تو عزت و آبرو کی حفاظت اسی مرد سے وابستہ ہوئی چاہئے۔ اب اپنی

جذبات کی تسکین کا مرکز پریشانیوں کی تسلی کا مرکز پریشانیوں کی تسلی کا محور صرف اسی کو بنائے رکھے۔ اسی طرح شوہر کے پیچھے یعنی اس کی غیر موجودگی میں اس کے مال کی بھی حفاظت کرے ایسا نہ کرے کہ پیٹھ پیچھے اس کا مال لٹا دے اور بے جا خرچ کر ڈالے یا اپنے میکے پہنچا دے یا شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے عزیزوں کو دے دے۔ شوہر کے پیچھے اپنی جان اور اس کے مال میں اس کی مرضی کے خلاف کچھ کیا تو یہ خیانت ہوگی۔ لہذا عورتوں کو چاہئے کہ مرد کے مالوں کو بے جا خرچ کر کے ضائع نہ کریں۔ جس چیز کی ایسی ضرورت ہو کہ اس کے بغیر نقصان ہو تو وہ خریدیں ورنہ نہ خریدیں مثلاً ہماری الماریوں میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جیسے جو سرشین، گلاس، پٹنیں جن کی سالہا سال میں کبھی ضرورت پڑتی ہے یا کسی کے گھر میں دیکھا کہ شوکیس بھرا ہوا ہے تو خود کو بھی شوق ہوا کہ ہمارے گھر میں بھی ایسا ہونا چاہئے اور اب سر میں درد شروع ہو گیا اور شوہر کے سر میں بھی درد کروا دیا کہ جیسا فلانی کے گھر میں شوکیس ہے ویسا ہمارے گھر میں بھی ہونا چاہئے جیسا فلانی کے گھر میں فرنیچر ہے ویسا ہمارے گھر میں بھی ہونا چاہئے جیسے فلانی کے گھر میں دیواروں کا رنگ ہے ویسا ہی ہمارے گھر میں بھی ہونا چاہئے۔ اب شوہر کو مجبور کرنا کہ یہ لاڈویہ لاڈویہ سب فضول لغویات ہیں اور شوہر کے مال کو برباد کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نیک عورتوں کی صفات میں ایک صفت یہ بیان فرماتے ہیں:

﴿حَفِظَتْ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ﴾ (النساء: ۳۴)

یعنی مردوں کے پیٹھ پیچھے بھی بحفاظت الٰہی (اس کی آبرو و مال کی) بے بداشت کرتی ہیں۔ (معارف القرآن - جلد ۲، صفحہ ۳۹۲)۔

یہ اللہ تعالیٰ نے عورت کا لازمی وصف قرار دیا ہے اور اس کے ذمہ یہ فریضہ عائد کیا کہ جب شوہر گھر میں موجود نہ ہو تو اس وقت وہ اس کے گھر کی حفاظت کرے۔ گھر کی حفاظت کا مطلب یہ ہے کہ اول تو خود اپنی حفاظت کرے کہ کسی گناہ میں مبتلا نہ ہو پھر شوہر کا جو مال وغیرہ ہے اس کی حفاظت کرے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

الْفَرَاءَةُ رَاجِعَةٌ فِي نَفْسِهَا

(الترغیب والترہیب - جلد ۳، صفحہ ۳۱)

عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگہبان ہے۔

حضرت تھانویؒ نے فرمایا ہے کہ عورت کے فرائض میں یہ بھی داخل ہے کہ اس کے دل میں شوہر کے پیسے کا درد ہو۔ شوہر کا پیسہ غلط جگہ پر اور کہیں بھی بلاوجہ خرچ نہ ہو اور فضول خرچی میں اس کا پیسہ ضائع نہ ہو یہ نہ ہو کہ شوہر کا پیسہ دل کھول کر خرچ کیا جا رہا ہے۔ یا گھر کو نوکرائیوں پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ جس طرح بھی چاہ رہی ہیں کر رہی ہیں۔ اگر کوئی عورت ایسا کرتی ہے تو یہ قانونی فرائض کے خلاف کر رہی ہے۔ اگر کسی کا مکان، کپڑا دیکھ کر اپنے دل میں بھی خیال آئے کہ میرے پاس بھی ایسا ہی ہو تو دو چیزوں کو سوچیں:

① موت کو سوچیں کہ میں آج دنیا سے چلی گئی تو سب کچھ یہیں رہ جائے گا اور جتنی بکلی جاؤں گی یعنی جتنا کم سامان ہوگا اتنا ہی کم حساب دینا پڑے گا کیونکہ حساب بھی جلد ہو جائے گا نیز موت ہمارے لئے محبوب بن جائے گی ہم موت کو خوشی سے قبول کر لیں گے اور ملک الموت کو کہیں گے کہ مبارک ہو! تم آئے تمہارا ہی انتظار تھا۔

مرے کا وقت ہے اے موت! اس دم آ تو بہتر ہے

کہ دل میں میرے دلبر اور نظر تیری منتظر ہے

② سادگی کی سنت کو اپنائیں اور یہ عمل بہت اجر دلانے والا ہے مثلاً حدیث شریف میں آیا ہے کہ سنت طریق مٹ جانے کے بعد جو کوئی اس سنت طریقہ کو زندہ کر دیتا ہے اس کو مشہیدوں کا ثواب ملتا ہے (مشکوٰۃ - جلد ۱، صفحہ ۳۰)

لہذا جس طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں سادگی سے کام ہوا کرتے تھے اس کے مطابق اب پھر ہونے لگیں لہذا جو عورتیں اس کی کوشش کریں گی اور اس کو وجود میں لائیں گی ان کو بڑا ثواب ملے گا۔

اگر عورتیں اس سنت پر عمل کرنا شروع کر دیں اور اس بات کا فیصلہ کر لیں کہ ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم والی سادگی اور مبارک زندگی کو اپنے اور تمام مسلمان عورتوں کے گھروں میں پیدا کرنے کی کوشش کریں گی تو یہ سنت پوری دنیا میں وجود میں آ سکتی ہے اور جتنی ہماری زندگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے مشابہ ہوگی اتنی ہی خیر و برکات اور محبتیں ہماری زندگی میں پیدا ہوں گی اور رحمتیں برسیں گی۔

اگر ہماری عورتیں خصوصاً تین کاموں میں اس سنت کو زندہ کر لیں پھر دیکھیں کہ کیسے ان شاء اللہ تعالیٰ گھر کے تمام افراد میں محبت اور رزق کی فضاء قائم ہوتی ہے:

① مکان بنانے میں بالکل سادگی کا اہتمام کریں ایسا مکان بنائیں جو بالکل سادہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے مکانات کے متعلق سوچیں کہ ان کے مکانات کیسے تھے؟

حیث کجھور کے چوں کی مٹی و گارے سے بنی ہوئی دیواریں تھیں۔ نہ قالین تھے نہ بے شمار برتن تھے۔ نہ کے لئے عالی شان پٹنگ کرسیاں نہ میز الماریاں لیکن سکون تھا محبتیں تھیں ہمدردی، غم خواری تھی سب سے اہم بات شرافت و انسانیت تھی۔ مسلمان کو کافر سے اور کافر کو مسلمان سے خوف نہیں تھا۔ ہم رات دن دیکھتے ہیں کہ جس سے محبت ہوتی ہے اس کی ہر اداء ہر طریقہ اس کی نگاہ میں دنیا کی ہر چیز سے زیادہ پسندیدہ ہو جاتا ہے۔ اللہ کرے کہ ہمارے دلوں میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جی محبت اتر جائے اور آپ علیہ السلام کی مبارک زندگی کو اپنانے والے بن جائیں (آمین)۔

② مکان سادہ بنانے کے بعد اب مکان میں چیزیں بھی جو بہت ہی ضروری ہوں اور ضرورت کا معنی ایسی چیز جس کے نہ ہونے سے ضرر یعنی نقصان ہو مثلاً اگر سردی کے لئے قالین لینا ہی ہے تو بالکل سادہ قالین لیں، مہمان خانہ میں صرف گاؤں کیے رکھیں۔

اگر بہت ہی زیادہ ضرورت ہو تو سادی کرسیاں رکھ لیں۔ اسی طرح اگر گھر کی ہر چیز ایسی سادہ بنائیں کہ کم از کم شوہر کی حلال آمدنی پر گزارہ ہو جائے اور باقی جو مال بچے وہ اللہ کے بندوں پر لگائیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے مال اسی لئے دیا ہے کہ ہم اپنی ضرورت پر کم سے کم لگا کر باقی دوسروں پر لگائیں تاکہ آخرت میں ہمیں اس کا اجر مل سکے اور دوسرا فائدہ اس سادگی کا یہ ہوگا کہ گھر میں جو بھی آئے گا اس سادگی کو دیکھ کر اسے بھی اپنے گھر میں سادہ زندگی گزارنے کا شوق پیدا ہوگا۔ اللہ کرے کہ ہماری عورتیں سادگی پر آجائیں اور یہ نہ سوچیں کہ عورتیں کیا کہیں گی؟ معاشرہ کیا کہے گا؟ بیٹی کی ساس کیا کہے گی؟ بیٹے کی ساس کیا کہے گی؟ فلاحی کیا کہے گی؟ برادری میں ناک کت جائے گی بلکہ یہ سوچیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے کیسے خوش ہوں گے؟ اس دنیا سے ہم کیا لے کر جائیں گے؟ ہم تو یہاں چند دنوں کے مہمان ہیں۔

③ اسی طرح شادی میں سادگی کا اہتمام کریں۔ اگر آپ کسی کی بہن ہیں تو بھائی کو سادگی سے شادی کرنے پر آمادہ کریں۔ بھابھی سے اور بھائی کے سرال والوں سے کسی چیز کا مطالبہ نہ کریں بلکہ ان کو بھی کہیے کہ کھانے کی دعوت آپ لوگ نہ کریں کہ صرف دولہا کی طرف سے ولیمہ مستون ہے اور وہ ہم بہت مختصر کر لیں گے اور جہیز سادہ دیں جس سے دکھلاوانہ ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو وسعت دی ہے تو بجائے جہیز کے بیٹی کے نام کوئی جائیداد کرویں یا کوئی مکان اسے دلوادیں جو بیٹی کو عمر بھر کام آئے گا۔

صحیحہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ کون سامان بہتر ہے جسے ہم حاصل کرتے تو اچھا ہو۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

أَفْضَلُ لِبْسَانٍ ذَاكِرٌ وَقَلْبٌ شَاكِرٌ وَزَوْجَةٌ مُؤْمِنَةٌ تَعِينُهُ

علیٰ ایمانہ (ترغیب - جلد ۳ صفحہ ۲۸)

یعنی سب سے بہتر مال ذکر کرنے والی زبان اور شکر کرنے والا دل ہے اور وہ مؤمنہ بیوی ہے جو شوہر کی مدد کرے اس کے ایمان پر۔

جس سے کام نکلے اور ضرورت پوری ہو وہ مال ہے۔ لوگ سونا چاندی درہم و دینار روپیہ و پیسہ اور مکان و دکان موسیقی وغیرہ ہی کو مال سمجھتے ہیں حالانکہ حدیث شریف کی رو سے بہترین مال وہ چیزیں ہیں جو ابھی اوپر بیان ہوئیں۔ ان سے بہت زیادہ نفع حاصل ہوتا ہے۔ ذکر کرنے والی زبان اور شکر کرنے والا دل اور ایسی بیوی جو شوہر کی مدد کرے اس کے ایمان پر۔ مدد کرنے کی تشریح کرتے ہوئے ملا علی قاریؒ نے مرقاة شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے جس کا مفہوم یہ ہے:

شوہر کی دینداری کی فکر کرے اور اوقات مقررہ میں اسے نماز روزہ یاد کراتی ہو اور دیگر عبادات پر آمادہ کرتی ہو اور زنا سے اور ہر قسم کے گناہوں سے باز رکھتی ہو۔

(مرقاۃ - جلد ۲ صفحہ ۱۳)

درحقیقت ہمارے بدلے ہوئے ماحول اور بگڑتے ہوئے معاشرہ کو ایسی خواتین کی بہت ضرورت ہے جو خود بھی دین کے احکام پر عمل کرنے والی ہوں اور شوہر اور اولاد کو بھی دیندار بنانے کی فکر رکھتی ہوں۔ لیکن اس کے برخلاف اب تو معاشرے کا یہ حال بنا ہوا ہے کہ کوئی مرد نماز روزہ اور دینداری کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو جہاں دوسرے لوگ آڑے آنے کی کوشش کرتے ہیں اور دین پر چلنے سے روکتے ہیں وہاں بیوی بھی دیندار ہونے سے روکتی ہے، طرح طرح کے فقرے کہتی ہے، ٹھلا ہونے کا طعنہ دیتی ہے ڈاڑھی رکھنے سے منع کرتی ہے، کراتا پا جامہ پہنے تو باؤ لا بتاتی ہے اور رشوت سے بچتا ہے تو الٹی سیدھی باتیں سناتی ہے۔ اے اللہ! ہمیں مؤمن بیویوں کی اشد ضرورت ہے، مرد و عورت سب کے اندر ایمان کے جذبات پیدا فرما۔ آمین (تحفہ خواتین صفحہ ۳۳۳)

دوسری چیز جو اس حدیث میں سب سے بہتر بتائی گئی ہے وہ ہے قلب شاکر یعنی شکر

کرنے والا دل ہے اسی لئے علماء کرام نے فرمایا کہ اگر عورتیں اپنے دلوں کو شکر کرنے والا بنالیں تو دنیا میں یہ العام ملے گا کہ گھر کے بہت سے جھگڑے ختم ہو جائیں گے۔ شکر بہت بڑی نعمت ہے۔

دعاؤں کا کہنا ہے کہ بد بختوں کی بڑی عادتوں میں سے کوئی عادت بھی ناشکری سے بری نہیں (یعنی برائیوں میں سے سب سے بری چیز نعمتوں کی ناشکری کرنا ہے اور نیک بختوں کے اوصاف حمیدہ میں سے شکر ان نعمت میں سے اچھی نیکی کوئی نہیں یعنی نیکیوں میں سب سے اچھی نیکی شکر نعمت ہے) (مخزن اخلاق - صفحہ ۲۹۴)۔

شکر کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نعمتوں کو اور بڑھاتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے

تینا:

لَا تَزِيدُ شُكْرَهُ إِلَّا زَيْدًا نَّكَحًا (ابراہیم ۷)

”(وہ وقت یاد کرو جب کہ تمہارے رب نے تم کو اطلاع فرمادی کہ اگر تم

شکر کرو گے تو تم کو زیادہ نعمت دیں گا۔“

اللہ تعالیٰ تاکید کے ساتھ کہتے ہیں (ایک اس میں لام تاکید ہے دوسرا نون تاکید ہے) یعنی ضرور بالضرور ہم نعمتوں کو بڑھائیں گے۔

معمولی باتوں سے خاوند کی خوشنودی حاصل کرنا

عہد نبویؐ میں اور مہد سچا بہ کرام میں عورتیں اپنے شوہروں کو خوش رکھنے کی بے انتہاء سعی کرتی تھیں۔ شوہر کی ذرا سی ناراضگی ان کے لئے سوہان روح بن جاتی تھی۔ شوہر کی بے رخی پر بھی وہ اپنا طرز عمل نہیں چھوڑتی تھیں۔

خود حضرت عائشہ صدیقہؓ کا واقعہ ہے کہ ایک دن یہ اپنے ہاتھوں میں چاندی کے چھلے پہنے ہوئے تھیں۔ نبی کریمؐ نے ان چھلوں کو ان کے ہاتھوں میں دیکھ کر فرمایا: عائشہ! یہ کیا؟ بولیں! یہ آپؐ کی خوشنودی ہی حاصل کرنے کے لئے پہنے گئے ہیں۔

حضرت خولہؓ ایک دن حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور بیان کیا کہ میں ہر رات پہن اوڑھ کر اور آراستہ ہو کر کوچہ اللہ اپنے شوہر کے لئے دہن بن جاتی ہوں اور ان کے پاس سوتی ہوں مگر پھر بھی وہ توجہ نہیں کرتے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے یہ واقعہ خدمت نبویؐ میں عرض کیا۔ آپؐ نے سن کر فرمایا کہ ان سے کہہ دو کہ اپنے شوہر کی اطاعت کرتی رہیں۔

ازواج مطہرات کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت

اس طرز معاشرت کا نتیجہ یہ تھا کہ میاں بیوی میں بے حد محبت ہوا کرتی تھی ایک دوسرے پر جان دیا کرتے تھے۔ خود ازواج مطہرات کی زندگی ملاحظہ فرمائیے کہ ان کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر وابہانہ محبت تھی۔ آپؐ جانتے ہیں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک مالدار عورت تھیں مگر جب ان کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی ہو گئی تو انہوں نے اپنی کل دولت سرکارِ کائنات پر نثار کر دی۔ آپؐ کو کوئی درد و غم پیش آیا تو حضرت خدیجہؓ تڑپ اٹھیں اور آپؐ کو تسلی دی۔

عائشہ صدیقہؓ کی محبت بھی سرکارِ دو عالم کے ساتھ مشہور ہے۔ آپؐ پر وہ اپنی جان چھڑکتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ آپؐ کا کپڑا خود اپنے ہاتھوں سے دھویا کرتی تھیں آپؐ کو خوشبو ملا کرتیں آپؐ کی مسواک چبا دیا کرتیں اس کو حفاظت سے اٹھا کر رکھتیں۔ حد یہ ہے کہ قربانی کے جانور کے لئے خود اپنے ہاتھ سے حضرت عائشہؓ قلاوہ کے لئے رسی بنی تھیں۔ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبیل اوڑھ کر مسجد میں تشریف لے گئے۔ صحابہ کرام کے توجہ دلانے سے معلوم ہوا کہ کبیل پر دھبہ ہے۔ آپؐ نے اسے اتار کر اندر بھیج دیا۔ حضرت عائشہؓ خود برتن میں پانی لے کر بیٹھ گئیں اور اپنے ہاتھوں سے اسے دھویا پھر خشک کر کے خدمت اقدس میں بھیجا۔

صحابیات کی اپنے شوہروں سے محبت

صحابیات بھی اسی رنگ میں ڈوبی ہوئی تھیں اپنے شوہر کی خوشنودی پر جان دیتی تھیں۔ حضرت زینب جو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی لاڈلی بیٹی تھیں ان کی شادی ابوالعاص سے ہوئی تھی۔ ابوالعاص ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے کہ غزوہ بدر کا واقعہ پیش آ گیا۔ اس حق و باطل کی جنگ میں ابوالعاص کافروں کی طرف سے آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جب فتح عطا کی اور قریش کی ایک بڑی تعداد ان کے ہاتھوں گرفتار ہوئی تو ان میں ابوالعاص بھی تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جب فدیہ پر رہائی کا اعلان ہوا تو ابوالعاص کی بیوی حضرت زینب بنت رسولؐ نے ان کی رہائی کے لئے اپنے گلے کا قیمتی ہار بیچ دیا۔ یہ ہار حضرت زینب کے پاس ان کی ماں حضرت خدیجہ الکبریٰ کی یادگار کی حیثیت سے تھا۔

حضرت حمزہ بنت جحش کے شوہر جہاد میں گئے اور اللہ کے دین کی بلندی کے لئے جام شہادت نوش فرمایا۔ حضرت حمزہ کو جب یہ خبر پہنچی کہ ان کے شوہر غزوہ میں شہید ہو گئے ہیں تو مضطرب نہ کر سکیں اور فرط محبت سے چیخ اٹھیں۔

حضرت عمر کی بیوی روزے کے دنوں میں فرط محبت سے اپنے لاڈلے شوہر کے سر کا بوسہ لیا کرتیں۔

حضرت حسنؑ کی بیوی کو طلاق کے بعد حضرت حسنؑ ان کے شوہر کی طرف سے جب مہر ملا تو وہ رو پڑیں اور فرمانے لگیں: جدا ہونے والے محبوب کے مقابلہ میں یہ رقم بالکل حقیر ہے۔

ان حقائق کو غور سے پڑھا جائے اور پھر اندازہ لگایا جائے کہ اسلام نے زنانہ و شوکی زندگی کو کس بنیاد پر قائم رکھنا چاہا ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ بغیر محبت و اطاعت رشتہ

نکاح بے روح جسد ہے۔

شوہر کا خیر مقدم خندہ روئی سے:

جو کچھ گزر چکا ہے اس کی روشنی میں یہ ماننا پڑے گا کہ عورت کا فریضہ یہ بھی ہے کہ شوہر جب گھر میں داخل ہو تو بیوی شوہر کا خندہ پیشانی سے خیر مقدم کرے کیونکہ قدرت نے عورت کی مسکراہٹ میں ایسی عظیم الشان قوت عنایت کی ہے کہ شوہر بیوی کی مسکراہٹ دیکھ کر تھوڑی دیر کے لئے سارے غم بھول جاتا ہے اور اگر مرد تھکان سے نڈھال ہو رہا تھا تو پھر بیوی کی تبسم آ میز گفتگو اور دلجوئی سے تازہ دم ہو جاتا ہے اور اس کی قوت عود کرتی ہے۔

جو عورتیں اپنے شوہر کے سامنے منہ بسورتی ہیں وہ گھر کو قصداً جہنم بنانا چاہتی ہیں اور شوہر کی زندگی کو گھن لگاتی ہیں۔ اس حدیث میں اسی طرف اشارہ گزر چکا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین عورت کی تعریف میں فرمایا:

التي تسره اذا نظر (مشکوٰۃ)

شوہر کی نگاہ جب بیوی پر پڑے تو بیوی اس کو خوش کر دے۔

نیز اس طرح کے موقع پر بیوی شوہر کے سامنے آئے تو بن سنور کر اور صاف ستھرے لباس میں آئے۔ گھر بستر اور دوسرے سامان کو شوہر کے سامنے صفائی کے ساتھ پیش کرے۔

شوہر اور گھر کی خدمت:

ضرورت کے وقت شوہر کی خدمت سے بھی نہ چو کے کہ ازواج مطہرات کی یہی زندگی تھی۔ خود سرکار کائنات کی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بھی یہی دستور تھا۔ گھر کا کام کاج اپنے ہاتھ سے کر لیا کرتیں۔

بخاری نے اپنی جامع میں ایک باب باندھا ہے: عمل المرأة فی بیتها۔

عورت کا اپنے شوہر کے گھر میں کام کاج کرنا اور اس ضمن میں حضرت فاطمہ کے اس واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ چکی چلاتے چلاتے گھٹے پڑ گئے تھے۔

محدثین نے اس واقعہ کو سامنے رکھ کر فرمایا ہے کہ عورتوں کو چاہئے کہ گھر کے معمولی کام کاج خود کر لیا کریں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب چکی چلا سکتی ہیں تو کیا یہ بعید ہے کہ آپ آٹا بھی گوندھتی ہوں، روٹی بھی پکاتی ہوں۔

امام مالکؒ تو اس حد تک فرماتے ہیں کہ بیوی پر اس وقت گھر کی خدمت لازم ہے جبکہ اس کا شوہر مالدار نہیں ہے خواہ بیوی بڑے سے بڑے گھر کی ہی چشم و چراغ کیوں نہ ہو۔

غزوہ تبوک میں جو تین بزرگ شریک نہ ہو سکے تھے اور جن کا سرکار کائنات کے حکم سے بایکٹ کیا گیا تھا ان میں بلال بن امیہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ کچھ دنوں بعد حضورؐ کا یہ فرمان جاری ہوا کہ ان کی بیویاں بھی اس وقت تک ان سے ترک تعلق کر لیں جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی فیصلہ نہ آ جائے۔ اس فرمان کے فوراً بعد ہی بلال بن امیہ کی بیوی خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئیں اور درخواست کی کہ میرے شوہر بوڑھے آدمی ہیں، کوئی خادم نہیں ہے جو ان کی خدمت انجام دے سکے لہذا حضورؐ اجازت مرحمت فرمائیں تو میں ان کی خدمت کیا کروں۔ آنحضرتؐ نے زوجہ بلالؓ کو اس کی اجازت دے دی۔

حافظ ابن قیمؒ نے اس سلسلہ میں حضرت زبیرؓ کی بیوی حضرت اسماءؓ کی خدمت کا تفصیلی واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ اپنے شوہر کے گھر کی کس قدر خدمت انجام دیا کرتی تھیں۔

ضد اور ہٹ سے پرہیز:

عورتوں کا ایک بڑا عیب ضد اور ہٹ ہے۔ اس سے عورتوں کو بالکل اجتناب کرنا چاہئے کیونکہ دیکھا گیا ہے کہ جہاں کوئی ایک بات بھی ان کی طبیعت کے خلاف پڑی

آگ بگولہ ہو گئیں اور الٹ پنک شروع کر دیں۔ اس سے آپس کے تعلقات خراب ہو جاتے ہیں اور شوہر بیوی سے بدول ہو جاتا ہے۔

اگر کوئی معقول بات ہو تو شوہر کو سمجھانے کی سعی کرے منہ پھلانا اور لڑنا بری بات ہے۔ شوہر کو گرم دیکھے تو خود نرم ہو اور اپنی گرمی کا اظہار ضروری ہی سمجھے اور جی نہ مانے تو گرمی نکال لے مگر تعلقات پر ان باتوں کا کوئی اثر نہ آنے دے۔

مرد کی زیادتی، بدمانگی سے معاملہ بڑھے تو ہوش و خرد سے کام لے، عجلت نہ کرے۔ کچھ دب کر ہی سہی صلح کر لے۔ عورت کے لئے مفید ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَأَن امْرَأَةٌ خَافَتْ مِن بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ

عَلَيْهِمَا أَن يَصْلَحَا بَيْنَهُمَا صَلَاحًا وَصَلَحًا خَيْرٌ﴾

(النساء: ۱۹)

”اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے غالب احتمال بدمانگی یا بے پرواہی کا ہو تو دونوں کو کوئی گناہ نہیں کہ دونوں باہم ایک خاص طور پر صلح کر لیں اور یہ صلح بہتر ہے۔“

بیوی کے ذمہ خاوند کے فرائض و حقوق

احادیث کی روشنی میں

”قرآن پاک کے الفاظ میں اگر مفہوم بیان کروں تو آپ کے جو فرائض ہیں جو کچھ یوں بیان ہوں گے کہ اس نے نیک سیرت و پاکیزہ عادت اور بلند کردار عورتوں کی کچھ خاص علامات و صفات کا نقش کھینچا ہے کہ نیک سیرت عورتیں وہ ہیں جو شوہر کی حاکمیت و فضیلت کو بسر و چشم تسلیم کر کے ان کی اطاعت شعار ہوتی ہیں اور دلجوئی سے ان کی فرمانبرداری کرتی ہیں اور مرد کی عدم موجودگی میں بھی بحفاظت توفیق الہی اپنے نفس و آبرو اور ان کے اموال کی نگہداشت کرتی ہیں۔“

ائمہ کے نزدیک عورت کے فرائض:

بیوی کے فرائض کے سلسلے میں یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ عورت مثل کثیر ہے اور نکاح ایک طرح کی غلامی ہے۔ ایجاب و قبول کی تکمیل کا مطلب ہی یہ ہے کہ عورت نے اپنے آپ کو مکمل طور پر اپنے شوہر کے سپرد کر دیا ہے۔ اب عورت کا فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے خاوند کے ہر ایسے حکم کی تعمیل کرے جس میں خدا تعالیٰ کی نافرمانی نہ ہو کیونکہ شوہر کی اطاعت سے زیادہ اہم اور مقدم اپنے خالق و رازق کی اطاعت ہے لہذا اگر کسی عورت کا شوہر خدا کی معصیت کا حکم دے یعنی گناہ سننے، مجلس قوالی میں جانے، سنیہا دیکھنے اور غیر محرم مردوں کے ساتھ بات اور وابیات باتیں کہنے وغیرہ گندی حرکتیں اور معصیوں کا حکم دے یا خدا کے عائد کئے ہوئے کسی فرض سے باز رکھنے کی کوشش کرے یا

باز رہنے کے لئے کہے جیسا کہ نماز روزہ وغیرہ تو اس کی اطاعت و تعمیل سے انکار کرنا مسلم عورت کا فرض ہے اور باعث ثواب ہے اگرچہ وہ کتنا ہی دل پسند اور محبوب شوہر ہو۔ اس صورت میں اگر عورت شوہر کی بات مانے گی یا اس کی اطاعت کرے گی تو عورت سخت گنہگار ہوگی بخلاف اس کے کہ اگر شوہر اپنی زوجہ کو نفل نماز یا نفل روزہ ترک کرنے کے لئے حکم دے تو لازم ہے کہ وہ اس کی اطاعت کرے اس صورت میں اگر وہ نفل نماز ادا کرے گی تو مقبول نہ ہوں گے۔

(بحوالہ تفسیر روح المعانی و تفسیم - جلد ۳ ص ۳۳۹ پ ۵)

اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

﴿فَالصَّلٰحَتُ قَانِثَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ﴾

(سورة النساء، پ ۵)

”پس جو عورتیں نیک صالحہ ہوتی ہیں (وہی شوہر کی) اطاعت شعار ہوتی ہیں اور مرد کی عدم موجودگی میں بحفاظت الہی (ان کے حقوق کی) نگہداشت کرتی ہیں۔“

اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی عصمت و عفت اور صاحب مکان کے مال کی حفاظت جو امور خانہ داری میں سب سے اہم اور مقدم کام ہیں ان کے بجالانے میں ان کے لئے مردوں کے سامنے اور پیچھے کے حالات سب برابر ہیں۔ یہ نہیں کہ ان کے سامنے تو اس کا اہتمام کریں اور خوب خاطر و تواضع کریں اور خوب مہمانیت اور بہدری دکھائیں اور خوب محبت اور شفقت کا دم بھریں اور جب ان کی نظروں سے غائب ہوں تو ان چیزوں میں لاپرواہی برتیں اور شوہر کی برائی و عیب جوئی میں مبتلا ہو جائیں اور تجسس اور سراغ نکالنے میں لگ جائیں اور طوطا چشتی کے ساتھ اس کے سارے احسان اور محنت پر پانی پھیر دیں۔ یہ نہ کوئی مسلم عورتوں کی شان ہے اور نہ مہذب اور بامروت عورت کو

زیب دیتا ہے۔ واضح ہو کہ خواتین کی ذمہ داریاں یعنی اپنی عصمت اور عفت اور شوہر کے مال اور امانت کی حفاظت دونوں کوئی آسان کام نہیں اس لئے اللہ پاک نے سابقہ آیت کے آخری حصے میں یہ فرمایا کہ بعد حفظ اللہ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس حفاظت کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ خود عورت کی مدد فرماتے ہیں اس بے نیاز ذات کی مدد اور نصرت اور توفیق و عنایت سے وہ ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوتی ہیں اور نہ نفس کی خواہش اور شیطان کی شرارت ہر وقت ہر انسان مرد و عورت کو گھیرے ہوئے ہے اور عورتیں بالخصوص اپنی علمی و عملی قوتوں میں بہ نسبت مرد کے ضعیف بھی ہیں اس کے باوجود ان ذمہ داریوں میں مرد سے زیادہ عورتیں مستحکم و مضبوط نظر آتی ہیں۔ یہ سب خاص اللہ کی مدد اور نصرت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بے حیائی گناہوں اور شرمناک حرکتوں میں بہ نسبت مردوں کے عورتیں کم مبتلا ہوتی ہیں۔ حضرت امام غزالی نے فرمایا ہے کہ شریعت کی نظر میں نیک و بدیندار اور عمدہ سیرت و بلند کردار عورت وہ ہے جو اپنے گھر کی تعمیر اور اپنے مال کی حفاظت اور اپنے نفس اور اولاد کی اصلاح میں مصروف رہے نماز روزے کی پابندی کرے۔ اگر شوہر کی عدم موجودگی میں شوہر کا کوئی دوست یا جاننے والا آئے تو شرم و حیا اور غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے کوئی کلام نہ کرے اگر زیادہ ضروری بات ہو تو آواز بدل کر گفتگو کرے یعنی اپنا طرز کلام جاذباندہ اور مٹھاس کا نہ رکھے۔ شوہر کی حلال آمدنی پر اگرچہ کم ہی کیوں نہ ہو قناعت کرے اور شوہر کی حرام کمائی سے ہر ممکن اجتناب کرے۔ پہلے زمانے کی نیک عورتیں ان باتوں کا بہت دھیان رکھتی تھیں چنانچہ جب کوئی شخص (شوہر) کمانے کے لئے گھر سے جاتا تو اس کی بیوی اسے یہ نصیحت کرتی کہ دیکھنا ذرا حرام کمائی سے بچنا اور یقین دلاتی تھیں کہ ہم بھوک پر صبر کر لیں گے تنگ دستی سے ہمیں کوئی خوف نہیں ہے لیکن دوزخ کی آگ ہمارے لئے ناقابل برداشت ہوگی۔ ایک خدا پرست شخص نے کہیں جانے کے لئے سامان سفر باندھا تو صرف اہلیہ کے علاوہ

تمام لوگوں نے اس کے سفر کی مخالفت کی۔ بیوی کے رویے پر اظہار حیرت کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ تم اس سفر کے لئے کس طرح رضا مند ہو گئی ہو؟ وہ تمہارے اخراجات کے لئے کچھ بھی نہیں چھوڑ کر جا رہا ہے۔ اس پر اہلیہ نے جو سبق آموز بات کہی وہ یہ کہ "میرا شوہر کمانے والا ہے نہ کہ رازق" میرا رب رازق ہے۔ کمانے والا جا رہا ہے کھانے والا رازق پہلے بھی موجود تھا اور آج بھی موجود ہے۔

(بحوالہ احیاء۔ جلد ۲ قسط ۱ صفحہ ۱۳۷)

بیوی کے ذہن میں یہ بات بھی رہنی لازمی ہے کہ شوہر کا حق خود اس کے شخصی حقوق اور اس کے تمام اعزہ و اقرباء کے حقوق پر مقدم ہے جس کی بہترین تفسیر حضرت محمدؐ کی احادیث سے ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

حدیث: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خیر نسائکم الی اذا نظر الیہا زوجها سمرحہ وان امرھا

اطاعتہ و اذا غاب عنہا حفظتہ فی نفسہا ومالہ

یعنی تمہاری بہترین عورت وہ ہے کہ جب تم اس کی طرف دیکھو تو وہ تمہیں خوشی بخشنے اور جب تم اس کو کسی بات کا حکم دو تو وہ اس کی تعمیل کرے اور جب

تم اس سے غائب ہو (یعنی گھر میں نہ ہو) تو وہ تمہارے پیچھے تمہارے مال

کی اور اپنے نفس کی (ہر ممکن) حفاظت کرے۔

(بحوالہ نسائی و مشکوٰۃ)

حدیث: حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لیتخذ احدکم قلبا شاکرا و لسانا ذاکرا او زوجة مؤمنة

تعبتہ علی آخرتہ

یعنی تم میں سے ہر شخص کو چاہئے کہ وہ شکر کرنے والا دل ذکر کرنے والی

زبان بنائے اور ایسی بیوی حاصل کرے (یعنی ایسی خاتون سے شادی کرے) جو مؤمنہ ہو اور آخرت پر اس کی مدد کرنے والی ہو۔

(بحوالہ ترمذی وابن ماجہ)

نوٹ: یہاں پر یہ بات غور کرنے کی ہے کہ آنحضرتؐ نے شکر اور ذکر جیسی اہم عبادتوں کے ساتھ ہی نیک اور صاحب ایمان بیوی کا تذکرہ کیا۔ اس حدیث کی روشنی سے وہ عورت جو نیک سیرت اور حسن اخلاق والی ہو اور گھر کا نظم باقی رکھنے میں ماہر ہو دین اور شریعت کی معین و مددگار ہو اس نے اپنے شوہر کے قیمتی اوقات کو علم و عمل کے لئے فارغ کر دیا ہو اور آخرت کے اعمال کے لئے موقع فراہم کرنے کی سہولت پیدا کرتی رہتی ہو تو وہ ہی اسی کا مصداق ہو سکتی ہے۔

حدیث: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: جو عورت پانچوں وقت کی نماز پڑھتی رہے اور ماہ رمضان کے پورے روزے رکھتی ہو اور اپنی شرمگاہ کو محفوظ رکھے اور اپنے شوہر کی اطاعت (نیک کاموں میں) کرتی رہے تو وہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے (اس کے لئے کوئی قید نہیں)۔

(بحوالہ: ترجمہ مشکوٰۃ شریف جلد ۱ صفحہ ۲۸۶، ابن کثیر - صفحہ ۲۱ پ ۵)

اس حدیث میں آنحضرتؐ نے اسلام کے بنیادی ارکان نماز روزہ وغیرہ کے ساتھ شوہر کی اطاعت کا ذکر فرما کر خدمت شوہر کی اہمیت کو ثابت کر دیا اور اطاعت شعار عورتوں کی فضیلت بھی بتادی۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول خداؐ سرور کائناتؐ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا میں چار چیزیں ایسی ہیں جس کو یہ چیزیں مل گئیں تو سمجھ لو دین و دنیا کی بھلائی (و راحت) مل گئی: (۱) شکر گزار دل - (۲) ذاکر زبان - (۳) صابر بدن - (۴) نیک بیوی جو اپنے نفس اور شوہر کے مال میں کوئی گناہ نہیں کرتی (بحوالہ طبرانی شریف)۔

حدیث: حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: خوف خدا کے بعد

انسان کے واسطے اس نیک عورت سے زیادہ کوئی چیز افضل اور بہتر نہیں ہے کہ جو اپنے شوہر کے حکم کی تعمیل کرے اور مرد کو دیکھ کر مسرور ہو اگر مرد گھر میں موجود نہ ہو تو اس کے پیچھے مرد کی خیر خواہی کرے۔ اس کی عزت آبرو اور مال کی حفاظت رکھے۔

(ترجمہ مشکوٰۃ شریف - جلد ۱ صفحہ ۲۶۳)

حدیث: حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور دوسرے کو عہدہ جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو عہدہ کرے۔ اس کے بعد فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! جب تک عورت اپنے شوہر کی اطاعت نہیں کرے گی! اپنے رب کی فرمانبرداری نہیں ہو سکتی۔ اگر مرد اپنی زوجہ سے یہ کہے کہ اس سرخ پہاڑ سے سیاہ پہاڑ تک اور سیاہ پہاڑ سے سرخ پہاڑ تک دوڑ لگائے تو عورت پر اس کی تعمیل ضروری ہے (اس حدیث میں آنحضرتؐ نے شوہر کی قدر و قیمت اور شرف و عظمت کی اہمیت کو روشن کیا ہے)۔

(ترجمہ ابن ماجہ شریف - جلد ۱ ص ۲۶۹)

حدیث: حضرت رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ اگر عورت آخرت کی نجات اور بہشت چاہتی ہے تو حق تعالیٰ کی خوشنودی طلب کرے اور حق تعالیٰ کی خوشنودی نہیں حاصل ہوتی جب تک کہ اس کا خاوند اس سے (دین کے کام میں) خوش نہ ہو (بحوالہ طبرانی)۔

حدیث: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہؐ کی خدمت اقدس میں ایک حسین و شیرہ حاضر ہوئی اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں جوان ہوں لوگ مجھ سے شادی کے پیغامات بھیجتے ہیں لیکن مجھے شادی پسند نہیں۔ اب آپؐ یہ بتا دیجئے کہ میں شادی کروں یا نہیں؟ فرمایا: ضرور کرو شادی کرنے ہی میں تمہاری خیر ہے۔ اس کے بعد اس دو شیرہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپؐ مجھے یہ بتا دیجئے کہ عورت پر شوہر کا کیا حق ہے؟ فرمایا کہ شوہر کے حقوق تو بہت سے ہیں۔ اس کے حقوق کا اندازہ تم اس طرح سمجھ لو کہ اگر شوہر کا جسم سرتابہ قدم پیپ سے سڑ رہا ہو اور بیوی اپنی زبان سے اسے چائے تب بھی اس کا

حق ادا نہیں ہو سکتا (یہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی ہے)۔

(بحوالہ احیاء - جلد ۲ قسط ۱ ص ۱۳۵)

حدیث: آنحضرتؐ نے فرمایا: "المرءة الصالحة خیر من الف رجل غیر عمل صالح" یعنی نیک عورت ہزار مرد غیر صالح سے بہتر ہے۔ اور فرمایا: پارسا عورت اپنے شوہر کے لئے دین کا ستون ہے (بحوالہ طبرانی)۔

بزرگان دین نے کہا ہے کہ اگر عورت دیندار ہو اور خوش اخلاق ہو اور شوہر کو نوٹ کر چاہتی ہو خوبصورت ہو اس کے گیسو سیاہ اور دراز ہوں اس کی آنکھیں روشن کشادہ اور سیاہ ہوں اس کا رنگ سفید ہو تو وہ دنیا میں جنت کی حوروں کا نمونہ ہے۔ اللہ پاک نے جنت کی حوروں کے یہی اوصاف قرآن پاک میں بیان فرمائے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

﴿خَيْرَاتٌ جَنَّاتٍ﴾ (سورة رَحْمٰن: آیت ۱۳ - پ ۲۷)

﴿قَاصِرَاتِ الطُّرَفِ﴾ (سورة رَحْمٰن: آیت ۲۷ - پ ۲۷)

﴿حُورٌ عِينٌ﴾ (سورة الواقعة: آیت ۲۲ - پ ۲۷)

﴿مُحْرَبَاتٍ﴾ (سورة الواقعة: آیت ۳۷ - پ ۲۷)

قرآن پاک کی ان آیات میں خیرات سے مراد خوش اخلاق ہیں احسان سے مراد خوبصورت عورتیں ہیں قاصرات الطرف سے مراد وہ عورتیں ہیں جو صرف شوہر کو مرکز بنائیں۔ عرب جمع عروب کی ہے اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جو اپنے شوہروں کی عاشق ہوں اور ان سے ہمستری کی خواہش مند ہوں۔ حور اس عورت کو کہتے ہیں جس کی آنکھ میں سفیدی بھی زیادہ ہو یا سیاہی بھی زیادہ ہو اور عین اس عورت کو کہتے ہیں جس کی آنکھیں بڑی بڑی ہوں۔ صحیح معنی میں عورت میں وہ صفات و عادات ہونی چاہئیں جن کی نشاندہی سرکارِ دو عالمؐ نے مذکورہ احادیث میں فرمائی ہیں۔

(بحوالہ احیاء - جلد ۲ تفسیر عباسی دیکھئے سعادت)

عورت کے لئے اس کے شوہر کی ذات اتنی اہم اور قابل قدر ہے کہ سرورِ دو عالمؐ کا ارشاد ہے:

حدیث: حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

ایما امرءة ماتت وزوجها عندها راض دخلت الجنة یعنی جو عورت (بیوی) اس حال میں مرے کہ اس کا شوہر اس کی نیکی اور بھلائی سے خوش ہو وہ جنت میں داخل ہوگی (بحوالہ ترمذی وابن ماجہ و مشکوٰۃ - ص ۴۸)۔

حدیث: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

اذا خرجت المرأة من بيتها وزوجها كاره لعنهما كل ملك في السماء وكل شئ مروت عليه غير الجن والانس حتى

ترجع

یعنی نیک عورت گھر سے اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر نکلتی ہے تو اس پر آسمان کا ہر فرشتہ لعنت بھیجتا ہے اور جن و انسان کے علاوہ ہر وہ چیز جس پر سے وہ (عورت) گزرتی ہے پھر نکالو لعنت بھیجتی ہے تا وقتیکہ وہ واپس نہ ہو (الحدیث کشف الغمہ)۔

حدیث: حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص سفر میں گیا تو چلتے وقت اپنی اہلیہ سے کہہ گیا کہ میری واپسی تک مکان کی بالائی منزل سے نیچے نہ آنا۔ اس عورت کے والدین نیچے مکان میں رہتے تھے۔ اتفاق سے ایسا ہوا کہ شوہر کی واپسی سے پہلے ہی والد بیمار ہو گئے۔ اس عورت نے سرکارِ دو عالمؐ کے پاس کسی شخص کو بھیج کر دریافت فرمایا کہ میں باپ کی عیادت کے لئے نیچے اتروں یا شوہر کے حکم کی تعمیل میں اوپر ہی رہوں؟ آپؐ نے اس عورت کو اپنے خاوند کی اطاعت کا حکم فرمایا۔ وہ بیماری جان لیوا ثابت ہوئی مگر وہ عورت شوہر کی ہدایت پر عمل پیرا رہی نیچے نہیں اتری لیکن اس عورت کو یہ تقاضاے فطرت و بشریت دل میں بہت ملال ہوا۔ ادھر سرکارِ دو عالمؐ نے کسی شخص کی معرفت

اسے یہ خوشخبری سنائی کہ شوہر کی اطاعت سے یہ اجر ملا کہ اس کے مرحوم باپ کی مغفرت ہوگئی ہے۔ (بحوالہ طبرانی - اوسط وحیا - جلد ۲ ص ۱۴۳)

حدیث: ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: جو عورت کم از کم سات شب و روز خلوص دل سے اپنے شوہر کی تابعداری نیک کاموں میں کرتی رہے اور اس کو خوش رکھے تو اس کے ہفت اندام (شرمگاہ) پر دوزخ کی آگ حرام ہو جاتی ہے اور سات سو برس کی عبادت کا ثواب اس کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا ہے (بحوالہ طبرانی)۔

حدیث: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جو عورت اپنے خاوند کی آراستگی اور بھلائی کے لئے کوئی چیز انھائی یا رکھتی ہے اسے اس کے عوض میں ایک نیکی کا ثواب ملتا ہے اور ایک گناہ معاف ہو جاتا ہے اور ایک درجہ بلند کیا جاتا ہے۔ اور جو عورت اپنے شوہر کو خوش رکھتی ہے اور حاملہ ہوتی ہے اسے اتنا اجر دیا جاتا ہے جتنا رات کو عبادت کرنے والے اور دن کو روزہ رکھنے والے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کو ملتا ہے اور جب اسے دروزہ لاحق ہوتا ہے تو ہر درود کے بدلہ میں ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے اور جب بچہ ماں کے پستان چوستا ہے تو ہر دفعہ کے عوض میں بھی عورت کو ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے (بحوالہ غنیۃ الطالبین - ص ۱۳۳)۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: میری امت کی عورتوں میں سے سب سے افضل ترین وہ عورت ہے جو اپنے شوہر کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ پیش آئے اور اپنے شوہر کی خواہش کے مطابق فرمانبرداری کرتی رہے سوائے ان کاموں کے جو گناہ کے کام ہیں ایسی عورت کو رات اور دن میں ایسے ہزار شہیدوں کا ثواب ملتا ہے جو خدا کی راہ میں صبر کے ساتھ شہید ہوتے ہیں اور اس کے اجر کی توقع خدا سے رکھتے ہیں۔ (بحوالہ غنیۃ الطالبین - ص ۱۳۴)

حدیث: حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہؐ نے فرمایا: عورت پر شوہر کا حق ایسے ہی ہے جیسے تم پر میرا حق۔ میرے حق کو ضائع کرنے والا گویا اللہ کے

حق کو ضائع کرنے والا ہے۔ وہ غضب الہی اور قہر خداوندی کا مستحق ہے اور وہ دوزخ میں ڈالا جائے گا (بحوالہ غنیۃ الطالبین - ص ۱۳۶)۔

حدیث: ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: جو عورت اپنے شوہر کی مطیع اور فرمانبردار ہو تو یاد رکھو! اس کے لئے استغفار اور دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ پرندے ہوا میں مچھلیاں پانی میں درندے جنگلوں میں اور فرشتے آسمان میں (بحوالہ کتاب بحر محیط)۔

حدیث: حضرت طاق بن علی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: اگر کسی عورت کا شوہر اس کو اپنی حاجت روائی کے واسطے بلائے تو اس وقت اگر وہ تنور پر بیٹھی ہو اور روئی کے جلنے کا خوف ہو تب بھی اس کو فوراً حاضر ہو جانا چاہئے (بحوالہ مشکوٰۃ - ص ۴۸۷)۔

حدیث: حضرت اسمعی کا بیان ہے کہ میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ اس کے بدن پر ریشمی لباس ہے اس کے ہاتھوں میں مہندی رچی ہوئی ہے اور ایک جائے نماز پر بیٹھ کر تسبیح پڑھ رہی ہے۔ میں نے اس عورت سے حیرت کے ساتھ پوچھا کہ عبادت کے ساتھ اس زیب و زینت کا کیا جوڑ ہے؟ یہ سن کر وہ عورت کہنے لگی: عبادت اللہ کے لئے اور یہ زیب و زینت شوہر کے لئے۔ دونوں کا حق ادا کرنا مجھ پر فرض ہے۔ اس بات سے میں یہ سمجھا کہ یہ ایک نیک عورت ہے (بحوالہ احیاء - جلد ۲ قسط ۱ - باب النکاح)۔

حدیث: ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: جو عورت اپنے خاوند کے لئے بنی سنوری رہے گی تو دو سو برس کی عبادت کا ثواب پائے گی بشرطیکہ خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ ہو (بحوالہ بیہقی)۔

حدیث: حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: جو کوئی مرد (شوہر) اپنی اہلیہ کو اپنے بستر کی طرف بلاتا ہو اور وہ آنے سے انکار کر دیتی ہے جس سے شوہر ناراض ہو جاتا ہے اور اسی حال میں شب گزارتا ہے تو ایسی حالت میں تمام رات اس عورت پر فرشتے لعنت کرتے رہتے ہیں۔ ایک دوسری روایت میں یہ آیا ہے کہ اگر مرد اونٹ پر

سوار ہوا اور صحبت کرنا چاہے تو تمہارے لئے انکار کرنا جائز نہیں یعنی اتنا مطیع ہو کر رہو کہ اس کو کسی وقت بھی تکلیف نہ دو البتہ ناجائز کاموں میں اطاعت ضروری نہیں (بحوالہ صحیح بخاری - جلد ۲ ص ۲۲۹ حدیث نمبر ۱۳۱۹ و ابن کثیر - جلد ۱ ص ۲۴)

اگر عورت خوبصورت ہے اور حسن و جمال کے زیور سے آراستہ ہے تو شوہر کے سامنے اپنی خوبصورتی پہ نازاں نہ ہو اور نہ شوہر کو اس کی بد صورتی اور تنگدستی کی وجہ سے حقیر سمجھے اور نہ کسی سبب سے اپنے شوہر پر فخر کرے کیونکہ یہ سب قدرتی چیز ہے نہ کہ اپنی ذاتی۔

حدیث: ایک بد صورت شخص رسول اللہ کی خدمت میں آیا۔ اس کی بیوی نہایت خوبصورت تھی اس کے حسن و جمال پر دنیا تعجب کرتی تھی۔ آنحضرت نے پوچھا: تیری عورت تیرے ساتھ کیا برتاؤ کرتی ہے اور تجھے کس نظر سے دیکھتی ہے؟ اس شخص نے عرض کیا کہ میری بہت تندرستی ہے اور میری اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہیں جاتی اور اسے اپنے حسن و جمال کا کوئی لحاظ نہیں بلکہ میری خدمت کی طرف دھیان ہے۔ یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا: جا اس سے کہہ دے کہ وہ جتنی عورتوں میں سے ہے کیونکہ باوجود حسن و جمال کے اپنے شوہر کی تابعداری کرتی ہے اس کی بد صورتی پر نہیں جاتی۔

(بحوالہ طبرانی وغنیۃ الطالبین)

اصمعی کہتے ہیں کہ میں ایک گاؤں میں گیا۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ ایک حسین ترین عورت ایک ایسے مرد کی شریک زندگی تھی جو انتہائی بد صورت اور تنگ دست تھا۔ میں نے اس عورت کے سامنے بھی اظہار حیرت کیا اور پوچھا کہ کیا تم اس جیسے شخص کی بیوی بننے پر خوش ہو؟ اس نیک عورت نے مجھے ڈانٹ کر خاموش کر دیا اور کہنے لگی: تم غلطی پر ہو میں تو یہ سمجھتی ہو کہ اس شخص نے کوئی نیک کام کیا تھا جس کا صلہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی بیوی ہونے کی توفیق سے دیا ہے اور اللہ نے مجھ پر یہ بہت بڑا کرم فرمایا اور یہ کہ ہماری رفاقت میں اللہ کی مرضی شامل ہے۔ بھلا جو چیز اللہ نے میرے لئے

پسند فرمائی ہے میں اس پر راضی کیوں نہ رہوں۔ (احیاء - جلد ۲ قسط ۱ - غنیۃ الطالبین)

عورت کے لئے یہ بات کسی طرح بھی جائز نہیں کہ اگر اس کا شوہر فقیر اور محتاج ہو تو اس کو حقارت کی نظر سے دیکھے اور بد اخلاقی اور ترش روئی سے پیش آئے۔ حدیث پاک میں اس سلسلے میں بڑی مذمت اور وعیدیں آئی ہیں۔

حدیث: حضرت رسول اللہ نے فرمایا کہ جو عورت اپنے محتاج شوہر کو حقارت کی نظر سے دیکھتی ہے اور بد اخلاقی اور بد کلامی سے پیش آتی ہے تو اس کو جنت تو کیا جنت کی بونک نصیب نہ ہوگی اور ہمیشہ خدا کی پھنکار پڑتی رہے گی۔ (بحوالہ طبرانی - اوسط)

لہذا اگر شوہر بے کس و مجبور ہو تو عورت کو چاہئے کہ گھر پر کمائی کا ذریعہ بنائے یعنی کپڑا سازی، آٹا پسائی، نیائی وغیرہ کام کر کے شوہر کی خدمت کرے۔ حدیث شریف میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

حدیث: حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: جو نیک عورت اپنی کمائی سے اپنے محتاج شوہر کی خدمت میں ایک درہم خرچ کرتی ہے تو یہ ایک درہم اس سے بہتر ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں سات سو پہاڑ سونا صدقہ کرے۔

(المحدیث - اکسیر ہدایت - امام غزالی)

حدیث: حضرت معاذ ابن جبل کا بیان ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: یعنی جب کوئی عورت دنیا میں اپنے شوہر کو تکلیف پہنچاتی ہے تو جنت کی خوروں میں سے وہ حور جو اس کو جنت میں ملے گی وہ یہ کہتی ہے کہ اے عورت: خدا تیرا استیلا کرے اور ہلاک کرے تو اسے کیوں ستاتی ہے۔ یہ تو تیرے پاس چند روز کے لئے مہمان ہے یہ بہت جلد جدا ہو کر ہمارے پاس چلا آئے گا

(بحوالہ ابن ماجہ جلد نمبر ۱ حدیث ۲۰۳ ص ۲۹۶ ترمذی و احیاء جلد ۲)

عورت کو چاہئے کہ اپنے شوہر کی پیٹھ پیچھے اس کی بد گوئی نہ کرے اور اپنے خاوند کی

غیبت سے اپنے نفس کو بچا کر رکھے اور اس کا عیب دوسروں سے بیان نہ کرے۔ آج کل اکثر عورتوں کے نزدیک یہ عیب ہی نہیں رہا بلکہ ہنر بن گیا ہے۔ یہ کتنی غضب کی بات ہے جبکہ حدیث میں بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں۔ جو عورت آخرت کی کامیابی اور خوشحالی کی امید رکھے اور عذاب الہی سے نجات چاہے تو اس کو اس ناپاک حرکت سے باز آنا چاہئے۔

حدیث: آنحضرتؐ نے فرمایا: جو عورت خاوند کے عیب کو بیان کرے وہ دوزخ کی آگ اپنے اوپر تیز کر لے اور اپنا ٹھکانہ دوزخ میں کر لے (بحوالہ طبرانی وغنیۃ الطالبین)۔

حضرت فضیل ابن عیاضؒ نے فرمایا کہ دنیا میں تین عمل ایسے ہیں جو انسان کے تمام اعمال صالحہ کو برباد کر دیتے ہیں اور وضو والے کا وضو نماز والے کی نماز اور روزہ والے کا روزہ خراب کر دیتے ہیں: (۱) غیبت - (۲) چغل خوری - (۳) جھوٹ (بحوالہ تفسیر معارف القرآن - جلد ۸ ص ۸۴۱)۔

حدیث: حضرت شعیبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ تین قسم کے آدمی جنت میں داخل نہ ہوں گے: (۱) ناحق خون بہانے والا - (۲) غیبت و چغل خوری کرنے والا - (۳) سود کا کاروبار کرنے والا (جو انسان یقیناً اللہ سے ڈرتا ہے صرف وہی انسان ان عیوب سے اپنے آپ کو پاک رکھے گا)۔ (المجدیث قرطبی)۔

حضرت قتادہؒ نے فرمایا کہ عذاب قبر کی تین قسمیں ہیں: (۱) ایک قسم غیبت کرنے سے (۲) ایک قسم چغلی کرنے سے (۳) اور ایک قسم کپڑے کو پیشاب سے پاک نہ رکھنے سے (بحوالہ اکسیر ہدایت - ص ۳۱۴)۔

حدیث: حضرت ابو الدرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: جو شخص دنیا میں کسی شخص پر عیب لگانے کے لئے ایسی بات کہے گا جس سے وہ بُری ہے تو اللہ پر واجب ہے کہ قیامت کے دن اسے دوزخ کی آگ میں پکھلائے۔

حدیث: ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ مومن ہمیشہ اپنے بھائی پر غدر ڈھونڈتا ہے اور منافق ہمیشہ اپنے بھائی کے لئے عیب تلاش کرتا ہے (بخاری و نسائی)۔ حدیث: حضرت معاذ بن انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جو شخص منافق کی غیبت سے صرف اللہ کے لئے مومن کو بچائے گا، اللہ تعالیٰ اس کے واسطے جہنم کی آگ سے حفاظت کر لئے ایک فرشتہ مقرر فرمائے گا تا کہ اس کو جہنم کی بو تک نہ لگے۔

(مشکوٰۃ المصابیح - جلد ۲ ص ۱۶۱) حدیث: حضرت جابر کا بیان ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں جن کی نذر دعا قبول ہوتی ہے اور نہ ان کا کوئی نیک عمل آسمان کی طرف جاتا ہے: (۱) اول بھگا ہوا غلام جب تک وہ اپنے آقا کے پاس واپس نہ آ جائے اور اپنے ہاتھ اس کے ہاتھ میں نہ دے دے (۲) دوسرے وہ عورت جس سے اس کا شوہر کسی حق بات پر ناراض ہو جب تک کہ اس کی تلاقی نہ کر لے (۳) تیسرے وہ شخص جو کسی نشہ کی وجہ سے مدہوش ہو جب تک اسے ہوش نہ آ جائے (مشکوٰۃ المصابیح - جلد ۱ ص ۴۸۹)۔

شریعت اسلام مرد و عورت کسی کو اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ آپس کی راز کی باتیں غیر سے بیان کرے اور اپنے پوشیدہ ازدواجی معاملات کا حال کسی دوسرے سے بیان کرے کیونکہ یہ سراسر بے وقوفی اور جہالت ہے اور شرع اور عقل دونوں کے خلاف ہے اور عورت شوہر کی نہ دی ہوئی چیز کو سوکن کے پاس بیان کرے۔ شریعت میں یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے دل شکنی ہوگی۔

حدیث: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے ایک چلے میں مردوں کو مخاطب کر کے پوچھا کہ تم میں سے کوئی ایسا شخص بھی ہے جو اپنی بیوی کے راز کی باتیں پوشیدہ رکھتا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا: ہاں یا رسول اللہ! ایسے لوگ بھی ہیں۔ جب آنحضرتؐ نے پوچھا: کیا تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو اس فعل کو لوگوں کے سامنے بیان کرتا پھرتا ہے کہ میں نے اپنی بیوی سے ایسا کیا ویسا کیا؟ یہ سن کر لوگ خاموش

رہے۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے عورتوں سے مخاطب ہو کر پوچھا: کیا تم میں سے کوئی ایسی عورت ہے جو اپنے شوہر کی خاص باتیں دوسری عورتوں کو بیان کرتی ہو؟ یہ سن کر عورتیں بھی خاموش رہیں۔ کچھ دیر بعد ایک جوان عورت کھڑی ہوئی اور اپنے زانو کے بل کھڑی ہوئی اور آگے بڑھ کر عرض کرنے لگی کہ یا رسول اللہ! ایسی باتیں عورتیں بھی کرتی ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شیطان ایک شیطانہ سے کوچہ و بازار میں صحبت کرتا ہے اور اپنی حاجت پوری کر کے چل دیتا ہے حالانکہ لوگ ان کو دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ اے لوگو! یاد رکھو کہ ایسی حرکتیں کسی مؤمن و مؤمنہ کی شان نہیں (قیامت کے میدان میں اس بات کی بھی پکڑ ہوگی)۔ (ابوداؤد شریف - جلد ۱ ص ۳۱۹ - غنیۃ الطالبین - ص ۱۳۸)۔

حدیث: حضرت اسماءؓ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میری سوکن ہے۔ اگر میں اس کے سامنے اپنے خاوند کی طرف سے کسی ایسی چیز کا اظہار کروں جو اس نے مجھ کو نہ دی ہو تو کیا اس میں کوئی گناہ ہے؟ یہ سن کر حضورؐ نے فرمایا: نہ دی ہوئی چیز کا اظہار کرنے والا جھوٹ کے پکڑے پہننے والے کی طرح ہے (یعنی ڈبل جھوٹ بولنے والا ہے)۔ (صحیح ترمذی بخاری شریف - جلد ۲ ص ۳۳۵)۔

حدیث: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
لا تباشر المرأة المرأة حتى تصفها لزوجها كأنه ينظر إليها
یعنی عورت عورت سے خللا ملانہ کرے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اس کی کیفیت اپنے شوہر سے اس طرح بیان کرے گویا وہ خود اس کو دیکھ رہا ہے۔ یہ بہت ہی ذلیل حرکت ہے اور باعث گناہ بھی (ترمذی شریف)۔
حدیث: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

المرأة راعية على بيت زوجها وهي مسئولة
یعنی عورت اپنے شوہر کے گھر کی حکمران ہے اور وہی اپنی حکومت کے دائرہ میں اپنے عمل کے لئے جواب دہ ہے (بحوالہ بخاری شریف)۔
عورت پر شوہر کا ایک حق یہ بھی ہے کہ شوہر کے گھر کی کوئی چیز اس کی اجازت کے بغیر نہ دے اگر دے گی تو گنہگار ہوگی لیکن شوہر کو ثواب ملے گا اور شوہر کا مال فضول خرچ نہ کرے بلکہ کم سے کم خرچ کرے اور اس کے مال کی حفاظت کرے ورنہ قیامت کے روز اس بات کی پکڑ ہوگی۔

حدیث: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
لا يحل لها ان تطعم من بيته الا باذنه الا الرطب من الطعام
ولا تعطى من بيته شيئا الا باذنه فان فعلت ذلك كان له الاجر وعليها الوزر
یعنی عورت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کا مال اس کی اجازت کے بغیر کھلانے یا تر کھانا کھلانے کی اجازت ہے (یعنی جو چیز زائد حق جائے یا سڑنے کا ڈر ہے وغیرہ اس کا بلا اجازت دینا مضائقہ نہیں ہے) اور نہ عورت کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ شوہر کے گھر سے بلا اجازت کوئی چیز کسی کو دے اگر دے گی تو شوہر کو اس کا اجر ملے گا اور خود گنہگار ہوگی۔

(ابوداؤد و تہذیبی و احیاء - جلد ۲)

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا کہ شوہر جو مال و دولت اپنی زوجہ کے پاس گھر کے خرچ کے واسطے دے یا جمع رکھنے کے لئے دے تو اس مال میں سے بلا اجازت صرف کرنا ہرگز جائز نہیں حتیٰ کہ سائل کو بھی دینا جائز نہیں۔
(بحوالہ اصلاح المسلمین - ص ۴۹)

عورت کو چاہئے کہ شوہر کے گھر کا کام خود اپنے ہاتھ سے کرے اور شوہر کو زحمت نہ دے بلکہ جہاں تک ہو سکے شوہر کی خدمت کرے خدا کا قرب حاصل کرے۔
حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اقرب ما تكون المرأة من وجه ربها اذا كانت في خدمة زوجها

یعنی عورت اپنے رب کے زیادہ قریب اس وقت ہوتی ہے جب وہ اپنے شوہر کی خدمت میں رہے (اور نیک کاموں میں اس کی اطاعت کرے)۔

(بحوالہ ابوداؤد شریف)

حدیث: ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: جو عورت اپنے شوہر کے گھر میں جھاڑو دیتی ہے وہ گویا خانہ کعبہ میں جھاڑو دیتی ہے یعنی اس کو اتنا ثواب ملے گا جتنا ثواب خانہ کعبہ میں جھاڑو لگانے پر ملتا ہے (اکسیر ہدایت) اور عورت کو چاہئے کہ اپنے شوہر کے کپڑے وغیرہ دھویا کرے اور کبھی کبھی پیسہ کرے کہ ازواج مطہرات کی سنت ہے۔

حدیث: حضرت ابو بکر صدیقؓ کی صاحبزادی حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ جب میری شادی حضرت زبیر سے ہوئی تو ان کے پاس نہ زمین نہ جائیداد تھی نہ مال و دولت اور نہ باندی نہ غلام صرف ایک گھوڑا تھا اور ایک اونٹ تھا جو پانی لانے کے کام میں استعمال ہوتا تھا۔ میں خود گھوڑے کو گھاس دانہ دیتی تھی پانی پلاتی تھی اس کا جسم ملتی اور اپنے شوہر کے ہر متعلقہ خدمت انجام دیتی تھی۔ اونٹ کے لئے کھجور کی گٹھلیاں کوٹتی اور اسے کھلاتی ڈول سیتی پانی بھر کر لاتی آنا گوندھتی روٹی پکاتی، میلوں کی مسافت طے کرتی، گٹھلیاں سر پر لا کر لاتی۔ میری یہ حالت دیکھ کر حضورؐ نے فرمایا: تم بہت مبارک بیٹی ہو اور تمہاری

آخرت بہت کامیاب رہے گی اور رسول اللہؐ نے میرے لئے دعائیں دیں۔

(بحوالہ ابن ماجہ - غنیۃ الطالبین و احیاء)

حدیث: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: جو عورت اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتی ہے اس پر لازم ہے کہ خاوند کے سامنے اپنے حسن و جمال پر فخر نہ کرے اور خاوند کی برائی نہ کرے اور عیب نہ نکالے اور خاوند کی ناشکری نہ کرے اور ہر وقت خرید و فروخت کا سوال نہ کرے اور اپنے شوہر سے ایسی چیز کا سوال نہ کرے جس میں وہ عاجز ہو بلکہ تھوڑا بہت جو کچھ خدا نے اسے دیا ہے اسی پر قناعت کرے اور یہ بھی نہ کہے کہ تو نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا ہے اور مجھے کیا دیا ہے کیونکہ یہ بے وفا اور بے مروت عورتوں کی عادت ہے اور بلا ضرورت شدید پڑوسی کے گھر نہ جائے اور ہمسایوں سے باتیں بہت کم کرے۔ یہ سب باتیں کسی مؤمن عورت کو زیب نہیں دیتیں۔ باحیاء کو اپنی عصمت و عفت کا خیال رکھنا چاہئے۔ اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر قدم نہ رکھے۔ اگر وہ جانے کی اجازت دے تو معمولی اور سادہ لباس میں پروے کے تمام تقاضوں کی تکمیل کے بعد جائے اور ہر کام میں شوہر کی خوشی کو اصل مقصد قرار دے اور نماز روزہ اور تسبیح وغیرہ کی پابندی کرے (غرض عورت پر واجب ہے کہ گھر سے متعلق ہر ممکن خدمت انجام دے۔ گھر کے نظم و نسق کا دار و مدار عورت پر ہے اسے کسی بھی ایسے کام سے گریز نہ کرنا چاہئے جو اس کے بس میں ہو۔ ان تمام باتوں کا بہترین نمونہ خلیفہ ازل حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی اسماءؓ کا واقعہ ہے جس کا ذکر اس سے پہلے حدیث میں ہے۔ ایسے اور بہت سے واقعات ہیں عبرت کے لئے یہ کچھ نہیں۔

بیوی پر شوہر کے حقوق

”دیکھئے میں نے عورت ہونے کا بلند ترین مقام آپ پر آشکارا کر دیا“ آپ کو اس ذہنی ایجنج سے بھی نجات دلائی کہ ماں بننا کوئی گھانا کام سودا ہے آپ پر ظاہر کر ڈالا کہ یہی وہ عہدہ جلیلہ ”ماں“ ہے جس کی بناء پر آپ دنیا کے تمام رشتوں پر فوقیت حاصل کر جاتی ہیں۔ آپ کو نبی کریم ﷺ کی ازواج کے حالات آپ کے حقوق کی بابت آگاہی دلانے کی کوشش کی آئیے اب کچھ ان ذمہ داریوں کا ذکر کروں جو اللہ عزوجل نے آپ کے کندھوں پر شوہر کی بابت عائد کر دی۔“

کچھ ایسے معاملات جن میں شوہر کو انکار کرنا جائز نہیں:

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَعَى الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ إِلَى فِرَاشِهِ فَأَبَتْ فَبَاتَ غَضَبًا لَعْنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتَّى تُصْبِحَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لَهُمَا قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا مِنْ رَجُلٍ يَذْغُو امْرَأَتَهُ إِلَى فِرَاشِهِ فَبَاتَ غَضَبًا عَلَيْهِ إِلَّا كَانَ الذَّنْءُ فِي السَّمَاءِ سَبَا خَطَا عَلَيْهَا حَتَّى يَرْضَى عَنْهَا.

صحیح بخاری، کتاب بدو الخلق، باب اذا قال احدکم امین، ج ۲۳۳۷۔
”اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اگر کوئی مرد اپنی عورت کو ہم بستر ہونے کے لئے بلائے اور وہ عورت انکار کر دے اور پھر شوہر (اس کے انکار کی وجہ سے) رات بھر غصہ

کی حالت میں رہے تو فرشتے اس عورت پر صبح تک لعنت بھیجتے رہتے ہیں (بخاری و مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں (یعنی جس کے قبضہ تصرف میں) میری جان ہے جو شخص اپنی عورت کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کر دے تو وہ جو آسمان میں ہے اس سے اس وقت تک ناراض رہتا ہے جب تک اس کا شوہر اس سے راضی نہ ہو۔“

شوہر کی خواہش پر بیوی کو ہم بستر ہونے سے انکار نہ کرنا چاہئے:

یہ وعید اس صورت میں ہے جب کہ بیوی کوئی شرعی عذر نہ ہونے کے باوجود شوہر کے بستر پر آنے سے انکار کر دے۔ بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ حیض ایسا عذر نہیں ہے جس کی موجودگی میں بیوی کو شوہر کے بستر پر آنے سے انکار کر دینے کا حق پہنچتا ہو کیونکہ جمہور علماء کے نزدیک شوہر کو اس صورت میں بھی کپڑوں کے اوپر سے جنسی لطف حاصل کرنا (یعنی بدن سے بدن ملانا اور بوسہ وغیرہ لینا) جائز ہے اور بعض علماء کے نزدیک شرم گاہ کے علاوہ جسم کے بقیہ حصوں سے لطف اندوزی جائز ہے۔

”صبح تک“ غالب کے اعتبار سے فرمایا گیا ہے یعنی اکثر یہ صورت حال چونکہ رات میں پیش آتی ہے اس لئے ”صبح تک“ کا ذکر کیا گیا ورنہ اگر شوہر کی طرف سے خواہش اور بیوی کی طرف سے انکار کی یہ صورت حال دن میں پیش آئے اور اس کی وجہ سے شوہر دن بھر ناراض رہے تو فرشتے اسی طرح شام تک اس عورت پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔

”وہ جو آسمان میں ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ وہ ذات جس کا حکم آسمانوں میں جاری ہے یا وہ ذات جس کی آسمانوں میں عبادت کی جاتی ہے اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے تو اللہ تعالیٰ زمین کی ساری مخلوقات کا بھی معبود اور آسمان اور آسمان کی ساری مخلوقات کا بھی معبود ہے۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَبُؤِ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهُ وَفِي الْأَرْضِ إِلَهُ
”اور وہ (اللہ تعالیٰ) ایسا ہے کہ جو آسمانوں میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی معبود ہے۔“

لیکن حدیث میں صرف آسمان کا معبود اس لئے کہا گیا ہے زمین کی یہ نسبت آسمان زیادہ شرف رکھتا ہے اور صرف آسمان کا ذکر اظہار مقصد کے لئے کافی ہے تاہم یہ بھی احتمال ہے کہ ”وہ جو آسمان میں ہے“ سے فرشتے مراد ہوں۔
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خاوند کی ناراضگی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہے اور جب جنسی جذبات کی تسکین کے بارے میں خاوند کی ناراضگی کی یہ اہمیت ہے تو کسی دنیوی معاملہ میں خاوند کی ناراضگی کتنی اہمیت ہوگی۔

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
الْمَرْأَةُ إِذَا صَلَّتْ خَفَضَتْهَا وَصَامَتْ شَهْرَهَا وَأَخَصَّنَتْ
فَرْجَهَا وَأَطَاعَتْ بَغْلَهَا فَلْتَدْخُلَ مِنْ أَيِّ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ
شَاءَتْ.

رواہ ابو نعیم فی الحلیۃ۔

”اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس عورت نے (اپنی پاکی کے دنوں میں پابندی کے ساتھ) پانچوں وقت کی نماز پڑھی، رمضان کے (ادا اور قضاء) روزے رکھے، اپنی شرم گاہ کی حفاظت کی (یعنی فواحش اور بری باتوں سے اپنے نفس کو محفوظ رکھا) اور اپنے خاوند کی (ان چیزوں میں) فرمانبرداری کی (جن میں فرمانبرداری کرنا اس کے لئے ضروری ہے) تو (اس عورت کے لئے) یہ بشارت ہے کہ وہ جس دروازہ سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے۔“ اس روایت

کو ابو نعیم نے حلیۃ الابرار میں نقل کیا ہے۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كُنْتُ أَمْرًا أَخَذًا أَنْ يَسْجُدَ لِأَحَدٍ لَا مَرْتَ الْمَرْأَةُ
أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا.

جامع الترمذی، کتاب النکاح، باب ما جاء فی حق الزوج، ح ۱۱۵۹۔

”اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر میں کسی کو یہ حکم کر سکتا کہ وہ کسی (غیر اللہ) کو سجدہ کرتے تو میں یقیناً عورت کو حکم کرتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔“ (ترمذی)

اگر غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو خاوند کو بیوی کا مسجود قرار دیا جاتا:

مطلب یہ ہے کہ رب معبود کے علاوہ اور کسی کو سجدہ کرنا درست نہیں ہے اگر کسی غیر اللہ کو سجدہ کرنا درست ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے کیونکہ بیوی پر اس کے خاوند کے بہت زیادہ حقوق ہیں جن کی ادائیگی شکر سے وہ عاجز ہے گویا اس ارشاد گرامی میں اس بات کی اہمیت و تاکید کو بیان کیا گیا ہے کہ بیوی پر اپنے شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری واجب ہے۔

وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّمَا امْرَأَةٍ مَا تَتَّ وَزَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ دَخَلَتْ الْجَنَّةَ. (رواہ الترمذی)

جامع الترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء فی حق الزوج، ح ۱۱۶۱۔

”اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو عورت اس حال میں مرے کہ اس کا شوہر اس سے راضی و خوش ہو، تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔“ (ترمذی)

شوہر کی خوشنودی کی اہمیت:

جو شوہر عالم و متقی ہو اس کی رضامندی اور خوشنودی کا یہ اجر بیان کیا گیا ہے فاسق و جاہل شوہر کی رضامندی و خوشنودی کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا الرَّجُلُ دَعَا زَوْجَتَهُ لِحَاجَتِهِ فَلَتَاتِهِ وَإِنْ كَانَتْ عَلَى التَّنَوُّرِ.

جامع الترمذی: کتاب الرضاع: باب ما جاء في حق الزوج: ح ۱۱۶۰۔
”اور حضرت طلح بن علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنی حاجت پوری کرنے کے لئے (یعنی جماع کے لئے) بلائے تو بیوی کو شوہر کے پاس پہنچ جانا چاہئے اگرچہ وہ چولہے کے پاس ہو۔“ (ترمذی)

شوہر کی اطاعت کرو:

”اگرچہ وہ چولہے کے پاس ہو“ کا مطلب یہ ہے کہ اگر بیوی کسی ضروری کام میں مشغول ہو اور کسی چیز کے نقصان کا احتمال بھی ہو تب بھی شوہر کی اطاعت کی جائے اور اس کے بلائے پر فوراً اس کے پاس پہنچ جانا چاہئے مثلاً بیوی چولہے کے پاس ہو اور روٹی تو بے پروا رکھی ہو اور اسی حالت میں شوہر جماع کے لئے بلائے تو اس بات کی پرواہ کئے بغیر کہ آٹے روٹی کا نقصان ہو جائے گا شوہر کے حکم کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اس کے پاس پہنچ جائے۔

وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُؤْذِي أَمْرَأَةً رُوحَهَا فِي الدُّنْيَا إِلَّا قَالَتْ زَوْجَتُهُ مِنَ الْخُودِ الْعَيْنِ

لَا تُؤْذِيهِ قَا تَلَّكَ اللَّهُ فَإِنَّمَا هُوَ عِنْدَكَ دَخِيلٌ يُؤْ شَكُّ أَنْ يُفَارِقَكَ الْإِنَّا

(رواہ الترمذی وابن ماجہ و قال الترمذی هذا حدیث غریب)

”اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جب کوئی عورت دنیا میں اپنے شوہر کو تکلیف پہنچاتی ہے تو اس کی (جنت والی) بیوی یعنی بڑی آنکھوں والی حور کہتی ہے کہ تجھ پر اللہ کی مار پڑے (یعنی اللہ تجھے جنت اور اپنی رحمت سے دور رکھے) اپنے شوہر کو تکلیف نہ پہنچا کیونکہ وہ (دنیا میں) حیرا مہمان ہے جو جلد ہی تجھ سے جدا ہو کر ہمارے پاس (جنت میں) آئے گا۔“ (ترمذی)

امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

شوہر کو تکلیف مت پہنچاؤ:

ایک دوسری روایت میں یوں فرمایا گیا ہے کہ لعن الملائکة لعاصیة الزوج یعنی فرشتے اس عورت پر لعنت بھیجتے ہیں جو اپنے شوہر کی نافرمانی کرتی ہے ان دونوں روایتوں سے جہاں شوہر کی نافرمانی کرنے یا اس کو تکلیف پہنچانے کی سخت برائی ثابت ہو رہی ہے وہیں یہ بھی واضح ہوا کہ اس دنیا میں انسان جو کچھ کرتا ہے وہ ملائعہ اعلیٰ یعنی آسمان کے رہنے والوں کے علم میں آ جاتا ہے۔

وَعَنْ عُقْمَرِ بْنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُسْتَلَمُ الرَّجُلُ فِيمَا صَضَرَبَ امْرَأَتَهُ عَلَيْهِ

سنن ابی داؤد: کتاب النکاح: باب فی ضرب النساء: ح ۲۱۴۷۔

”اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اگر مرد اپنی عورت کو کسی (معتول) چیز پر مارے تو قابل

مواخذہ نہیں ہوتا۔ (ابوداؤد ابن ماجہ)

نافرمان بیوی کو مارنے پر مواخذہ نہیں ہوگا:

”قابل مواخذہ نہیں ہوتا“ کا مطلب یہ ہے کہ اپنی بیوی کو مارنے سے کوئی گناہ لازم نہیں ہوتا کہ جس پر اس سے دنیا اور آخرت میں باز پرس ہو بشرطیکہ بیوی کو مارنے کی جو قیود و شرائط ہیں ان کو ملحوظ رکھا جائے اور حد سے تجاوز نہ کیا جائے۔

لفظ علیہ کی ضمیر مجرد و حرف مافی طرف راجع ہے اور ماسے مراد نشوز (نافرمانی) ہے جو اس آیت وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ..... میں مذکور ہے لہذا اس جملہ ”اس چیز پر مارنے“ کا حاصل یہ ہوگا جو مرد اپنی بیوی کو اس کی نافرمانی پر مارے تو وہ گنہگار نہیں ہوگا۔

لیکن یہاں پر یہ حدیث درج کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ شوہر اس حدیث کو پڑھ کر عورتوں کی ہر بات کو نافرمانی قرار دے اور مارنے پر ڈٹ جائے۔ ذرا انہیں نبی کریم ﷺ کی عملی زندگی پر بھی نظر رکھنی چاہیے کہ کیا اس میں کبھی ایسی نوبت آئی۔

قطعاً نہیں! حاشا للہ ازواج مطہرات سے کئی مواقع پہ ایسی غلطیاں بھی سرزد ہوئیں جو آج کل کی بیویوں سے ہوتیں تو شوہر نبھانے کیا کر جاتے لیکن نبی کریم ﷺ نے کبھی اونچی آواز سے بھی نہیں ڈانٹا۔ میں نے فقط یہ حدیث عورتوں کی اصلاح کی خاطر تحریر کی تاکہ وہ شوہروں کی حدود کو سمجھیں اور حتی الوسع شوہروں کی چھوٹی موٹی ”گزبزدوں“ پر اللہ کے حضور اپنی شکایت درج کروائے اور اس کی اصلاح کے لئے کسی اچھے موقع کی تلاش میں رہیں۔ ان شاء اللہ ایک دفعہ عقلمندی سے عمل کرنے سے اچھا شوہر دوبارہ ایسی حرکت کرتے ہوئے ہزار بار سوچے گا۔

وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ جَاءَتْ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ عِنْدَهُ فَقَالَتْ زَوْجِي صَفْوَانُ بْنُ

الْمُعْطَلِ يَضْرِبُنِي إِذَا صَلَّيْتُ وَيُفْطِرُنِي إِذَا صُمْتُ وَلَا يُصَلِّي الْفَجْرَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ قَالَ وَصَفْوَانُ عِنْدَهُ قَالَ فَمَسَّاهُ غَمًّا قَالَتْ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّا قَوْلُهَا يَضْرِبُنِي إِذَا صَلَّيْتُ فَإِنَّهَا تَقْرَأُ بِشُورَتَيْنِ وَقَدْ نَهَيْتُهَا قَالَ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَتْ سُورَةٌ وَاحِدَةً لَكَفْتُ النَّاسَ قَالَ وَأَمَّا قَوْلُهَا يُفْطِرُنِي إِذَا صُمْتُ فَإِنَّهَا تَنْطَلِقُ تَصُومُ وَأَنَا رَجُلٌ شَابٌّ فَلَا أَضْبِرُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَصُومُ امْرَأَةٌ إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا وَأَمَّا قَوْلُهَا إِنِّي لَا أَصَلِّي حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَإِنَّا أَهْلُ بَيْتٍ قَدْ عَرِفْنَا ذَاكَ لَا نَكَاذُ نَسْتَنْقِظُ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ قَالَ فَإِذَا اسْتَنْقِظْتَ يَا صَفْوَانُ فَضَلَّ

سر ابی داؤد، کتاب الصوم، باب المرأة تصوم بغير اذنه زوجها، ح ۲۵۵۹۔
”اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ام رسول کریم ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک عورت بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میرا شوہر صفوان بن معطل، جب میں نماز پڑھتی ہوں تو مجھے مارتا ہے اور جب میں روزہ رکھتی ہوں تو میرا روزہ توڑ دیتا ہے اور وہ خود فجر کی نماز اس وقت پڑتا ہے جب کہ سورج (یا تو نکلنے کے قریب ہوتا ہے یا) نکل چکا ہوتا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ (جس وقت صفوان کی بیوی یہ شکایت کر رہی تھی اس وقت) صفوان رضی اللہ عنہ

آنحضرت ﷺ کے پاس ہی موجود تھے! راوی کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صفوان رضی اللہ عنہ سے ان کی بیوی کی ذکر کردہ باتوں کے بارے میں پوچھا تو صفوان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ”یا رسول اللہ! میری بیوی کا کہنا کہ جب میں نماز پڑھتی ہوں تو مجھ کو مارتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ نماز (کی ایک ہی رکعت میں یا دو رکعتوں) میں دو (لمبی لمبی) سورتیں پڑھتی ہے حالانکہ میں نے اس کو (لمبی لمبی سورتیں پڑھنے) سے منع کیا ہے۔“ راوی کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے صفوان کی تصدیق کے لئے فرمایا: ”(سورۃ فاتحہ کے بعد) ایک سورۃ پڑھنا لوگوں کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔“ پھر صفوان نے کہا کہ اور اس کا کہنا کہ جب میں روزہ رکھتی ہوں تو میرا روزہ تڑوا دیتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ روزے رکھے چلی جاتی ہے (یعنی ہمیشہ نفلی روزے رکھتی رہتی ہے) اور میں ایک جوان آدمی ہوں اور چونکہ رات میں مجھے مباشرت کا موقع نہیں ملتا اس لئے اگر دن میں مجھے جماع کی خواہش ہوتی ہے تو میں صبر نہیں کر سکتا۔“ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”کوئی عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر (نفل) روزہ نہ رکھے۔“ (پھر صفوان نے کہا کہ) اور اس کا یہ کہنا کہ میں سورج نکلنے کے وقت نماز پڑھتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ ہم کام کاج والے لوگ ہیں (زیادہ رات گئے تک اپنے کھیتوں اور باغوں میں پانی دیتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے رات میں سونا میسر نہیں ہوتا) اور ہم لوگوں کی یہ عادت ہو گئی ہے کہ (جب ہم رات کے آخری حصہ میں سوتے ہیں تو) اس وقت جاگتے ہیں جب سورج (یا تو نکلنے کے قریب ہوتا ہے یا) نکل چکا ہوتا ہے۔“ آپ ﷺ نے (یہ عذر سن کر) فرمایا کہ ”صفوان! جس وقت آنکھ

کھلے نماز پڑھ لو۔“ (ابو داؤد ابن ماجہ)

بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر نفل روزہ نہ رکھے:

صفوان رضی اللہ عنہ زراعت پیشہ آدمی تھے وہ بہت رات گئے تک اپنے کھیتوں اور باغوں میں پانی دیتے تھے اور پھر وہیں پڑ کر سو جاتے تھے اور چونکہ وہاں جگانے والا کوئی نہیں ہوتا تھا اس لئے ان کی آنکھ دیر سے کھلتی تھی اس اعتبار سے وہ گویا معذور تھے لہذا آپ ﷺ نے ان کے عذر کی بناء پر ان کو حکم دیا کہ اگر تمہاری آنکھ وقت پر نہ کھل سکے تو جب بھی جاگو پہلے نماز پڑھو اس کے بعد کسی اور کام میں لگو۔

وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي نَفَرٍ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ فَجَاءَ بَعِيرٌ فَسَجَدَ لَهُ فَقَالَ أَصْحَابُهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَسَجَدَ لَكَ الْبَهَائِمُ وَالشَّجَرُ فَنَحْنُ أَحَقُّ أَنْ نَسْجُدَكَ فَقَالَ اعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَاکْرُمُوا آخَاكُمْ وَلَوْ كُنْتُ امْرَأًا خَدَا أَنْ نَسْجُدَ لَا خَدَا لَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِرُؤُوسِهَا وَلَوْ أَمَرَهَا أَنْ تَنْقُلَ مِنْ جَبَلٍ أَصْفَرَ إِلَى جَبَلٍ أَسْوَدَ وَمِنْ جَبَلٍ أَسْوَدَ إِلَى جَبَلٍ أَبْيَضَ كَانَ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تَفْعَلَ - (رواہ احمد)

سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب حق المرأة على الزوج، ج ۱۸۵۲۔
”اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ مہاجرین و انصار کی ایک جماعت کے درمیان تشریف فرما تھے کہ ایک اونٹ آیا اور آپ ﷺ کے سامنے سجدہ ریز ہو گیا (یہ دیکھ کر)

آپ ﷺ کے صحابہؓ نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! (جب) چوپایہ (بانور) اور درخت آپ ﷺ کو سجدہ کرتے ہیں (جو نا سمجھ ہیں اور آپ ﷺ کی تعظیم و احترام کے مکلف بھی نہیں ہیں) تو ہم (ان سے) زیادہ اس لائق ہیں کہ آپ ﷺ کو سجدہ کریں۔" آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اپنے رب کی عبادت کرو اور اپنے بھائی کی (یعنی میری) تعظیم کرو! اگر میں کسی کو کسی (غیر اللہ) کا سجدہ کرنے کا حکم دے سکتا تو یقیناً عورت کو یہ حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے! اگر اس کا شوہر اس کو یہ حکم دے کہ وہ زرد رنگ کے پہاڑ پر پتھر اٹھا کر سیاہ پہاڑ پر لے جائے اور سیاہ پہاڑ سے پتھر اٹھا کر سفید پہاڑ پر لے جائے تو اس عورت کے لئے یہی لائق ہے کہ وہ اپنے شوہر کا یہ حکم بجالائے۔" (احمد)

سخت سے سخت حکم میں بھی شوہر کی اطاعت کرو:

"اپنے پروردگار کی عبادت کرو" کا مطلب یہ ہے کہ سجدہ دراصل عبادت ہے اور عبادت کا مستحق صرف پروردگار ہے اللہ کے علاوہ کوئی بھی ذات خواہ نبی ہی کیوں نہ ہو کسی کا معبود نہیں بن سکتی تو مجھے اپنا معبود بنا کر گویا مجھے خدا کی بندگی میں شریک کرنا چاہتے ہو حالانکہ خدا نے مجھے نبی بنا کر تمہارے درمیان اس لئے نہیں بھیجا ہے کہ میں تم سے اپنی عبادت کرا کر تمہیں شرک کی آلائش میں مبتلا کروں بلکہ میں تو اس دنیا میں اس لئے آیا ہوں کہ تمہیں شرک کی غلطی سے نکال کر خدائے واحد کی بندگی کے راستہ پر لگاؤں اور تمہیں یہ تعلیم دوں کہ تمہاری اس مقدس پیشانی کو صرف خدا کے سامنے جھکنا چاہئے چنانچہ آپ ﷺ نے اس ارشاد کے ذریعہ گویا قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ السُّلْطَانُ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفُسُهُمْ أَفَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ أَنْ تُقَدِّمُوا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ اللَّهِ مَتَاعًا لَنُؤْتِيَنَّهُمْ مِنْهُ مَا يُشَاءُونَ﴾ (آل عمران ۳: ۷۹)

"کسی آدمی کو شایاں نہیں کہ خدا تو اسے کتاب و دین کا فہم اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ خدا کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ۔ بلکہ (اس کو کہنا چاہئے کہ اے لوگو!) تم اللہ والے بن جاؤ۔"

جہاں تک آپ ﷺ کو اونٹ کے سجدہ کرنے کا سوال ہے تو اس میں کوئی خلجان نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اونٹ کا سجدہ کرنا خرق عادت (یعنی عادت اور قانون قدرت کے خلاف ایک انوکھی بات ہوئے) کے طور پر تھا جو اونٹ کو اللہ تعالیٰ کے مسخر کر دینے کے سبب واقع ہوا تھا اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم و فعل میں آنحضرت ﷺ کا کوئی دخل نہیں تھا پھر یہ کہ اونٹ معذور شخص تھا کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں اور فرشتوں کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا اس وجہ سے محل اشکال نہیں ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری پر مجبور تھے اسی طرح اونٹ کو بھی حق تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ آپ ﷺ کو سجدہ کرے اور وہ اس حکم کی تعمیل پر مجبور تھا۔

"اور اپنے بھائی کی یعنی میری تعظیم کرو" کا مطلب یہ ہے کہ میری ذات اور میرے منصب کے تئیں تمہاری عقیدت و محبت کا بس اتنا تقاضا ہونا چاہئے کہ تم اپنے دل میں میری محبت رکھو اور ظاہر و باطن میں میری اطاعت کرو۔

پہاڑوں کے رنگ کا مقصد ان پہاڑوں کے درمیان فاصلہ کی مسافت و دوری کو زیادہ سے زیادہ بیان کرنا ہے کیونکہ اس طرح کے پہاڑ ایک دوسرے کے قریب نہیں

پائے جاتے لہذا اس جملہ کا مطلب یہ ہوا کہ اگر دو پہاڑ ایک دوسرے سے بہت دور واقع ہوں اور خاوند اپنی بیوی کو یہ حکم دے کہ ایک پہاڑ سے پتھر اٹھا کر دوسرے پہاڑ پر جاؤ تو بیوی کو اس سخت حکم کی تعمیل کرنی چاہئے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر خاوند اپنی بیوی کو اتنا سخت ترین حکم بھی دے تو بیوی کے لئے یہی لائق ہے کہ وہ اس حکم کو بجالائے۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
ثَلَاثَةٌ لَا تُقْبَلُ لَهُمْ صَلَاةٌ وَلَا تُصَعَّدُ لَهُمْ حَسَنَةُ الْعَبْدُ
الْأَبَى حَتَّى يَرْجِعَ إِلَى مَوَالِيهِ فَيَضَعُ يَدَهُ فِي أَيْدِيهِمْ
وَالْمَرْأَةُ السَّخَطُ عَلَيْهَا زَوْجُهَا وَالسُّكْرَانُ حَتَّى
يَضْحَكُوا

رواہ البیہقی فی شعب الایمان

”اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
ایسے تین شخص ہیں جن کی نماز (پوری طرح) قبول نہیں ہوتی اور نہ ان کی
کوئی نیکی اوپر (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف) جاتی ہے ایک تو بھاگا ہوا غلام
جب تک کہ وہ اپنے مالکوں کے پاس واپس آ کر ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ نہ
رکھ دے (یعنی جب تک واپس آ کر اپنے آپ کو اپنے مالکوں کے حوالے
نہ کر دے اور ان کی اطاعت نہ کرنے لگے۔ اس کی نماز پوری طرح قبول
نہیں ہوتی) دوسری وہ عورت جس کا خاوند اس سے ناراض ہو اور تیسرا نشہ
باز جب تک ہوش میں نہ آئے۔ (اس روایت کو نبیؐ نے شعب الایمان
میں نقل کیا ہے۔“

جس عورت کا خاوند ناراض ہو اس کی نماز پوری طرح قبول نہیں ہوتی:
”مالکوں (یعنی جمع کے صیغے میں گویا مالک اور اس کی اولاد کی طرف اشارہ ہے کہ
غلام کو صرف اپنے مالک ہی نہیں بلکہ اس کی اولاد کی بھی وفاداری کرنی چاہئے۔

ایک اور روایت میں لفظ زوجہا کے بعد حَتَّى يَدُوسَ عَنَاقِهَا کے الفاظ بھی منقول
ہیں یعنی جس عورت کا خاوند اس سے ناراض ہو اس کی نماز اس وقت تک پوری طرح
قبول نہیں ہوتی اور اس کی کوئی نیکی اوپر نہیں چڑھتی جب تک کہ اس کا خاوند اس سے
خوش نہ ہو جائے اس روایت میں ان الفاظ کو اس لئے نقل نہیں کیا کہ یہ مفہوم خود بخود
واضح ہے اور مراد یہ ہے کہ یا تو اس کا خاوند اس سے خوش ہو جائے یا اس کو طلاق دے
دے۔

نیک بیوی کون ہے؟

عن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه یقول ما استفاد المؤمن بعد تقوی اللہ خیرا لہ من زوجہ صالحۃ ان امرھا اطاعتہ وان نظر الیہا سرتہ وان اقسم علیہا ابرتہ وان غاب عنها نصحتہ فی نفسہا ومالہ (ابن ماجہ ص ۱۳۳ - مشکوٰۃ ص ۲۶۸)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول پاکؐ نے ارشاد فرمایا: مؤمن بندے نے تقویٰ کی نعمت کے بعد کوئی ایسی بھلائی حاصل نہیں کی جو نیک اور صالح بیوی سے بڑھ کر ہو (وہ یہ ہے) اگر شوہر کوئی بات کہے تو اسے پورا کرے اگر شوہر اس کی طرف دیکھے تو اسے خوش کر دے اگر شوہر کسی کام کے بارے میں قسم دے تو اسے پورا کرے اگر وہ کہیں باہر جائے تو اپنی جان اور اس کے مال کے بارے میں خیر کا معاملہ کرے۔

فوائد

اس حدیث پاک میں تقویٰ کی نعمت کے بعد مرد کے لئے نیک و صالح بیوی کو بیان کیا ہے۔ واقعہ متقی و پرہیزگار کو نیک بیوی مل جائے تو نور علی نور زندگی جنت نظیر ہو جائے گی۔ نیک بیوی کی چند علامتیں بیان کی گئی ہیں:

① شوہر دیکھے تو خوش کر دے۔ نیک بیوی کی بہت ہی اہم علامت ہے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ اپنا رنگ ڈھنگ صفائی ستھرائی شوہر کی مرضی کے مطابق رکھے کہ دیکھے تو اس کا دل خوش ہو جائے۔ خندہ پیشانی چہرے کی مسکراہٹ سے اس کے ساتھ پیش

آئے ایسا نہیں کہ گھر میں مرو آیا کہ بس منہ پھلانا شروع کر دیا یا تکلیف کا اظہار کر کے اس کو پریشان کر دیا۔ نہ ایسا کہ میلی کچلی گندی پھر رہی ہے شوہر نے دیکھا تو اس کا دل کڑھ گیا۔ اچھے عمدہ کپڑے نظافت اور صفائی کے سامان رکھے ہیں مگر پھر بھی گندی کہ شوہر دیکھے تو منہ پھیرے کہ کیسی لگ رہی ہے۔ باہر دوسری عورتوں پر جب اس کی نظر پڑتی ہے تو یہ بھی سوچتا ہے کہ ہمارے گھر میں بھی صفائی اور زینت کا خیال رہے۔ ہاں جب باہر جائیں گی شادی بیاہ میں جائیں گی رشتہ داروں میں جائیں گی تو خوب بن سنور کر عمدہ سے عمدہ کپڑے پہن کر!! کیوں دوسروں کو دکھانے کے لئے؟ سن لیجئے! شادی سے قبل بناؤ سنگھار زیب و زینت درست نہیں ہاں شادی کے بعد درست ہے اور یہ بناؤ سنگھار شوہر کے لئے ہے نہ کہ اجنبی اور غیر محرموں کے لئے۔ یہ گناہ کا کام ہے۔ ایسی عورتوں کو ایک حدیث میں زانیہ کہا گیا ہے۔ یہ لوگوں کو کم از کم آنکھ اور دل کے زنا کی دعوت دیتی ہیں لوگوں کو اپنی جانب مائل کرتی ہیں۔ کم از کم یہ تو سوچتی ہی ہیں کہ کوئی عورت یا کوئی مرد دیکھے تو حیرت اور تعجب میں پڑ جائے اور تعریف کرے۔ کیسی بری بات ہے؟ عفت، حیا، شرافت کے خلاف ہے۔ زیب و زینت سے شوہر کو خوش کرو۔

④

قسم پوری کرنے کا مطلب یہ ہے کہ شوہر بیوی پر اعتبار کرتے ہوئے قسم کھالے۔

مثلاً: یہ کہے کہ قسم! تم ایسا ضرور کرو۔ تو شوہر کی خوشی کے پیش نظر ضرور پوری کر دیتی ہے خواہ مشقت اور مزاج کے خلاف ہی کیوں نہ ہو

⑤

شوہر کے غائبانہ مال و جان کی بھلائی کا مطلب یہ ہے کہ آزاد نہ پھرے۔ اجنبی مردوں سے جھجک محسوس نہیں کرتی۔ مال کی بھلائی کا مطلب یہ ہے کہ بے جا اصراف سے مال نہ لٹاتی ہو سامان حفاظت سے استعمال کرتی ہو۔ اس طرح جن لوگوں کو شوہر کی موجودگی میں مال اور کوئی سامان نہیں دیتی تھیں ان کے غائبانہ میں بھی نہ دیتی ہوں۔ نہ اپنے رشتہ داروں کو اور نہ دوسروں کو۔

جنتی عورت کون؟

عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الا اخبرکم بنسائکم فی الجنة؟ قلنا بلی یا رسول اللہ قال وودود وودود اذا غضبت او اسیبی الیہا او غضب زوجها قالت هذه یدی فی یدک لا اکتحل بغمض حتی ترضی (ترغیب ج ۳ ص ۳۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ کیا میں تم کو جنتی عورت کے بارے میں نہ بتا دوں کہ وہ کون ہے؟ ہم نے کہا: ضرور اے اللہ کے رسول۔ آپؐ نے فرمایا: شوہر پر فریفتہ زیادہ بچے دینے والی۔ جب یہ غصہ ہو جائے یا اسے کچھ برا بھلا کہہ دیا جائے یا اس کا شوہر ناراض ہو جائے تو یہ عورت (شوہر کو راضی کرتے ہوئے) کہے: میرا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ میں اس وقت تک نہ سوؤں گی جب تک کہ تم خوش نہ ہو جاؤ۔

فوائد

اس حدیث پاک میں جنتی عورت کی صفت بیان کی گئی ہے کہ جنت میں جانے والی یہ عورت ہے جس میں یہ اوصاف پائے جائیں:

وودود بہت زیادہ شوہر سے محبت کرنے والی شوہر پر فریفتہ کہ ذرا سی ناراضگی سے اس کا چین و سکون ختم ہو جائے۔ محبت و چین کا تعلق اس کا شوہر سے وابستہ ہوا اسے ناہیاض چھوڑ کر الگ بیٹھنے والی نہ ہو۔ فریفتہ اور محبت کا یہ فائدہ ہوگا کہ دوسرے کی جانب

اس کا خیال و دھیان نہ جائے گا اور غایت محبت کی وجہ سے شوہر کی جانب سے کوئی تکلیف وہ امور ہو تو اسے برداشت کر لے گی۔ محبت کی وجہ سے کڑی بات بھی میٹھی ہو جاتی ہے۔ محبوب کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف محبت کی وجہ سے محسوس نہیں ہوتی جس سے گھر کا نظام باحسن و جود چلتا ہے اور ہر ایک کو گھر یلو سکون میسر ہوتا ہے جس کا فقدان ہے کہ معمولی بات بھی آپس میں محبت نہ ہونے کی وجہ سے دل میں چبھ جاتی ہے۔ عورت جب عشق و فریفتگی کا برتاؤ کرے گی تو سخت مزاج مرد بھی متاثر ہو کر دل میں اسے جگہ دے دے گا اور وہ بھی محبت کی بنیاد پر نامناسب امور کو برداشت کرتا رہے گا اور ذانت و پت کی بجائے محبت کی بنیاد پر صرف نظر کرتا رہے گا اور گھر یلو نظام اچھی طرح چلتا رہے گا۔

اس حدیث میں ایک جنتی عورت کی ایک نہایت ہی اہم وصف و علامت بیان کی گئی ہے کہ وہ شوہر کی محبت بلکہ عشق میں سرشار ہو کر شوہر کی ذرا سی بھی ناراضگی کو برداشت نہیں کر سکتی اگر کسی بنیاد پر شوہر ناراض یا غصہ ہو جائے تو اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے کر غایت درجہ محبت و تعلق کا اظہار کرے کہ جب تک آپ راضی نہ ہوں گی خوش نہ ہوں گے میں ایک پلک بھر نہ سوؤں گی۔ اللہ اکبر۔ کیا شان و آرام و محبت و عشق کا۔

کیا آج کل کی ماڈرن عورتیں ایسا کر سکتی ہیں؟ اگر شوہر ناراض ہو اور اس کا ناراض ہونا حق بجانب ہو تو بھی بیگم صاحبہ پوچھیں گی بھی نہیں مڑے سے بے خبر سو جائیں گی۔ اگر آج یہ وصف عورت میں پیدا ہو جائے تو پھر جنت نشان بن جائے۔

شوہر کیسا ہی بد مزاج سخت مزاج کیوں نہ ہو بیوی کی غایت محبت سے اس کی محبت و قدر و حق میں بیٹھ جائے گی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی قسم کی ایک حدیث مروی ہے کہ جسے امام نسائی نے بیان کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

میں تم کو جتنی عورت نہ بتا دوں؟ جو خوب محبت کرنے والی زیادہ بچے جننے والی شوہر کے پاس کثرت سے آنے والی کہ اگر اسے تکلیف دے دی جائے یا ہو جائے تو شوہر کا ہاتھ پکڑ کر کہے: میں پلک بھر نہ سوؤں گی جب تک کہ آپ خوش نہ ہو جائیں۔

(کتاب عشرت النساء، صفحہ نمبر ۲۱۹)

گویا کہ اس بات کی تعلیم ہے کہ شوہر ناراض نہ رہے۔ اپنی جانب سے اسے ناراض رہنے یا رکھنے کی شکل پیدانہ کی جائے اور اس کی رضا جنت ہے۔

شوہر کی اطاعت کرنے والی ایک بیوی

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ سے سب ہی واقف ہیں خلفائے راشدین کے بعد انہیں کا شمار ہے۔ ان کی بیوی فاطمہ بنت عبدالملک فرماتی ہیں کہ عمر بن عبدالعزیزؓ سے زیادہ وضو اور نماز میں مشغول ہونے والے تو اور بھی ہوں گے مگر ان سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا میں نے نہیں دیکھا۔

عشاء کی نماز کے بعد مصلیٰ پر بیٹھ جاتے اور دعا کے واسطے ہاتھ اٹھاتے اور روتے رہتے حتیٰ کہ اس میں نیند کا غلبہ ہوتا تو آنکھ لگ جاتی۔ پھر جب آنکھ کھل جاتی تو اسی طرح روتے رہتے اور دعا میں مشغول رہتے۔ چونکہ ان کی بیوی بادشاہ عبدالملک کی بیٹی تھی اس لئے باپ نے بہت سے زیورات اور جواہرات دیئے تھے اور ایک ایسا ہیرا دیا تھا جس کی نظیر نہیں ملتی تھی۔ آپ نے بیوی سے فرمایا کہ وہ باتوں میں سے ایک کو اختیار کر لو۔ یا تو وہ زیورات اللہ کے واسطے دے دو کہ میں اس کو بیت المال میں داخل کر دوں یا مجھ سے جدائی اختیار کر لو۔ مجھے یہ چیز ناگوار ہے کہ میں اور مال ایک گھر میں اکٹھے رہیں۔ بیوی نے عرض کیا: وہ مال کیا چیز ہے؟ اس سونے کے ٹکڑے سے زیادہ (اور سونے چاندی کے جواہرات) پر بھی آپ کو نہیں چھوڑ سکتی۔ یہ کہہ کر سب مال بیت المال میں داخل کروا دیا۔

تاریخ میں ایک ہی عورت گزری ہے جس کا باپ بھی بادشاہ، دادا بھی بادشاہ، بھائی بھی بادشاہ، شوہر بھی بادشاہ، ان سب کے باوجود شوہر کی منشا، شوہر کے مزاج پر اپنے آپ کو ایسا فنا کیا کہ تاریخ آج تک اپنے اوراق کے نقوش پر ان کو یاد رکھتی ہے اور ان کے ایثار کی مثال مسلمان بچیوں کے لئے ہمیشہ مشعل راہ ثابت ہوگی کہ شوہر واقعی ایسا گل تر ہے کہ ایک چمن نہیں ہزاروں چمن اور ان کی ہزاروں بہاریں اس پر قربان کر دی

جائیں (اور قربان کرنے والی بھی کوئی معمولی عورت نہ ہو بلکہ رانی، شہزادی، ملکہ ہوتے ہوئے بھی شوہر کی رضا پر اپنی آنا کو فنا کر دیا۔ یہ ہے اندر کا جذبہ اور ایثار) اور شوہر کے انتقال کے بعد جب عبدالملک کا بیٹا یزید بادشاہ بنا تو اس نے بہن سے دریافت کیا: اگر تم چاہو تو تمہارا زور تم کو واپس دے دیا جائے؟ کہنے لگیں کہ جب میں ان کی زندگی میں اس سے خوش نہ ہوئی تو ان کے مرنے کے بعد اس سے کیا خوش ہوں گی؟

دیکھئے! زندگی میں تو نبھایا ہی لیکن شوہر کی وفات کے بعد بھی کوئی ایسا کام نہ کیا جو شوہر کو پسند نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ ہماری مسلمان بہنوں، بچیوں کو شوہر کی ہر جائز بات ماننا اور وفاداری کرنا سکھا دے۔ (آمین)

شوہر کے ساتھ ذہنی ہم آہنگی

ہر شوہر بعض چیزوں کو پسند کرتا ہے اور بعض کو نا پسند۔ نیک بیوی کی شان یہ ہونی چاہئے کہ اس کے جذبات و خیالات میں اس کے موافق ہونے کی پوری پوری کوشش کرے سوائے ان چیزوں کے کہ جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ بلکہ کوشش کرے کہ اس کی زبان سے نکلنے سے پہلے ہی ان کاموں کو کرے جس کو وہ چاہتا ہے۔ خود اپنے اٹھنے بیٹھنے میں رہنے سہنے میں اسی طرح رہے جیسے وہ پسند کرتا ہے کیونکہ شوہر کے دل میں اپنے لئے ہمیشہ کی محبت پیدا کرنے کے لئے یہ سب سے بڑی اور اہم صفت ہے اس لئے کہ حسن و جمال چند دنوں کا مہمان ہوتا ہے۔ کتنی ہی حسین عورت ہو لیکن چند دنوں بعد شوہر کا دل اس کے حسن سے بھر جاتا ہے کتنی ہی مالدار ہو لیکن مال کسی ہی لمحہ ساتھ چھوڑ سکتا ہے۔

اسی کو سلیمان حکیم کہتے ہیں:

الجمال کاذب * والحسن مخلف وانما تستحق المدح

المرأة الموافقة

(پاؤڈر میک اپ کی) خوبصورتی جھوٹی ہے اور اصلی حسن بھی چند دنوں بعد ختم ہو جانے والا ہے۔ لیکن وہ عورت (سوت کے بعد) بھی تعریف کی مستحق ہے جو مرد کے مزاج کے موافق بن جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں پانی پیتی تھی حالانکہ میں ماہواری کے ایام میں ہوتی۔ پھر آپ پانی پیتے وہیں منہ لگاتے جہاں میں نے منہ لگایا ہے۔ (مشکوٰۃ - جلد ۱ ص ۵۶)۔

لہذا آپ بھی اپنے شوہر کے ساتھ اس سنت کو زندہ کیجئے۔ کبھی شوہر کا بچا ہوا پانی

لیجئے اور اسی جگہ سے پیچھے جہاں سے شوہر نے پیا تھا اور کبھی اپنا بیجا ہوا پانی پلا دیتے۔
یاد رکھئے! اگر کسی نوجوان کو ایسی نیک بیوی مل گئی تو وہ دنیا کا خوش قسمت انسان
ہے اور دنیا کے انہی خوش قسمت انسانوں میں قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ امام شعی
رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن ان سے پوچھا: گھر والوں کا کیا حال ہے؟ کہنے لگے:

من عشرين عامًا لم أر ما يبغضني من اهلي
میں سال ہو گئے شادی کو کوئی ایک دن ایسا نہیں گزرا کہ جس میں مجھے بیوی سے
کوئی تکلیف پہنچی ہو۔

قال له وكيف ذاك؟

امام شعی رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا: یہ کیسے ہو سکتا ہے؟
کہنے لگے: پہلی رات ہی جب میں بیوی کے پاس پہنچا اسی وقت سے ہم دونوں کا
مزاج ایسا ملا کہ اب تک ہم وہ جسم ایک روح ہیں۔ جب میں پہلی رات بیوی کے پاس
گیا تو دیکھا کہ الحمد للہ بہت ہی خوبصورت ہے۔ میں نے سوچا دو رکعت نماز پڑھ لوں
اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں کہ ایسی ہونہار بیوی ملی۔ تو جب میں نے سلام پھیرا تو دیکھا
کہ وہ بھی میرے ساتھ نماز پڑھ رہی ہے اور میرے سلام پھیرنے کے بعد اس نے بھی
سلام پھیر دیا۔ پھر دعا کے بعد میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو کہنے لگی: صبر کرو اسے
ابو امیہ۔ پھر اس نے کہا:

ثم قالت الحمد لله احمدہ واستعينه واصلى على محمد
والله انى امرأة غريبة لا علم لى باخلاقك فبين لى ما
تحب..... فاتیہ۔

وما ذكره..... فانكره وقالت: انه كان لك فى قومك من
تتزوجہ من نسائكُم وفى قومى من الرجال من هو كفو

لى ولكن اذا قصنى الله امرًا كان مفعولًا وقد ملكت

فاصنع ما امرك الله به = امساك بمعروف وتسيرج

باحسان اقول لى هذا فاستغفره الله لى ولك

اس نئی نویلی ذلہن نے جو عربی میں خطبہ کہا اور چند سنہری جملوں میں اپنے شوہر کو
خطاب کر کے زندگی بھر کے لئے شوہر کی نظر محبت اور نظر عقیدت کو حاصل کر لیا، کاش
تمام مسلمان بہنیں عمر بھر قاضی شریح کی بیوی کے اس طرز عمل کو یاد رکھنے والی بنیں تو
ان شاء اللہ آج بھی مسلمان گھرانوں میں قاضی شریح جیسے عالم، فقیہ، عادل، بیچ پیدا ہو
سکتے ہیں۔

اس کے مفہوم اور مقصد کی اصل علالت تو اسی کو حاصل ہو سکتی ہے جو عربی
زبان جانتی ہو۔ اللہ کرے کہ ہماری مسلمان بہنوں میں بھی عربی زبان سیکھنے کا شوق
پیدا ہو جائے اور جو نہیں سیکھ سکتیں، وہ اپنی دوسری بہنوں اور بچیوں کو ضرور سکھانے کی
کوشش کریں۔

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، میں اسی کی تعریف کرتی ہوں اور اسی
سے (اپنی نئی زندگی کے تمام مراحل میں) مدد مانگتی ہوں۔ میں اللہ سے
دعا کرتی ہوں کہ وہ رحمت نازل فرمائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان
کی آل پر۔

(میرے پیارے سرتاج!) میں ایک سیدھی سادی عورت ہوں، مجھے آپ
کی چاہت کا پتہ نہیں۔ آپ مجھے بتلا دیں کہ آپ کن چیزوں کو پسند کرتے
ہیں تو میں ہمیشہ ان کو کرتی رہوں اور جن چیزوں کو آپ ناپسند کرتے ہیں تو
ان سے میں بچتی رہوں۔ پھر کہا کہ آپ کی قوم میں بہت سی ایسی عورتیں
تھیں جن سے آپ نکاح کر سکتے تھے اور میری قوم میں بہت سے ایسے مرد

جو میرے ہم پلہ تھے میں ان سے نکاح کر سکتی تھی لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی بات کا فیصلہ کر دیتے ہیں تو وہ ہو کر رہتی ہے۔ اب تم میرے سردار بن چکے ہو میں تمہارے نکاح میں آگئی ہوں۔ تم وہ کرو جس کا اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے (پسند ہو تو) اچھی طرح رکھو یا بھلے طریقے سے چھوڑ دو۔ میری بات ختم ہوئی۔ میں اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور آپ کے لئے گناہوں کی معافی چاہتی ہوں۔

شریح کہتے ہیں کہ جب میں نے یہ خطبہ سنا تو اسے شععی! میں مجبور ہو گیا کہ میں بھی کچھ اس موضوع پر اس کو جواب دوں تو میں نے کہا:

احمد اللہ واستعينه واصلى على النبي وآله وسلم
وبعد فانك قلت كلاما ان ثبت عليه يكن ذلك حظك وان
تدعيه لكن حجة عليك احب كذا وكذا..... واكره كذا
وكذا..... وما رأيت من حسنة فانشربها وما رأيت من
سيئة فاستقربها.

ترجمہ: حمد و صلوٰۃ کے بعد (میری پیاری بیگم!) تم نے ایسی بات کہی ہے اگر تم اپنی بات پر جہی رہیں تو یہ تمہارے لئے بڑی سعادت ہوگی اور اگر تم اپنی بات سے پھر گئیں تو یہ تمہارے لئے نقصان دہ ہوگی۔

میں ان چیزوں کو پسند کرتا ہوں (لہذا تم ان کو اختیار کرنا) اور ان چیزوں کو ناپسند کرتا ہوں (لہذا تم ان سے بچتی رہنا) اور (میں نصیحت کرتا ہوں تم کو کہ) تم جو بھی بھلائی اور نیکی مجھ میں دیکھو اس کو پھیلاؤ اور جو برائی اور عیب دیکھو اس پر پردہ ڈال دینا۔ پھر اس نے کہا: میرے گھر والوں سے تم کو کیسی محبت ہے؟ تو میں نے کہا: میں یہ نہیں چاہتا کہ میں اتنی مرتبہ ان کے پاس جاؤں کہ وہ اکٹھا جائیں۔

پھر اس نے کہا: تمہارے رشتہ داروں میں سے کن کو تم پسند کرتے ہو کہ میں ان کو آنے دوں اور کن کو ناپسند کرتے ہو کہ میں ان سے معذرت کر لوں؟ تو میں نے کہا: فلاں فلاں میرے رشتہ دار نیک ہیں ان سے ملنے میں تم کو حرج نہیں اور فلاں فلاں ہدایت کے محتاج ہیں لہذا ان سے بچنا۔ پھر قاضی شریح امام شععی سے کہنے لگے:

فمكنت معي عشرين عاما لم اعتب عليها في شيء الامر
وكنت لها ظالما

ترجمہ: وہ میرے ساتھ بیس سال رہی لیکن الحمد للہ کبھی ایسا موقع نہیں آیا کہ میں اس کو ڈانٹوں سوائے ایک مرتبہ کے اور اس میں بھی میری ہی طرف سے زیادتی ہوئی۔

(المرأة الثالیه فی ائین الرجال - صفحہ نمبر ۳۴)

اس قصے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ دولہا دلہن کو شروع ہی سے ایک دوسرے کے مزاج کو پوچھ لینا چاہئے تاکہ ایک دوسرے کی پسند کا علم ہو جائے اور اس کو اپنانا آسان ہو جائے جیسے قاضی شریح کی اہلیہ نے پہلی رات ہی پوچھ لیا کہ آپ کیا پسند کرتے ہیں۔ اگر یہ مقولہ صحیح ہے کہ ہر مرد کے کمال کے پیچھے کسی نہ کسی عورت کا ہاتھ ہوتا ہے تو قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ اس کی زندہ مثال ہیں۔

یار رکھے! نکاح کے دو بول بولنے کے بعد اب نہ اپنے لئے کھانا نہ سونا نہ اپنے لئے پہنا بلکہ سب کچھ اپنے سر کے تاج کے لئے اپنے محبوب کے لئے ہو تو پھر جیسے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ساتوں آسمانوں کے اوپر سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام آیا تو آپ کے گھر میں بھی ان شاء اللہ ضرور رب العالمین کی طرف سے سلامتی برکتیں اور رحمتیں نازل ہوں گی اور آپ کے بچے اس کی برکت سے آپس میں شکر و شکر ہوں گے۔ محبتوں کی فضاء قائم ہوگی اور یہ گھر بھی جنت کا نمونہ بن جائے گا۔

مثلاً: اگر آپ کے شوہر بھی الحمد للہ تہجد - ادا میں وغیرہ کے عادی ہیں تو آپ بھی ضرور تہجد میں انہیں ان کے ساتھ آپ بھی نوافل پڑھیں ان کے ساتھ آپ بھی وقت نکال کر تلاوت کریں۔ یہ نہ سمجھیں کہ میرا کام صرف پکانا اور گھر کی صفائی اور بچوں کی تربیت ہے نہیں بالکل نہیں۔ آپ ضرور وقت نکالیں اور جتنا ہو سکتا ہے بچوں کو بخاکر ایک وقت ضرور تسبیحات پڑھئے۔ بچوں کو بھی تسبیحات سکھائیے اللہ کو پیارے پیارے ناموں سے یاد کرنا سکھائیے۔ اللہ ہم سب کو عمل کی توفیق دے۔ آمین۔

شوہر کی محبت حاصل کرنے کے طریقے

شوہر کی محبت بیوی کیسے حاصل کر سکتی ہے؟ شوہر کیسا ہی بے پرواہ کیوں نہ ہو لیکن قدرت نے عورت کو ایسی طبعی رنگینیاں، سریلی آواز، مسکراہٹ، بکھیرنے والی پیشانی، نرم خوئی اور نرم گوئی والی زبان، مائل کرنے والے اور گھٹائل کرنے والے دو ہونٹ، دل جوئی اور ولداری والی دو آنکھیں، نرم و نازک ہاتھوں کی انگلیوں کے پورے عنایت کئے ہیں کہ نیک بیوی ان کو استعمال کر کے اپنی ہر ادا سے شوہر کو اپنا اور صرف اپنا بنا سکتی ہے۔ کوئی عورت اگر یہ کہے کہ مجھ کو ایسا تعویذ دو کہ میرا شوہر مجھ سے محبت کرنے لگے تو اس پر بہت ہی تعجب ہوگا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے جب اس کی ہر ادا کو تعویذ بنایا ہوا ہے اس کی ہر ہر چیز میں جادو سے زیادہ اثر رکھا ہے تو پھر یہ کیسا تعویذ مانگتی ہے؟

ہاں شوہر اگر تعویذ مانگے کہ بیوی مجھ سے محبت کرنے لگ جائے تو سمجھ میں آنے والی بات ہے۔ اس پر غور کیا جاسکتا ہے اور اس کی تدبیریں بتلائی جاسکتی ہیں لیکن عورت کا جسم نشوونما اس کے خدو خال اس کی آواز اور سب سے بڑھ کر اس کی جاں فثاری اور ہمدردی والی صفت میں وہ کشش ہے جس کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ کشش کے اعتبار سے زمرہ کا کوئی پتھر، مٹھنا طیس کا کوئی کلہا اتنا اثر نہیں رکھتا ہوگا جتنا عورت، مرد پر اپنا اثر رکھتی ہے۔

لہذا سمجھدار بیوی کو شوہر کی محبت حاصل کرنے یا اس میں اضافہ کے لئے کسی تعویذ لینے کی ضرورت نہیں۔ لیکن کسی کے مقدر میں ایسا شوہر آ گیا ہو جس کو سمجھداری سے گھٹائل اور مائل کرنے کی ضرورت ہو تو ہم اس کے دل کے بند تالے کھولنے کے لئے پانچ چابیاں پیش کرتے ہیں تاکہ نیک بیوی ان باتوں کا اہتمام کر کے اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے:

نگاہ:

سب سے پہلی چیز جو مرد کے دل و دماغ کو متاثر کرنے والی ہے وہ اس کی نگاہ ہے کیونکہ پہلے آنکھ ہی فیصلہ کرتی ہے کہ یہ میرے لئے کیسی رہے گی پھر اس کا دل ہاں یا نہیں میں فیصلہ کرتا ہے۔

اگر اس کی نگاہ بیوی کی اچھی حالت اچھے صاف ستھرے چہرے اور لباس پر پڑتی ہے تو وہ اس کے دل میں اتر جاتی ہے اور اس کے دل میں اپنا ٹھکانہ بنا لیتی ہے۔ اسی لئے عرب کی ایک سمجھدار عورت نے اپنی بیٹی کو یہی نصیحت کی تھی:

فلا تقع عینہ منک علی قبیح

تمہارے شوہر کی نگاہ تم پر کبھی گندی اور بری حالت میں نہ پڑنے پائے یعنی ہمیشہ صفائی کا خیال رکھنا۔

اسی طرح عورت کو چاہئے کہ اپنے آپ کو صاف ستھرا رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے سونے کے کمرے اور بچوں کی صفائی کا خیال رکھے۔

کیونکہ بعض ماہرین نفسیات نے لکھا ہے کہ ہم نے بہت سے مردوں کی آراجم کی ہیں تو ہمیں معلوم ہوا ہے کہ کمرے کا صاف ستھرا ہونا اور اس میں ہرے رنگ کے پووے اور کچھ پھول وغیرہ رکھنا اسی طرح بے جان خول صورت قدرتی اشیاء کی سینٹری فریم کر کے لگانا اور بستر پر صاف ستھری سفید چادر جس پر سلیقے سے رکھے ہوئے نیکے دل کو راحت اور سکون دینے میں بہت ہی زیادہ مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

سننا:

نیک بیوی کی ایک ہی سریلی آواز مرد کو گرویدہ بنانے کے لئے کافی ہے۔ بہت ہی تعجب کی بات ہے جب کوئی عورت یہ کہتی ہے کہ میرا شوہر مجھے بہت مارتا ہے ڈانٹتا ہے میری بات نہیں مانتا مجھے کہیں لے کر نہیں جاتا۔

حالانکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس کو اتنی پیاری آواز دی ہے کہ اگر وہ اس کا گنج استعمال کرے تو کیا کوئل کی کوک اور پرندوں کے نغے اور کیا مینا کا چچھانا! یہ سارے مناظر قدرت ایک طرف لیکن نرم دل و فرمانبردار بیوی کا ایک میٹھا بول! کہ جی میں حاضر ہوں کہنے کیا حکم ہے۔ شوہر کے دل کو بھانے مردہ دل میں زندگی کی ایک نئی امنگ پیدا کرنے کے لئے بہت ہی زیادہ کافی و شافی ہے۔ اللہ تعالیٰ میاں بیوی دونوں کو شیریں بیان بنادے۔

سوچنا:

بعضوں کو اس کا تصور ہی نہیں کہ قدرت نے سوچنے کی طاقت میں کتنی تاثیر رکھی ہے خصوصی طور سے جنسی تعلقات کے اندر سوچنے کی طاقت تو اطباء کے ہاں بھی مسلم ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ ہر عورت کے غدد کے ذریعہ کھالوں سے ایک ایسی غیر حسی خوشبو مہکتی ہے جو مردوں کی عقلوں کو کھوسکتی ہے اور صدیوں سے مرد و عورت کی طرف اسی مہک کی وجہ سے مائل ہوتے ہیں۔ جس عورت میں جتنی زیادہ مہک ہوتی ہے مرد اس کی طرف اتنے ہی زیادہ مائل ہوتے ہیں اور جس میں یہ کم ہوتی ہے اس کی طرف کم میلان ہوتا ہے۔ (ماخوذ از المراجۃ المثالیۃ فی امین الرجال - صفحہ نمبر ۷۷)

لہذا عورت کو چاہئے کہ وہ شوہر کے لئے خوشبو کا استعمال رکھے جو اس کی ناک کے ذریعہ اس کے دل و دماغ تک پہنچے اور خوشبو ایسی ہو جس کا رنگ زیادہ ہو مہک کم ہو مثلاً: خوشبودار ہندی زعفران وغیرہ۔

لہذا بیوی کو چاہئے کہ وقتاً فوقتاً شوہر کے لئے ایسی خوشبو میں استعمال کرے جو شوہر کو پسند ہوں اس لئے کہ عورت کا اپنے شوہر کے لئے آراستہ ہونا اور خوشبو لگانا آپس میں محبت اور الفت پیدا کرنے کے لئے بے حد موثر ہے کیونکہ خوشبوداروں میں نشاط پیدا کرتی ہے۔ فرشتوں کو بھی اس سے راحت ہوتی ہے۔

خوشبو کی اہمیت اور اس کی اثر آفرینی کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عطر لگا کر شہر اہوں پر نکلتے سے عورتوں کو منع فرمایا ہے تاکہ مرد کسی قسم کی آزمائش و فتنے میں مبتلا نہ ہوں۔ (الترغیب والترہیب - جلد ۲ صفحہ ۴۰)

نیز حضور اکرم نے فرمایا کہ تمہاری دنیا کی تین چیزیں مجھے پسند ہیں: عورت اور خوشبو اور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے (کنز العمال - جلد ۷ صفحہ ۱۱)

اس لئے عورت کو چاہئے کہ تقریبات میں جاتے وقت خوشبوؤں کا استعمال بالکل نہ کرے تاکہ نامحرم مرد اس کی طرف مائل نہ ہوں۔ ہاں صرف اپنے شوہر کے لئے گھر میں استعمال کرے اور جیسے کہ پہلے گزر چکا ہے کہ بہترین خوشبو پانی ہے لہذا پانی کا زیادہ استعمال کرے۔ غسل وضو دانتوں کی صفائی وغیرہ کا زیادہ اہتمام کرے خصوصاً اپنے ایام مخصوصہ سے فارغ ہونے کے بعد بھی اچھی طرح خوشبو کا اہتمام کرے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غسل جنابت کی کیفیت دریافت کی۔

آپ نے اسے غسل کی کیفیت بتا کر فرمایا کہ مشک کا ایک ٹکڑا لے کر اس سے طہارت حاصل کر لینا۔

اس عورت نے پھر دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! مشک کے ٹکڑے سے میں کیسے طہارت حاصل کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بس طہارت حاصل کر لینا۔

عورت نے پھر کہا: کیسے یا رسول اللہ۔

آپ نے فرمایا: سبحان اللہ (تو اتنا بھی نہیں جانتی کہ) طہارت کیسے کرے؟

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ تب میں نے اسے اپنی طرف کھینچ کر رسول اللہ کی مراد بتلائی کہ مشک کے ٹکڑوں کو مخصوص مقام پر مل لینا۔

(کنز العمال - جلد نمبر ۵ ص ۱۷۸)

اسی طرح شوہر کے کمرے میں بھی خوشبو چھڑکنے کا یا خوشبو دار لکڑی کی دھونی

دینے کا اہتمام کرے نیز اچھی سے اچھی خوشبو شوہر کو بھی اپنے ہاتھوں سے لگا دے اس لئے کہ یہ بھی ایک سنت عمل ہے اور اس کا دنیوی فائدہ یہ ہوگا کہ اس سے میاں بیوی میں محبت بڑھے گی اور سنت کی نیت سے عمل کرنے پر آخرت میں بھی اجر ملے گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ

طیبت رسول اللہ لحرمہ حین احرم لحلہ قبل ان

یضیض باطیب ما وجدت (مسلم - جلد ۱ صفحہ ۳۷۸)

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھا (یعنی احرام کی نیت

کرنے سے پہلے پہلے) اور جب حج کے ارکان سے فارغ ہوئے تو طواف

زیارت سے پہلے پہلے جو بہتر سے بہتر خوشبو میرے پاس تھی وہ میں نے لگا

دی۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف میں ہوتے تھے اور حضرت عائشہ خصوص

ایام کی وجہ سے مسجد میں نہ آ سکتی تھیں تو آپ اپنا سر مبارک حجرہ مبارک کے نزدیک فرما

دیتے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کنگھی کر دیتیں۔ (بخاری - جلد ۱ ص ۴۳)

لہذا آپ بھی کوشش کیجئے کہ جمعہ کے دن یا عام نمازوں کے لئے جانے سے پہلے

شوہر کے جسم اور کپڑوں پر اپنے ہاتھوں سے خوشبو مل دیجئے، کبھی ان کے بالوں میں کنگھی

کر دیجئے تاکہ آپ کو بھی اس عمل میں حضرت عائشہ کے ساتھ مشابہت ہو جائے۔

مہمان داری

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِجَارَةً وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَضْمَنْ (وفی روایت) بَذَلِ الْجَارِ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَصِلْ رَجُلًا.

(متفق علیہ)

صحیح البخاری، کتاب الادب، باب من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يؤذ جاره، ح ۶۰۱۸۔

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ اپنے مہمان کی خاطر کرے جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے اور جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ بھلی بات کہے یا چپ رہے“ اور (بخاری کی) ایک روایت میں (یعنی پڑوسی کا ذکر کرنے) کے بجائے یہ ہے کہ جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ اپنے ناتے کو باقی رکھے یعنی اپنے ناتے داروں اور عزیزوں کے ساتھ حسن سلوک اور احسان کا معاملہ کرے“۔ (بخاری و مسلم)

مہمان کی خاطر داری کرنا کمال ایمان کی علامت ہے:

”جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے الخ“ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایمان کا پایا جانا مذکورہ باتوں پر موقوف ہے اور یہ کہ مثلاً اگر کوئی شخص اپنے مہمان کی خاطر نہیں کرتا یا اپنے پڑوسی کو تکلیف پہنچاتا ہے تو وہ مؤمن نہیں سمجھا جائے گا بلکہ اصل مقصد ان چیزوں کی اہمیت کو بیان کرنا اور ان پر عمل کرنے کی زیادہ سے زیادہ تاکید کرنا ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنے بیٹے کو اطاعت و فرماں برداری کی راہ پر لگانے کے لئے یوں کہے کہ اگر تو میرا بیٹا ہے تو اطاعت و فرماں برداری کر ظاہر ہے کہ اگر وہ اطاعت و فرماں برداری نہ کرے تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوگا کہ وہ اس کا بیٹا نہیں ہے۔ یا یہ مراد ہے کہ جس شخص کا ایمان درجہ کمال کا ہوگا (یعنی جو مسلمان کامل الایمان ہوگا) اس کی شان یہی ہوگی وہ ان باتوں پر عمل کرے گا گویا ان چیزوں کو اختیار کرنا کمال ایمان کی علامت ہے۔

اکرام ضیف یعنی مہمان کی خاطر کرنا شرعی طور پر یہ ہے کہ جب کوئی مہمان آئے تو اس کے ساتھ کشادہ پیشانی، خوش خلقی اور ہنس مکھ چہرے کے ساتھ پیش آئے اس کے ساتھ خوش گفتاری، نرم گوئی اور ملاطفت کے ساتھ بات چیت کرے اور اس کو تین دن تک اس طرح کھلائے پلائے کہ پہلے دن تو اپنی حیثیت و استطاعت کے مطابق کچھ نہ تکلف میزبانی کرے بشرطیکہ اس کی وجہ سے اپنے متعلقین و لواحقین کی حق تلفی نہ ہو اور پھر تین دن کے بعد (بھی اگر مہمان ٹھہرا رہے تو) اس کو کھانا پلانا ”صدقہ“ کے حکم میں ہوگا کہ میزبان چاہے تو کھلائے پلائے اور چاہے کھلانے پلانے سے انکار کر دے۔ ”اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے“ یعنی یہ پڑوسی کا سب سے کم درجہ ہے کہ اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچائی جائے ورنہ تو جہاں تک حقوق ہمسائیگی کا تعلق ہے وہ بہت چمکیری نوعیت کے ہیں۔ چنانچہ بخاری و مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ فلکرم جارہ (تو اس کو چاہئے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ نیکو کریم کا معاملہ کرے) اور بخاری و

مسلم ہی کی ایک روایت میں یوں منقول ہے کہ فلینحس الی جارہ یعنی اس کو چاہئے کہ اپنے پڑوسی کی اس چیز میں مدد کرے جس کا وہ اس سے حاجت مند ہے اور اس کی مصیبت کو دور کرے۔ اسی طرح امام غزالی نے اربعین میں یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (صحابہ) کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ "تم جانتے ہو پڑوسی کا کیا حق ہے؟ اگر وہ (پڑوسی) تم سے مدد چاہے تو تم اس کی مدد کرو اور اگر وہ تم سے قرض مانگے تو اس کو قرض دو اگر وہ محتاج و مفلس ہو تو اس کو کچھ دو اور وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو اور اگر وہ تم سے قرض مانگے تو اس کو قرض دو اگر اس کو کوئی خوشی حاصل ہو تو اس کو مبارک باد دو اگر اس کو کوئی مصیبت پہنچے تو اس کو تسلی دو مثلاً اس کے ہاں کوئی موت ہو جائے تو اس کے گھر جا کر تعزیت کرو اس کے مکان کے پاس اونچا مکان نہ بناؤ کہ اس کی ہوا وغیرہ رک جائے اگر تم بھل وغیرہ خریدو تو تحفہ کے طور پر اس کے یہاں بھی بھیجو اور یہ ممکن نہ ہو سکے تو پھر تم اس (بھل وغیرہ) کو گھر میں پوشیدہ طور پر لے آؤ اور اپنے بچوں کو بھی تاکید کرو کہ وہ اس (بھل وغیرہ) کو لے کر گھر سے باہر نہ نکلیں تاکہ تمہارے پڑوسی کے بچے (تمہارے بچوں کو بھل وغیرہ کھاتا دیکھ کر اپنی محرومی کی بنا پر) رنج و افسوس نہ کریں اور تم اپنی ہانڈی (چولہے) کے دھوئیں سے اس کو تکلیف نہ پہنچاؤ اور یہ کہ اس ہانڈی میں سے کچھ اس کے یہاں بھی بھجواؤ اور کیا تم جانتے ہو کہ پڑوسی کا حق کیا ہے؟ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اپنے پڑوسی کا حق وہی شخص پہنچاتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے۔"

"بھلی بات کہے یا چپ رہے" کا مطلب یہ ہے کہ جب زبان سے کوئی بات نکالنے کا ارادہ کرے اور یہ معلوم ہو کہ وہ بات خیر و بھلائی کی ہے کہ جس پر ثواب ملتا ہے خواہ وہ واجب ہو یا مستحب تب اس کو زبان سے نکالے اور اگر اس بات کی بھلائی اس پر عیاں نہ ہو اور یا اس کو یہ معلوم ہو کہ یہ بات حرام ہے یا مکروہ ہے تو اس کو زبان سے نہ نکالے حاصل یہ کہ بھلائی اس میں ہے کہ زبان کو حتی الامکان خاموش رکھا جائے اگر

بولنا ضروری ہی ہو تو زبان سے وہی بات نکالی جائے جو خیر و بھلائی کی حامل ہو نہ صرف یہ کہ حرام و مکروہ باتوں میں زبان کو مشغول رکھنا ممنوع ہے بلکہ مباح باتوں سے بھی زبان کو بچانا دانشمندی کا تقاضا ہے کہ مبادا مباح باتیں ہی زبان کو حرام باتوں تک کھینچ کر لے جائیں۔

"اپنے نالتے کو باقی رکھے" میں اس طرف اشارہ ہے کہ صلہ رحمی ایمان کی علامت ہے کہ جس شخص نے ناتوں کو توڑ ڈالا وہ گویا اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والا نہیں ہے کیونکہ ناتا توڑنے پر جس عذاب سے ڈرایا گیا ہے اس کی پرواہ نہ کرنا اپنے ایمان کی خودنی کرنے کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔

عَنِ الْمُقَدَّامِ بْنِ مَعْدِيكَرِبَ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ أَيُّمَا مُسْلِمٍ ضَافَ قَوْمًا فَأَضْبَحَ الضَّيْفَ مَحْزُومًا كَانَ حَقًّا عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ نَصْرُهُ حَتَّى يَأْخُذَ لَهُ بِقِرَاهٍ مِنْ مَالِهِ وَزَرْعِهِ (رواه الدارمی و ابوداؤد و فی رواية له) وَأَيُّمَا رَجُلٍ ضَافَ قَوْمًا فَلَمْ يَقْرُؤْهُ كَانَ لَهُ أَنْ يُغْفَبَهُمْ بِمِثْلِ قِرَاهِ

الدارمی کتاب الاطعمہ باب فی الضیافة

"حضرت مقدم بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص کسی قوم میں (کسی کے یہاں) مہمان ہوا اور اس نے محرومی کی حالت میں صبح کی (یعنی اس کے میزبان نے رات میں اس کی مہمان داری نہیں کی) تو اس کا ہر مسلمان پر یہ حق ہوگا کہ وہ اس کی مدد کرے یہاں تک کہ وہ (جس شخص کے یہاں مہمان ہوا ہے) اس کے مال اور اس کی کھیتی باڑی سے مہمانداری کے بقدر (یعنی ایک مہمان کے کھانے پینے کے بقدر) وصول کرے۔" (دارمی)

ابوداؤد) اور ابوداؤد کی ایک روایت میں یوں ہے کہ جو شخص کسی قوم میں مہمان ہوا اور ان لوگوں نے اس کی مہمان داری نہیں کی تو اس کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ ان لوگوں کا پیچھا پکڑ لے اور ان کے مال و اسباب سے اپنی مہمان داری کے بقدر وصول کر لے۔

مہمان نوازی کی اہمیت:

اس حدیث کے ظاہری مفہوم سے بھی مطلق ضیافت (مہمان داری) کرنے کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ اگرچہ علماء کرام اس کی تاویل کرتے ہیں لیکن یہاں اس کو تحریر کرنے کا مقصد فقط مہمانداری کی اہمیت واضح کرنا ہے۔ تاکہ ایک نئی نویلی ذلہن میں یہ احساس ہو جائے کہ شوہر کے جو مہمان (دوست رشتہ دار وغیرہ) آتے ہیں ان کی خاطر مدارات بالکل ویسے ہی کرے جیسے کہ اپنے گھر سے کسی کے آنے پر کرنے کی خواہش رکھتی ہے۔

میں تو ہر وقت کھانے کھلاؤ لیکن جیٹھ یا دیور کے گھر جاؤں تو وہ تو ایسی خدمت نہیں کرتے:

جی ہاں! یہی وہ باتیں ہیں جو ہمیں مردوں کو اکثر آپ سے سننے میں آتی ہیں۔ اب بتائیے کہ اس میں آپ کے شوہر کا کیا قصور ہے کہ اگر آپ اس کے بھائی کی طرف گئی ہیں اور اس کی بیگم نے آپ کی اچھی طرح سے خدمت نہیں کی۔ کیا آپ کے شوہر نے جا کر انہیں کہا تھا کہ جب ہم آئیں تو ہمیں منہ نہ لگانا۔

خدا را! ان باتوں پہ غور کیا کرے کہ کسی کے کرنے کی سزا دوسرے کو دینی اور وہ بھی اپنے شوہر کو کہاں کی غفلت دی ہے۔ اس سے آپ نے فقط اپنے ہی گھر کا ماحول خراب کیا اور حاصل کچھ بھی نہیں ہوا۔

یاد رکھئے! برائی کا بدلہ برائی نہیں ہے:

وَعَنْ أَبِي الْأَخْوَصِ الْجُشَمِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ إِنْ مَرَدْتُ بِرَجُلٍ فَلَمْ يَقْرِنِي وَلَمْ يُجِصْنِي ثُمَّ مَرَّيْنِي بَعْدَ ذَلِكَ أَقْرَبِي أَمْ أَخْزِيهِ قَالَ بَلِ اقْرَبِهِ (رواه الترمذی)

الترمذی: کتاب البر والصلة باب ما جاء في الإحسان والعفو ح ۲۰۰۶

”اور حضرت ابو الاخوص جشمی اپنے والد حضرت نالک بن فضلہ رضی اللہ عنہ صحابی) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے (ایک دن) عرض کیا کہ: ”یا رسول اللہ (ﷺ) اگر میں کسی شخص کے ہاں سے گزروں یعنی اس کے یہاں مہمان ہوں اور وہ میری مہمانداری نہ کرے اور نہ میری مہمان داری کا حق ادا کرے اور پھر اس کے بعد اس کا گزر میرے یہاں ہو یعنی وہ میرے یہاں آ کر مہمان ہو تو کیا میں اس کی مہمان داری کروں یا اس سے بدلہ لوں یعنی میں بھی اس کے ساتھ وہی سلوک کروں جو وہ میرے ساتھ کر چکا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”(نہیں اس سے بدلہ نہ لو) بلکہ اس کی مہمان داری کرو۔“ (ترمذی)

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ برائی کا بدلہ یہ نہیں ہے کہ تم بھی برائی کرو بلکہ جس شخص نے تمہارے ساتھ برا سلوک کیا ہے اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ہی سب سے اچھا بدلہ ہے۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے:

بدی را بدی سہل باشد جزا اگر مردے احسن الی من اساء

اللہ کے نیک بندے آپ کے دسترخوان سے کھانا کھائیں:

پیاری بیٹیو! بڑھے بڑھے جب کھا چکے ہیں تو آپ نے اکثر ان کے منہ سے یہ دعائیہ الفاظ سنے ہوں گے۔ میری زوجہ محترمہ نے ایک دفعہ کہا تھا کہ یقیناً جانے! مجھے

آپ کے والد محترم کے منہ سے یہ الفاظ سن کر اتنا اچھا محسوس ہوتا ہے کہ جی چاہتا ہے ساری زندگی ان الفاظ کی مہک ہی میں گزار دوں۔ یہ بزرگوں نے کہاں سے مستعار لئے ملاحظہ فرمائیے حدیث مبارکہ۔

وَعَنْ أَنَسٍ أَوْغَرِهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِسْتَعَاذَنَ عَلَى سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ فَقَالَ سَعْدٌ وَعَلَيْكُمْ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَلَمْ يَسْمَعْ النَّبِيَّ ﷺ حَتَّى سَلَّمَ ثَلَاثًا وَرَدَّ عَلَيْهِ سَعْدٌ ثَلَاثًا وَلَمْ يُسْمِعْهُ فَرَجَعَ النَّبِيُّ ﷺ فَاتَّبَعَهُ سَعْدٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ يَا بَنِي أَنْتَ وَأَقْبَى مَا سَلَّمْتَ فَسَلِّمْنَا إِلَّا وَهَيْ بِأَذْنِي وَلَقَدْ رَدَدْتُ عَلَيْكَ وَلَمْ أَسْمَعْكَ أَخْبَيْتُ أَنْ أَسْمَعُكَ مِنْ سَلَامِكَ وَمِنَ الْبِرَّةِ ثُمَّ دَخَلُوا النَّبِيَّ فَقَرَّبَ لَهُ زُبَيْنًا فَأَكَلَ نَبِيُّ اللَّهِ ﷺ قَلَمًا فَرَعَ قَالَ أَكَلَ طَعَامَكُمْ الْأَنْبَرَارُ وَصَلَّتْ عَلَيْكُمْ الْمَلَائِكَةُ وَأَفْطَرُ عِنْدَكُمْ الصَّائِمُونَ

احمد بن حنبل۔

”اور حضرت انس رضی اللہ عنہ یا ان کے علاوہ کسی اور (صحابی) سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے (ہاں پہنچ کر ان سے) گھر میں آنے کی اجازت طلب کی چنانچہ آپ ﷺ نے (دروازہ پر کھڑے ہو کر) فرمایا کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ! تم پر اللہ کی سلامتی اور اس کی رحمت نازل ہو (کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟)

”سعد نے (گھر میں سے) جواب دیا کہ ”وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ اور آپ ﷺ پر بھی اللہ کی سلامتی اور اس کی رحمت نازل ہو۔“ لیکن انہوں نے نبی کریم ﷺ کو یہ جواب نہیں سنایا یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ نے تین مرتبہ سلام کیا اور سعد رضی اللہ عنہ نے بھی آپ ﷺ کو تین مرتبہ جواب دیا، لیکن آپ ﷺ کو سنایا نہیں، یعنی حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے سلام کا جواب تینوں مرتبہ قصد اہت آہستہ آواز میں دیا تا کہ آپ ﷺ سن نہ سکیں چنانچہ نبی کریم ﷺ (ان کا جواب نہ سن کر) واپس لوٹ پڑے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جب یہ دیکھا کہ جس چیز کو میں نے حصول سعادت میں زیادتی کا ذریعہ بنانا چاہا تھا وہ میرے لئے بالکل ہی محرومی کا باعث بنی جا رہی ہے اور ایک طرح سے سوء ادبی کی صورت بھی پیدا ہو گئی ہے تو وہ لپک کر گھر سے نکلے اور آنحضرت ﷺ کے پیچھے پیچھے آئے اور عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان آپ ﷺ نے جتنی بار بھی سلام کیا میرے دونوں کانوں نے سنا اور حقیقت یہ ہے کہ میں (ہر بار) جواب بھی دیتا تھا البتہ میں اس جواب کو آپ ﷺ کے کانوں تک نہیں پہنچنے دیتا تھا“ کیونکہ میں آپ ﷺ کے زیادہ سے زیادہ سلام و برکت کا خواہش مند تھا (یعنی میرا مقصد یہ تھا کہ میرا جواب آپ ﷺ کے کانوں تک پہنچے تا کہ آپ جتنا زیادہ سلام کریں گے میرے حق میں اتنا ہی زیادہ حصول برکت و سعادت کا ذریعہ ہوگا) چنانچہ (حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس اظہار حقیقت اور ہذر خواہی کے بعد) آنحضرت ﷺ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ میں داخل ہوئے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے لئے خشک انگور پیش کئے جن کو نبی کریم ﷺ نے کھایا

جب آپ ﷺ کھانے سے فارغ ہوئے تو (حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے حق میں دعا کرتے ہوئے) فرمایا کہ ”اللہ کے نیک بندے تمہارا کھانا کھائیں، فرشتے تمہارے لئے استغفار کریں اور روزے دار تمہارے ہاں افطار کریں۔“ (شرح السنہ)

ایک ٹوٹکا جس سے شوہر کا بیشتر فارغ وقت

آپ کے ساتھ بسر ہو سکتا ہے

آج کل کی بیویوں کو جو سب سے بڑا گلہ اپنے شوہروں سے ہے کہ ان کے پاس تو فارغ وقت ہی نہیں۔ صبح اٹھتے ہی اخبار پھر ناشتہ باقی کا سارا دن تو اُن کا آفس میں گزارنا ہے پھر وہیں سے شام کو پارٹ ٹائم نوکری کے لئے چلے جاتے ہیں اب گھر آئے تو رات ۸ بج رہے ہیں بجائے اس کے کہ وہ گھر آ کر بیوی کے پاس چند لمحے گزارتے وہ ہیں کہ آتے ہی ٹی۔وی آن کیا اور اس کے سامنے بیٹھ گئے۔ آئے شوہر کے فارغ وقت کو اپنی خاطر مہیا کر دینے کے لئے آپ کے ہاتھوں میں ایک چابی دیئے دیتے ہیں جس کے لگاتے ہی شوہر کی نام نہاد مصروفیت کو تالا لگ جائے گا اور فارغ وقت ان شاء اللہ آپ کے لئے وقف ہوگا۔ ضرورت ہے تو عمل کی۔

اپنے گھر کو ٹی۔وی کی تباہ کاریوں سے بچائیے:

ٹی۔وی ہمارے معاشرے کو گھن کی طرح لگ چکا ہے اور ہماری ثقافتی سماجی سیاسی مذہبی و اخلاقی اقدار کو ملیا میٹ کرنے میں جتنا اس میڈیا کا ہاتھ ہے شاید ہی کسی اور شعبے نے اتنی جلدی معاشرے کو انحطاط کا شکار کیا ہو۔ کچھ لکھنے سے قبل اگر یہ مان بھی لوں کہ اس کے کچھ فوائد بھی ہیں تو یقیناً جاننے کے نقصانات اتنے زائد ہیں کہ ان میں فوائد تو کہیں نیچے گہرائی میں چھپ چکے ہیں اور اسی وجہ سے میں نے چاہا کہ یہاں پر ٹی۔وی کے متعلق

نسبتاً تفصیل سے کچھ لکھوں تاکہ ایک بیوی اس کو پڑھ کر خود ہی تعین کر سکے کہ وہ اپنے گھر کو کوئی۔ وی کی تباہ کاریوں سے کیسے بچائے۔

پرنٹ والیکٹر انک میڈیا میں کیا جائز ہے اور کیا ناجائز؟

ٹی یا اسی طرح دوسری جدید مصنوعات و اختراعات کے سلسلے میں یہ قاعدہ ذہن نشین رہے کہ اس کی ذات حرام و حلال نہیں بالذات اس سے حرمت و حلت کا تعلق نہیں ہوتا بلکہ اس کے فوائد و نقصان اس کے استعمالی نتائج مستقبل میں حاصل ہونے والے امور وغیرہ کو دیکھ کر فیصلہ کیا جاتا ہے۔ قرآن و حدیث کی کسوٹی میں اسے جانچا جاتا ہے۔ تب اس کے متعلق حرام ہے یا حلال کہا جاتا ہے۔ اس کے اغراض و مقاصد اور نتائج اس کی حرمت و حلت کو ظاہر و نمایاں کرتی ہے۔ چنانچہ ہم آپ کے سامنے ٹی وی کے مقاصد اور اس کے اغراض و نتائج اس کے استعمال کی نوعیت کو واضح کرتے ہیں تاکہ اس کا شرعی حکم آپ کے سامنے کھل کر آ سکے اور اس سلسلے میں کوئی شبہ یا تشکیک باقی نہ رہ سکے حق و باطل حرام و حلال کا راستہ روز روشن کی طرح آشکار ہو جائے۔

ٹی۔ وی کی نشریات کا مختلف زاویوں سے ایک جائزہ:

ٹی وی کے پردوں اور اسکرین پر جو مختلف پروگرام نشر کئے جاتے ہیں اس کا غور سے تفصیلی جائزہ لیا جائے تو اس میں یہ پروگرام مختلف اوقات میں شائع ہوتے نظر آتے ہیں۔

- ① ذرائع ابلاغ۔ خبریں، یومیہ واقعات، ملکی غیر ملکی دونوں قسم کی خبریں۔
- ② سیاسی امور۔ ملکی اور غیر ملکی سیاسی احوال جس میں مباحثے، انٹرویو، تبصرے، مستقبل کے لائحہ عمل ہوتے ہیں۔
- ③ تاریخی واقعات۔ نپو سلطان اکبر وغیرہ کے واقعات۔
- ④ تجارتی امور۔ تجارت کے متعلق خبریں، مصنوعات وغیرہ پر تبصرہ اور اشتہارانی

امور۔

- ⑤ طبی، ڈاکٹری امور۔ امراض، علاج اور اس کے سلسلے کی نئی معلومات وغیرہ۔
 - ⑥ امور خانہ داری، گھریلو زندگی، کھانا پینا اور صفائی وغیرہ کے متعلق معلومات وغیرہ۔
 - ⑦ تعلیم و تربیت کے امور۔ تعلیم و تربیت کے طریقے کس طرح ان کو درس دیا جائے لیکچر کا طرز بیان کیا ہو۔ چھوٹے بچوں کو کس طرح معاشرہ میں ترقی کی راہوں پر لائیں ان کا ذہن تہذیب و تعمیری کس طرح ہو۔
 - ⑧ سائنسی معلومات۔ سائنس کی ایجادات اور ترقی اس کے جدید انکشافات وغیرہ کا تذکرہ۔
 - ⑨ فلمی پروگرام۔ فلمی اور فلمی دنیا سے متعلق امور وغیرہ۔
 - ⑩ تفریحی امور۔ اس کے ضمن میں بہت سی چیزیں آ سکتی ہیں مثلاً موسیقی، نغمے، مشاعرے، افسانے، کہانیاں، مزاحیہ امور، ڈانس، ڈرامے، میچ، کھیل کود، تیراکی وغیرہ پارکنگ، مارو حجاز، قتل، اغوا، لوٹ چوری و دہشتی وغیرہ۔
 - ⑪ مذہبی امور۔ جیسے رام لیلا، مہا بھارت، رامائن کا درس وغیرہ۔
- یہ وہ امور ہیں جو ٹیلی ویژن پر ٹیلی کاسٹ ہوتے ہیں۔ اب ہم ان پر شرعی اور فقہی نقطہ نگاہ سے بحث کرتے ہیں۔ نمبر ۱ سے نمبر ۸ تک ہونے والے سارے پروگرام تو بالذات درست ہیں۔ ان میں اپنی ذات کے اعتبار سے تو کوئی قباحت نہیں البتہ دوسرے خارجی واسطوں سے یہ ناجائز ہو جاتے ہیں۔ ایک تو اس وجہ سے کہ ان کی اشاعت اور خبر کے سلسلے میں عورتوں کا ہی انتخاب ہوتا ہے۔ کمسن، نوجوان لڑکیوں کا استعمال ان کے مقاصد کی غمازی کر رہا ہے۔ اگر یہ خبریں مرد کے واسطے سے ہوں تب بھی تصویر کا بلا ضرورت شرعی استعمال ہونے کی وجہ سے درست نہیں۔ البتہ یہی امور کتابی شکل میں ہوں تو درست ہیں۔

۹' ۱۰' ۱۱۔ یہ تو ناجائز اور حرام ہیں۔ ٹی وی کے اہم ترین مقاصد میں یہی تفریحی امور ہیں۔ جنہیں منور مجن سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ ۸۵٪ فیصد تو یہی پروگرام ان پر دیکھے جاتے ہیں باقی چند فیصد امور ذرائع ابلاغ وغیرہ ہیں۔ غلبہ انہیں امور کا ہے جن میں عورتوں کے محاسن و عریانیات رقص سرور سے لطف اور حظ حاصل کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ شریعت اسلامی اس کی کس طرح اجازت دے سکتی ہے۔ اسی کو مٹانے کے لئے تو یہ شریعت آئی ہے۔

بالفرض اگر یہ چیزیں نہ ہوں تب بھی اس کے آلہ ہو و لہو اللہ یث ہونے میں کیا شبہ اور آلہ لہو و لعب کا استعمال شرعاً درست نہیں۔ جس کی تفصیل آئندہ سطور میں آ رہی ہے اہل دنیا ٹی وی کے نشہ میں آ کر خواہ کتنی ہی تاویل کریں مگر صنف نازک کا استعمال نیم عریانیات بے پردگی و بے حیائی مار دھاڑ قتل اغوا کے واقعات کے نتائج۔ اس کی حرمت کو حلت سے نہیں بدل سکتے اور صنف نازک سے لطف اندوزی کا یہ طریقہ ہرگز جائز نہیں ہو سکتا ہے۔

ٹی وی ام الفواحش:

قرآن وحدیث کی روشنی میں منکرات اور نواہی کو سامنے رکھتے ہوئے جب گہرائی سے مستقبل کے نتائج کو دیکھ کر غور کیا جاتا ہے تو ٹی وی اور سینما وغیرہ کبار کا مرکز اور سرچشمہ معلوم ہوتا ہے۔ ٹی وی اور اس کی اسکرین پر ہونے والے گناہ کوئی ایک دو نہیں اور نہ کوئی معمولی اور کم درجہ کے ہیں بلکہ اہم اور شدید ترین کبیرہ گناہوں کو اور غضب الہی کو بھڑکانے والی جو شریعت ہی کے نہیں بلکہ انسانیت کے بھی خلاف ہیں اپنے اندر سموئے ہے جس کا احساس سطحی نگاہ سے نہیں ہوتا۔ جہاں اس سے آخرت کا خسارہ ہے وہیں دنیاوی نقصانات بھی ہیں۔ جو اہل بصیرت پر مخفی نہیں۔ خود اہل دنیا کو بھی اس کا اعتراف ہے۔

ٹی وی کن کبار اور فواحش کا مجموعہ ہے؟ احادیث و قرآن کی روشنی میں ہم آپ

کے سامنے پیش کرتے ہیں جس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں۔ وقت کا یہ عظیم فتنہ خدا اور رسول (ﷺ) کی مختلف مافرامیوں کو اپنے اندر کس طرح لپیٹے ہوئے ہے۔ جس وجہ سے اس کو ائم الفواحش والنجائث کہا جاسکتا ہے تاکہ جو لوگ نادانی اور ناواقفیت کی وجہ سے اس میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ خدا اور رسول (ﷺ) کی ناراضگی اور دینی و دنیاوی نقصان کو دیکھ کر اس عظیم فتنہ اور بُرائی سے اپنے آپ کو اپنے اہل و عیال و متعلقین و اہل ایمان بھائیوں کو بچائیں۔ شریعت وسنت کے مطابق زندگی گزاریں اور خدا اور رسول کی خوشنودی حاصل کرتے ہوئے دونوں جہان کی سعادت حاصل کریں۔ قیامت کی ہولناک ذلت و رسوائی سے بچتے ہوئے صالحین کے زمرے میں شامل ہوں۔

ٹی وی آنکھ کا زنا ہے:

ٹی وی کے اولین مقاصد میں عورتوں کے خطوط سے مردوں کو لطف اندوز کرنا ہے۔ ٹی وی کے پردوں پر عورتیں جوشیا طین کے جال اور پھندا ہیں۔ برہنہ نیم برہنہ بے محابہ کھلے سر باز و پیٹھ پیٹ سینہ پنڈ لیاں کھولنے ناچتی گاتی ہانپوں میں ہانپیں ملاتی ہانپوں میں ہاتھ دیئے دکھاتی جاتی ہیں یا ایسے لباس میں ملیں ہوتی ہیں۔ جس سے جسم کے سارے نشیب و فراز اعضاء جوارح کی بناوٹی کشش سطح لباس پر نمایاں ہو جاتے ہیں۔ حسین خوبصورت عریاں کسن عورتوں کے ہوش و حواس ناچ گانے کے محور کن لطف اندوز مناظر ہوتے ہیں۔ ان کا دیکھنا آنکھوں کا زنا ہے جو حرام ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں۔ اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: آنکھیں زنا کرتی ہیں۔ ان کا زنا (نامحرم) عورتوں کو دیکھنا ہے۔

(ترغیب ص ۳۶ جلد ۳)

نگاہ معصیت کو شیطان کا تیر کہا گیا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: نظر شیطان کے تیروں میں سے ایک تیر ہے۔

(ترغیب صفحہ ۳۶ جلد ۳)

شریعت کا حکم ہے اگر اتفاقاً کسی نامحرم پر نگاہ پڑ جائے تو فوراً پھیر لے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: اے علی! پہلی نگاہ (جو دھوکے سے اچانک پڑ گئی ہو) کے بعد دوسری نگاہ نہ دالو کہ یہ تمہارے لئے جائز نہیں۔ (ترغیب صفحہ ۳۵ جلد ۳)

فی وی میں نامحرم عورتوں کو اہتمام سے ہمد تن ہو کر دیکھا جاتا ہے۔ نفس امارہ کو سیراب کیا جاتا ہے جو حرام کام ہے۔ اسی وجہ سے کہ اچانک بھی عورتوں پر بھی نگاہ نہ پڑ جائے۔ مردوں اور عورتوں دونوں کو حکم ہے کہ نظر بچا کر نیچی کر کے چلا کریں۔ چنانچہ حکم خداوندی ہے:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغْضُؤْنَ مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا

أَفْوَاجَهُمْ كَذٰلِكَ اُذِيْ لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ﴾

[النور: ۲۴: ۳۰]

”آپ اہل ایمان سے فرمادیں کہ وہ اپنی نگاہوں کو بچا کر نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لئے پاکیزگی ہے یقیناً جو وہ مرتے ہیں وہ خوب خبر رکھنے والا ہے۔“

اسی نظر کے حفاظت کے پیش نظر آپ (ﷺ) نے راستوں پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے کہ اچانک نامحرم عورتوں پر نظر نہ پڑ جائے۔ اس لئے بازار کو حدیث پاک میں ”نہر البقاع“ بدترین مقام کہا گیا ہے کہ بازار میں اس سے بچنا مشکل ہے۔ جس شریعت اور جس خدا و رسول (ﷺ) نے نظر کی اس درجہ حفاظت کی تاکید کی ہے۔ آج اس کے نام لیواؤں کا حال یہ ہے کہ فی کے پردوں پر عورتوں کی بے حیائی کے مناظر نہایت ہی شوق و اطمینان کے ساتھ دیکھتے اور لطف اندوز ہوتے ہیں اور زنا کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اللہ کی پناہ۔

فی وی کان کا زنا ہے:

فی وی کے پردوں پر گانے اشعار غزل خوش کن نغمے کسن نیم عریاں رقاصاؤں اور فن کاروں کے حسین دل لبھانے والی جاذب آوازیں۔ سازوں اور طبلوں کی تھاپ پائل اور گھنگھر کی جھنگھریاں۔ موسیقی کے مست مسحور کرنے والے نغمے فاحشانہ محبت و عشق کی گفتگو۔ نیم عریاں کم سن عورتوں کی اناؤ نسری اور خبروں کی آوازیں۔ یہ سب کان کا زنا ہے۔ حدیث پاک میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کان زنا کرتا ہے اور اس کا زنا نامحرم کی آواز کا سننا ہے۔

(ابوداؤد ص ۲۹۳)

نامحرم کی آواز کا سننا حرام ہے۔ ایسی آواز کے سننے پر سخت وعید ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: جو کسی گانے والے کی آواز سننے بیٹھے۔ اللہ پاک قیامت کے دن اس کے کان میں سیسہ پکھلا کر ڈالے گا۔“

(زواج ص: ۲۷۰: ۲)

اب بتائیے جو لوگ فی وی پر عورتوں کی اناؤ نسری اور ان سے خبریں سنتے ہیں یا اپنے کانوں میں رقاصاؤں کے رقص و سرور کی آوازیں ڈال کر لطف اندوز ہوتے ہیں ان کا کیا حال ہوگا۔ کیا ایسی اناؤ نسری اور خبریں جائز ہوں گی؟ ہرگز نہیں۔ یہ سب کان کے زنا میں داخل ہیں۔

فی وی دل کا زنا ہے!

فی وی کے پردوں پر برہنہ نیم برہنہ دلکش چست لباسوں میں نامحرم کو دیکھنا اور گانے اور مختلف نوع کی جاذب دل لبھانے والی آوازوں کو سننا اور اس سے لذت اور حظ کا محسوس کرنا۔ دل کا اس کی جانب شوق و رغبت سے مائل ہونا۔ اس کی لذت آمیز شہوانی امور کو سوچنا اور اس کے تصور سے مزہ لینا یہ دل کا زنا ہے۔ یہ دل کا زنا تو ہر وقت

رہتا یا رہ سکتا ہے۔ کان تو سننے کے وقت آنکھ تو صرف دیکھتے وقت زنا کرتی ہے مگر دل کا زنا تو اس وقت بھی اور اس کے بعد بھی کہ اس کا تصور خیال سوچ اور اس کے دھیان سے لطف اندوز ہونے کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ چنانچہ شیطان ان مناظر کو جو دیکھے ہوئے ہیں۔ خیال و تصور کی دنیا میں پیش کر کے مزے دلاتا رہتا ہے۔ جس کی وجہ سے چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے ہر وقت دل کے سنگین زنا میں مبتلا رہتا ہے۔ چنانچہ بخاری کی شرح عمدۃ القاری میں ہے:

((والنفس یتمنی ذلک وتشتہیہ وفہذہ کلہ یسمی زنا

لأنہ من دواعی الزنا)) (صفحہ ۲۴۱ جلد ۲۲)

تمنا اور تصور و لطف اندوزی دل کا زنا ہے۔ افسوس کہ دل کا کام یا خدا میں مشغول رہتا تھا۔ جو دل یا خدا اور تصور خدا کا محل تھا کہ اس دل میں صرف خدا کی یاد اس کا دھیان اس کی محبت رہتی وہ دل نا محرم بے حیا عورتوں کے شیطانی مناظر ٹی وی دیکھنے کی نحوست سے فحش خیالات کا آئینہ دار ہو رہا ہے۔ جس دل کا یہ حال ہو اس دل سے ہدایت اور عبادت و اطاعت کا کیا تصور ہو سکتا ہے۔ خدا را! اپنے دل کو یا خدا سے معذور کیجئے اور وہابیات کا محل ہونے سے بچائیے۔

ٹی وی لہو لعب ہے:

ٹی وی لہو لعب ہے۔ اس کا مقصد ہی یہی ہے۔ بلکہ اس سے بھی زائد بے حیائی اور فحاشی ہے۔ لہو لعب ان امور کو کہتے ہیں جس سے کوئی دینی یا دنیاوی فائدہ نہ ہو۔ یہ اسلام کی بلند مزاجی اور علو معیاری ہے کہ اس نے ہر ایسے امور سے منع فرمایا ہے جس سے دارین کا کوئی فائدہ نہ ہو۔ بعض کھیلوں کی ممانعت اور حرمت کی یہی وجہ ہے۔ اس دنیا کو جو اطاعت و عبادت اور یا خدا سے غاری و خالی ہو لہو لعب کہا گیا ہے: ﴿لَئِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ﴾ [محمد ۴۷: ۳۶]

اہل ایمان کے اوصاف کو بیان کرتے ہوئے۔ خداوند قدس کا ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُغْرِضُونَ﴾ [المؤمنون ۳: ۲۳]

(اہل ایمان) بے کار امور سے پرہیز کرتے ہیں۔

معارف القرآن میں ہے: جو چیزیں انسان کو ضروری کاموں سے غفلت میں ڈالیں وہ لہو کہلاتی ہیں۔ بعض اوقات ایسے کاموں کو بھی لہو کہا جاتا ہے جس کا کوئی فائدہ معتد بہ نہ ہو۔ محض وقت گزاری کا مشغلہ یا دل بہلانے کا سامان ہو۔

(صفحہ ۲۰ جلد ۶)

خیال رہے یہ تو اس لہو لعب کے متعلق ہے جس میں وقت گزاری ہو اور کوئی گناہ نہ ہو۔ ٹی وی تو اس سے بہت آگے ہے کہ وہ کپڑے کا سرچشمہ ہے۔ اس میں ہر اعضاء کا گناہ ہے۔ نا محرم کی بے حیا تصویریں اور ان کی آوازیں گانے وغیرہ سب حرام ہی تو ہیں۔ شریعت نے اس کھیل کی جس میں قوت ذہنیہ و فکر یہ کی کچھ مشق بھی ہے۔ جیسے شطرنج اس کو حرام قرار دیا ہے۔ چنانچہ شطرنج کھیل کے متعلق احادیث میں سخت وعید ہے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: شطرنج والوں کو قیامت کے دن سخت ترین عذاب ہوگا۔ ایک روایت میں ہے شطرنج ملعون ہے۔ جو کھیلے وہ ملعون ہے اس کی جانب دیکھنے والا خنزیر کا گوشت کھانے والا ہے۔ ایک روایت میں ہے۔ شطرنج کھیلنے والا خنزیر کے خون میں اپنا ہاتھ رگھنے والا ہے۔ (زواجر صفحہ ۳۲۰)

ٹی وی تو ایسا لہو لعب ہے جو کپڑے میں مبتلا کرنے والا ہے۔ اس کی حرمت میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ لوگو! ایسے لہو سے بچو جو غضب الہی کا باعث ہو۔

ٹی وی لہو الحدیث ہے:

قرآن مجید میں لہو الحدیث کے اختیار کرنے پر عذاب مہین ذلت آمیز رسوا کن عذاب کا وعدہ ہے۔ سورۃ لقمان میں ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ
اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا بُدْلاً أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾

[القلم ۳۱-۶]

”اور ایک وہ لوگ ہیں کہ خریدار ہیں کھیل کی باتوں کے تاکہ بچائیں اللہ کی راہ سے بن سبھے اور ٹھہرائی اس کو نبی ان کو ذلت کا عذاب ہے۔“

لہو الحدیث کا مطلب..... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے گانے والی عورتیں (گانے کا آلہ و سبب) مراد ہیں۔ فرماتے ہیں کہ کفار قریش کے ایک شخص نے گانے والی ایک باندی خریدی تھی اس پر اللہ پاک نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (مظہری صفحہ ۳۶ جلد ۷)

خیال رہے کہ فی وی بھی گانے والی لہو الحدیث میں داخل ہے۔

لہو الحدیث کی تشریح..... معارف القرآن میں اس طرح مرقوم ہے۔ جمہور صحابہ و تابعین اور عامۃ المفسرین کے نزدیک لہو الحدیث عام ہے تمام ان چیزوں کے لئے جو انسان کو اللہ کی عبادت اور یاد سے غفلت میں ڈال دے۔ (صفحہ ۲۱ جلد ۷)

فی وی پر یہ بات پوری طرح صادق آتی ہے اس کے پروگرام اور ریل کا کچھ ایسا سلسلہ چلتا ہے کہ جمعہ جماعت تو ذور کی بات کھانے پینے سونے تک کا ہوش نہیں رہتا۔ رمضان کا دن ہو اللہ کی پناہ افطاری کے وقت کوئی پروگرام چل رہا ہو تو افطاری تک چھوڑ دیتے ہیں۔ عورتیں اس طرح تھوہو کر نظارہ کرتی ہیں کہ بچہ بھوک کی وجہ سے رو رہا ہو تو کہتی ہیں رونے دوا ایسے ہی روتا ہے۔ اگر ضرورت مند دروازہ پر دستک دے رہا ہے تو پرواہ نہیں۔ بوڑھے ماں باپ پانی یا دوا کے ضرورت مند ہوتے ہیں۔ تو ان کے لئے یہ بات بڑی گراں گزرتی ہے کہ اس لطف اندوزی کو چھوڑ کر ان کی خدمت کریں۔ کوئی دوسری ضرورت انجام دیں۔ خیال رہے کہ یہ تو اس وقت ہے جبکہ مباح کھیل اس درجہ محبوبیت رکھتا ہو تو درست نہیں۔ لیکن فی وی تو اس سے بہت آگے ہے کہ اس میں گناہ وہ

بھی کبار کی مشغولی کا انہماک ہے۔ یہ تو گناہ بالائے گناہ ہے۔ اس کی اجازت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ لہذا فی وی لہو لعب اور لہو الحدیث کا ایسا سرچشمہ گناہ ہے۔ جس سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے۔ اس میں مشغول رہنا و کھنا و دوزخ کے رسوا کن عذاب کا باعث ہے۔ آج اس میں بڑا مزہ آ رہا ہے کہ کسی ناصح کی بات پر کان دھرنے کو تیار نہیں لیکن جب آنکھ بند ہوتے ہی فرشتوں کی مار اور انکی پٹائی پڑے گی تب ہوش آئے گا۔ مگر تب وقت نکل چکا ہوگا۔ اے ایمان والو! ذرا ہوش میں آ جاؤ۔ ذرا دیر کی لذت سے ایسی تباہی مت خریدو کہ خود ہی پر ملامت کرو۔

فی وی کا واحد مقصد فحاشی کو ”پرموٹ“ کرنا رہ گیا ہے:

فی وی فحاشی بے حیائی کا آلہ اور بہترین ذریعہ ہے۔ آن کی آن میں پوری دنیا کے کونے کونے میں اس کی اشاعت ہو جاتی ہے۔ فی وی کے پردے پر جو یورپ سے عریانی برہنگی، چست لباسی فیشن کے بے حیا طریقے چلتے ہیں۔ پوری دنیا کے ہر گھر میں آنا قانا یہ پھیلتے ہیں۔ یہ اس کا اہم ترین فائدہ ہے۔

سورہ نور میں فواحش اور گناہ کی اشاعت اور تردیج پر قرآن نے بڑی وعید ذکر کی ہے۔ چنانچہ حکم خداوندی ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحْضِرُونَ أَن تَشْفِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا

لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ [النور ۲۴-۱۹]

”جو لوگ فواحش (اخلاقی بری باتوں) کی اشاعت ایمان والوں میں پسند کرتے ہیں۔ ان کے لئے دنیا اور آخرت سخت ترین سزا ہے۔“

چنانچہ فی وی میں فواحش ہی کی تو اشاعت اور اس کا شیوع ہوتا ہے۔ فواحش کے شیوع کا اس سے آسان اور سہل طریقہ کیا متصور ہو سکتا ہے۔ چنانچہ فی وی میں جو نیم برہنگی، جنسی خواہشات کے حیا سوز طریقے اور قتل، ظلم، اغوا، مار دھاؤ، چوری، ڈکیتی، قرار

وغیرہ کے جو مفید اخلاق طریقے دکھائے جاتے ہیں۔ ان سے متاثر ہو کر انہیں امور کا ارتکاب کرتے ہیں۔ نت نئے فیشن یہ اسی ٹی وی اور سینما کی ہی تو دین ہے۔ ٹی وی پر اس کی نمائش ہونے کی وجہ سے آئے دن اس قسم کے واقعات ہوتے رہتے ہیں ظاہر ہے جو کسٹمر لڑکیاں نیم برنگی چست لباسی دیکھیں گی وہ پردہ اختیار کریں گی؟ جو جوان قتل ماروحاز انگو وغیرہ کے واقعات دیکھیں گے وہ شرافت اور سنجیدگی اختیار کریں گے؟ ہرگز نہیں۔ افسوس مسلمان تو بے حیائی بد اخلاقی کو مٹانے آیا تھا نہ کہ اس کی اشاعت کے لئے۔ قرآن پاک نے تو فحش کرنے سے منع کرنے کے بجائے اس کے قریب بھی جانے سے منع کیا ہے۔ ایسے اسباب و آلات اختیار کرنے سے منع کیا ہے جس سے فواحش کا صدور ممکن ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حکم خداوندی ہے:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ﴾

”برائی باتوں کے قریب بھی مت جاؤ۔“

ٹی وی فواحش کا داعی اور آلہ بلکہ عین فحاشی ہے۔ لہذا اس کے قریب جانا اس کا استعمال کرنا اس کی خرید و فروخت کرنا کسی کو دینا دیکھنے کے لئے لوگوں کو بلانا۔ حکم خداوندی کے اعتبار سے ناجائز اور حرام ہوگا اور دوزخ کے سخت ترین تکلیف و عذاب کا باعث ہوگا۔ اے اسلام کے نام لینے والو! سوچو۔ ٹی وی گھر میں لا کر فحاشی کی اشاعت حکم خداوندی اور اس کی حدود کو پامال کر رہے ہو یا نہیں۔ خود کو بھی دوزخ اور اہل و عیال کو بھی دوزخ میں بھیج رہے ہو کہ نہیں اللہ کے واسطے اپنے فائدہ کے لئے خود اور اہل و عیال کو دردناک سزا سے بچاؤ۔

ٹی وی اسراف ہے :

حکم خداوندی ہے :

﴿کُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا﴾

کھاؤ پیو اور اسراف یعنی فضول خرچ بے جا نہ کرو۔ خدائے پاک نے اسراف و فضول خرچی سے منع فرمایا ہے۔ اسراف نام ہے حد اعتدال سے آگے بڑھنے کا اور حد اعتدال یہ ہے کہ جائز اور مباح امور میں ضرورت کی حد تک مال خرچ کیا جائے۔ اور ٹی وی تو جائز اور مباح امور سے بڑھ کر ناجائز اور حرام میں داخل ہے۔ لہذا اس کا خریدنا تو بدرجہ اولیٰ اسراف ممنوع میں داخل ہوگا۔ ہلاکت بد اخلاقی بے حیائی آخرت میں بربادی کا سامان ہے۔ اس کے متعلق حد اعتدال سے گزرنے میں کیا شبہ پیدا ہو سکتا ہے۔ لہذا ٹی وی کا لینا اور اس کا گھر میں رکھنا اللہ پاک کے حکم: ﴿لَا تُسْرِفُوا﴾ کی مخالفت اور پامالی ہے اور حکم الہی کو توڑنا ہے۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ دیگر گناہوں کے ساتھ اسراف کا بھی گناہ ہے جو کبیرہ ہے۔

شوہروں کو اپنی ازواج کی طرف سے بے پرواہ کر ڈالنے والا آلہ :

ٹی وی شیطان کا جال ہے۔ جس سے وہ لوگوں کا شکار کر کے جہنم میں پہنچاتا ہے۔ ٹی وی اور سینما کے اہم ترین مقاصد میں لوگوں کو خواہشات سے لطف اندوز کرنا ہے۔ اس کا سب سے بہترین ذریعہ عورتوں کے محاسن ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے تمام پروگرام میں کسٹمر خوی صورت عورتوں کو دخل ہے۔ اناؤنسری کے میدان سے لے کر کھیل کے میدان تک میں یہ بات مشترک ہے۔ ٹی وی پر ٹیلی کاسٹ ہونے والے امور ذرائع سے متعلق ہوں یا تعلیم و تربیت سے عورتوں ہی کا استعمال ہے۔ ان تمام پروگراموں کے لئے اسی صنف نازک کا استعمال ہوتا ہے۔ جو کسٹمر خوی صورتی کے ساتھ دلکش نرم آواز کی حامل مخصوص کیفیت ادا کے ساتھ نیم برہنہ چست حسین لباسوں سے لذت اندوز کرنے والی ہوتی ہیں۔ اگر عورتوں کے یہ محاسن فحش ذہنی مذاق چھیڑ چھاڑ وغیرہ نفس امارہ کو بھانے والی باتیں نہ ہوں تو کون اس کا خریدار ہوگا۔ اس کے لئے صنف نازک ہی ایک ایسی جاذب شے ہے جس کو ٹی وی کے پردوں پر لا کر شیطان اپنے پھندے میں جہنم کا شکار پھانتا ہے۔ یہ عورتیں شیاطین کا جال ہیں۔ ٹی وی کے پردوں پر شیطان

نے عورتوں کا جال ڈال دیا ہے۔ جس طرح شکاری مچھلی وغیرہ کا شکار چارہ سے کرتا ہے۔ اسی طرح یہ شیاطین عورتوں اور ان کے محاسن کو چارہ کی طرح ڈال کر شکار جہنم کرتا ہے اور لوگ ہیں کہ چارہ کے لطف سے چھٹے جاتے ہیں۔ جس طرح مچھلی اور چوہے کو پھنسنے کا ہوش نہیں ہوتا اسی طرح خواہش نفس کے پیروں کو بھی ہوش نہیں رہتا۔

حدیث مبارکہ میں عورتوں کو شیطان کا جال بیان کرنا کی تشریح:

حدیث پاک میں عورتوں کو شیاطین کا جال فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ سیوطی کی جامع صغیر کی طویل حدیث میں ہے: ((النساء حبالہ الشیاطین))۔

شیطان کے جال مانگنے کا واقعہ:

ابلیس لعین نے انسانوں کو ضلالت و گمراہی میں پھانسنے کے لئے جس کا انجام جہنم ہوگا۔ کوئی پھندا اور جال مانگا تا کہ اس جال سے شکار کر کے لوگوں کو جہنم میں ڈالے۔ اس واقع کو مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ جسے ہم نہایت ہی اختصار سے آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں تاکہ فی وی اور اس کے پردوں پر عورتوں کے محاسن کی نمائش کی حقیقت آپ کے سامنے آ جائے۔

ابلیس مردود جب بارگاہ خداوندی سے رائدہ درگاہ ہوا تو قسم کھائی کہ میں انسان کو ضرور گمراہ کروں گا۔ اس کے بعد اس مردود نے خداوند کریم سے درخواست کی کہ ہمیں کوئی مضبوط جال دیجئے جس میں وہ پھنسنے کے بعد وہ نکل نہ سکے تو خدا تعالیٰ نے مختلف جال اس کے سامنے پیش کئے۔ سب سے پہلے سونا چاندی گھوڑے وغیرہ پیش کئے گئے۔ مگر شیطان نے اسے پسند نہ کیا اور ناخوشی کا اظہار کیا تو خداوند کریم نے اس کے سامنے نہایت ہی بیش قیمت جواہرات پیش کئے کہ لو اس سے لوگوں کا شکار کرنا۔ شیطان نے اسے بھی نا کافی قرار دیتے ہوئے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اچھا تو اس کے علاوہ اور چرب شیریں کھانے آتش شراب اور بیش قیمت ریشمی کپڑے پیش کئے۔

شیطان مردود نے کہا: اس سے بہتر چاہئے۔ ایسا جال ہو کہ تو ذکر جانہ سکے۔ تب خدائے پاک نے شراب اور چمگ رباب کا سامان اس کے سامنے رکھ دیا اسے دیکھ کر شیطان کچھ مسکرایا اور خوش ہوا اور سمجھا کہ یہ جال پہلے جالوں سے بہتر ہے مگر پورا خوش نہیں ہوا۔ اس سے برے جال کی درخواست کی کہ ایسا جال دیجئے کہ میں اس کے منہ میں لگام کی طرح لگا دوں اور پھنسا کر جدھر چاہوں کھینچتا پھروں۔ بازار گلیوں میں ان کو لئے پھرا کروں تو اللہ تعالیٰ نے شیطان کی درخواست پر آخری اور مضبوط جال دکھلایا اس کے سامنے اللہ تعالیٰ نے عورتوں کا حسن و جمال اور اس کے محاسن واداد دکھایا تو شیطان اس جال کو دیکھ کر بے انتہا خوش ہوا اور مارے خوشی کے ناپنے لگا۔ عورتوں کے اس حسن جمال کو دیکھ کر شیطان سمجھ گیا کہ یہ ایسا جال ہے جس سے کوئی بچ کر نکل نہیں سکتا۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔

چو بدید آن چشم عائنے پر خسار

کہ کنت عقل و خرد را در خسار

و آن صفائے عارض آن دلبران

کہ بسوز دچون سپندایی دلبران

”جب اُس نے دیکھا کہ عورتوں کی آنکھیں ایسی پُر خسار ہیں کہ عقل و خرد پر پردہ ڈال دیتی ہیں۔ اس کے حسین رخساروں کی صفائی اور خوبی دل کو بخور کی طرح جلا کر رکھ دیتی ہے۔ غرض کہ جب اس نے عورتوں کے محاسن چہرہ خال ابرو حسن قامت وغیرہ کو دیکھا تو اُچھل پڑا اور اسی جال کو مانگا۔ خدائے پاک نے اُسے دے دیا۔ چونکہ یہی جال اس کو پسند آیا۔“

چنانچہ آپ پوری دنیا میں عورتوں کا فتنہ دیکھیں گے۔ پوری دنیا اس میں گرفتار ہے بڑے شہروں میں جا کر دیکھئے عورتوں کا کیسا فتنہ ہے۔ فی وی اور سینما میں دل بھانے والی عورتوں کی بھرمار ہوتی ہے۔ مختلف طور طریقہ سے اسے دکھایا جاتا ہے۔ عورتوں کے

اس جال سے وہ جہنم کا شکار کرتا ہے۔ لوگ ہیں کہ گناہوں میں مست کو در ہے ہیں۔ لطف لذت کی وجہ سے اس گناہ میں مدہوش ہیں۔ اس سے ہٹنا الگ ہونا مشکل معلوم ہوتا ہے گناہ میں جب مزہ اور لطف ہوتا ہے تو بڑا مہلک اور خطرناک ہوتا ہے نئی وی مزے دار گناہ ہے۔ اس مضبوط جال سے مضبوط ایمان والے ہی بچ سکتے ہیں قرآن میں ہے: ﴿إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ﴾ "میرے بندوں پر شیطان تیرا غلبہ نہ ہوگا۔" اللہم احفظنا منهم۔

نئی وی اور بے حیائی و فاشی:

نئی وی 'سینما' بے حیائی فاشی اور اس کی اشاعت کا کامیاب آلہ ہے۔ ان کے پردوں پر دکھائی جانے والی چیزیں معاشرہ اور اخلاق کے لئے تباہ کن ہیں۔ نیم عریانیت کے لطف آمیز مناظر۔ چست لباس رقاصوں کے رقص اجانب کے ساتھ بے محابہ گفتگو عشق محبت کی ادائیں ہنسی مسکراہٹ ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر بلکہ اس سے اور بڑھ کر حیا سوز باتیں بے حیائی نہیں تو اور کیا ہے۔ اسی بے حیائی کے لطف اندوز مناظر کی وجہ سے تو نئی وی کی مانگ ہے۔ نئی وی اور سینما کے پردوں پر جس قسم کی بے حیائی کے دل سوز مناظر ہوتے ہیں کہ شرافت انسانی کا جنازہ نکل جاتا ہے۔ جس نبی نے امت کو بے حیائی سے جس قدر تاکید کے ساتھ روکا تھا۔ آج امت اسی کو اپنا رہی ہے اور اسی کو تہذیب زمانہ سمجھ رہی ہے۔

حیا اور اس کی اہمیت:

خالق کائنات نے مردوں کے مقابلے میں عورتوں کو خصوصاً سکوناری میں یہ نعت و دیعت زیادہ رکھی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اخلاقی گناہ خواہش زنا سے محفوظ رہتی ہے۔ اس کے حق میں یہ ایک اتنی دیوار ہے۔ اسی لئے مشہور ہے:

((إِذَا فَاتَكَ الْحَيَا فَاغْفِلْ مَا شِئْتَ))

(ادب المفرد صفحہ ۵۵۹)

"جب حیا تجھ سے فوت ہو جائے تو پھر جو چاہے کر۔"

حیا ایک آڑ ہے اس کا ختم ہو جانا گناہوں پر دلیر کرتا ہے۔ اسی وجہ سے شریعت نے بے حیائی سے منع اور حیا کی فضیلت ذکر کی ہے اور اس کی ترغیب دی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: حیا ایمان کی شاخ ہے۔ (بخاری صفحہ ۳۹۸ مختصراً)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ آپؐ نے فرمایا: حیا ایمان ہے ایمان سے جنت ہے۔ بے حیائی ظلم و گناہ ہے اور گناہ جہنم ہے۔ (ترغیب صفحہ ۳۹۸) فَاغْفِلْ: بے حیائی جہنم کا باعث ہے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: حیا اور قلت کلام ایمان کی باتیں ہیں۔ جنت سے قریب جہنم سے دور کرنے والی ہیں۔ بے حیائی فحش کلامی شیطان سے ہے اور جہنم کے قریب کرنے والی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: خدائے پاک جب کسی کو ہلاک کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس سے حیا دور کر دیتے ہیں۔ (ترغیب صفحہ ۴۰۰)

(چنانچہ بے حیائی سے فواحش پر دلیر ہو جاتا ہے)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: حیا اور ایمان ایک دوسرے کے ساتھی ہیں جب ایک جاتا ہے تو دوسرا بھی چلا جاتا ہے۔

(ترغیب صفحہ ۴۰۰)

آپؐ کے ان ارشادات سے معلوم ہوا کہ بے حیائی جہنم کا باعث ہے اور اس کی اصل بے ایمانی ہے دوسرے آپؐ نئی وی اور سینما وغیرہ پر غور کیجئے یہ بے حیائی کا معلم

ہے اور اس کا مشاق ہے۔ ٹی وی کے پردوں پر بے حیائی کے خوشنما مناظر دیکھ کر حیا جو ایک فطرتی آڑ تھی ٹوٹ جاتی ہے۔ جس کے نتیجے میں نیم عریاں بلاؤ بیٹے کے لباس فیشن سے آراستہ ہو کر محاسن کا اظہار کرتی پھرتی ہیں۔ اجانب کے ساتھ سیر تفریح کو نکل جاتی ہیں۔ بانہوں میں بانہہ ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر پردہ عصمت کا مذاق اڑاتی ہیں اجانب کے ساتھ بلا جھک کھیل میں شریک ہوتی ہیں۔ ان کے ساتھ خلوت برتی ہیں بلکہ زنا فواحش تک کا ارتکاب کر بیٹھتی ہیں۔ عریانیت و برہنگی یا دلکش فیشن وادائوں سے لوگوں کو زنا کی جانب ابھارتی ہیں اور اسے تہذیب زمانہ آزادی نسواں قرار دیتی ہیں۔

بے حیائی کی انتہا:

کون سی ایسی بے حیائی ہے جو ٹی وی و یوٹیوب فلموں نے چھوڑی ہے۔ کیا آج بے حیائی کی انتہا نہیں ہو گئی ہے کہ گھر میں ٹی وی چلتا رہتا ہے۔ فلموں کی ریل لگی ہوتی ہے۔ بے حیائی کے حیا سوز مناظر برہنگی، نیم برہنگی بوس و کنار، لپٹ چمٹ کی تصویریں چلتی رہتی ہیں۔ گھر کے تمام افراد بچے بڑے چھوٹے ماں باپ بیوی شوہر بھائی بہن ساس بہو ایک ساتھ بیٹھ کر بے حیائی کے مناظر دیکھتے ہیں بلکہ بعض موقعوں پر بے حیائی کے لطف اندوز مناظر پر تالیاں تک بجاتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا بے حیائی کا تصور کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے معاشرے میں بہو ساس کے سامنے شوہر سے کھل کر بات نہیں کر سکتی تھی۔ ایک چارپائی پر بغل میں بیٹھ نہیں سکتی تھی اور آج بے حیائی زنا اور دواغی زنا کے مناظر ایک ساتھ بیٹھ کر دیکھتی ہیں اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان لوگوں کے درمیان جو فطرتی حیا کی آڑ تھی وہ پاش پاش ہو گئی۔ بے حیائی کے مناظر دیکھ کر خود بے حیائی سیکھنے اور کرنے لگی۔ ماں باپ کے سامنے اجانب سے خلط اور اس کے ساتھ تفریح و کھیل کو نکل جاتی ہیں۔ والدین کچھ نہیں کہہ سکتے۔ تک تک دیدم دم نہ کشیدم۔ آخر انہیں کا تو سکھایا ہوا ہے۔

فرمانبردار بچیو!

أمر بالمعروف ونہی عن المنکر یہ سختی سے عمل پیرا ہو جائیے:

ٹی وی نے آپ ﷺ کی ایک پیشین گوئی پوری کر دی۔ آپ نے فرمایا: لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا اس وقت وہ اچھی باتوں کا حکم اور برائیوں سے منع نہیں کر سکیں گے۔ یہ بدترین زمانہ ہوگا۔ (مجمع صفحہ ۲۸۰ جلد ۷)

اے ایمان و اسلام والو! بے حیائی کی جز اور اس کی بنیاد اُکھاڑ پھینکو۔ اپنے گھر اپنی اولاد کی حفاظت کرو۔ حیا جو عزت و عصمت کا محافظ ہے۔ اسے ٹی وی کی منحوس فضاؤں سے پاش پاش نہ کرو۔ یہ بے حیائی دنیا کے لئے بھی رسوائی کا باعث ہے اور آخرت میں جہنم کی آگ اور اس کا اڑو حابن کر ڈے گی۔

میرا ایک طالب علم ان سطور کی پروف ریڈنگ کے وقت کہنے لگا کہ استاد جی! میں گاؤں سے مدرسہ آتے وقت ہوٹل میں کھانا کھانے کے لئے رکا تو دیکھا کہ ایک بلیڈ کے اشتہار میں بھی عورت تھی۔

سبحان اللہ! کیا عورت کو فقط چیزیں بیچنے کی چیز بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شوہر صاحب کے کانوں پہ تو ہیڈ فون ہی لگا رہتا ہے:

موسیقی آج سے نہیں صدیوں سے لوگوں کے دلوں کو لبھانے کا ایک آلہ بنی ہوئی ہے اور میں نے کچھ گھرانے ایسے بھی دیکھے جو ٹی وی سے تو اللہ عزوجل کے فضل و کرم سے بچے ہوئے ہیں لیکن موسیقی کی لعنت میں گرفتار ہیں اور اب تو مرے کو مارے شاہ مدار کے مصداق موبائل فونز میں بھی موسیقی کا بندوبست کروادیا گیا ہے۔

سیر سے کان بھرا جائے گا تب گانے کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ اے گانے اور ٹی وی کے شوقین! کل ہونے والا انجام سوچ لو تا کہ افسوس و حسرت نہ ہو۔

جس گھر میں ٹی وی کا سلسلہ چلتا ہو خواہ خبر اور نیوز ہی کا سلسلہ کیوں نہ ہو۔ رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ بدراستی شرح ملتقی میں ہے:

لا تخضر الملكة شيئا، من الملاهي۔ (ص ۵۵۴ جلد ۲)

آلہ ولعب کے قریب فرشتے نہیں آتے لہذا معلوم ہوا کہ جس گھر میں ٹی وی ہوگا وہ گھر رحمت کے فرشتوں کی آمد سے دور ہوگا۔

اسی وجہ سے آپ اس گھر میں تشریف نہ لے جاتے۔ جس گھر میں جاندار کی تصویر ہوتی۔ ٹی وی سے بڑھ کر قابل نفرت تصویریں اور کس میں ہوں گی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایک غالیچہ خریدا جس میں تصویر تھی آپ نے (گھر آتے ہوئے) دیکھا تو دروازے ہی پر کھڑے ہو گئے اور اندر نہ آئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ناراضگی کا اثر چہرے سے پہچان لیا۔ انہوں نے کہا: اللہ اور اس رسول (ﷺ) سے معافی۔ میں نے کیا جرم کیا؟ آپ نے پوچھا: اے عائشہ! یہ غالیچہ کیا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں نے اسے خریدا تا کہ آپ اس پر تشریف فرما ہوں اور نیک لگائیں۔ آپ نے فرمایا: تصویر بنانے والے کو قیامت میں عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا جو تم نے بنایا اس میں جان ڈالو۔ آپ نے فرمایا: جس گھر میں تصویر ہو ملائکہ اس میں داخل نہیں ہوتے۔

(مشکوٰۃ صفحہ ۳۸۵)

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: جس گھر میں تصویر یا کتا ہو اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۳۸۵)

یہ تو عام تصویروں کے متعلق ہے خواہ وہ انسانوں کی ہوں یا جاندار کی ٹی وی کے پردوں پر اور شیشے پر دکھائی جانے والی تصویریں تو فائشی بے حیائی سے پڑھتی ہیں کہ

ایک شریف آدمی کی گردن مارے حیا کے جھک جاتی ہے۔ گواہ باش آوارہ مزاج لوگ اسی سے لطف حاصل کرتے ہیں۔ جہاں ایسی دہائیات بے شرم تصویروں کے سلسلے لگے رہتے ہوں وہاں رحمت کے فرشتے کس طرح آ سکتے ہیں۔ ہاں ملائکہ عذاب و موت تو آتے ہیں۔ اب جو ٹی وی میں وی سی آر کی شکل پیدا ہو گئی ہے۔ اس سے تو ہر وقت اس کا سلسلہ لگا رہتا ہے۔ وقت کی بھی پابندی نہیں۔

اے ایمان والو! کیوں ایسا عمل کرتے ہو کہ ملائکہ رحمت سے تمہارا گھر محروم رہے۔ ملائکہ رحمت کی آمد تو دین دنیا کی خوبی اور شادمانی کی بات ہے اس سے تو شیاطین اور اس کی زیارت کا سلسلہ لگا رہے گا۔ جو دونوں جہان کے لئے ضرر اور مصیبت کی بات ہوگی۔ لہذا ٹی وی سے اسباب رحمت کو مت روکو۔

خاتون خانہ کے ہاتھوں مفتح الرزق "رزق کی کنجیوں" کا کھویا جانا:

گناہ اور گناہوں پر اصرار رزق اور اس کی برکت کو زائل کر دیتا ہے۔ آج کل عام طور پر مال کی فراوانی کے باوجود ضروریات کے سلسلے میں پریشانی اور فکر کی شکایت رہتی ہے۔ مال کی آمد ہے کاروبار بھی بہتر ہے۔ مگر کہاں خرچ ہوتا ہے پتہ نہیں چلتا یا بسا اوقات آمد سے زائد خرچ کی نوبت آ جاتی ہے۔ اس میں جہاں اور اسباب کو دخل ہے وہیں خدا کی نافرمانی اور گناہ کو بھی دخل ہے۔

چنانچہ ٹی وی اور سینما کبابز کا مجموعہ ہے۔ جب ایک گناہ کی خاصیت یہ ہے کہ وہ رزق کو روک دیتا ہے اس کی برکت کو کھود دیتا ہے تو جو مجموعہ عصیان سرچشمہ کبابز ہو اس کا کیا حال ہوگا حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: آدمی گناہ کی وجہ سے رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ (ترغیب صفحہ ۳۱۳ جلد ۳)

رزق کی تنگی میں گناہوں کو بہت دخل ہے۔ چنانچہ قوم سبا کو خدائے پاک نے گناہوں کی یاداش میں پاکیزہ رزق پھلوں کے باغات سے محروم کر کے خاردار جھاڑیاں دے دی تھیں۔ جس کا مفضل واقعہ سورہ سبا میں دیکھا جاسکتا ہے۔

چنانچہ بسا اوقات دیکھا جاتا ہے کہ انسان اچھی طرح زندگی بسر کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ غفلت یا بالقصد نفع یا لذت کی وجہ سے کسی کبیرہ کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے جس کی پاداش میں رزق کی برکت سے محروم کر دیا جاتا ہے اور معاشی تنگی میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ مسند احمد میں وہب رضی اللہ عنہ سے نقل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ بندہ جب میری اطاعت کرتا ہے تو اس سے راضی ہوتا ہوں اور جب راضی ہوتا ہوں تو برکت دیتا ہوں اس کو اور اس کی نسلوں میں اور میری برکت کی انتہا نہیں رہتی۔ (زواجر صفحہ ۱۴ جلد ۱)

خود قرآن پاک میں ہے:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أَنشَىٰ﴾ النحل ۱۶۷

جو مرد عورت نیک عمل کرے گا۔ ہم اسے پاکیزہ زندگی سے نوازیں گے اور پاکیزہ زندگی وہ ہے جو امن و سکون عافیت و برکت کے ساتھ ہو۔ لہذا معلوم ہوا کہ ٹی۔ وی گناہ کبیرہ ہونے کی وجہ سے محرومی رزق یا بے برکتی کا باعث ہے۔ لوگو! اگر برکت اور عافیت چاہتے ہو تو گناہ چھوڑ دو تقویٰ اختیار کرو۔ تقویٰ کی بنیاد پر خدائے پاک بے گمان رزق دیتا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾

”جو شخص اللہ سے تقویٰ اختیار کرتا ہے اس کے لئے اللہ راستہ کھول دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں سے گمان نہیں ہوتا۔“

آپ کی لا پرواہیوں کا وبال اولاد کو بھگتنا پڑتا ہے

ہاں! ہاں! حاشاء للہ! مجھے پتا ہے کہ جو خواتین پچھلے صفحات پر دھیں گی وہ تو مجھے دعائیں دیں گی کہ ”مولوی صاحب! نے دیکھو کس اچھے طریقے سے بیوی کی اہمیت، عظمت اور شان بیان کی، چلو یہ اپنے شوہر کو بھی پڑھاؤں“ کہ انہیں بھی کچھ نصیحت حاصل ہو لیکن جب ان صفحات پر پہنچیں

گی تو ایک کان سے سنا اور دوسرے سے۔ کیونکہ یہاں تو معاملہ اب امتیازی شان سے آگے بڑھ کر عمل کرنے کا آگیا ہے اور ہمارے معاشرے میں سب کچھ ملے گا ناپید ہے تو فقط عمل۔

جب گھروں میں گناہ عام ہوتا ہے تو سزا سب کو ملتی ہے:

ٹی وی ایسے گناہوں کا سرچشمہ ہے جس کی وجہ سے آخرت تو دور کی بات ہے اسی دنیا میں اس کی سزا اور گرفت ہو جاتی ہے۔ آج ہر شخص پریشان اور مختلف قسم کے حوادث میں گرفتار ہے پریشانیوں عام ہیں چونکہ اس کا سبب گناہ کبیرہ عام ہے۔ گناہ کے عام ہونے کی وجہ سے سزا بھی عام ہے۔

چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: جب گناہ ہماری امت میں عام ہو جائے گا تو خدائے پاک کی سزا بھی عام ہو جائے گی۔

(مجمع صفحہ ۲۶۸ جلد ۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: جب کسی قوم میں گناہوں کی کثرت گناہوں کا رواج عام ہو جاتا ہے تو اللہ پاک اس میں موت زائد فرما دیتے ہیں۔ (مسند ۲۶۹ جلد ۵)

چنانچہ آج دیکھا جا رہا ہے کہ موت کی بڑی کثرت ہے۔ کہیں مہلک بیماریوں سے کہیں ایکسیڈنٹ سے، کہیں فساد و فیرہ سے۔

حضرت سکیل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صورتوں کے مسخ اور زمین کے دھنس کا واقعہ پیش آئے گا۔ پوچھا گیا کب ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا: جب گانے والیاں عام ہو جائیں گی اور شراب کو حلال سمجھا جائے گا۔

(ابن ماجہ زواجر صفحہ ۲۷۰)

ایک حدیث میں ہے عنقریب ہماری امت میں کچھ لوگ ہوں گے جو ریشم شراب اور گانے والیوں کو حلال بتائیں گے۔ (زواجر صفحہ ۲۷۰)

چنانچہ آج دیکھا جا رہا ہے کہ بہت سے لوگ جو ماڈرن ذہن کے ہیں وہ ٹی وی کو جائز اور حلال بتاتے اور سمجھتے ہیں۔ ٹی وی کے ناجائز کہنے والے کو پرانے زمانے کے جنگی لوگ قرار دیتے ہیں۔ تمدن اور آزادی نسوان کا مخالف اور دشمن سمجھتے ہیں۔ آج یہ پیشین گوئی پوری ہو رہی ہے بے حیائی کے مناظر کو کھیل اور منورنجن کہہ کر نال ویتے ہیں۔ بہر حال بسا اوقات ایسا دیکھا جاتا ہے کہ آدمی وسعت فراوانی کے باوجود مصائب و آلام کے مہلک بھنور میں گرفتار رہتا ہے۔ ایک جانب مادی سہولت دوسری جانب جان لیوا پریشانیوں کا سلسلہ عام طور پر لوگ اس کا سبب مادی وسائل یا دنیاوی امور کو سمجھتے ہیں۔ اسی لئے وہ اور زیادہ مادی وسائل اور دنیا میں منہمک ہو جاتے ہیں۔ اس سے کام نہیں چلتا تو کچھ لوگ تعویذ گندوں کی جانب مائل ہوتے ہیں اور اسی طرح حیران سرگرداں رہتے ہیں۔ قانون خداوندی سے غافل ہونے کی بنیاد پر وہ سمجھ نہیں پاتے کہ اس کا سبب کیا ہے خدائے پاک نے اس کا سبب گناہ اور نافرمانی بتایا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے:

﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ

كَثِيرٍ﴾ (الشوریٰ ۲۲: ۱۳۰)

”جو تمہیں مصیبت اور پریشانیاں پہنچتی ہیں وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہے اور بہت سا تو وہ معاف کر دیتا ہے۔“

معلوم ہوا کہ مصائب و حوادث کا سبب خدا کی نافرمانی ہے۔ چنانچہ بے حیائی اور فواحش کے ظہور سے طاعون اور مہلک امراض کا شیوع حدیث پاک سے ثابت ہے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: جس قوم میں فواحش اور بے حیائی کھلم کھلا ہو جائے تو طاعون اور دیگر مہلک امراض میں مبتلا کر دی جاتی ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے:

جب فواحش کا ظہور ہوتا ہے۔ تو ان پر موت (کی کثرت) کر دی جاتی ہے۔

(فتح صفحہ ۱۹۳ جلد ۱۰)

بنی اسرائیل پر طاعون کی بیماری فحاشی کی وجہ سے اتری تھی:

پہلی قوموں کی تباہی کے احوال پر غور کریں تو پتا چلتا ہے کہ ان کی نہ صرف یہ کہ نوجوان نسل گمراہی میں مبتلا تھی بلکہ بڑے بوڑھے بھی ان کبار میں مبتلا تھے۔

فتح الباری میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل پر طاعون کی مہلک بیماری اسی فحاشی اور زنا کی وجہ سے آئی تھی جس میں صرف ایک دن میں ۷۰ ہزار موت کے گھاٹ اتر گئے تھے۔ (فتح الباری صفحہ ۱۸۳)

ٹی وی سے فحاشی اور بے حیائی شائع ہوتی ہے اور پھر یہ طاعون اور دیگر مہلک امراض کے شیوع کا سبب بنتا ہے۔ خدا کی پناہ! کیسی ہلاکت کا باعث ہے یہ ٹی وی! کیبل نے توٹی۔ وی کو ”زہر میں بجھا آ لہ“ بنا ڈالا ہے:

اب آج کے دور میں توٹی۔ وی نے ایک نئی تباہی پھیلا ڈالی ہے اور وہ ہے کیبل۔ اب تو ہر گھر میں یا کم از کم شہروں میں تو تقریباً ہر گھر میں یہ بیماری پہنچ چکی ہے۔

طالب علم کو تنبیہ کی تو اس نے حیران کن انکشاف کیا:

میرے مدرسہ میں ایک طالب علم اپنے کسی ساتھی سے آہستگی سے کوئی بات کر رہا تھا کہ میرے کانوں تک وہ بات پہنچ گئی۔ میں نے اسے پاس بلا کر سختی سے ڈانٹا لیکن چند ہی لمحوں میں مجھے احساس ہوا کہ اتنا چھوٹا بچہ اور اتنی بڑی بات..... میرے پیار کرنے اور کچھ نصیحتیں کرنے سے بچے کا ڈر اتر ا اور وہ بتائے لگا کہ میری ”ماما“ مجھے شام کو کارٹون لگا دیتی ہے اور وہ اردو زبان میں آتے ہیں اس میں کارٹون کی آپس میں جب شادی ہوئی تو وہ ایک دوسرے کو یہ بات کر رہے تھے۔

مولانا! ہمارے گھر کا ماحول تو بڑا پاکیزہ ہے:

اب بتائیے! بندہ کرے تو کیا کرے۔ جب کچھ نصیحت کی جائے تو لوگ کہتے ہیں ہمارے گھر کا ماحول تو بڑا پاکیزہ ہے۔

اپنی اصلاح کیجئے یقیناً جائے شوہر اپنی کمیوں کو تا ہیوں پہ چند دن ہی میں قابو پا لے گا:

ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ ان کے وقت میں ایک دفعہ بارش نہ ہوئی لوگ عقیدت کی وجہ سے ان کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت دعا کیجئے کہ بارش ہو جائے فرمایا میں کیا دعا کروں یہ میری ہی آفت ہے یہ میری ہی شامت اعمال ہے کہ بارش نہیں ہوتی۔ اس کو معتقدین کب تسلیم کرتے۔ عرض کیا کہ حضرت آپ تو مقبول بندے ہیں اور بزرگ ہیں اور چناں و چنیں ہیں۔ آپ یہ کیا فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں کی نحوست ہے۔ ہمارے واسطے استغفار کرو دیجئے کہ حق تعالیٰ ہمارے گناہوں پر نظر نہ فرمائیں اور اپنی طرف سے رحمت نازل فرمادیں۔ فرمایا میں سچ کہتا ہوں کہ یہ میری ہی نحوست ہے جب تک میں شہر میں رہوں گا رحمت نہ ہوگی۔ لوگ مجبور ہوئے اور ان کو شہر سے باہر پہنچا دیا۔ بس ان کا شہر سے نکلنا تھا کہ فوراً بارش ہو گئی۔ کیا ٹھکانہ ہے حق تعالیٰ کے معاملات کا کوئی سمجھ نہیں سکتا۔ ان کی تربیت کی تکمیل مقصود تھی اس واسطے ایسا ہوا کہ جب تک وہ شہر میں رہے بارش نہیں ہوئی تو اس میں یہ راز ہو سکتا ہے کہ اس تواضع پر عمل کرنے کی برکت سے بارش ہوئی ہو۔ غرض وہ لوگ خود اپنے آپ کو مٹاتے ہیں اور حق تعالیٰ بھی ان کے واسطے ایسا ہی سامان کرتے ہیں کہ ان کی ہستی مٹ جائے۔

صفائی کی اہمیت

جو سب کو سنوارتی ہے وہ خود بھی تو سنورے:

اسلام نے بہت ہی اہمیت کے ساتھ صفائی پر زور دیا ہے۔ غور کیجئے! اگر کوئی عورت بدبودار منہ سے نماز پڑھے گی تو فرشتوں کو کتنی تکلیف ہوگی۔ جس منہ سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے قرآن کریم کی تلاوت کی جائے اس کو صاف ستھرا نہ رکھنا کتنی بری بات ہے۔ جسم پر خوب اچھے اچھے پاؤ ڈرل لینا پر قیوم چھڑک لینا۔ یہ حقیقی صفائی نہیں بلکہ صفائی کا معیار تو یہ ہے کہ منہ سے بدبو نہ آتی ہو ذرات صاف ہوں بدن کے غیر ضروری بال صاف ہوں ناک اچھی طرح صاف ہو ناخن کٹے ہوئے ہوں انگلیوں کے پورے چمکتے ہوئے موتی کی طرح صاف ستھرے ہوں پاؤں کے تلوے صاف ہوں اور سر کے بال صاف اور نکلتی کٹے ہوئے ہوں۔

اگر کسی عورت کو اپنی صفائی کا معیار جانچنا ہو کہ آیا میں صاف ستھری کہلانے کی مستحق ہوں یا نہیں تو ان چیزوں میں صفائی ستھرائی دیکھ لے۔ پھر باورچی خانہ، فریج، باتھ روم وغیرہ کی صفائی دیکھ لے کیونکہ حقیقی صفائی تو وہ ہے جو ہمیں اسلام نے سکھائی ہے۔ اس میں خصوصیت سے دانت اور منہ کی صفائی بہت ہی اہمیت رکھتی ہے۔ بعض عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ پان کھا کر یا چاکلیٹ وغیرہ کھا کر بغیر دانت صاف کئے سو جاتی ہیں اور بچوں کو بھی بغیر دانت صاف کروائے سلا دیتی ہیں۔

ہائے افسوس! اس جدید تہذیب نے ہماری اصلی تعلیمات کو بھی ختم کر دیا۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ

وسمعنا استغنان عائشة ام المؤمنین فی حجرته

(شخصية المرأة المسلمة صفحہ ۱۰۶)

ترجمہ: ہم ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ سے ان کے دانت صاف کرنے کی آواز سنتے تھے۔

اسی طرح سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كان لا يرقد من ليل ولا نهار فيستقظ الا تسون قبل ان

يتوضأ (كنز العمال: جلد ۷ صفحہ ۴۴)

ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات اور دن میں کسی وقت بھی آرام فرماتے تو اٹھنے کے بعد وضو سے پہلے مسواک ضرور فرماتے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک صفائی خصوصاً دانتوں کی صفائی کی اتنی اہمیت تھی کہ حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر پر تشریف لاتے تو سب سے پہلے کیا کرتے تھے؟

قالت بالسواك (مسلم: جلد ۱ صفحہ ۱۲۸)

ترجمہ: تو فرمانے لگیں: مسواک کرتے تھے۔

اس لئے ہماری گزارش ہے کہ درج ذیل باتوں کا خصوصیت سے اہتمام کریں:

① اپنے مسوڑوں اور دانتوں کے مناسب باریک یا موٹی مسواک لے لیں اور مسواک کو بھی صاف ستھرا رکھیں۔ ممکن ہو تو ہر دو تین دن بعد اس کا برش بدل لیں یا مسواک ہی بدل لیں۔

② کھانے کے بعد ضرور مسواک یا برش سے اچھی طرح دانت صاف کر لیں۔ پیاز یا لہسن کی طرح کی چیز کھا کر دانتوں کو اور ان کو کاٹنے کے بعد ہاتھوں کو خوب اچھی طرح صاف کر لیں۔

③ دانتوں کے درمیان خلال کرنے کے لئے مخصوص دھاگہ (Dental Flors)

لے کر دانتوں کے درمیان اچھی طرح خلال کر لیں تاکہ کوئی کھانے کی چیز رہ کر بیماری اور بدبو کا سبب نہ بنے اور ممکن ہو تو آئینہ دیکھ کر دانتوں کو صاف کر لیں۔

④ خود بھی پان اور اسی طرح کی دوسری چیزیں کھانے سے بچیں اور بچوں کو بھی بچائیں کہ اس کا فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہے۔

⑤ رات کو سونے سے پہلے ضرور دانتوں کا خلال کر لیں۔ دانتوں کے درمیان کوئی ذرہ رہ جانے سے وہ رات بھر نئی بیماریوں کے پیدا ہونے کا سبب بنتا رہتا ہے۔ اگر رات کو چاکلیٹ یا کوئی میٹھی چیزیں کھائیں تو پھر دانت خوب صاف کر لیں اس لئے کہ (Sweet eat Teeth) میٹھی چیز دانتوں کو کھاجاتی ہے۔

⑥ سال میں ایک مرتبہ ممکن ہو تو دانتوں کی کسی لیڈی ڈاکٹر سے اپنے دانتوں کا معائنہ کروائیں اور یاد رکھئے: دانت جتنے صاف ستھرے اور صحیح رہیں گے اتنے ہی جسم کے دوسرے اعضاء صحت مند رہیں گے کیونکہ صاف ستھرے دانتوں سے چہائی ہوئی غذا جسم کی تندرستی اور معدہ کی چستی کا ذریعہ ہوتی ہے جس سے سارے بدن کو تقویت اور صحت ملتی ہے اور پیٹ اور معدہ پورے جسم میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔

دانتوں کی صفائی کتنی اہمیت رکھتی ہے اور اسلام میں اس کا کس قدر خیال رکھا گیا ہے اور شوہر کے دل میں بیوی کی محبت پیدا ہونے کے لئے دانتوں کی صفائی کتنی ضروری چیز ہے اس کا اندازہ آپ اس بات سے بھی لگا سکتی ہیں کہ جب حضور اکرمؐ نے ام سلیم کو ایک عورت دیکھنے کے لئے بھیجا تو فرمایا:

شمی عوارضها وانظري الى عرقوبها.

(کنز العمال: جلد ۱۶ ص ۱۶۹)

اس کے منہ کی مہک سونگھ لینا (اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے قریب بیٹھ کر باتیں کرنا کہ اس سے اندازہ ہوا جائے گا کہ دانتوں کی صفائی کیسی ہے) کہیں دانتوں کو صاف

نہ رکھنے کی وجہ سے بدبو تو نہیں آ رہی) اور ایڑیوں کو دیکھ لینا کہ (ان کے اوپر یا اطراف وغیرہ میں میل تو نہیں جمی ہوئی) اس سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہوگئی کہ حضورؐ کسی عورت کو اپنے نکاح میں لینے کے لئے اس کی صفائی ستھرائی کا کتنا خیال فرماتے تھے۔

اسی طرح دانت صاف نہ رکھنے کی وجہ سے منہ میں ایک عجیب سی بو پیدا ہو جاتی ہے جس سے ہر پاس بیٹھنے والے کو تکلیف ہوتی ہے تو آپؐ اندازہ لگائیں کہ شوہر کو کتنی تکلیف محسوس ہوگی۔ کتاب مفاتیح السعادة الزوجية صفحہ ۲۲ میں لکھا ہے کہ اسلام نے عورت کو صاف ستھرا رہنے کی اس قدر تاکید کی ہے کہ جب شوہر کسی مدت کے لئے سفر پر گیا ہو تو وہ ایسی سے پہلے شوہر کو تاکید کی گئی ہے کہ بغیر اطلاع کے گھر نہ پہنچے۔ اس کی وجہ بزبان وحی یہ بتلائی گئی:

لَئِي تَمْتَشِطَ الشَّعْثَةَ وَتَسْتَحِدَّ الْمَغِيْبَةَ

(بخاری، جلد ۲ ص ۷۸۹)

تاکہ بکھرے ہوئے (پراگندہ اور میلے کپیلے) بالوں والی عورت اپنے بالوں کو صاف کر کے کنگھی کر لے اور جن زائد بالوں کو دور کرنے کا حکم ہے انہیں دور کر لے۔ دیکھئے! ان دو مختصر جملوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شوہر کی محبت کی خواہشمند نیک بیوی کے لئے کیسی پیاری نصیحتیں بیان فرمائی ہیں۔

اس حدیث کی شرح میں مشہور محدث حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے:

یہ حکم سفر و حضر دونوں کے لئے نفاذ ہوگا کہ بیوی کوشش کرے کہ شوہر کی موجودگی میں بھی اور اس کی غیر موجودگی میں بھی ان دو باتوں کا خصوصیت سے خیال رکھے۔

(فتح الباری، جلد ۹ صفحہ ۳۴۰)

اسی طرح بچوں کی صفائی ستھرائی کا بھی خصوصیت سے خیال رکھے کیونکہ ہمارے پاس کچھ ایسے شوہروں کے مسائل آئے ہیں کہ بچوں کی پیدائش کے بعد بیوی اتنی میلی

کچلی رہتی ہے کہ ہمارے لئے گھر میں ایک گھڑی رہنا مشکل ہو جاتا ہے اور بچوں کو بھی اتنا گندہ رکھتی ہیں کہ ہم ان کو اپنے پاس بٹھانہیں سکتے۔

خوب اہتمام سے بچئے! ان باتوں سے کہ جن سے آپ کا شوہر بچوں سے نفرت کرنے لگے۔ اس طرح آپ اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رہی اور اپنے بچوں کو باپ کی شفقت سے محروم کر رہی ہیں۔ خدارا! اس طرح اپنے بچوں کے مستقبل کو برباد نہ کیجئے۔ کیا پتہ اس بچے کی پیشانی میں صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ کی جھلک ہو۔

اس لئے ان کو ہر وقت ایسے صاف ستھرا رکھنے کی کوشش کیجئے کہ گھر کے تمام افراد ان کو اٹھانے اور پیار کرنے پر اور ان کو اپنی دلی دعائیں دینے پر مجبور ہو جائیں۔

ثانی دیکھئے تو یہ دعا دے:

اے اللہ! میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے آپ کی پناہ میں دیتی

ہوں۔

دادی دیکھئے تو یہ دعا دے:

اے اللہ! اس پوتی کو نیک بنا۔

دادا دیکھئے تو یہ دعا دے:

اے اللہ! بہتر سے بہتر طریقے پر اس کی نشوونما فرما اور غافیت کے ساتھ اس کو پھولتا پھلتا

رکھ۔

نانا! تو اسی کو بہتے ہوئے دیکھ کر یہ دعا دے:

اللہ تجھے ہنستا رکھے، کوئی غمی کا موقع نہ دکھائے۔

باپ دیکھئے تو یہ دعا دے:

اے اللہ! اے ہمارے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک بنا۔

ماں دیکھئے تو یہ دعا دے:

اے اللہ! اس کے دل کو منور فرما اور اس کو نماز کا پابند بنا۔

ماں! بچی کو روتا ہوا دیکھتے تو یہ دعا دے:
اللہ تجھے کبھی نہ رلائے بلکہ دنیا و آخرت دونوں میں خوشیوں سے مالا مال کرے۔
چچا دیکھتے تو یہ دعا دے:
اے اللہ! اس بچی کو اپنے دین کی خادمہ بنا اور رسول اکرمؐ کے دن کی دعوت دینے والی بنا۔

پھوپھی دیکھتے تو یہ دعا دے:
اے اللہ! اس کو دین کی سمجھ عطا فرما۔
اسی طرح بچہ کو بخاریا کوئی اور بیماری آئے تو ماں یہ دعا دے:
کوئی بات نہیں اللہ نے چاہا تو فوراً بخار ختم ہو جائے گا اور یہ بخار گناہوں سے پاکی کا ذریعہ ہے۔ ان شاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ تم کو ہر ایسی بیماری سے شفا دے دے جو تم کو تکلیف پہنچائے۔

اب جس بچے یا بچی کو اتنی دعائیں اس کے خاندان والوں سے ملی ہوں اس بچے کو شیطان جنات آسب کیسے چھو سکتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ اس بچے کی حفاظت فرمائیں گے اور اس کو اپنے دین کا خادم بنائیں گے۔

- لہذا مندرجہ ذیل باتوں کا خصوصیت سے اہتمام کریں:
- ① روزانہ بچے کو گرمی میں تو کم از کم دو مرتبہ غسل کروائیں۔
 - ② کپڑے گندے ہو جائیں تو فوراً بدل دیں۔
 - ③ کسی قسم کی گندگی کا بچے کو عادی نہ بنائیں۔
 - ④ بچے کے ناپاک بستر کو فوراً دھولیں۔ یاد رکھئے! گھر میں ناپاک کپڑے بالکل نہ رکھیں ناپاک جگہوں پر شیطان کو آنے کا موقع مل جاتا ہے جس سے گھروں میں مصیبتیں پریشانیاں آتی ہیں۔

لہذا ناپاکی سے بہت بچیں اور بچے نے جس بستر یا چادر پر پیشاب کر دیا ہو اس کو

صرف سکھانے پر اکتفا نہ کریں بلکہ اچھی طرح پانی سے دھو کر پاک کر کے پھر استعمال کریں اور اولاد کی تربیت کے متعلق کتاب ”مثالی ماں“ ضرور مطالعہ کریں جو الحمد للہ شائع ہو چکی ہے۔

یہاں ہمیں صرف یہ بتانا ہے کہ بچے کو صاف ستھرا رکھیں اس کی صحیح تربیت کریں۔ اگر خود کمزور ہوں اور سب کام خود نہیں کر سکتیں اور اللہ تعالیٰ نے غمخانش بھی دی ہے تو خادمہ رکھ لیں جو آپ کے کاموں میں ہاتھ بٹائے تاکہ بچے کی تربیت پر کوئی آٹھ نہ آنے پائے۔

اب ہم بچے کی تربیت کی اہمیت کے متعلق ابراہیم بن صالح کے اشعار نقل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو پڑھنے سے ہر ماں کے دل میں بچے کی تربیت اور اس کو دیندار اور حضورؐ کے دین کے خادم / خادمہ بنانے کا شوق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔ جس خوش قسمت عورت کو عربی آتی ہو وہ ان اشعار کو ضرور یاد کرے:

عود بئیک علی فی الصغر کیما تقرہم عینک فی الکبر
فلما مثل الأداب تجمعہا فی عنفوان العبا کائنات فی الحجر
اپنے بچوں کو چھوٹی عمر ہی سے اچھے آداب کا عادی بناؤ تاکہ بڑی عمر میں ان کو دیکھ کر تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہوں

(کیونکہ) بچپن میں آداب سکھا دینا اور اچھی طرح تربیت کرنا اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی پتھر پر نقش کر لیا ہو (جیسے وہ نہیں مٹا لیسے ہی بچپن کی عادتیں بچپن تک چلتی ہیں) اسی طرح صفائی کی اہمیت کے متعلق شیخ قطان کی کتاب ”سری للنساء“ کے کچھ پیارے اشعار ہم نقل کرتے ہیں:

لروحة مطیعة عینک راضیة وطفلة صغیرة محفوفة بالعافیة
وغرفة نظیفة نفسک فیہا ہانیة ولقمة لذیذة من ید اعلی طاہیة
خیر من الساعات فی ظل القصور العالیة تعقبہا عقوبة یصلی بنار حامیة

مفہوم: ایسی فرمانبردار بیوی جس کو دیکھ کر شوہر خوش ہو جائے اور میاں بیوی کو اللہ تعالیٰ نے ایسی بچی دی ہو اللہ کی دی ہوئی عافیت میں لپٹی ہوئی ہے

اور اس بیوی نے اس کمرے کو ایسا صاف رکھا کہ جس میں آ کر شوہر راحت حاصل کرتا ہے اور اسے عمدہ لذت دے سکے ہوئے کھانے کا سادہ لقمہ جو ایسی نیک بیوی کے مبارک ہاتھوں سے شوہر کو ملے جو سب سے بہتے فانیو سار ہوئے سے بھی بڑھ کر ہو

اپنے غریب خانہ میں جو گھڑیاں گزر جائیں وہ ان گھڑیوں سے بہتر ہیں جو اپنے محلات میں گزریں جن میں اللہ کی نافرمانی ہوتی ہو کہ جس پر دیکتی ہوئی گرم آگ کا عذاب ہے جس میں گناہ گاروں کو داخل کر دیا جائے گا

نوٹ: لیکن اس صفائی ستھرائی میں اتنا مبالغہ نہ ہو کہ گھر کے ضروری کام رہ جائیں۔

چھوٹا:

یہ بات تو شادی کے بعد اچھی طرح معلوم ہو جاتی ہے کہ میاں بیوی کے جسموں کا آپس میں ملنا دلوں کے ملنے کا سبب ہوتا ہے۔ قدرتی طور سے دونوں کے جسموں کی حرارت و گرمی خصوصاً عورت کے مسام سے حرارت باہر آتی ہے دونوں کی کئی بیماریوں و پریشانیوں کا اس سے ازالہ ہو جاتا ہے۔

لہذا مسلمان بیوی کو اس لذت کے حاصل کرنے میں شوہر کی ضرورت و معاون بننا چاہئے۔ اگر شوہر ہاتھ لگا کر چھونا چاہے تو وہ اپنے جسم کو خود سے آگے کر دے بلکہ خود بھی اس کا جسم چھو کر اپنے جسم کو چھونے کی دعوت دے اور کوشش کرے کہ اس فانی لذت کے ذریعہ شوہر کو آخرت کی لذتیں یاد دلانے کہ یہ لذتیں تو ہمارے باپ دادا آدم علیہ السلام سے لے کر لوگ اب تک حاصل کرتے رہے اور دنیا سے چلے گئے اس لذت کو کوئی ہمیشہ کے لئے حاصل نہیں کر سکتا۔ ہم بھی یہاں سے چلے جائیں گے لہذا ہم دیکھ لیں کہ کہیں ہماری زندگی میں اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم ٹوٹ تو نہیں رہا۔ ہم کوئی ایسا کام تو نہیں کر رہے

جس سے اللہ رب العزت ہم سے ناراض ہو رہے ہوں لہذا ہم ابھی سے توبہ کر لیں اور سو فیصد اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کے حکموں پر عمل کرنے میں گزاریں اور ان حکموں کو دنیا بھر کے تمام انسانوں کے اندر لانے کی کوشش و فکر کریں تاکہ ساری دنیا کے انسان آخرت کی حقیقی و دائمی لذتوں سے محروم نہ ہوں۔

چکھنا:

ذائقہ حاصل کرنے کا انسان کے پاس سب سے پہلا ذریعہ منہ ہے جو سر میں سب سے زیادہ حساس عضو ہے اور اس منہ کے ذریعہ سب سے پہلی چیز بوسہ ہے جو دونوں کے تعلق کی مقدار بغیر کسی تھرمیا میٹر کے محبت کا درجہ اور اس کا وزن بتا دیتا ہے۔ یہ بوسہ ایسی گوشتی چیز ہے جو بغیر کہے ہی سب کچھ کہہ دیتا ہے۔ ہزاروں محبت کی باتوں کے مقابلہ میں ایک پیار کا بوسہ زیادہ وزن رکھتا ہے۔ شوہر کا جب بیوی بوسہ لیتی ہے تو وہ سمجھ جاتا ہے کہ یہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔ نہ اس کے لئے کوئی وقت خاص کیا جاسکتا ہے نہ کوئی طریقہ۔ یہ محبت کا فوارہ پھوٹنے پر دونوں کو بے قابو کر دیتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کا بوسہ لیں اور دونوں کو محبت کے جذبات کے اظہار پر مجبور کر دیتا ہے کہ وہ بوسہ لے کر اپنے آپ کو مطمئن کریں لیکن بعض اوقات نا سمجھ بیوی اس میں کوتاہی کر جاتی ہے کہ وہ بوسہ لیتی ہی نہیں سوائے جنسی ملاپ کے۔ حالانکہ صحابیات رضی اللہ عنہن سے مختلف اوقات میں اپنے شوہروں کا بوسہ لینا ثابت ہے خصوصاً شوہر گھر سے جب باہر جا رہا ہو تو بیوی اسے پیشانی پر الوداعی بوسہ دے جس میں عظمت و احترام کے ساتھ ساتھ محبت و شفقت کی مہک بھی ہو۔ اسی طرح جب وہ سفر سے لوٹے تو بوسہ لے۔ اسی طرح جب شوہر بوسہ لینے کا ارادہ کرے تو ایک گال کے ساتھ دوسرا گال بھی آگے کر دے تاکہ محبت میں اضافہ ہو۔ بہت سی عورتیں شوہر کی محبت کے لئے پانی پڑھواتی ہیں تعویذ لیتی ہیں کہ شوہر دوسری بیوی نہ کرے مجھ پر صحیح توجہ دے۔ ان کو چاہئے کہ محبت بڑھانے والا یہ آسان

نیز استعمال کریں۔

عموماً جو میاں بیوی کے درمیان ناچاتی ہو جاتی ہے اگر اس کے اسباب معلوم کئے جائیں تو اکثر آپ کو انہی پانچ اسباب اختیار کرنے میں عورت ہی کی طرف سے کوتاہی ملے گی کہ اس نے ان کے ذریعے شوہر کا دل نہیں جیتا اور ان چابیوں سے شوہر کے بند تالوں کو نہیں کھولا اور اپنے لئے شوہر کے دل میں جگہ نہیں بنائی۔

خصوصاً پانچویں چابی یعنی شوہر کا بوسہ لینا اس میں جتنی کوتاہی ہوتی ہے اتنی ہی محبت میں کمی آتی ہے۔

میاں بیوی میں ایک دوسرے سے مناسبت اور جوڑ ہو تو ازدواجی سکھ اور اطمینان مکمل طور پر حاصل ہو سکتا ہے اس کے بغیر زندگی غیر مکمل اور دکھی شمار ہوتی ہے اس لئے عورتوں کو خاوند کا دل جیت لینے کی تدبیریں سیکھ لینی چاہئیں کہ جن کے بغیر چارہ نہیں۔ عورت چاہے کتنی ہی پڑھی لکھی خوبصورت اور مالدار کیوں نہ ہو لیکن ان تدابیر کو جانے بغیر وہ خاوند کے دل کی ملکہ نہیں بن سکتی۔

خاوند کو اپنا بنانے کے لئے تھوڑی سی حکمت بھری باتیں لکھی جاتی ہیں۔ جو عورتیں خاوند کی خدمت اور ان سے محبت کو ایمان کا اہم جز تصور کرتی ہیں اور خاوند کے قدموں میں اپنی پوری زندگی گزار دینے کو اپنی کامیابی تصور کرتی ہیں ان عورتوں کو اپنی زندگی پر سکون بنانے کے لئے ان باتوں پر عمل کئے بغیر چارہ کار نہیں:

۱۱) حقوق کی رعایت:

تمہارا خاوند غریب ہو تو بھی تم اس کو تو نگر اور مالدار ہی سمجھو۔ اس کا اکرام کرو ہر کام میں اس سے مشورہ لو۔ جو کہے اس کو فوراً کرو۔ اس کی مرضی کے خلاف کبھی کوئی کام نہ کرو۔ ہر بات میں اس کی خوشی کا خیال رکھو۔ اپنی خوشی پر اس کی خوشی کو ترجیح دو۔ ہر وقت اس کے آرام کا خیال رکھو۔ ایسی کوئی بات نہ کرو جس سے اس کے دل کو رنج پہنچے۔

جو کچھ وہ اپنی خوشی سے دے اسے لے لو۔ جو کام کرنے کے لئے کہے اس طرح خوشی سے کرو کہ وہ بے فکر ہو جائے اور تھوڑی آمدنی کے باوجود کسی قسم کی الجھن نہ ہو۔

۱۲) خندہ پیشانی سے پیش آنا:

زندہ دل بن کر رہو۔ اس طرح خندہ پیشانی سے پیش آؤ کہ تم کو دیکھتے ہی اس کا دل باغ باغ ہو جائے اور سب پریشانیاں بھول جائے۔ اپنی ضرورت سے پہلے اس کی ضرورت پوری کرو۔ جہاں تک ہو سکے اس کو اچھا کھلاؤ۔ کھانے سے پہلے تم خود اس کے ہاتھ دھلاؤ۔ غریب ہو تو ہاتھ سے کپڑے سی کر پہناؤ۔ اس کے سب کام اپنے ہاتھ سے کرتی رہو۔ چائے پانی ناشت پہلے ہی سے تیار کر کے رکھو۔ ایسا کوئی کام یا بات نہ کہو جس سے اس کو پریشانی ہو۔ اس کی گنجائش سے زیادہ اس کو فرمائش نہ کرو کیونکہ اگر وہ نہ لائے گا تو اس کو افسوس ہوگا اگر وہ تمہاری قسمت میں ہوگی تو وہ چیر چہیں ضرور مل جائے گی۔ اپنی ضرورت جہاں تک ہو سکے خود ہی پوری کرو اس کو تکلیف نہ دو۔ جب وہ گھر آئے تو اس کے سامنے اپنا رونا مت روؤ معلوم نہیں کہ وہ کس حالت میں گھر آیا ہوگا اور باہر اس پر کیا کیا گزری ہوگی۔ کھاتے وقت ایسی دلچسپ باتیں کرو کہ وہ اطمینان سے کھا سکے کیونکہ بے فکری میں دال بھی تو رمد جیسی لگتی ہے اور پریشانی میں بریانی بھی بے ذائقہ لگتی ہے۔ یہ بات تجربہ سے ثابت ہوئی ہے کہ بعض نا سمجھ عورتیں شوہر کو آتے ہی اپنی داستان سنانے بیٹھ جاتی ہیں اور اس کا کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا سب دشوار کر دیتی ہیں اور پھر وہ بیچارہ کچھ کھایا نہ کھانا کر کے اٹھ جاتا ہے۔ اس میں خدائے پاک بھی ناراض ہوتے ہیں اور خاوند بھی ناخوش ہوتا ہے۔ ایسی بے عقلی اور بے وقوفی سے خدائے ذوالجلال ہم تمام کی حفاظت فرمائے اور ایسی باتوں سے اللہ ہمیں بچائے (آمین)۔

۱۳) خدمت:

اگر خدائے پاک نے تم کو کچھ صلاحیت دے رکھی ہے تو اس کے کام میں ہاتھ بٹھاؤ۔

اس کا بوجھ ہلکا کرو۔ اپنی شیریں زبان سے اس کا غم غلط کرو۔ اس کے دکھ سکھ میں شریک رہو۔ اگر پریشان معلوم ہو تو اس کی پریشانی دور کرو۔ اگر وہ قرض دار ہو جائے تو تم اپنے ہاتھ کے ہنر سے اس کے قرض کا بوجھ ہلکا کرو۔ پھر تمہارے پاس کوئی نقدی یا زیور ہو تو اس کی خدمت میں پیش کرو اور کہو کہ آپ کے مقابلہ میں یہ چیزیں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ آپ ہیں تو سب کچھ ہے۔ خدائے پاک آپ کا سایہ میرے سر پر ہمیشہ قائم رکھے۔ خدائے پاک نے چاہا تو آپ اس سے بڑھ کر چیزیں لا دیں گے۔ ان چیزوں کو دے کر احسان نہ جتاؤ اور ایسی کوئی بات بھی محسوس نہ ہونے دو ورنہ سب کچھ بیکار ہو جائے گا۔ ہر وقت اس کی خدمت میں لگی رہو اور اس کے آرام و راحت کی طرف سے کبھی بھی لاپرواہی نہ برتو۔ اس کی خدمت سے کبھی غفلت نہ کرو۔ گھر کے سب کام کا جانچ تم اپنے ہاتھ ہی سے کرو۔ خدائے پاک سکھ کے دن بھی دکھائیں گے۔ اللہ رب العزت عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

﴿کفایت شعاری﴾

خرچ کم کرو کفایت شعاری سے کام لو جو کچھ ملے اس میں سے کچھ جمع بھی کرتی رہو۔ معمولی رقم سمجھ کر اڑا مت دو۔ کپڑے خود سیو۔ کھانا خود پکاؤ۔ بچوں کی دیکھ بھال خود کرو اس طرح کافی رقم جمع ہو جائے گی اور مصیبت کے وقت کام آئے گی اور لوگوں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلا نا پڑے گا۔ تمہارا دل بھی خوش ہو گا اور پھر تمہاری عقل و ہوشیاری کی خاموشی داد دے گا۔ کچھ بات پوچھتے تو نرمی سے جواب دو۔ اگر وہ کسی وقت غصہ ہو جائے تو تم نرم بن جاؤ۔ اس کی مرضی پر راضی رہو۔ وہ چاہے تمہارے کاموں سے راضی نہ ہو پھر بھی تم اس کے حقوق ادا کرتی رہو تا کہ خدائے پاک تم سے راضی رہے۔ وہ جو کچھ کم کر دے اس کو دیانت داری سے خرچ کرو۔ تم خود تکلیف برداشت کر کے بھی اس کی ضرورتیں پوری کرو۔

ایسا صاف ستھرا معاملہ کرو کہ ہر آدمی دیکھ کر یاسن کر خوش ہو جائے۔ مرد کو اپنی کوشش سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ لا کر تم کو دیتا ہے اب تمہارے اختیار میں ہے کہ اگر تم چاہو تو اپنی صلاحیت اور لیاقت سے خاک کے گھر کو لاکھ کا بنا دو اور اگر تم چاہو تو بے کجی اور بے ڈھنگے پن سے اس کو برباد کرو۔ مرد بیچارہ اس میں کیا کر سکتا ہے۔ دیکھو! تمیز صلاحیت اور حسن انتظام بھی دنیا میں ایک عجیب ہی چیز ہے۔

﴿حسن انتظام﴾

سلیقہ مند اور باتیز بیوی کبھی بھی پریشانی نہیں اٹھاتی اور بد نظمی سے گھر کے سب ہی لوگ پناہ مانگتے ہیں۔ آئے دن نئی نئی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کبھی چین اور اطمینان سے کھانا بھی نصیب نہیں ہوتا اور مرد بیچارہ پریشان ہو جاتا ہے۔ آخر وہ بیچارہ کب تک اور کتنا دیتا رہے آخر کار تھک کر سکون اور چین کی تلاش میں دوسری جگہ بھٹکتا پھرتا ہے۔ گھر کی زندگی اس کے لئے وبال بن جاتی ہے اور بچے بھی وبال جان نظر آتے ہیں اور پھر وہ گھر آنے میں بھی تکلیف محسوس کرتا ہے اور اس سے بیزار ہو جاتا ہے۔

سلیقہ مند بیویاں ہمیشہ گھر کو جنت نما بنائے رکھتی ہیں۔ خود بھی سکون اور چین سے زندگی گزارتی ہیں اور گھر والے بھی آرام سے رہتے ہیں بلکہ ایسی عورت گھر والوں کو آرام سے رکھتی ہے۔ حسن انتظام ایک ایسی خوبصورت اور روشن چیز ہے کہ اس کی روشنی دور دور تک پہنچتی اور پھیلتی ہے۔ کئی خوبصورت عورتیں حسن انتظام اور سلیقہ مند نہ ہونے کی وجہ سے چڑیل جیسی لگتی ہیں۔ اکثر مرد صورت پرست کی بجائے سیرت پرست ہوتے ہیں وہ ظاہری خوبیوں کی بجائے باطنی خوبیوں کے چاہنے والے ہوتے ہیں۔ جو عورتیں مرد کی تابعدار اور فرمانبردار ہوتی ہیں ایسی عورتیں ہی اپنے شوہر کو چاہے وہ کتنا بد مزاج اور لاپرواہ ہی کیوں نہ ہو آخر کار اپنا تابعدار بنا کر ہی چھوڑتی ہیں۔ یہ باتیں کچھ مشکل نہیں لیکن افسوس کہ کتنی عورتیں سمجھتی ہیں کہ ہم غنی تیزی اور رعب دکھائیں گی مرد اتنی

ہی جلد ہمارا غلام اور تابعدار بن جائے گا ایسے سب خیالات غلط ہیں۔ بلکہ جو عورتیں محبت پیار اور دنیا کی شرم اور خدائے پاک کے خوف سے اور اللہ کے راضی کرنے کے جذبے سے اپنے خاوند کی خدمت کرتی ہیں وہی آگے چل کر اپنے خاوند کی محبوب بن کر رہتی ہیں اور پھر مرد اس پر اپنی جان تک بچھا دیتا ہے۔ اس کے آرام اس کی رضا مندی کا خیال رکھتا ہے اور اس کی ناز برداری کرتا ہے اس کی ہر دلی خواہش پوری کرتا ہے اس کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھتا ہے اور جو کچھ کما کراتا ہے سب اسی کے ہاتھ پر رکھ دیتا ہے۔ کبھی کسی بات کا حساب نہیں مانگتا۔ ایسے میاں بیوی کی زندگی سکون و آرام سے گزرتی ہے اور یہ نعمت عقلمند بیویوں کو حسن انتظام سے نصیب ہوتی ہے اور بے وقوف عورتیں اس سے محروم رہتی ہیں۔

ذلہن کو نصیحت کرنا مستحب ہے:

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام جب کسی ذلہن کو اس کے شوہر کے پاس بھیجتے تو اسے شوہر کی خدمت اور اس کے حقوق کی رعایت کی تاکید کرتا تھے۔ حضرت اسماء بنت خارجہؓ الفزاریہ رحمہا اللہ نے اپنی بیٹی کو رخصتی کرتے وقت ان سنہرے الفاظ سے نصیحت فرمائی:

بیٹی! اب تم اس گھر سے رخصت ہو رہی ہو جہاں تم نے بچپن کے دن گزارے اور جوانی کی دلہیز پر قدم رکھا۔ اب تم ایسے بستر کی زینت بنو گی جس کی خوشبو تمہارے لئے اجنبی ہے اور ایسے رفیق سفر کے ساتھ قدم بقدم چلو گی جس سے تم مانوس نہیں ہو۔

لہذا بیٹی! تم اپنے رفیق زندگی کے لئے زمین بن جانا تاکہ وہ تمہارے لئے آسمان بن جائے۔ تم اس کے لئے گہوارہ بن جانا تاکہ وہ تمہارے لئے سہارہ بن جائے۔ اگر تم اس کی باندی بن گئیں تو وہ تمہارا غلام بن جائے۔ اس سے ضد اور زبردستی نہ

کرنا ورنہ وہ تم سے نفرت کرنے لگے گا۔ اس سے دور مت رہنا ورنہ وہ تم کو بھلا دے گا۔ اگر وہ تمہارے نزدیک آئے تو تم اس سے اور نزدیک ہو جانا۔ تم اس کی ناک کاں اور آنکھ کا خیال رکھنا۔ یعنی تمہاری غفلت اور بے احتیاطی کی وجہ سے اس کو کسی چیز کی تکلیف نہ پہنچے۔ خصوصاً خوشبو کا اہتمام کرنا کہ وہ شوہر کی ناک کے ذریعہ سے اس کے دماغ کو راحت پہنچائے۔ اسی طرح اپنی زبان کا خیال رکھنا کہ تمہارے بیٹھے بول اس کے کانوں تک پہنچ کر اس کو سکون اور آرام پہنچائیں۔ اسی طرح اپنی ظاہری حالت اور ہیئت کے اچھے ہونے کا اہتمام رکھنا تاکہ اس کے لئے تم آنکھوں کی ٹھنڈک اور سرمایہ راحت بن جاؤ۔ چنانچہ جب وہ تمہیں دیکھے تو اچھی حالت میں نظر آؤ۔ مثلاً بالوں میں کنگھی آنکھوں میں کاجل سر کے اوپر دوپٹہ اور صاف ستھرا لباس ہو۔

بس بیٹی! ان باتوں کا اہتمام کرو گی تو تمہارا چھوٹا سا گھر جنت کے مشابہ ہو جائے گا۔

شب زفاف سے پہلے ایک ماں کی اپنی بیٹی کو نصیحت:

ایک ماں نے اپنی بیٹی کو خوشی اور غمی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ ذیل کی نصیحتوں سے نوازا:

"میری بیٹی! میری لخت جگر! ایک نئی زندگی کی ڈگر پر تیرے قدم اٹھنے والے ہیں۔ ایک ایسی زندگی جہاں تیری ماں یا تیرے باپ کا گزر نہیں۔ نہ تیرے کسی بھائی کا وہاں ٹھکانہ ہے۔ تو ایک ایسے شخص کی ہمسر اور شریک زندگی بننے جا رہی ہے جو اپنے علاوہ کسی کو یہاں تک کہ تیرے عزیز ترین رشتہ داروں کو بھی تیرے اندر اپنا حصہ وارد دیکھنا گوارا نہیں کرے گا خواہ اس سے تیرے خون اور گوشت کا رشتہ کیوں نہ ہو۔ میری عزیز بیٹی! تو اس کی زوجہ اور

اس کی ماں دونوں پارٹ ادا کرنا۔ اس کے ساتھ اس طرح برتاؤ رکھنا گویا تو ہی اس کی زندگی کی کل پونجی اور تو ہی اس کی دنیا کا کل سرمایہ ہے۔ یہ ہمیشہ یاد رکھنا کہ مرد خواہ کوئی بھی ہو اس کی حیثیت بڑے بچے کی سی ہوتی ہے۔ نرم اور مختصر سی بات جو اس کے لئے بھی سعادت مندی کی ہے وہ یہ کہ ہرگز اسے یہ احساس نہ دلانا کہ اس سے نکاح کے بعد تو اپنے اہل اور خاندان سے کٹ گئی۔ ویسے اسے بھی بخوبی اس کا احساس ہے۔ اس نے بھی صرف تیرے لئے اپنے والدین اور اپنے خاندان کو چھوڑا ہے۔ پھر بھی تیرے اور اس کے درمیان فرق صرف مرد اور عورت ہونے کا ہے۔ عورت ہمیشہ اپنے خاندان کی طرف مائل ہوتی ہے۔ اس کا دل اسی گھر میں اٹکا ہوتا ہے۔ جہاں وہ پیدا ہوئی، پلٹی، بڑھی، پروان چڑھی۔ لیکن بہر حال اسے اس نئی زندگی کا عادی خود کو بنانا ہے ایک ایسے شخص کے ساتھ زندگی کوئے کیف بنانا ہے جو اس کا شوہر اس کا نگہبان اور اس کے ہونے والے بچوں کا باپ ہے۔ اور یہی اس کی نئی دنیا اور کل کائنات ہے۔

میری بیٹی میری لخت جگر! یہ تیرا حال اور مستقبل ہے یہ تیرا مشترکہ خاندان ہے جس کے بنانے اور تعمیر کرنے میں تو اور تیرا شوہر دونوں شریک ہیں۔ تیرے ماں باپ عہد ماضی کی داستان بن گئے۔ لیکن میں یہ نہیں کہوں گی کہ آج سے تو اپنے ماں باپ اور بھائیوں کو بھول جانا۔ ہرگز نہیں۔ اس لئے کہ میری لاڈلی! وہ بھی کبھی تجھے فراموش نہیں کریں گے۔ اور ایک ماں اپنے دل کے ٹکڑے کو فراموش بھی کیسے کر سکتی ہے۔ ہاں میری التجا ہے کہ تو اپنے شوہر سے ٹوٹ کر محبت کرنا۔ اسی کے لئے زندہ رہنا اور اسی کے ساتھ ساتھ رہنے میں زندگی کی خوشی سمجھنا۔^{۱۱}

شوہر کی خوشنودی حاصل کرنے کے گر:

☆ جس کے ساتھ تمہاری شادی ہو اگر وہ مفلس ہو تو اسے تو گھر سمجھو۔ اس کی عزت کرو۔ جو کہے اس کے خلاف نہ کرو۔ بغیر اجازت کسی کام میں ہاتھ نہ لگاؤ۔
☆ شوہر کی خوشی کو اپنی خوشی پر مقدم رکھو۔ ہر وقت شوہر کے آرام کی فکر رکھو۔ جو کچھ وہ تمہیں دے اس کو خوش ہو کر لے لو۔
☆ شوہر جس کام کو کہے ایسی خوبی کے ساتھ کرو کہ وہ خوش ہو جائے۔ شوہر کی ضرورت اپنی ضرورت سے پہلے پوری کرو۔ جہاں تک ممکن ہو اچھا کھلاؤ۔
☆ شوہر کے تمام کام اپنے ہاتھ سے کرتی رہو کسی اور پر مت ڈالو۔
☆ شوہر سے فکر کی کوئی بات نہ بے جا فرمائش کرو۔ اگر وہ نہ کر سکا تو اسے ملال ہوگا۔ تمہاری قسمت میں ہے تو ضرور ملے گا فرمائش بے کار ہے۔
☆ جب شوہر گھر میں آئے تو آتے ہی کوئی تردد والی بات نہ کرو معلوم نہیں کس خیال میں آیا ہو اور کیا خیال پیدا ہو جائے۔
☆ کھانے کے وقت ایسی دلچسپی کی باتیں کرو کہ وہ خوش ہو کر کھائے۔ بے فکری میں دال مثل قورمہ کے معلوم ہوتی ہے فکر و تردد میں ہزار نعمت زہر معلوم ہوتی ہے۔
☆ اگر خدانے تمہیں کچھ بھی لیاقت دی ہے تو ان کے غم غلط کرو نہ صیبت بناؤ لگی بجھاؤ آرام دو تکلیف میں حصہ لو۔ اگر انہیں فکر مند دیکھو تو کوشش کرو کہ یہ پریشانی رفع ہو جائے۔
☆ شوہر اگر قرض دار ہو جائے تو تمہارے پاس اگر نقد رقم ہو تو ہاتھ میں رکھ دو زیورات تار کروے دو تاکہ وہ قرض ادا کر سکے اگرچہ وہ تمہارے میکے کا کیوں نہ ہو تو بلا تکلف اتار دو کچھ خیال نہ کرو۔ ان پر احسان نہ رکھو۔ یہ نہ سمجھو کہ ہم نے ایسا کیا ہے ورنہ سب کیا کرایا بے کار ہے۔

☆ اگر شوہر کسی وقت گرم ہو تو تم نرم ہو جاؤ۔ جو کچھ وہ کہیں اس پر راضی ہو جاؤ۔
☆ اگر خاوند تمہارے کسی کام سے خوش نہ ہوں تو نہ بول مگر تم ان کے حقوق ادا کرتی

رہو کہ خدا تم سے خوش رہے۔ تم اپنی خوش انتظامی سے چاہو تو خاک کا گھر لاکھ کا کر سکتی ہو اور بد سلیقگی سے چاہو تو برباد کر بیٹھو۔

☆ سلیقہ شعاری بھی ایک حسن ہے کہ جس کی روشنی دور تک پہنچتی ہے۔ ہزاروں خوب صورت بد سلیقگی کی وجہ سے بد صورت معلوم ہوتی ہیں۔

☆ شوہر کتنا ہی بد مزاج کیوں نہ ہو تم اپنی خوش انتظامی اور فرمانبرداری سے اس کو اپنا مطیع بنا سکتی ہو کچھ بھی دشوار نہیں۔

☆ اپنے ساس سر کو ماں باپ کی جگہ پر سمجھو اور مندوں کو حقیقی بہن سمجھو۔

☆ بڑوں کے سامنے ادب سے سلام کر کے بیٹھ جانا اور پردہ والوں سے پردہ کرنا کافی ہے۔ زیادہ شرم سے کام خراب ہو جاتا ہے۔

☆ ساس کا ادب کرو۔ جو بات وہ کہیں ادب سے جواب دو اور آنکھ پیچی رکھو۔ جو اپنی ماں کے ساتھ برتاؤ رکھتی تھیں وہی برتاؤ ان کے ساتھ رکھو۔

☆ مندوں کے ساتھ بہت محبت سے پیش آؤ۔ کھانا یا جو چیز کہ عمدہ ہو اس میں شریک کرو۔

☆ جو اچھا کام کرتی ہو بلا چھوڑے اسے ہمیشہ کرتی رہو۔ اپنی وضع قطع وہ رکھو جو تمہیں زیب ہو۔ بوڑھی بن کر نہ رہو۔

آج ہر انسان خواہ چھوٹا ہے یا بڑا مرد ہے یا عورت اس میں اخلاقِ حسنہ کی بہت کمی ہے۔ لاکھ کوشش کے باوجود اخلاق درست نہیں ہو پاتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے پیارے پیغمبرِ امام الانبیاء خاتم الرسل حضرت محمدؐ اور جنت کی مستحق بننے والی امہات المؤمنین اور صحابیات کے اخلاق کو پس پشت ڈال دیا ہے جس کا خمیازہ ہمیں ہر جگہ بھگتنا پڑ رہا ہے۔ آج کے معاشرے میں اخلاق کو صرف مسکرانے کی حد تک محدود کر دیا ہے حالانکہ ہنسنے مسکرانے کے علاوہ کسی کو دین کی دعوت دینا کسی کی مدد کر دینا کسی کی عیادت کرنا کسی کو کھانا کھلانا پانی پلانا اچھا کپڑا پہنانا اور اچھی پرورش کرنا بھی اخلاق

ہے۔ کسی کو اچھا مشورہ دینا اور کسی کو نیکی کی راہ پر لگانا بھی اخلاق ہے۔ آئیے! ہم اپنی ماؤں کے اخلاقِ حسنہ کا مطالعہ کریں تاکہ ہماری رہنمائی ہو سکے اور ہم اس پر عمل کر کے اپنے اخلاق کو درست کر کے جنت کے مستحق بنیں۔ ان شاء اللہ

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی دولت اور ثروت اور شریفانہ اخلاق نے تمام قریش کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ حضرت خدیجہؓ وہ مقدس اور با عظمت خاتون ہیں جنہوں نے نبوت سے پہلے بت پرستی ترک کر دی تھی۔ مسند احمد بن حنبل میں مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے حضرت خدیجہؓ سے فرمایا: واللہ! میں کبھی لات وعزلی کی پرستش نہ کروں گا۔ انہوں نے فرمایا کہ لات کو جانے دیجئے، عزلی کو جانے دیجئے۔ یعنی ان کا ذکر بھی نہ کیجئے۔

سیرت ابن ہشام میں ہے: ”وہ اسلام کے متعلق رسول اللہؐ کی سچی مشیر کار تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کی تکذیب و تردید سے جو صدمہ پہنچتا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آ کر دور ہو جاتا تھا۔ کیونکہ وہ آپ کی باتوں کی تصدیق کرتی تھیں اور مشرکین کے معاملہ کو آپ کے سامنے ہلکا کر کے پیش کرتی تھیں۔“

(طبقات)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرماتی ہیں: ”سودہ کے علاوہ کسی عورت کو دیکھ کر مجھے یہ خیال نہیں ہوا کہ اس کے قلب میں میری روح ہوتی“ (طبقات)۔ اطاعت و فرمانبرداری میں وہ تمام ازواجِ مطہرات سے ممتاز تھیں۔ سخاوت اور فیاضی بھی ان کا ایک نمایاں وصف تھا۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کی خدمت میں ایک تھیلی بھیجی۔ لانے والے سے پوچھا: اس میں کیا ہے؟ بولا: درہم۔ بولیں: کھجور کی تھیلی میں درہم بھیجے جاتے ہیں؟ یہ کہہ کر اسی وقت سب کو تقسیم کر دیا (اصابہ)۔ ایثار میں بھی وہ ممتاز حیثیت رکھتی تھیں۔ وہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آگے پیچھے نکاح میں آئی تھیں لیکن چونکہ ان کی عمر زیادہ تھی اس لئے جب بوڑھی ہو گئیں تو ان کے خیال میں آیا کہ شاید رسول اللہؐ طلاق دے دیں اور صحبت کے شرف سے محروم

ہو جاؤں گی اس وجہ سے انہوں نے اپنی بادی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی اور انہوں نے خوشی سے قبول کر لی (صحیح بخاری و مسلم)۔

اسی طرح آپ ظرافت پسند تھیں۔ ایک مرتبہ کہنے لگیں کہ کل رات کو میں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی تھی۔ آپ نے (اس قدر دیر تک) رکوع کیا کہ مجھے تکسیر پھوٹنے کا شبہ ہو گیا اس لئے میں دیر تک ناک پکڑے رہی۔ آپ اس جملہ کو سن کر مسکرا گئے (ابن سعد)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بڑی قانع اور دلیر شخصیت کی مالک تھیں۔ آپ کا سب سے نمایاں وصف جو وہ سخت تھا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ان سے زیادہ سختی کسی کو نہیں دیکھا۔ ایک مرتبہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی خدمت میں ایک لاکھ درہم بھیجے تو شام ہوتے ہوتے سب خیرات کر دیئے اور اپنے لئے کچھ نہ رکھا۔ اتفاق سے اس دن روزہ رکھا تھا۔ لونڈی نے کہا: افطار کے لئے کچھ نہیں ہے۔ فرمایا: پہلے سے کیوں نہ یاد کرایا (متدرک حاکم)۔

نہایت خاشع، متضرع اور عبادت گزار تھیں۔ چاشت کی نماز پابندی سے پڑھتیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ راتوں کو اٹھ کر تہجد پڑھتی تھیں اور اس کی اس قدر پابندی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب کبھی یہ نماز قضا ہو جاتی تو نماز فجر سے پہلے اٹھ کر پڑھ لیتی تھیں (شرح بلوغ المرام)۔

جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اتہام لگایا گیا اور اس اتہام میں خود حضرت زینب کی بہن حضرت حمہ بھی شریک تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سیدہ عائشہ کی اخلاقی حالت دریافت کی تو انہوں نے صاف لفظوں میں کہہ دیا: مجھ کو عائشہ کی بھلائی کے سوا کسی چیز کا علم نہیں۔

ابن سعد میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے اخلاق کے متعلق ہے: "وہ (یعنی حفصہ) صائمہ النہار اور قائمہ اللیل ہیں" (دن کو روزہ رکھنے والی اور

رات کو قیام کرنے والی)۔

حضرت حفصہ اختلاف سے نفرت کرتی تھیں۔ جنگ صفین کے بعد جب تحکیم کا واقعہ پیش آیا تو ان کے بھائی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس کو فتنہ سمجھ کر خانہ نشین رہنا چاہتے تھے لیکن حضرت حفصہ نے کہا کہ گو اس شرکت میں تمہارا کوئی فائدہ نہیں تاہم تمہیں شریک رہنا چاہئے کیونکہ لوگوں کو تمہاری رائے کا انتظار ہوگا اور ممکن ہے کہ تمہاری عزت گزینی ان میں اختلاف پیدا کر دے (صحیح بخاری)۔

حضرت زینب فقراء اور مساکین کو نہایت فیاضی کے ساتھ کھانا کھلایا کرتی تھیں اس لئے ام المساکین کی کنیت سے مشہور ہو گئیں (سیرۃ النبی)۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نہایت زہدانہ زندگی بسر کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ ایک بار پہنا جس میں سونے کا کچھ حصہ شامل تھا۔ رسول اللہ نے اعتراض کیا تو اس کو توڑ ڈالا۔ (مسند احمد)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی پابند تھیں۔ ایک دن ان کے بھتیجے نے دو رکعت نماز پڑھی۔ چونکہ سجدہ گاہ غبار آلود تھی وہ سجدہ کرتے وقت مٹی جھاڑتے تھے۔ حضرت ام سلمہ نے روکا کہ یہ فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک غلام نے کیا تھا تو آپ نے فرمایا: حیرا چہرہ اللہ کی راہ میں غبار آلود ہو (مسند احمد)۔

آپ فیاض تھیں اور دوسروں کو بھی فیاضی کی طرف مائل کرتی تھیں۔ ایک وفد حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے آ کر کہا کہ میرے پاس اس قدر مال جمع ہو گیا ہے کہ اب بربادی کا خوف ہے۔ آپ نے فرمایا: بیٹا! اس کو خرچ کر دو (مسند احمد)۔

ایک مرتبہ چند فقراء جن میں عورتیں بھی تھیں ان کے گھر آئے اور نہایت الحاح سے سوال کیا۔ ام الحسن بیٹھی تھیں انہوں نے ڈانٹا لیکن حضرت ام سلمہ نے فرمایا: ہمیں اس کا حکم نہیں ہے۔ اس کے بعد لونڈی کو کہا کہ ان کو کچھ دے کر رخصت کر دو۔ کچھ نہ ہو تو ایک ایک چھو بارہ ان کے ہاتھ پر رکھ دو (استیعاب)۔

حضرت ام سلمہؓ فرماتی تھیں کہ زینب (بنت جحش) نیک خور روزہ دار و نماز گزار تھیں۔ (بحوالہ ابن سعد)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: میں نے کوئی عورت زینب سے زیادہ دیندار زیادہ پرہیزگار اور راست گفتار فیاض و مخیر اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں زیادہ سرگرم نہیں دیکھی۔ فقط مزاج میں ذرا تیزی تھی جس پر ان کو بہت جلد ندامت بھی ہوتی تھی۔

(صحیح مسلم)

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین میں کچھ مال تقسیم کر رہے تھے۔ حضرت زینب اس معاملہ میں کچھ بول اٹھیں۔ حضرت عمرؓ نے ڈانٹا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان سے دو گزر کر دینا وہ ہیں (یعنی خاشع و متضرع ہیں)۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب حضرت زینب کا انتقال ہوا تو مدینہ کے فقراء اور مساکین میں سخت کھلبلی مچ گئی اور وہ گھبرا گئے۔ (بحوالہ ابن سعد)

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کا سالانہ نفقہ بھیجا انہوں نے اس پر ایک کپڑا ڈال دیا اور بزرہ بنت رافع (لوندی) کو حکم دیا کہ میرے خاندانی رشتہ داروں اور یتیموں کو تقسیم کر دو۔ (آخر میں) بزرہ نے کہا: آخر ہمارا بھی کچھ حق ہے۔ انہوں نے کہا: کپڑے کے نیچے جو کچھ ہو تمہارا ہے۔ دیکھا تو پچاس درہم نکلے۔ جب مال تقسیم ہو چکا تو دعا کی کہ اے اللہ! اس سال کے بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تحفے سے فائدہ نہ اٹھاؤں۔ دعا قبول ہوئی اور اسی سال انتقال ہو گیا (ابن سعد)۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا زہدانہ زندگی بسر کرتی تھیں۔ ایک دن صبح کو مسجد میں دعا کر رہی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گزرے اور دیکھتے ہوئے چلے گئے۔ دو پہر کے قریب آئے تب بھی ان کو اسی حالت میں پایا (صحیح ترمذی)۔

اللہ تعالیٰ ہمیں امہات المؤمنین کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے اور قیامت کے دن ان کا ساتھ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بلند پایہ اعلیٰ مرتبہ نخی اور شہسوار شخص ابی امیہ ابن المغیرہ بن عبد اللہ ابن عمرو بن الحارث کی صاحبزادی تھیں۔

ان کی پہلی شادی عبد اللہ بن عبد الاسد بن ہلال مخزومی سے ہوئی تھی جو رشتے میں حضور اقدسؐ کے پوچھا تھے۔ ان کی کنیت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ ہے۔ یہ دونوں میاں بیوی قدیم الاسلام ہیں جو غزوہ احد کے بعد انتقال کر گئے۔

آپ کا تعلق قریش کے قبیلہ بنی مخزوم سے تھا۔ آپ کا پہلا نکاح آپ کے چچا زاد بھائی حضرت ابو سلمہ ابن عبد الاسد سے ہوا۔ یہ اور ان کے شوہر دونوں ان لوگوں میں سے ہیں جن کو قدیم الاسلام کہا جاتا ہے۔ جس طرح اسلام میں دوش بدوش تھے اسی طرح ہجرت میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ رہے۔ پہلے حبشہ کا رخ کیا وہاں سے کچھ دنوں بعد مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ ہجرت میں حضرت ام سلمہؓ کو جو الم ناک واقعات پیش آئے وہ نہایت صبر آزا اور حیرت انگیز ہیں۔ ابھی ہجرت کے مصائب تازہ تھے اور شوہر کے پاس زیادہ رہنے کا موقع نہ ملا تھا کہ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کو جہاد غزوہ احد میں شریک ہونا پڑا۔ میدان جنگ میں ان کا بازو زخمی ہو گیا۔ ایک ماہ کے بعد صحت ہوئی مگر کچھ سالوں کے بعد زخم شق ہو گیا جس سے آپ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ان کی وفات کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنانے آئیں۔ حضورؐ خود ان کے گھر تشریف لائے۔ مکان غم کا مجموعہ بنا ہوا تھا۔ ام سلمہؓ بار بار کہتیں: ہائے غربت میں کیسی موت ہوئی۔ حضورؐ نے صبر کی تلقین فرمائی اور فرمایا کہ ان کی مغفرت کی دعا کرو اور کہو:

اللهم اخلفني خيرا من هذا
اے اللہ! مجھے ان سے بہتر ان کا جانشین دے۔

پھر حضورؐ نے بڑے اہتمام سے ابو سلمہؓ کی خور نماز جنازہ پڑھائی۔ بعد انقضاء عدت حضورؐ نے بحکم الہی حضرت ابو بکرؓ کے ذریعہ سے اپنے نکاح کا پیغام بھیجا۔ ام سلمہؓ

راضی ہو گئیں اور سچے شوال کی آخری تاریخوں میں نکاح ہو گیا۔ حضرت ام سلمہؓ کی بے مائیگی اور غربت کا احساس ایسا نہ تھا جو حضورؐ کو متاثر نہ کرتا اسی تاثیر کی بدولت حضرت ام سلمہؓ کے اس جان گسل صدقہ کی تلافی ہو گئی جو ان کو ابوسلمہؓ کی وفات سے پیدا ہوا تھا بلکہ ان کی عارضی مدت حیات ابدی مسرت میں تبدیل ہو گئی (طبقات: جلد ۸ صفحہ ۶۲)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر کون ہو سکتا ہے؟

ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک بار اپنے شوہر ابوسلمہؓ سے کہا: مجھے معلوم ہے اگر کسی کے شوہر کو جنت نصیب ہو اور عورت اس کے بعد دوسرا نکاح نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس عورت کو بھی شوہر کے ساتھ جنت میں جگہ دیتا ہے۔ یہی صورت مرد کے لئے ہے تو آؤ ہم تم معاہدہ کر لیں کہ نہ تم ہمارے بعد نکاح کرو نہ ہم تمہارے بعد۔ حضرت ابوسلمہؓ نے جواب دیا: کیا تم میری اطاعت کرو گی؟ ام سلمہؓ نے کہا: سوائے آپ کی اطاعت کے مجھے کس بات میں خوشی ہو سکتی ہے۔ ابوسلمہؓ نے کہا: جب میں مر جاؤں تو میرے بعد تم نکاح کر لینا۔ پھر ابوسلمہؓ نے دعا مانگی: یا اللہ! میرے بعد ام سلمہؓ کو مجھ سے بہتر جانشین عطا فرما نا۔ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں: جب ابوسلمہؓ کا انتقال ہو گیا تو میں دل میں کہتی تھی کہ ابوسلمہؓ سے بہتر کون ہو گا؟ اس کے کچھ دنوں بعد میرا نکاح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گیا جو ساری کائنات سے بہتر ہیں۔

(طبقات: جلد ۸ ص ۳۱)

ابوسلمہؓ کے انتقال کے بعد چار شرائط پر ان کا حضورؐ سے نکاح ہوا جو ام سلمہؓ نے پیش کی تھیں:

- ① مجھ میں غیرت ہے۔ یعنی آپؐ کی ازواج اور بھی ہیں اس لئے رشک اور اختلاف کا اندیشہ ہے۔
- ② میں بچہ والی عورت ہوں آپؐ کو تکلیف ہو گی۔
- ③ میری عمر زیادہ ہے۔

⑤ میرا کوئی ولی نہیں ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا کروں گا کہ رشک کو تم سے دور کر دے۔ تمہارے بچوں کی ذمہ داری خدا اور اس کے رسول کے ذمہ ہو گی۔ میری عمر تم سے زیادہ ہے اور ولی کے بارے میں فرمایا کہ تمہارا کوئی ولی اس کو ناپسند نہیں کرے گا۔

اس کے بعد ام سلمہؓ راضی ہو گئیں اور نکاح کیا۔ حضرت ام سلمہؓ حسن و جمال میں بے نظیر تھیں۔ ذہانت، فقہی معلومات اور وسیع النظری میں حضرت عائشہؓ کے بعد ان کا نمبر آتا ہے۔ طویل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ان سے مسائل کی تحقیق کرتے تھے۔ ان کے پاس حضورؐ کا موئے مبارک تھا۔ لوگ اس سے تبرک حاصل کرتے تھے۔ امہات المؤمنین میں سب کے بعد ان کا انتقال ہوا۔

سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

نام: حفصہ (رضی اللہ عنہا)۔

نسبت: حفصہ بنت عمر فاروق بن خطاب بن نفیل بن عبد العزی بن اباح بن عبد اللہ بن قرطی بن زارح بن عدی بن کعب بن لوی۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ زینب رضی اللہ عنہا بن مظعون ہیں جو بہت جلیل القدر صحابیہ تھیں۔

پیدائش: آپ کی پیدائش بعثت سے پانچ برس پہلے اس وقت ہوئی جب قریش خانہ کعب کی تعمیر کر رہے تھے۔

پہلا نکاح: آپ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح حضرت قیس رضی اللہ عنہ بن حذافہ بن قیس بن عدی سے ہوا۔

قبول اسلام: آپ اور آپ کے شوہر دونوں میاں بیوی آغاز اسلام میں ہی مسلمان ہو گئے تھے۔

نکاح ثانی: حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عثمانؓ کی طرف سے مایوس ہونے کے بعد ایک روز بارگاہ نبوت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! میں حفصہ کے نکاح ثانی کے لئے بہت پریشان ہوں۔ میں نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ سے کہا کہ وہ حفصہ سے نکاح کر لیں لیکن ایک نے خاموشی اختیار کر لی اور دوسرے نے انکار کر دیا۔ اب کیا کروں؟

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر مسکرا دیے اور فرمایا: حق تعالیٰ نے عثمانؓ کو تمہاری بیٹی سے بہتر بیوی عطا فرمادی اور تمہاری بیٹی کو عثمان رضی اللہ عنہ سے بہتر شوہر عطا فرمادیا۔

حضرت عمرؓ یہ ارشاد سن کر خاموش رہے کیونکہ یہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے واضح نہیں تھا۔

اس کے کچھ دن بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی ام کلثومؓ کا عقد حضرت عثمانؓ سے کر دیا اور خود حضرت حفصہؓ سے نکاح کر لیا اور یوں حضرت عمر فاروقؓ کی بیٹی حضرت حفصہؓ کو ابوبکرؓ اور عثمانؓ سے کروڑوں درجہ بہتر شوہر مل گیا۔ یہ واقعہ ۳۳ھ ماہ شعبان کا ہے۔ اس وقت حضرت حفصہؓ کی عمر بیس سال تھی۔ اس نکاح کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا:

تم میری بات کا رنج نہ کرنا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود حفصہؓ کا ذکر مجھ سے کر چکے تھے اور میں آپ کا راز فاش نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اگر حضورؐ نکاح نہ کرتے تو میں نکاح کر لیتا۔

ازدواجی زندگی:

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مزاج میں کسی قدر جلال تھا۔ غالباً یہ پوری اثر تھا اس لئے آپؓ کبھی کبھی خود حضورؐ کے ساتھ اپنی اسی فطرت سے مجبور ہو کر گفتگو کرتی تھیں۔ جب آپؓ کے والد محترم حضرت عمر فاروقؓ کو اس بات کا علم ہوا تو آپؓ کو سخت رنج ہوا اور آپؓ ان کے گھر تشریف لائے۔ بیٹی نے باپ کی عزت و تکریم کی لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

کیا تم رسول اللہؐ کو برابر کا جواب دیتی ہو؟

بیٹی نے کہا: ہاں، کبھی کبھی میں ایسا کرتی ہوں۔

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمہیں خدا کے عذاب سے ڈراتا ہوں۔ تم ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی عائشہ رضی اللہ عنہا کی حرص نہ کرو۔ اسے حضور اقدسؐ کی محبت کی وجہ سے اپنے حسن پرناز ہے۔

صحیح بخاری کی روایات میں خود حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ ہم لوگ جاہلیت میں غمخیزوں کو ذرا برابر وقعت نہ دیتے تھے۔ اسلام نے ان کو درجہ دیا اور ان کے متعلق آیتیں اتریں قرآن مجید میں تو ان کی قدر و منزلت معلوم ہوئی۔

ایک دن میری بیوی نے مجھ کو کسی معاملہ میں رائے دی۔ میں نے کہا: تم کو رائے اور مشورہ سے کیا واسطہ؟ بولیں: ابن خطاب! تم کو ذرا سی بات کی بھی برداشت نہیں حالانکہ تمہاری بیٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برابر کا جواب دیتی ہے یہاں تک کہ آپؐ دن بھر رنجیدہ رہتے ہیں (سیر الصحابیات: ص ۵۳)۔

آپؐ میں اور حضرت عائشہؓ میں بہت محبت تھی دونوں بہنوں کی طرح رہتی تھیں اور دوسری امہات المؤمنین کے مقابلے میں ان دونوں میں ایک طرح کا بہنا پن تھا یعنی بہنوں کی طرح رہا کرتی تھیں۔ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت زینبؓ بنت جحش کے گھر خلاف معمول زیادہ دیر ہو گئی۔ حضرت عائشہؓ کو رشک ہوا کہ وہاں زیادہ وقت گزارا ہے حالانکہ حضورؐ وہاں شہد کھانے میں مشغول رہے جو انہیں کسی نے ہدیہ بھیجا تھا۔ حضرت عائشہؓ نے حضرت حفصہؓ کو اس واقعہ سے آگاہ کیا اور کہا کہ جب حضورؐ تمہارے پاس آئیں تو کہنا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپؐ کے دہن مبارک سے مغفیر کی بو آتی ہے۔ چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر قسم کی بو ناپسند تھی اس طرح کوئی نہ کوئی روئل ان سے ضرور آئے گا۔ چنانچہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ رضی اللہ عنہا (یعنی حضرت حفصہؓ) کے پاس آئے تو آپؐ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپؐ کے دہن مبارک سے مغفیر کی بو آتی ہے۔ حضورؐ نے اسے سخت ناپسند فرمایا کہ آپؐ کے دہن مبارک سے کسی قسم کی بو آئے اس لئے فرمایا: میں آئندہ کبھی شہد نہیں کھاؤں گا۔ اس پر آیت کریمہ نازل ہوئی: اے نبی! اپنی بیویوں کی خوشنودی کے لئے تم خدا کی حلال کی ہوئی چیز کو اپنے اوپر حرام کیوں کرتے ہو؟

اسی طرح کا ایک اور واقعہ بھی قرآن مجید میں مذکور ہے جس کے متعلق آیت:

﴿وَإِذَا سَأَلَ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا﴾ نازل ہوئی۔ اس کی تفسیر میں بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ حضور اقدسؐ نے حضرت حفصہؓ سے کوئی راز کی بات کہی اور وہ انہوں نے فاش کر دی۔ لیکن مصنفؒ اپنی اس گراں قدر تصنیف جلد کے صفحہ ۱۹۹ پر لکھتے ہیں:

میرا خیال ہے کہ جب اللہ رب العزت کو اپنے حبیب کے گھرانے کی عزت و حرمت کا اتنا پاس ہے کہ کسی کا نام نہیں لیا تو ہم کو بھی اس بارہ میں برأت نہیں کرنی چاہئے۔ بعض لوگ یہ بھی بحث کرتے ہیں کہ وہ راز کیا تھا؟ میرا خیال ہے کہ ہم کو کوئی حق حضورؐ کے راز میں دخل دینے یا اس کے افشاء کرنے کا نہیں ہے۔

حضرت عائشہؓ کا حضرت حفصہؓ سے رشک کرنا:

اگرچہ آپؐ دونوں میں بہنا پن تھا لیکن کبھی کبھی آپس میں رشک بھی ہو جاتا تھا۔ ایسا ہی ایک واقعہ سیرت النبی۔ جلد دوم صفحہ ۵۰۳ پر درج ہے۔ واقعہ یہ ہے: حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کی بیٹیاں تھیں جو تقریباً بیوی میں دوش بدوش تھیں اسی بناء پر حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ دیگر ازواج کے مقابلے میں باہم ایک تھیں۔ لیکن کبھی کبھی ان میں باہم رشک و رقابت کا اظہار ہو جایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ دونوں آنحضرتؐ کے ساتھ سفر میں تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راتوں کو حضرت عائشہؓ کے اونٹ پر چلتے تھے اور ان سے باتیں کرتے تھے۔ ایک دن حضرت حفصہؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ آج رات تم میرے اونٹ پر اور میں تمہارے اونٹ پر سوار ہوں تاکہ مختلف مناظر دیکھنے میں آئیں۔ حضرت عائشہؓ راضی ہو گئیں۔ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے اونٹ کے پاس آئے جس پر حضرت

حصہ سوار تھیں۔ جب منزل پر پہنچے تو آنحضرتؐ نے حضرت عائشہؓ کو نہ پایا تو حصہ ہی کے پاس ٹھہر گئے۔ جب عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو پتا چلا کہ یہ تو معاملہ ہی الٹ ہو گیا تو اپنے پاؤں کو ازخرا (ایک گھاس ہے جس میں سانپ بچھو رہے ہیں) کے درمیان لٹکا کر کہنے لگیں: خداوند! کسی بچھو یا سانپ کو متعین کر کہ جو مجھے ڈس جائے۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت کا ایک واقعہ:

ایک دن زمانہ خلافت حضرت عمرؓ میں حضرت حصہؓ نے اپنے والد حضرت عمرؓ سے کہا کہ آپ خلیفہ وقت ہیں! کچھ اور نرم و نازک کپڑے پہنا کریں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: بیٹی! بیوی اپنے شوہر کے حال سے خوب واقف ہوتی ہے۔ سچ بتا: کبھی تمہارے شوہر حضورؐ نے پر تکلف کپڑے پہنے؟ کبھی دو وقت پیٹ بھر کر کھانا تناول فرمایا؟ حضرت حصہؓ رونے لگیں اور عرض کیا: واقعی حضورؐ نے کبھی پر تکلف لباس نہیں پہنا اور کبھی پیٹ بھر کر کھانا تناول نہیں فرمایا (ترمذی الجالس، باب فی القناتہ - ج ۱ ص ۲۱۰)۔

عابد بیوی کے لئے اللہ تعالیٰ کی سفارش:

یہ بھی ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بی بی اور حضرت عمرؓ کی بیٹی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بات پر ان کو طلاق دے دی تھی! پھر جبرائیلؑ کے کہنے پر آپؐ نے رجوع کر لیا۔ حضرت جبرائیلؑ نے یوں فرمایا کہ آپ حصہ سے رجوع کر لیجئے کیونکہ وہ دن کو روزہ بہت رکھتی ہیں راتوں کو جاگ کر عبادت بہت کرتی ہیں اور وہ بہشت میں آپؐ کی بی بی ہوں گی۔ انہوں نے اپنے بھائی عبداللہ بن عمرؓ کو وصیت کی تھی کہ میرا اتنا مال خیرات کر دینا اور کوئی زمین بھی انہوں نے وقف کی تھی اس کے بند و بست کے لئے بھی وصیت کی تھی۔ ان کے پہلے خاوند کا نام قیس بن خدا فہ تھا۔

دیداری کی برکت دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں سے طرفداری کی جاتی ہے!

فرشتے کے ہاتھ خاطر داری کا حکم ہوتا ہے کہ اپنی طلاق کو لوٹا لو اور ان کی سخاوت دیکھو کہ اللہ کے راستے میں کس قدر خیرات کا بند و بست کیا اور زمین بھی وقف کی۔
والدین کی فرمانبرداری بچو!

دیداری اختیار کرو اور مال کی حرص اور محبت دل سے نکال ڈالو۔

نبی کریم ﷺ کی عورتوں کو جنت کی مشروط بشارت:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ ثَنَا مُؤَمَّلٌ ثَنَا سُفْيَانُ بْنُ الْأَعْمَشِ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ آتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ امْرَأَةً مَعَهَا صَبِيَّانِ لَهَا قَدْ حَمَلَتْ أَخَذَهُمَا وَهِيَ تَقُولُ الْآخِرِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَامِلَاتٌ وَالذَّائِرُ حَيْفَاتٌ لَوْلَا مَا يَأْتِيَنِي إِلَى الرِّجَالِ لَخَلَّ مُصَلِّيَاتُهُنَّ الْجَنَّةَ

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے آنحضرت ﷺ کے پاس ایک عورت آئی اس کے دو بچے تھے ایک کو گود میں لئے ہوئے تھی ایک کو کھینچ رہی تھی آپ ﷺ نے فرمایا یہ عورتیں بچوں کو اٹھانے والی جتنے والیں اپنے بچوں پر شفقت کرنے والیں اگر اپنے خاوندوں کو ایذا نہ دیتیں تو ان میں سے جو نمازی ہیں وہ جنت میں جاتیں (اس کے راوی سب ثقہ ہیں لیکن سند منقطع ہے کیونکہ سالم کا ابوامامہ سے سماع ثابت نہیں ہے۔

یعنی ایسی مشقت اور محنت کے ساتھ جو ان کو اولاد کے پالنے میں ہوتی ہے زیادہ اعمال کی ان کو حاجت نہیں ہے صرف نماز کافی ہے وہ جنت میں لے جائے گی بشرطیکہ خاوند کو نہ ستائیں ان کی نافرمانی نہ کریں ورنہ جنت میں جانا مشکل ہے دوسری حدیث

میں ہے کہ میں نے دوزخ میں زیادہ عورتوں کو دیکھا اس کا سبب یہ ہے کہ خاوند کی ناشکری کرتی ہے غرض خاوند کا برا حق ہے عورت پر یا اللہ تو ہمارا مالک ہے ہم تیرے ناشکرے بندے ہیں ہمارا بھی جنت میں جانا مشکل ہے لیکن تو اپنے رحم و کرم سے اگر ہمارے گناہ معاف کر دے تو وہ تجھ سے بعید نہیں تو ارحم الراحمین ہے ماں باپ سے زیادہ مہربان ہے اپنے بندوں پر بہر حال ہم تیرے بندے ہیں برے ہیں تو تیرے اچھے ہیں تو تیرے تیر اور چھوڑ کر کہیں جانے والے نہیں۔

آخر تو آپ کے گھر کا سربراہ آپ کا شوہر ہے:

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ الصُّحَّاحِ ثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عِيَّاشٍ عَنْ بَجْرِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ عَنْ كَثِيرِ بْنِ مَرْثَةَ عَنْ مُعَاذِ بْنِ حَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُؤْذِي امْرَأَةً رَوْحَهَا إِلَّا قَالَتْ رَوْحَتُهُ مِنَ الْخُورِ الْغَيْنِ لَا تُؤْذِيهِ قَاتِلُكَ اللَّهُ ! فَإِنَّمَا هُوَ عِنْدَكَ دَخِيلٌ أَوْ شَكٌّ أَنْ يُفَارِقَكَ الْبَيْتُ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کوئی عورت اپنے خاوند کو اذیت دے تو جنت کی حور جو اس مرد کے لئے ہے کہتی ہے اللہ تجھے تباہ کرے اس کو مت ستاؤ تیرے پاس چند روز کے لئے اتر اے اور قریب ہے کہ تجھ کو چھوڑ کر ہمارے پاس آ جائے۔

لباس ایسا زیب تن کیجئے کہ نہ خود شرمندہ ہوں اور نہ شوہر کو کراؤں:

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ ثَنَا الْمُعْتَمِرُ ابْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ عُثَيْدِ اللَّهِ بْنِ

عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنْ سُلَيْمَانَ ابْنِ يَسَارٍ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ! كَمْ تَجُرُّ الْمَرْأَةُ مِنْ ذَيْلِهَا قَالَ سَمِعُوا قُلْتُ إِذَا يَنْكَشِفُ عَنْهَا قَالَ ذِرَاعٌ لَا تَزِيدُ عَلَيْهِ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا عورت کتنا آنچل لٹکائے آپ نے فرمایا: ایک باشت (یعنی منحنے سے ایک باشت بچا رکھے) میں نے عرض کیا اسے میں پاؤں کھیلانے گا۔ آپ صراحت فرمائی: ایک ہاتھ بچا رکھے اس سے زیادہ نہ کرے۔

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ ثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ ابْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ زَيْدِ الْعَمِيِّ عَنْ أَبِي الصَّدِّيقِ النَّاجِي عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ أَرْوَاحَ النَّبِيِّ رُحُصَ لَهُنَّ فِي الذَّيْلِ ذِرَاعًا فَكُنَّ يَأْتِيَنَا فَنَنْزِعُ لَهُنَّ بِالْقَبْصِ ذِرَاعًا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں کو ذیل (یعنی آنچل یا پائینچہ ازار کا) ایک ہاتھ لٹکانے کی اجازت تھی وہ ہمارے ہاں آتیں ہم ایک لکڑی سے ہاتھ کے ماپ ان کو بنا دیتے۔

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ ثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ ثَنَا حَمَّادُ ابْنِ سَلَمَةَ عَنْ أَبِي الْمُهَذَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِفَاطِمَةَ أَوْ لَأُمِّ سَلَمَةَ ذَيْلُكَ ذِرَاعٌ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ زہراء سے یا جناب بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا اپنا

ذیل ایک ہاتھ رکھ (اس حدیث کا راوی ابو مہزم متفقہ طور پر ضعیف ہے)۔
 حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ ثَنَا عَفَّانُ ثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ ثَنَا
 حَبِيبُ الْمُعَلِّمِ عَنْ أَبِي الْمُهَزَّمِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ
 أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي ذِيُولِ النَّسَاءِ
 شَبْرًا فَقَالَتْ عَائِشَةُ إِذَا تَخْرُجُ سَوْقُهُنَّ قَالَ فَذِرَاعُ
 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 نے عورتوں کے آنچل میں فرمایا کہ ایک باشت لٹکتا رہے۔ حضرت عائشہ
 نے عرض کیا اس صورت میں تو ان کی پنڈلیاں کھل جائیں گی۔ آپؐ نے
 فرمایا: ایک ہاتھ رکھ۔

سرالی رشتوں کو نظر انداز مت کیجئے

ہمارے دور میں ایک نئی وبا چل پڑی ہے کہ عورتیں شوہر سے تو ہر ممکن پیار
 جتاتی ہیں اور (چاہے ظاہری طور پر ہی کسی) اس کے توہارے نیارے
 جاتی ہیں لیکن شوہر کے سامنے بھی اور غیر موجودگی میں بھی اس کے والدین
 بہن بھائیوں اور عزیز واقرباء کو گھاس نہیں ڈالتیں۔ یقیناً جانے اگر ان
 باتوں کے باوجود آپ کا شوہر سے اس بابت کوئی جھگڑا (تلخ کلامی) وغیرہ
 نہیں ہوتی تو جان رکھئے یہ ہم بھنے کو حق ہے اور جب یہ عمل رونما ہوگا تو
 اپنے ساتھ بہت کچھ بھا کر لے جائے گا۔ آئیے ہم اس موضوع کی ابتداء
 نبی کریم ﷺ کے گھر والوں سے کرتے ہیں تاکہ آپ کے دل میں یہ
 احساس اجاگر کیا جاسکے کہ اللہ نبی کریم ﷺ کے گھر والوں کی حکمران کی
 امت کو کیسے ہدایت فرما رہا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے گھر والوں کے مناقب کا بیان

بعض روایتوں میں آنحضرت ﷺ کے اہل و عیال کو ”اہل بیت“ کہا گیا ہے جن
 میں ازواج مطہرات یعنی طور پر شامل ہیں۔ لہذا جو لوگ ازواج مطہرات کو اہل بیت
 سے خارج قرار دیتے ہیں وہ مکابیرہ کا شکار ہیں اور قرآن کریم کی اس آیت: اِنَّمَا
 يَرِثُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا سے اپنا اختلاف
 ظاہر کرتے ہیں کیونکہ جب اس کے پہلے بھی اور بعد میں بھی ازواج مطہرات ہی کو
 مخاطب کیا گیا ہے تو پھر ان کو (یعنی ازواج مطہرات کو) درمیان آیت کے مضمون
 (اہل بیت) اور اس کے مصداق میں شامل نہ کرنا آیت کو اس کے عبارتی تسلسل اور
 معنوی سیاق و سباق سے الگ کر دینا ہے چنانچہ امام محمد فخر الدین رازیؒ نے لکھا ہے کہ

”یہ آیت آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کو شامل ہے کیونکہ آیت کا سیاق و سباق پوری شدت سے اس کا متقاضی ہے پس ازواج مطہرات کو اہل بیت کے مصداق سے خارج کرنا اور ان کے علاوہ دوسروں کو اس مصداق کے ساتھ مختص کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ امام رازی آگے لکھتے ہیں یہ کہنا زیادہ بہتر اور اولیٰ ہے کہ ”اہل بیت“ کا مصداق آنحضرت ﷺ کی اولاد اور ازواج مطہرات ہیں اور ان میں حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ بھی شامل ہیں نیز حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی آنحضرت ﷺ سے خصوصی نسبت و تعلق اور سانگی قرب رکھنے کے سبب اہل بیت میں سے ہیں۔ تاہم بعض مواقع پر اہل بیت کا اطلاق اس طرح بھی آیا ہے کہ جس سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اس کا مصداق صرف فاطمہ زہراؑ علی مرتضیٰ حسن اور حسین رضی اللہ عنہم ہیں۔ جیسے حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ جب نماز فجر کے لئے مسجد میں آتے تو راستہ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کے سامنے سے گزرتے ہوئے یوں فرماتے: الصلوٰۃ یا اہل البیت: إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا اس روایت کو تردید نے نقل کیا ہے۔ اسی طرح ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ (ایک دن) میں آنحضرت ﷺ کے پاس (گھر میں) بیٹھی ہوئی تھی کہ خادم نے آ کر بتایا کہ علی رضی اللہ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا باہر دروازہ پر کھڑے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) مجھ سے فرمایا کہ تم ایک کنارے ہو جاؤ چنانچہ میں گھر کے ایک گوشہ میں چلی گئی۔ علی رضی اللہ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا اندر آ گئے اور ان کے ساتھ حسن و حسین رضی اللہ عنہما بھی تھے جو اس وقت ننھے ننھے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے حسن اور حسینؑ کو آغوش مبارک میں بٹھالیا اور ایک ہاتھ سے علی رضی اللہ عنہ کو اور دوسرے ہاتھ سے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو پکڑ کر اپنے بدن سے چٹایا پھر آپ ﷺ نے اپنی وہ کالی کالی ان سب پر پڑی جو اس وقت جسم مبارک پر تھی اور فرمایا: خداوند! یہ میرے اہل بیت ہیں مجھ کو اور میرے اہل بیت کو اپنی طرف بلا

نہ کہ آگ کی طرف“ اور حضرت ام سلمہؓ ہی سے یہ بھی منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا: میری یہ مسجد ہر حائضہ عورت اور ہر جنسی مرد پر حرام ہے (یعنی جو عورت حیض کی حالت میں ہو یا جو مرد ناپاکی کی حالت میں ہو وہ میری مسجد میں ہرگز داخل نہ ہو) ہاں محمد اور محمد (ﷺ) کے اہل بیت پر کہ وہ علیؑ فاطمہؑ حسن اور حسین رضی اللہ عنہم ہیں حرام نہیں ہے۔ اس روایت کو تنہا نے نقل کیا ہے اور اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ بہر حال ایک طرف تو وہ روایتیں ہیں جن سے بنو ہاشم اور آنحضرت ﷺ کے اہل و عیال پر ”اہل بیت“ کا اطلاق ثابت ہوتا ہے اور دوسری طرف یہ روایتیں ہیں جن سے اہل بیت کا مصداق صرف حضرت علیؑ حضرت فاطمہؑ حضرت حسنؑ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم معلوم ہوتے ہیں بلکہ ان ہی چہارتن پاک پر اہل بیت کا اطلاق شائع اور مشہور بھی ہے۔ لہذا علماء نے ان تمام روایتوں میں تطبیق اور ان کے اطلاقات کی توجیہ میں یہ کہا ہے کہ ”بیت“ کی تین نوعیتیں ہیں: (۱) بیت نسب (۲) بیت سکنی (۳) بیت ولادت۔ پس بنو ہاشم یعنی عبدالمطلب کی اولاد کو تو نسب اور خاندان کے اعتبار سے آنحضرت ﷺ کا اہل بیت (یعنی اہل خاندان) کہا جائے گا۔ دراصل عرب میں جد قریب کی اولاد کو بیت (یعنی خاندان یا گھرانہ) کہا بھی جاتا تھا اور خود اردو میں بھی جب یوں کہا جاتا ہے کہ فلاں کا گھرانہ بہت معزز ہے یا فلاں شخص شریف خاندان کا ہے تو گھرانہ یا خاندان سے اس شخص کے باپ اور دادا کی اولاد مراد ہوتی ہے آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کو اہل بیت سکنی (اہل خانہ) کہا جائے گا چنانچہ عرف عام میں کسی شخص کی بیویوں کو اس کے اہل بیت یا ”گھر والی“ سے تعبیر کیا جانا مشہور ہی ہے اور آنحضرت ﷺ کی اولاد (ماجد کو اہل بیت ولادت کہا جائے گا اور اگرچہ آپ ﷺ کی تمام ہی اولاد پر اہل بیت ولادت کا اطلاق کیا جاتا چاہئے لیکن تمام اولاد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرات حسینؑ کو جو خاص فضل و شرف اور آنحضرت ﷺ جو قرب و تعلق حاصل تھا اور یہ کہ ان کے فضائل و

مناقب جس کثرت سے احادیث میں وارد ہیں اس کی بناء پر اہل بیت ولادت کا خصوصی امتیازی مصداق صرف یہی چار تن مانے جائیں گے۔

یاد رکھئے اہل بیت کی نسبت سے ان کا تعلق بعض بنو ہاشم سے بھی ہے اور علی رضی اللہ عنہ و فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حسن و حسینؑ سے بھی اور ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ہے۔ علاوہ ازیں اس ضمن میں حضرت زید بن حارثہ اور ان کے بیٹے حضرت اسماء کا ذکر بھی آیا ہے اور ان دونوں کا ذکر یا تو غالباً اس بنا پر ہے کہ ان دونوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے انتہا محبت و عنایت تھی۔

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ آبَدَانَا وَأَبْنَاءَكُمْ دَعَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيًّا وَفَاطِمَةَ وَحُسَيْنًا وَحُسَيْنًا فَقَالَ اللَّهُمَّ هَؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي

صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابة باب من فضائل علی بن ابی طالب ج ۴۲۰
”حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت: قُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ آبَدَانَا وَأَبْنَاءَكُمْ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی فاطمہ حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو بلوایا اور کہا خداوند ایہ میرے اہل بیت ہیں۔“ (مسلم)

آیت مباہلہ اور اہل بیت:

اس آیت کو ”آیت مباہلہ“ کہا جاتا ہے۔ مباہل کا لفظ بھل یا بھلہ سے بنا ہے جس کے معنی لعنت بھیجنے اور لعنت کے ہیں مباہلہ کا مطلب ہوتا ہے ایک دوسرے پر لعنت بھیجنے اور ملعون ہو جانے کی بددعا کرنا۔ اس مفہوم کو ادا کرنے کے لئے ابھال کا لفظ تھا لیکن بعد میں اس لفظ (ابھال) کا اطلاق اس دعا پر کیا جانے لگا۔ عربوں کی یہ

عادت تھی کہ جب کسی معاملہ میں دو فریق آپس میں ایک دوسرے کی مخالفت و تکذیب کرتے اور ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی کا الزام عائد کرتے تو آخر میں اپنے اپنے گھروں سے باہر نکل کر کسی خاص جگہ پر جمع ہوتے اور ایک دوسرے کے خلاف بددعا کرتے ایک دوسرے پر لعنت بھیجتے اور یوں دعا مانگتے۔ یا اللہ! ہم میں سے جو شخص ناحق پر ہو یا ظالم ہو اس پر لعنت بھیج۔ پس جب نصاریٰ (مسیحیوں) نے دین اسلام یا قرآن کی حقانیت و صداقت کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث و مباحثہ کا دروازہ کھولا اور پیغمبر اسلام کی مخالفت و تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مذکورہ بالا آیت کے ذریعہ حکم دیا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان مسیحیوں کو مباہلہ کی دعوت دیجئے اور ان سے کہئے کہ آؤ برسر عام اپنا فیصلہ کرا لیں کہ ہم میں سے کون حق پر ہے اور کون ناحق پر۔ چنانچہ راویوں میں آتا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عزیز ترین اور قریب ترین اہل بیت کو لے کر مباہلہ کے لئے اس طرح نکلے کہ حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ کو جو اس وقت بہت چھوٹے چھوٹے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گود میں اٹھا رکھا تھا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پیچھے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ میں جب مباہلہ میں دعا کر دوں تو تم سب مل کر آمین کہنا۔ مسیحیوں کے پیشوا کی نظر ان نورانی چہروں پر پڑی تو اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے بے اختیار بول اٹھا: تم پر افسوس ہے میں تو ان نورانی چہروں کو ایسا دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ لوگ خدا سے یوں درخواست کریں کہ پہاڑ کو اس کی جگہ سے اٹھڑ دے تو بالیقین خدا (ان کی درخواست قبول کر کے) پہاڑ کو اس کی جگہ سے اٹھڑ دے گا پھر اس نے پُر زور انداز میں اپنے ساتھیوں کو مشورہ دیا کہ (ان لوگوں کے ساتھ مباہلہ ہرگز نہ کرنا ورنہ جڑ سے اکھاڑ دیئے جاؤ گے۔ آخر کار ان مسیحیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مباہلہ نہیں کیا اور جزیہ قبول کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی اطاعت پر مجبور ہوئے لیکن ان کے اندر

چونکہ اسلام اور پیغمبر اسلام سے قلبی وابستگی اور مناسبت نہیں تھی اس لئے وہ دائرۃ اسلام میں داخل ہونے سے محروم رہے ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ بعد میں رسول کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر وہ لوگ مباہلہ کرتے تو نتیجہ کے طور پر ان کی صورتیں مسخ ہو کر بندروں اور سوروں کی سی ہو جاتیں تمام بیابان و جنگل آگ ہی آگ ہو جاتا اور وہ آگ نہ صرف ان کو بھسم کر کے سرے سے نیست و نابود کر دیتی بلکہ درختوں پر پرندوں تک کو جلا ڈالتی۔

فرمانبردار بچیو!

آپ نے پڑھ لیا کہ دیکھئے جب مباہلے کا وقت آیا تو نبی کریم ﷺ ان کو ساتھ لے کر مباہلہ کے لئے چلنے کو تیار ہوئے۔ یہ رشتے بہت اہمیت رکھتے ہیں ان کی قدر کیجئے۔ ہاں! ہاں! اگر محبت نہیں پروان چڑھ رہی تو قدر کرنا سیکھئے چاہیے شوہر ہی کی خوشنودی کی خاطر ہو۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَدَاوَةً وَعَلَيْهِ مِرْطَاهُ مَرْخُلٌ مِنْ شَعْرِ أَسْوَدَ فَجَاءَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ وَأَدْخَلَهُ ثُمَّ جَاءَ الْحُسَيْنُ فَأَدْخَلَهُ مَعَهُ ثُمَّ جَاءَتْ فَاطِمَةُ فَأَدْخَلَهَا ثُمَّ جَاءَ عَلِيٌّ فَأَدْخَلَهُ ثُمَّ قَالَ إِنَّهُ يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (رواہ مسلم)

صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابة باب فضائل اہل بیت النبوی - ۴۴۵۰

”اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن صبح کو نبی کریم ﷺ برآمد ہوئے اس وقت آپ ﷺ کے بدن مبارک پر ایک سیاہ بالوں کی کلمی تھی جس پر اونٹ کے کجاو کی تصویریں بنی ہوئی تھیں اتنے میں

حسن بن علی آگئے اور آپ ﷺ نے ان کو اپنی کلمی کے اندر لے لیا پھر حسین آئے اور آپ ﷺ نے ان کو بھی حسن کے ساتھ کلمی کے اندر لے لیا پھر فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں اور آپ ﷺ نے ان کو بھی کلمی میں لے لیا اور پھر علی رضی اللہ عنہ آئے اور آپ ﷺ نے ان کو بھی کلمی کے اندر لے لیا اور پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی اِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (یعنی اے اہل بیت) اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم کو (گناہوں اور برائیوں کی) پلیدی (اور غیر اخلاقی و غیر انسانی باتوں کے میل کچیل میں آلودہ ہونے) سے بچائے (جیسا کہ اکثر لوگ آلودہ ہو جاتے ہیں) اور تم کو ایسا پاک صاف رکھے جیسا کہ پاک صاف رہنا چاہئے۔ (مسلم)

اگر آپ کی مالی حالت بہتر بہتر نہیں پھر بھی حتی الامکان شوہر کے

بہن بھائیوں کے ساتھ صلہ رحمی اختیار کیجئے:

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

اور تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اختیار کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو اور والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اور اہل قرابت کے ساتھ بھی اور یتیموں کے ساتھ بھی اور غریب غریبا کے ساتھ بھی اور پاس والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور دور والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور ہم مجلس کے ساتھ بھی اور راگیر کے ساتھ بھی جو تمہارے مالکان قبضہ میں ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں سے محبت نہیں رکھتے جو اپنے کو بڑا سمجھتے ہوں شیخی کی باتیں کرتے ہوں۔ (النساء: ۳۶)

صلہ رحمی کی ترغیب:

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی عبادت کا حکم دیتا ہے اور اپنی توحید کے ماننے کو فرماتا ہے اور اپنے ساتھ کسی کو شریک کرنے سے روکتا ہے۔ اس لئے کہ خالق رزاق نعمتیں دینے والا تمام مخلوق پر ہر وقت اور ہر حال میں انعام کی بارش کرنے والا صرف وہی ہے تو لائق عبادت بھی صرف وہی ہوا۔ حضرت معاذ سے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جانتے ہو اللہ تعالیٰ کا حق بندوں پر کیا ہے؟ آپ جواب دیتے ہیں: اللہ اور اس کا رسول ﷺ زیادہ جانتے والے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کہ وہ اسی کی عبادت کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ پھر فرمایا: جانتے ہو جب بندے یہ کریں تو ان کا حق اللہ کے ذمہ کیا ہے؟ یہ کہ انہیں وہ عذاب نہ کرے۔ پھر فرماتا ہے: ماں باپ کے ساتھ احسان کرتے رہو وہی سبب بنے ہیں۔ تمہارے عدم سے وجود میں آنے کا۔ قرآن کریم کی بہت سی آیتوں میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی عبادت کے ساتھ ہی ماں باپ سے سلوک و احسان کرنے کا حکم دیا ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿إِنِ اشْكُرْنِي وَلَوْلَا ذِكْرِي﴾ (لقمان: ۱۳) اور ﴿قَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾ (اسراء: ۲۳) یہاں بھی یہ بیان فرما کر پھر حکم دیتا ہے کہ اپنے رشتہ داروں سے بھی سلوک و احسان کرتے رہو۔ حدیث میں ہے مسکین کو صدقہ دینا صرف صدقہ ہی ہے۔ لیکن قرہی رشتہ دار کو دینا صدقہ بھی اور صلہ رحمی بھی ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ قبیحوں کے ساتھ بھی سلوک و احسان کرو۔ اس لئے کہ ان کی خبر گیری کرنے والا ان کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرنے والا ان کے ناز و نخرے اٹھانے والا انہیں محبت کے ساتھ کھلانے پلانے والا ان کے سر سے اٹھ گیا ہے۔ پھر مسکینوں کے ساتھ نیکی کرنے کا ارشاد کیا کہ وہ حاجت مند ہیں خالی ہاتھ ہیں محتاج ہیں۔ ان کی ضرورتیں تم پوری کرو ان کی احتیاج تم رفع کرو ان کے کام تم کر دیا کرو۔ فقیر و مسکین کا پورا بیان سورہ برآۃ کی تفسیر میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

جس گھر میں آئی ہیں اس کے پڑوس کا بھی خیال رکھئے:

اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھنا ان کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کرو اور نیک سلوک رکھو خواہ وہ قرابت دار ہوں یا نہ ہوں۔ خواہ وہ مسلمان ہوں یا یہود و نصرانی ہوں۔ یہ بھی کہا گیا ہے بَجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ سے مراد بیوی ہے اور بَجَارِ الْجُنُبِ سے مراد رفیق سفر ہے۔ پڑوسیوں کے حق کے سلسلہ میں بہت سی حدیثیں ہیں۔ کچھ سن لیجئے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ فرماتے ہیں: مجھے حضرت جبرئیل پڑوسیوں کے بارے میں یہاں تک وصیت و نصیحت کرتے رہے کہ مجھے گمان ہوا کہ شاید یہ پڑوسیوں کو وارث بنادیں گے فرماتے ہیں بہتر ساتھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جو اپنے ساتھیوں کے ساتھ خوش سلوک ہو اور پڑوسیوں میں سب سے بہتر اللہ کے نزدیک وہ ہے جو ہمسایوں سے نیک سلوک زیادہ کرتا ہو۔ فرماتے ہیں: انسان کو ہرگز نہ چاہئے کہ اپنے پڑوسی کی آسودگی کے بغیر خود شکم سیر ہو جائے۔ ایک مرتبہ آپ نے صحابہ سے سوال کیا زنا کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ لوگوں نے کہا: وہ حرام ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اسے حرام کیا ہے اور قیامت تک حرام ہی رہے گا۔ آپ ﷺ نے کہا: سنو! اس عورتوں سے زنا کرنے والا اس شخص کے گناہ سے کم گنہگار رہے جو اپنے پڑوسی کی عورت سے زنا کرے۔ پھر دریافت فرمایا: تم چوری کی نسبت کیا کہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ اسے بھی اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول ﷺ نے حرام کیا ہے اور وہ قیامت تک حرام ہے۔ آپ نے فرمایا: سنو! اس گھروں سے چوری کرنے والے کا گناہ اس شخص کے گناہ سے ہلکا ہے جو اپنے پڑوسی کے گھر سے کچھ چرائے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے: حضرت ابن مسعود سوال کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ کونسا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کہ تم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے۔ حالانکہ اسی ایک نے تجھے پیدا کیا ہے۔ میں نے پوچھا: پھر کونسا؟ فرمایا: یہ کہ تو اپنی پڑوس کی عورت کے ساتھ زنا کرے۔ ایک انصاری صحابی فرماتے ہیں: میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے گھر سے چلا۔ وہاں پہنچ کر دیکھا ہوں کہ ایک صاحب کھڑے ہیں اور

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہیں اور باتیں ہو رہی ہیں۔ دیر ہو گئی یہاں تک کہ مجھے آپ ﷺ کے تھک جانے خیال نے بے چین کر دیا بہت دیر کے بعد آپ لوٹے اور میرے پاس آئے۔ میں نے عرض کیا: حضور ﷺ اس شخص نے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت دیر تک کھڑا رکھا۔ میں تو پریشان ہو گیا آپ کے پاؤں تھک گئے ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا تم نے انہیں دیکھا۔ میں نے کہا خوب اچھی طرح دیکھا۔ فرمایا جانتے ہو وہ کون تھے؟ وہ جبریل تھے۔ مجھے پڑوسیوں کے حق کی تلقین کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کے حقوق بیان کئے کہ مجھے خیال ہوا کہ غالباً آج پڑوسی کو وارث بنی ٹھہرا دیں گے۔ (مسند احمد)

مسند عبد بن حمید میں ہے: حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں: ایک شخص عوالی مدینہ سے آیا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ اور حضرت جبریلؑ اس جگہ نماز پڑھ رہے تھے۔ جہاں جنازہ کی نماز پڑھی جاتی تھی۔ جب آپ فارغ ہوئے تو اس شخص نے کہا: حضور ﷺ کے ساتھ یہ دوسرا کون شخص نماز پڑھ رہا تھا؟ آپ نے فرمایا: تم نے انہیں دیکھا؟ اس نے کہا: ہاں۔ فرمایا: تو نے بہت بڑی بھلائی دیکھی یہ جبریلؑ تھے مجھے پڑوسی کے بارے میں وصیت کرتے رہے۔ مجھے خیال ہوا کہ عنقریب اسے وارث بنا دیں گے۔ آٹھویں حدیث بزار میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پڑوسی تین قسم کے ہیں: ایک حق والے یعنی ادنیٰ، دو حق والے اور تین حق والے یعنی اعلیٰ۔ ایک حق والا وہ ہے جو مشرک ہو اور اس سے رشتہ داری نہ ہو۔ دو حق والا وہ ہے جو مسلمان ہو اور رشتہ دار نہ ہو۔ ایک حق اسلام دوسرا حق پڑوسی کا۔ تین حق والا وہ ہے جو مسلمان بھی ہو پڑوسی بھی ہو اور رشتہ ناتے کا بھی ہو تو حق اسلام، حق ہمسائیگی، حق صلہ رحمی، تین تین حق اس کے ہو گئے۔ نویں حدیث مسند احمد میں ہے: حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ میرے دو پڑوسی ہیں، میں ایک کہ ہدیہ بھیجنا چاہتی ہوں تو کسے بھجواؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس کا دروازہ قریب ہو، دسویں

حدیث طبرانی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا۔ لوگوں نے آپ کے پانی کو لینا اور ملنا شروع کیا۔ آپ نے پوچھا: ایسا کیوں کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جسے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کریں تو اسے چاہئے کہ جب بات کرے سچ کرے اور جب امانت دیا جائے تو ادا کرے۔ (تفسیر ابن کثیر) میں یہ حدیث یہیں پر ختم ہے۔ لیکن اگلا جملہ اس کا سہوارہ گیا ہے۔ جس کا حقیقی تعلق اس مسئلہ سے ہے۔ وہ یہ کہ اسے چاہئے پڑوسی کے ساتھ سلوک و احسان کرنے، گیارہویں حدیث مسند احمد میں ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جو جھگڑا اللہ کے سامنے پیش ہوگا وہ دو پڑوسیوں کا ہو گا۔ پھر حکم ہوتا ہے: صاحب الجنب کے ساتھ سلوک کرنے کا۔ اس سے مراد بہت سے مضرین کے نزدیک عورت ہے اور بہت سے فرماتے ہیں مراد سفر کا ساتھی ہے اور یہ بھی نقل ہے کہ اس سے مراد دوست اور ساتھی ہے۔ عام اس سے کہ سفر میں ہو یا قیام کی حالت میں۔ ابن کثیر سے مراد مہمان ہے اور یہ بھی کہ جو راہ گزرتے ہوئے ٹھہر گیا ہو۔ پس اگر مہمان سے بھی یہ مراد لی جائے کہ سفر میں جاتے ہوئے مہمان بنا تو دونوں ایک ہو گئے۔ اس کا پورا بیان سورہ برأت میں آ رہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

سارا دن کام والیوں ہی یہ غصہ نہ اتارتی رہتے:

فرمانبردار بچیو!

قریبی لوگوں سے صلہ رحمی کے حکم کے بعد پڑوسیوں کا حکم ارشاد ہوا اور اب یہاں پر غلاموں (آج کے دور میں گھریلو ملازمائیں) کے بارے میں ہدایات بیان فرمائی جا رہی ہیں کہ ان کے ساتھ بھی نیک سلوک رکھو۔ اس لئے کہ وہ غریب تو تمہارے ہاتھوں اسیر ہے۔ اس پر تو تمہارا کامل اختیار ہے۔ تو تمہیں چاہئے کہ اس پر رحم رکھاؤ اور اس کی ضروریات کا خیال رکھو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے مرض

الموت میں بھی اپنی اُمت کو اس کی وصیت فرما گئے۔ فرماتے ہیں: لوگو! نماز کا اور غلاموں کا خوب خیال رکھو۔ بار بار فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ زبان رکھنے لگی۔ مسند کی حدیث میں ہے آپ فرماتے ہیں تو خود جو کھائے وہ بھی صدقہ ہو جو اپنے بچوں کو کھلائے وہ بھی صدقہ ہے جو اپنی بیوی کو کھلائے وہ بھی صدقہ ہے جو اپنے خادم کو کھلائے وہ بھی صدقہ ہے۔ مسلم میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے ایک مرتبہ اپنے داروغہ سے فرمایا کہ کیا غلاموں کو تم نے ان کی خوراک دے دی؟ اس نے کہا: اب تک نہیں دی۔ فرمایا: جاؤ دے کر آؤ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: انسان کو یہی گناہ کافی ہے کہ جن کی خوراک کا وہ مالک ہے ان سے روک رکھے۔ مسلم میں ہے مملوک ماتحت کا حق ہے کہ اسے کھلایا پلایا پہنایا اوڑھایا جائے اور اس کی طاقت سے زیادہ کام اس سے نہ لیا جائے۔ بخاری شریف میں ہے: جب تم میں کسی کا خادم اس کا کھانا لے کر آئے تو تمہیں چاہئے کہ اگر ساتھ بٹھا کر نہیں کھلاتے تو کم از کم اسے لقمہ دو لقمہ دے دو۔ خیال کرو کہ اس کے پکانے کی گرمی اور تکلیف اسی نے اٹھائی ہے۔ دوسری روایت میں ہے: چاہئے تو یہ کہ اسے اپنے ساتھ بٹھا کر کھلائے اور اگر کھانا کم ہو تو لقمہ دو لقمہ ہی دے دیا کرو۔ آپ فرماتے ہیں: تمہارے غلام بھی تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارے ماتحت کر دیا ہے۔ پس جس کے ہاتھ تلے اس کا بھائی ہو۔ اسے اپنے کھانے میں سے کھلائے اور اپنے پہننے میں سے پہنائے اور ایسا کام نہ لے کہ وہ عاجز ہو جائے۔ اگر کوئی ایسا ہی مشکل کام آپڑے تو خود بھی اس کا ساتھ دے۔ (بخاری و مسلم)

پھر فرمایا کہ خود ہیں 'محبب' متکبر' خود پسند لوگوں پر اپنی فوقیت جتانے والا اپنے آپ کو تو لے والا۔ اپنے ہمیں دوسروں سے بہتر جاننے والا اللہ کا پسندیدہ بندہ نہیں۔ گو وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھے لیکن اللہ کے ہاں وہ ذلیل ہے۔ لوگوں کی نظروں میں وہ حقیر ہے۔ بھلا کتنا اندھیر ہے کہ خود تو کسی سے سلوک کرے تو اپنا احسان اس پر رکھے۔ لیکن

رب کی نعمتوں کا جو اللہ نے اسے دے رکھی ہیں شکر نہ بجالائے۔ لوگوں میں پیچھے کر فر کرے کہ میں اتنا بڑا آدمی ہوں میرے پاس یہ ہے اور وہ ہے۔ حضرت ابو رجاہ روئی فرماتے ہیں کہ ہر بد خلق متکبر اور خود پسند ہوتا ہے۔ پھر اسی آیت کو تلاوت کیا اور فرمایا: ہر ماں باپ کا نافرمان سرکش اور بد نصیب ہوتا ہے۔ پھر آپ نے آیت: ﴿وَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَبْغِضُونَ آلَ اللَّهِ﴾ (مریم: ۳۲-۳۳) پڑھی۔

ساس، سر کو عزت دیجئے پورے گھر میں آپ کی عزت ہو جائے گی:

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كَرَمَ شَابٌ شَيْخًا مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ إِلَّا قَبِضَ اللَّهُ لَهُ عِنْدَ بَيْتِهِ مِنْ يُكْرِمُهُ.

جامع الترمذی، کتاب البر، باب ما جاء فی احلال الکبیر، ج ۲۰۲۲۔
"اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے بیان فرمایا: جو بھی جوان کسی بوڑھے شخص کی اس کے بڑھاپے کے سبب تعظیم و محترم کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بڑھاپے کے وقت کسی ایسے شخص کو متعین کر دیتا ہے جو اس کی تعظیم و خدمت کرتا ہے۔"

اس حدیث کے ذریعہ گویا اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ جو شخص دوسروں کی تعظیم و خدمت کرتا ہے تو اس کی بھی تعظیم و خدمت کی جاتی ہے اور جو لوگ اپنے بزرگوں کی تعظیم و خدمت نہیں کرتے اور اپنے بڑے بوڑھوں کی تحقیر کرتے ہیں وہ اپنے بڑھاپے میں اپنے چھوٹوں کی طرف سے اسی تحقیر و تذلیل اور بے وقعتی سے دوچار ہوتے ہیں۔

اس ارشاد گرامی میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اس جوان کی عمر دراز ہوتی ہے جو اپنے بڑے بوڑھوں کی تعظیم و خدمت کرتا ہے۔

منقول ہے ایک بزرگ تھے جو مصر میں سکونت پذیر تھے اور ان کا ایک مرید تھا جو خراسان میں رہتا تھا ایک مرتبہ وہ مرید اپنے شیخ کے پاس کچھ دن رہنے کے لئے خراسان سے چل کر مصر پہنچا اور وہاں ایک طویل مدت تک شیخ کی خدمت میں رہا انہی دنوں کچھ دوسرے بزرگوں کی جماعت اس کے شیخ کی زیارت کے لئے آئی تو شیخ نے اس مرید سے اشارہ کیا کہ ان بزرگوں کی سواری کے جانور تھام لو وہ ان کے پاس سے چلا گیا اور ان جانوروں کی نگرانی کرنے لگا۔ مگر اس کے دل میں یہ دوسوہ پیدا ہوا کہ میں جو اتنی دور دراز کا سفر طے کر کے شیخ کی خدمت میں آیا تھا یہ اس کا نتیجہ ہے! بہر حال جب وہ بزرگ ان شیخ کے پاس سے چلے گئے اور وہ مرید اپنے پیچ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے کہا کہ عزیز من! اس وقت میں نے تمہیں ان بزرگوں کی سواری کے جانوروں کی دیکھ بھال پر جو متعین کیا تھا۔ تو اس کی وجہ نہ معلوم تمہارے دل میں کیا دوسوہ پیدا ہوا ہوگا لیکن اتنی بات یاد رکھو کہ تمہیں اس خدمت کا بہت بڑا اجر ملے گا اور عنقریب اللہ تعالیٰ تمہیں اس درجہ پر پہنچائے گا کہ تمہاری خدمت میں بڑے بڑے بزرگ اور اکابر آئیں گے اور پھر خدا کی طرف سے تمہارے پاس ایسے لوگ مقرر کئے جائیں گے جو ان آنے والوں کی خدمت کریں گے۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ ان شیخ نے جو کہا تھا وہ صحیح ثابت ہوا اور اس شخص کی ملاقات کے لئے آنے والے بڑے بڑے بزرگوں کی کثرت کی وجہ سے ہمیشہ اس کے دروازے پر خچر اور گھوڑوں کا ایک ہجوم رہا کرتا تھا۔

خود اس حدیث کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول خدا ﷺ کی خدمت کے سلسلے میں دین و دنیا کے بڑے بڑے اجر و انعام سے نوازے گئے چنانچہ جب وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے تو اس وقت ان کی عمر دس سال تھی اور جب تک آنحضرت ﷺ اس دنیا میں تشریف فرما رہے ان کی زندگی کا سارا وقت حضور ﷺ کی خدمت ہی میں صرف ہوتا رہا اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک بڑی نعمت تو یہ عطا

کی کہ ان کی حیات بہت طویل ہوئی اور وہ تقریباً ایک سو تین سال تک نہایت پاکیزہ اور اچھے احوال اور اطمینان و سکون کے ساتھ اس دنیا میں رہے اللہ تعالیٰ نے ان کو مال و دولت کی فراوانی سے بھی نوازا اور کثیر اولاد کی نعمت سے بھی سرفراز کیا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے ایک سولہ کے تھے۔

صرف ساس سر ہی نہیں بلکہ ان کے بہن بھائیوں سے بھی اچھا سلوک روا رکھے:

نبی کریم ﷺ کا فرمان عالی شان ہے:

وَعَنْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ زَيْبَعَةَ أَنَّ الْعَبَّاسَ دَخَلَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُغَضَّبًا وَأَنَابَهُ فَقَالَ مَا أَغَضَبَكَ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا لَنَا وَلِقُرَيْشٍ إِذَا تَلَقَّوْا بَيْنَهُمْ تَلَقَّوْا بِوُجُوهِ مُبَشِّرَةٍ وَإِذَا لَقَوْا لَقَوْا لِقَوْنًا يَغْيِرُ ذَلِكَ فَعَصَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى احْمَرَّتْ وَجْهُهُ ثُمَّ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يَدْخُلُ قَلْبَ رَجُلٍ إِلَّا يَمَانُ حَتَّى يُحِبَّكُمْ لِلَّهِ وَلِرَسُولِهِ ثُمَّ قَالَ أَيُّهَا النَّاسُ مَنْ آذَى عَمِّي فَقَدْ آذَانِي فَإِنَّمَا عَمُّ الرَّجُلِ صِنُوْهُ أَبْنِيهِ

جامع الترمذی کتاب مناقب عن رسول اللہ باب مناقب العباس بن عبد المطلب ح ۳۶۹۱

اور حضرت عبد المطلب بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (ایک دن) میں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت عباس رضی

اللہ عنہ غصہ میں بھرے ہوئے آئے۔ یعنی کسی نے کوئی ایسی حرکت کر دی تھی یا کوئی ایسی بات کہہ دی تھی جس سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو سخت غصہ آیا اور اسی غصہ کی حالت میں وہ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے (آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ ایسی کیا بات پیش آگئی جس سے تمہیں اتنا غصہ آ رہا ہے؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بولے اے اللہ کے رسول! ہمارے (یعنی بنی ہاشم) اور (باقی) قریش کے درمیان کیا (بیجا لگی) ہے کہ جب وہ (قریش) آپس میں ملتے ہیں تو کشادہ روئی سے ملتے ہیں اور جب ہمارے ساتھ ملتے ہیں تو اس طرح نہیں ملتے۔ رسول کریم ﷺ نے (حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بات سنی تو ان قریش کے اس برے رویہ پر) سخت غصہ ہوئے یہاں تک کہ غصہ کی شدت سے آپ ﷺ کا چہرہ مہارنگ سرخ ہو گیا پھر (حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کسی شخص کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوگا اگر وہ تم (اہل بیت) کو اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت و خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دوست نہیں رکھے گا۔ اور پھر فرمایا: لوگو! جان لو! جس شخص نے خصوصاً میرے چچا کو ستایا اس نے (گویا) مجھ کو ستایا کیونکہ کسی کا چچا اس کے باپ کی مانند ہوتا ہے۔ (ترمذی) اور مصابیح میں (عبدالمطلب بن ربیعہ کی جگہ) مطلب بن ربیعہ ہے (جبکہ صحیح عبدالمطلب بن ربیعہ ہی ہے جو ترمذی نے نقل کیا ہے۔

جس نے میرے چچا کو ستایا اس نے مجھ کو ستایا:

یا تو مطلق ایمان مراد ہے اور اس صورت میں ارشاد گرامی کو شدید ترین وعید پر محمول کیا جائے گا یا: کامل ایمان مراد ہے اس صورت میں کہا جائے گا کہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا مقصد سخت تاکید کے ساتھ اس کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ

دل و دماغ کو اہل بیت کی محبت و عقیدت سے معمور کئے بغیر ایمان کامل کی دولت نصیب نہیں ہو سکتی۔

ساس کو اپنی ماں جتنا احترام دیجئے وہ آپ کو اپنی اولاد سے بڑھ کر چاہئے لگے گی:

اللہ عزوجل نے قرآن میں ارشاد فرمایا:

﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ...﴾

(البقرہ: ۱۸۲)

”اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب لیا تم نے (توریت میں) قول و قرار بنی اسرائیل سے کہ عبادت مت کرنا (کسی کی) بجز اللہ تعالیٰ کے اور ماں باپ کی اچھی طرح خدمت گزاری کرنا اور اہل قرابت کی بھی اور بے باپ کے بچوں کی بھی اور غریب محتاجوں کی بھی اور عام لوگوں سے بات اچھی طرح (خوش خلقی سے) کہنا اور پابندی رکھنا نماز کی اور ادا کرتے رہنا زکوٰۃ پھرتم (قول و قرار کر کے) اس سے پھر گئے بجز معدودے چند کے اور تمہاری تو معمولی عادت ہے اقرار کر کے ہٹ جانا۔“

پیاری بیٹیو! دیکھئے اس آیت میں بنی اسرائیل کو جو حکم احکام دیئے گئے اور ان سے جن چیزوں پر عہد لیا گیا ان کا بیان ہو رہا ہے اور ان کی عہد شکنی کا ذکر ہو رہا ہے۔ انہیں حکم دیا تھا کہ وہ توحید کو تسلیم کریں۔ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ نہ صرف بنی اسرائیل کو بلکہ تمام مخلوق کو یہی حکم ہوا ہے۔ فرمان ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا إِنَّا فَاعْبُدُون﴾ (الانبیاء: ۲۵) یعنی تمام رسولوں کو ہم نے یہی حکم دیا کہ وہ اعلان کر دیں کہ قابل عبادت میرے سوا کوئی نہیں۔ سب لوگ میری ہی عبادت کیا کریں اور پھر فرمایا: ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا

اِنْ اَعْبَدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ ﴿۳۶﴾ (نحل: ۳۶) یعنی ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ اللہ کی ہی عبادت کرو اور اس کے سوا دوسرے معبودان باطل سے بچو۔ سب سے بڑا حق اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور اس کے تمام حقوق میں بڑا حق یہی ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور دوسرے کسی کی عبادت نہ کی جائے۔ پھر حق تعالیٰ کے بعد حقوق العباد کا بیان ہو رہا ہے۔ بندوں کے حقوق میں ماں باپ کا حق چونکہ بہت بڑا ہے۔ اسی لئے پہلے ان کا حق بیان ہوا اور جگہ ارشاد ہے: ﴿اَنْ اَشْكُرْ لِيْ وَلَوْ اِلَیْكَ﴾ (لقمان: ۱۴) میرا شکر اور اپنے ماں باپ کا بھی احسان مان اور فرمایا: ﴿وَقَضٰی رَبُّكَ﴾ (بنی اسرائیل: ۲۲) تیرے رب کا فیصلہ یہ فیصلہ ہے کہ اس کے سوا دوسرے کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان سلوک کرتے رہو۔ صحیحین میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا نماز کو وقت پر ادا کرنا۔ پوچھا کہ اس کے بعد؟ فرمایا کہ ماں باپ کے ساتھ سلوک اور احسان کرنا۔ پوچھا پھر کون سا؟ فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اور ایک صحیح حدیث میں ہے۔ کسی نے کہا: حضور ﷺ میں کس کے ساتھ سلوک اور بھلائی کروں؟ آپ نے فرمایا اپنی ماں کے ساتھ پوچھا پھر کس کے ساتھ؟ فرمایا اپنی ماں کے ساتھ پھر پوچھا کس کے ساتھ؟ فرمایا اپنے باپ کے ساتھ۔ پھر اور قرابت داروں کے ساتھ (مسلم) آیت میں لَا تَعْبُدُوْنَ فرمایا اس کے لئے اس میں بہ نسبت لَا تَعْبُدُوْا کے مبالغہ زیادہ ہے۔ یہ خبر ہے لیکن اس کی معنی میں طلب کا مفہوم ہے۔ بعض لوگوں نے اَنْ لَا تَعْبُدُوْنَ بھی پڑھا ہے۔ ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی مروی ہے کہ وہ لَا تَعْبُدُوْا پڑھتے تھے۔ ختم ان چھوٹے بچوں کو کہتے ہیں جن کا سر پرست باپ نہ ہو۔ مسکین ان لوگوں کو کہتے ہیں جو اپنی ماں اور اپنے بال بچوں کی پرورش اور دیگر ضروریات پوری طرح مہیا نہ کر سکتے ہوں۔ اس کی مزید تشریح ان شاء اللہ العظیم سورہ نساء کے اس معنی کی آیت میں آئے

گی۔ پھر فرمایا لوگوں کو اچھی بات کہا کرو۔ یعنی ان کے ساتھ نرم کلامی اور کشادہ پیشانی کے ساتھ پیش آیا کرو۔ بھلی باتوں کا حکم دو۔ برائی سے روکو حضرت حسن فرماتے ہیں بھلائی کا حکم دو برائی سے روکو۔ بردباری درگزر اور خطاؤں سے معافی کو اپنا شیوہ بنا لو۔ یہی اچھا خلق ہے جسے اختیار کرنا چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اچھی چیز کو حقیر نہ سمجھو۔ اگر اور کچھ نہ ہو سکے تو اپنے بھائیوں سے ہنستے ہوئے چہرے سے ملاقات تو کر لیا کرو۔ (مسند احمد) پس قرآن کریم نے پہلے اپنی عبادت کا حکم دیا۔ پھر لوگوں کے ساتھ بھلائی کرنے کا۔ پھر اچھی بات کہنے کا۔ پھر بعض اہم چیزوں کا ذکر بھی کر دیا کہ نمازیں پڑھو۔ زکوٰۃ دو۔ پھر خبر دی کہ ان لوگوں نے عہد شکنی کی اور عموماً نافرمان بن گئے مگر تھوڑے سے۔ اس امت کو بھی یہی حکم دیا گیا: ﴿وَاَعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ (النساء: ۳۶) اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ ماں باپ کے ساتھ رشتہ داروں کے ساتھ قریبیوں کے ساتھ اور مسکینوں کے ساتھ قرابت دار پڑوسیوں کے ساتھ اجنبی پڑوسیوں کے ساتھ ساتھ والوں کے ساتھ مسافروں کے ساتھ لونڈی غلاموں کے ساتھ سلوک احسان بھلائی کیا کرو۔ یاد رکھو تکبر اور فخر کرنے والوں کو خدا پسند نہیں کرتا۔ الحمد للہ کہ یہ امت بہ نسبت اور امتوں کے ان فرمانوں کے ماننے میں ان پر عمل پیرا ہونے میں زیادہ مضبوط ثابت ہوئی۔

ہر وقت وسوس میں مبتلا رہ کر شوہر کی زندگی اجیرن نہ کیجئے:

شادی کیا ہوئی خاتون خانہ تو گویا وسوسوں کا دریا بن کر بہنے لگتی ہیں۔ ارے بچو! کیا دوسروں کی دیکھا سنی میں پڑ کر اپنی زندگی تباہ کرتی ہو یہ بات بے بات وسوسے آپ کو اندر سے کھوکھلا کر دیں گے اور یقین جانئے دنیا تو تباہ ہو ہی گی آخرت کا بھی اللہ ہی حافظ ہے۔

نبی کریم ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے:

بیعت کے معاملے میں غلو کرنا

”آئیے اب ایک ایسے مسئلے کی بابت سن لیجئے کہ جس میں احتیاط تو آپ کے شوہر کو کرنی چاہیے لیکن اگر وہ اس بابت کسی شخصیت سے بے حد مرعوب ہیں یا جس بستی کو بھرنے بیٹھے ہیں وہی صاحب جھوٹے اور دغا باز پیر کے روپ میں ہیں جن کا معمول ہے کہ وہ مرید عورتوں سے پردہ نہیں کرتے بے تکلف ان سے باتیں کرتے ہیں اور ان کے جسم کو چھوتے ہیں (الحمد للہ ہمارے اکابر نے ہمیشہ عورتوں کی بیعت مسنون طریق پر فرمائی ان چیزوں کی پر زور قباحت بیان فرمائی ہے۔ اسی سلسلے میں چونکہ میں نے کچھ قباحتوں کی بابت سنا ہے اسی لئے ذرا تفصیلاً اس مسئلہ پر روشنی ڈال رہا ہوں۔)

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يَبْكِينَكَ...﴾

(سورۃ محمد: ۱۲)

اے پیغمبر جب مسلمان عورتیں آپ کے پاس (اس غرض سے) آئیں کہ آپ سے ان باتوں پر بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ کسی شے کو شریک نہ کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہ بہتان کی اولاد لائیں گی جس کو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان (نطفہ شوہر سے جنی ہوئی دھوئی کر کے) بنالیں اور مشروع باتوں میں وہ آپ کے خلاف نہ کریں گی تو آپ ان کو بیعت کر لیا کیجئے اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت کیا کیجئے بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔

عورتوں کی بیعت:

صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت عائشہؓ نے فرمایا ہے جو مسلمان عورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہجرت کر کے آتی تھیں ان کا امتحان اس آیت سے ہوتا تھا جو عورت ان تمام باتوں کا اقرار کر لیتی اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم زبانی فرما دیتے کہ میں نے تم سے بیعت کی یہ نہیں کہ آپ ان کے ہاتھ سے ہاتھ ملاتے ہوں تم خدا کی آپ نے کبھی بیعت کرتے ہوئے کسی عورت کے ہاتھ کو ہاتھ نہیں لگایا صرف زبانی فرما دیتے کہ ان باتوں میں میں نے بیعت لی ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ حضرت امیمہ بنت وقیفہؓ فرماتی ہیں کئی ایک عورتوں کے ساتھ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کے لئے حاضر ہوئی تو قرآن کی اس آیت کے مطابق آپ نے ہم سے عہد و پیمان لیا اور ہم اچھی باتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہ کریں گی، کے اقرار کے وقت فرمایا یہ بھی کہہ لو کہ جہاں تک تمہاری طاقت ہے ہم نے کہا اللہ کو اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارا خیال ہم سے بہت زیادہ ہے اور ان کی مہربانی بھی ہم پر خود ہماری مہربانی سے بڑھ کر ہے پھر ہم نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہم سے مصافحہ نہیں کرتے؟ فرمایا نہیں میں غیر عورتوں سے مصافحہ نہیں کیا کرتا میرا ایک عورت سے کہہ دینا سو عورتوں کو بیعت کے لئے کافی ہے پس بیعت ہو چکی۔ (پھر کس قدر خلاف سنت ہے ان جھوٹے اور دغا باز پیروں کا معمول جو اپنی مرید عورتوں سے پردہ نہیں کرتے بے تکلف ان سے باتیں کرتے ہیں اور ان کے جسم کو چھوتے ہیں الحمد للہ ہمارے اکابر نے ہمیشہ عورتوں کی بیعت مسنون طریق پر فرمائی) امام ترمذی اس حدیث کو حسن کہتے ہیں مسند احمد میں اتنی زیادتی اور بھی ہے کہ ہم میں سے کسی عورت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مصافحہ نہیں کیا یہ حضرت امیمہؓ حضرت خدیجہؓ بہن اور حضرت فاطمہؓ کی خالہ ہوتی ہیں مسند احمد میں ہے حضرت سلمیٰ بنت قیسؓ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ تھیں اور دونوں قبلوں کی

طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی تھی بنو عدی بن نجار کے قبیلہ میں سے تھیں فرماتی ہیں انصار کی عورتوں کے ساتھ خدمت نبوی میں بیعت کرنے کے لئے میں بھی آئی تھی اور اس آیت میں جن باتوں کا ذکر ہے ان کا ہم نے اقرار کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک اس بات کا بھی اقرار کرو کہ اپنے خاوندوں کی خیانت اور ان کے ساتھ دھوکہ نہ کرو گی ہم نے اس کا بھی اقرار کیا بیعت کی اور جانے لگیں پھر مجھے خیال آیا اور ایک عورت کو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا کہ وہ دریافت کریں کہ خیانت و دھوکہ نہ کرنے سے آپ کا مطلب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ اس کا مال چپکے سے کسی اور کو نہ دیں مسند کی حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ بنت قدامہؓ فرماتی ہیں میں اپنی والدہ رابطہ بنت سفیان خزاعیہ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے والوں میں تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں پر بیعت لے رہے تھے اور عورتیں اس کا اقرار کرتی تھیں میری والدہ کے حکم سے میں نے بھی اقرار کیا اور بیعت والیوں میں شامل ہوئی صحیح بخاری شریف میں حضرت ام عطیہؓ سے منقول ہے کہ ہم نے ان باتوں پر اور اس امر پر کہ ہم کسی مرد سے پر نوحہ نہ کریں گی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اس اثنا میں ایک عورت نے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا اور کہا میں نوحہ کرنے سے باز رہنے پر بیعت نہیں کرتی اس لئے کہ فلاں عورت نے میرے فلاں مرد سے پر نوحہ کرنے میں میری مدد کی ہے تو میں اس کا بدلہ ضرور اتاروں گی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسے سن کر خاموش ہو رہے اور کچھ نہ فرمایا وہ چلی گئیں لیکن تھوڑی دیر میں واپس آئی اور بیعت کر لی مسلم شریف میں بھی یہ حدیث ہے اور اتنی زیادتی بھی ہے کہ اس شرط کو صرف اس عورت نے اور حضرت ام سلیم بنت ملحان نے ہی پورا کیا بخاری کی اور روایت میں ہے کہ پانچ عورتوں نے اس عہد کو پورا کیا ام سلیمؓ ام علاءؓ اور ابوسبرہؓ کی بیٹی جو حضرت معاذؓ کی بیوی تھیں اور دو عورتیں اور یا ابوسبرہؓ کی بیٹی اور حضرت معاذؓ کی بیوی اور ایک عورت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید والے دن بھی عورتوں سے اس بیعت کا

معاہدہ لیا کرتے تھے بخاری شریف میں ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رمضان کی عید کی نماز میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور ابو بکر عمر عثمانؓ کے ساتھ پڑھی سب کے سب خطبے سے پہلے نماز پڑھتے تھے پھر نماز کے بعد خطبہ کہتے تھے ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبے سے اترے گویا وہ نقشہ میری نگاہ کے سامنے ہے کہ لوگوں کو بٹھایا جاتا تھا اور آپ ان کے درمیان سے تشریف لارہے تھے یہاں تک کہ عورتوں کے پاس آئے آپ کے ساتھ حضرت بلالؓ تھے آپ نے یہاں پہنچ کر اسی آیت کی تلاوت فرمائی پھر آپ نے دریافت کیا کہ کیا تم اپنے اس اقرار پر ثابت قدم ہو؟ ایک عورت نے کھڑے ہو کر جواب دیا کہ ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہیں کسی اور نے جواب نہیں دیا راوی حدیث حضرت حسنؓ گویا نہیں معلوم کہ یہ جواب دینے والی کون سی عورتیں تھیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا خیرات کرو اور حضرت بلالؓ نے اپنا کپڑا پھیلا یا پٹنا پچھو عورتوں نے اس میں بے گلیہ کی اور گھینے والی انگوٹھیاں راہ اللہ ڈالیں مسند احمد کی روایت میں حضرت امیرؓ کی بیعت کے ذکر میں آیت کے علاوہ اتنا اور بھی ہے کہ نوحہ کرنا اور جاہلیت کے زمانہ کی طرح اپنا بناؤ سنگھار غیر مردوں کو نہ دکھانا بخاری مسلم کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں سے بھی ایک مجلس میں فرمایا کہ مجھ سے ان باتوں کی بیعت کرو جو اس آیت میں ہیں جو شخص اس کو نبھا دے اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے اور جو اس کے کچھ خلاف کر گزرے اور وہ مسلم حکومت سے پوشیدہ رہے اس کا حساب اللہ تعالیٰ سے ہے اگر چاہے بخش دے اور اگر چاہے عذاب کرے حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ عقبہ اولیٰ میں ہم بارہ شخصوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اور انہی باتوں پر جو اس آیت میں مذکور ہیں آپ نے ہم سے بیعت لی اور فرمایا اگر تم اس پر پورے اترے تو یقیناً تمہارے لئے جنت ہے یہ واقعہ جہاد کی فریضت سے پہلے کا ہے ابن جریر کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ بن خطاب کو

حکم دیا کہ وہ عورتوں سے کہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم اس پر بیعت لیتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو ان بیعت لینے کے لئے آنے والوں میں حضرت ہندہ بھی تھیں جو عقبہ بن ربیعہ کی بیٹی اور حضرت سفیان کی بیوی تھیں یہی تھیں جنہوں نے اپنے کفر کے زمانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ کا پیٹ چیر دیا تھا اس وجہ سے یہ ان عورتوں میں ایسی حالت میں آتی تھیں کہ کوئی اس کو پہچان نہ سکے اس نے جب فرمان سنا تو کہنے لگی میں کچھ کہنا چاہتی ہوں لیکن اگر بولوں گی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہچان لیں گے اور اگر پہچان لیں گے تو میرے قتل کا حکم دے دیں گے میں اسی وجہ سے اس طرح آئی ہوں کہ پہچانی نہ جاؤں مگر اور عورتیں سب خاموش رہیں اور ان کی بات اپنی زبان سے کہنے سے انکار کر دیا آخر ان ہی کو کہنا پڑا کہ یہ ٹھیک ہے جب شرک سے ممانعت مردوں کو ہے تو عورتوں کو کیوں نہ ہوگی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہ فرمایا پھر حضرت عمرؓ سے کہا ان سے کہہ دو کہ دوسری بات یہ ہے کہ یہ چوری نہ کریں اس پر ہندہؓ نے کہا میں ابوسفیانؓ کی معمولی سی چیز کبھی کبھی لے لیا کرتی ہوں کیا خبر یہ بھی چوری میں داخل ہے یا نہیں؟ اور میرے لئے یہ حلال بھی ہے یا نہیں؟ حضرت ابوسفیانؓ بھی اس مجلس میں موجود تھے یہ سنتے ہی کہنے لگے میرے گھر میں سے جو کچھ بھی تو نے لیا ہو خواہ وہ خرچ میں آگیا ہو یا اب بھی باقی ہو وہ سب تیرے لئے حلال کرتا ہوں اب تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف پہچان لیا کہ میرے چچا حمزہؓ کی قاتلہ اور اس کے کلیجے کو چیرنے والی پھر اسے چبانے والی عورت ہندہؓ ہے آپ انہیں پہچان کر اور ان کی یہ گفتگو سن کر اور حالت دیکھ کر مسکرا دیئے اور انہیں اپنے پاس بلایا انہوں نے آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ تھام کر معافی مانگی آپ نے فرمایا تم وہی ہندہؓ ہو؟ انہوں نے کہا گزشتہ گناہ اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو رہے اور بیعت کے سلسلے میں پھر لگ گئے اور فرمایا تیسری بات یہ ہے کہ ان عورتوں میں سے کوئی بدکاری

نہ کرے اس پر حضرت ہندہؓ نے کہا کیا کوئی آزاد عورت بھی بدکاری کرتی ہے؟ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے خدا کی قسم آزاد عورتیں اس برے کام سے ہرگز آلودہ نہیں ہوتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا چوتھی بات یہ ہے کہ اپنی اولاد کو قتل نہ کریں ہندہؓ نے کہا آپ نے انہیں بدر کے دن قتل کیا ہے آپ جانیں اور وہ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچویں یہ ہے کہ خود اپنی ہی طرف سے جوڑ کر بے سرحر کا کوئی خاص بہتان نہ تراش لیں اور چھٹی بات یہ ہے کہ میری نافرمانی نہ کریں اور ساتواں عہد آپ نے ان سے یہ بھی لیا کہ وہ نوحہ نہ کریں اہل جاہلیت کسی کے مر جانے پر کپڑے پھاڑتے تھے منہ نوحہ لیتے تھے بال کٹوا دیتے تھے اور ہائے وائے کیا کرتے تھے یہ اثر غریب ہے اور اس کے بعض حصے نکارت بھی ہے اس لئے کہ ابوسفیانؓ اور ان کی بیوی ہندہؓ کے اسلام کے وقت انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی اندیشہ نہ تھا بلکہ اس سے بھی آپ نے صفائی اور محبت کا اظہار کر دیا تھا واللہ اعلم۔ ایک اور روایت میں ہے کہ فتح مکہ والے دن بیعت والی یہ آیت نازل ہوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا پر مردوں سے بیعت لی اور حضرت عمرؓ نے عورتوں سے بیعت لی اس میں اتنا اور بھی ہے کہ اولاد کے قتل کی ممانعت سن کر حضرت ہندہؓ نے فرمایا کہ ہم نے تو انہیں بچپن سے پال پوس کر بڑا کیا لیکن ان بڑوں کو تم نے قتل کیا اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہنسی کی وجہ سے لوٹ پوٹ گئے۔ ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ جب ہندہ بیعت کرنے آئیں تو ان کے ہاتھ مردوں کی طرف سفید تھے آپ نے فرمایا جاؤ ان کا رنگ بدل لو چنانچہ وہ مہندی لگا کر حاضر ہوئیں ان کے ہاتھ میں دو سونے کے کڑے تھے انہوں نے پوچھا کہ ان کی نسبت کیا حکم ہے فرمایا جہنم کی آگ کے دو انگارے ہیں یہ حکم اس وقت ہے جب ان کی زکوٰۃ نہ ادا کی جائے اس بیعت کے لینے کے وقت آپ کے ہاتھ میں ایک کپڑا تھا جب اولاد کے قتل کی ممانعت پر ان سے عہد لیا گیا تو ایک عورت نے کہا کہ ان کے باپ دادوں کو تو قتل کیا اور ان کی اولاد کی وصیت ہمیں ہو رہی ہے یہ شروع صورت بیعت کی

تھی لیکن پھر اس کے بعد تو آپ نے یہ دستور کر رکھا تھا کہ جب بیعت کرنے کے لئے عورتیں جمع ہو جاتیں تو آپ یہ سب باتیں ان کے سامنے پیش فرماتے وہ ان کا اقرار کرتیں اور واپس لوٹ جاتیں پس فرمان خدا ہے کہ جو عورت ان امور پر بیعت کرنے کے لئے آئے تو اس سے بیعت لے لو کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا غیر لوگوں کے مال نہ چرانا ہاں اس عورت کو جس کا خاوند اپنی طاقت کے مطابق کھانے پینے پہننے اور جھنے کو نہ دیتا ہو تو جائز ہے کہ اپنے خاوند کے مال سے مطابق دستور اور بقدر اپنی حاجت کے لئے گو خاوند کو اس کا علم نہ ہو اس کی دلیل حضرت ہند والی حدیث ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے خاوند ابوسفیان بخیل ہیں وہ مجھے اتنا خرچ نہیں دیتے جو مجھے اور میری اولاد کو کافی ہو سکے اس لئے ان کی بے خبری میں ان کے مال سے لے لوں تو مجھے جائز ہے؟ آپ نے فرمایا بہ طریق معروف اس کے مال سے اتنا لے لے جو تجھے اور تیرے بال بچوں کو کفایت کرے (صحیحین) اور وہ زنا کاری نہ کریں جیسے اور جگہ ہے: وَلَا تَقْرَبُوا الزَّوْجَ اِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا (سورہ بنی اسرائیل ۳۲) زنا کے لئے نہ جاؤ وہ بے حیائی ہے اور بری راہ ہے حضرت سمرہؓ والی حدیث میں زنا کی مزا دردناک عذاب جہنم بیان کی گئی مسند احمد میں ہے کہ فاطمہ بنت عقبہ جب بیعت کے لئے آئیں اور اس آیت کی تلاوت ان کے سامنے کی گئی تو انہوں نے شرم سے اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھ لیا آپ کو ان کی یہ حیا اچھی معلوم ہوئی حضرت عائشہؓ نے فرمایا انہی شرطوں پر سب نے بیعت کی ہے یہ سن کر انہوں نے بھی بیعت کر لی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیعت کے طریقے اور پر بیان ہو چکے ہیں اولاد کو قتل نہ کرنے کا حکم عام ہے پیدا شدہ اولاد کو مار ڈالنا بھی اسی ممانعت میں ہے جیسے کہ جاہلیت کے زمانے والے اس خوف سے کرتے تھے کہ انہیں کہاں سے کھلائیں گے پلائیں گے اور حمل گرا دینا بھی اسی ممانعت میں ہے خواہ اس طرح ہو کہ ایسے علاج کئے جائیں جس سے حمل ٹھہرے ہی نہیں یا ٹھہرے حمل

کو کسی طرح گرا دیا جائے بری غرض وغیرہ سے بہتان نہ باندھنے کا ایک مطلب تو حضرت ابن عباسؓ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ دوسرے کی اولاد کو اپنے خاوند کی طرف منسوب کرنا۔

ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ ملاعنہ کی آیت کے نازل ہونے کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورت کسی قوم میں اسے داخل کرے جو اس قوم کا نہیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی کنتی میں شمار نہیں اور جو شخص اپنی اولاد سے انکار کر جائے حالانکہ وہ اس کے سامنے موجود ہو اللہ تعالیٰ اس سے آڑ کر لے گا اور تمام انگلوں پچھلوں کے سامنے اسے رسوا و ذلیل کرے گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہ کریں یعنی آپ کے احکام بجالائیں اور آپ کے منع کئے ہوئے کاموں سے رک جائیں یہ شرط یعنی معروف ہونے کی عورتوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے لگا دی ہے حضرت میمونؓ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی فقط معروف میں رکھی ہے اور معروف ہی طاعت ہے۔ حضرت ابن زبیدؓ فرماتے ہیں دیکھ لو کہ بہترین خلق رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری کا حکم بھی معروف میں ہی ہے اس بیعت والے دن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے نوحہ نہ کرنے کا اقرار بھی لیا تھا جیسے حضرت ام عطیہؓ کی حدیث میں پہلے گزر چکا ہے حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں ہم سے ذکر کیا گیا ہے اس بیعت میں یہ بھی تھا کہ عورتیں غیر محرموں سے بات چیت نہ کریںؓ اس پر حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم گھر پر موجود نہیں ہوتے اور مہمان آ جاتے ہیں آپ نے فرمایا میری مراد ان سے بات چیت کرنے کی ممانعت سے نہیں میں ان سے کام کی بات کرنے سے نہیں روکتا۔ (ابن جریر)

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیعت کے موقع پر عورتوں کو نا محرم مردوں سے باتیں کرنے سے منع فرمایا اور فرمایا بعض لوگ وہ بھی ہوتے ہیں

کہ غیر عورتوں سے باتیں کرنے میں ہی مزہ لیا کرتے ہیں یہاں تک کہ مذی نکل جاتی ہے اور حدیث بیان ہو چکی ہے نوحہ نہ کرنے کی شرط پر ایک عورت نے کہا فلاں قبیلے کی عورتوں نے میرا ساتھ دیا ہے تو ان کے نوحے میں بھی ان کا ساتھ دے کر بدلہ ضرور اتاروں گی چنانچہ وہ گنیں بدلہ اتارا پھر آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی حضرت ام سلیم جن کا نام ان عورتوں میں ہے جنہوں نے نوحہ کرنے کی بیعت کو پورا کیا یہ ملکان کی بیٹی اور حضرت انسؓ کی والدہ ہیں اور روایت میں ہے کہ جس عورت نے بدلہ کے نوحہ کی اجازت مانگی تھی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اجازت دی تھی یہی وہ معروف ہے جس میں نافرمانی منع ہے بیعت کرنے والی عورتوں میں سے ایک کا بیان ہے کہ معروف میں ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہ کریں اس سے مطلب یہ ہے کہ مصیبت کے وقت منہ نہ نوحیں بال نہ منڈوائیں کپڑے نہ پھاڑیں ہائے وائے نہ کریں ابن جریر میں حضرت ام عطیہ سے مروی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں مدینہ میں تشریف لائے تو ایک دن آپ نے حکم دیا کہ سب انصاریہ عورتیں فلاں گھر میں جمع ہوں پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو وہاں بھیجا آپ دروازے پر کھڑے ہو گئے اور سلام کیا ہم نے آپ کے سلام کا جواب دیا پھر فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہوں ہم نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرحبا ہو اور آپ کے قاصد کو بھی حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تمہیں حکم کروں کہ تم اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا چوری اور زنا کاری سے بچنا اسی پر تم بیعت کرو ہم نے کہا ہم سب حاضر ہیں اور اقرار کرتی ہیں چنانچہ آپ نے وہیں باہر کھڑے کھڑے اپنا ہاتھ اندر کی طرف بڑھا دیا اور ہم نے اپنے ہاتھ اندر سے اندر ہی بڑھائے پھر آپ نے فرمایا اے اللہ گواہ رہ پھر ہمیں حکم ہوا کہ دونوں عیدوں میں ہم اپنی جائیداد عورتوں اور جوان کنواری لڑکیوں کو لے جایا کریں ہم پر جمعہ فرض نہیں ہمیں جنازوں کے ساتھ نہ جانا چاہئے حضرت اسماعیل راوی حدیث فرماتے ہیں میں نے اپنی وادی صاحبہ حضرت

ام عطیہؓ سے پوچھا عورتیں معروف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہ کریں اس سے کیا مطلب ہے؟ فرمایا یہ کہ نوح نہ کریں بخاری مسلم میں ہے کہ جو کوئی مصیبت کے وقت اپنے کلوں پر تھپڑ مارے دامن چاک کرے اور جاہلیت کے وقت کی ہائی دہائی چائے وہ ہم میں سے نہیں اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بڑی ہیں جو گھلا پھاڑ کر ہائے وائے کرے بال نوحے یا منڈوائے اور کپڑے پھاڑے یا دامن چیرے ابو یعلیٰ میں ہے کہ میری امت میں چار کام جاہلیت کے ہیں جنہیں وہ نہ چھوڑے گی سب نسب پر فخر کرنا انسان کو اس کے نسب کا طعنہ دینا ستاروں سے بارش طلب کرنا اور میت پر نوحہ کرنے والی عورت اگر بے توپ گئے مر جائے تو اسے قیامت کے دن گندھک کا پیراہن پہنایا جائے گا اور کھجلی کی چادر اڑھائی جائے گی مسلم شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والیوں پر اور نوحہ کو کان لگا کر سننے والیوں پر لعنت فرمائی ابن جریر کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ معروف میں نافرمانی کرنے سے مراد نوحہ نہ کرنا ہے یہ حدیث ترمذی کی کتاب التفسیر میں بھی ہے اور امام ترمذی اس کو حسن غریب کہتے ہیں۔

کہ غیر عورتوں سے باتیں کرنے میں ہی مزہ لیا کرتے ہیں یہاں تک کہ مذی نکل جاتی ہے اور حدیث بیان ہو چکی ہے نوحہ نہ کرنے کی شرط پر ایک عورت نے کہا فلاں قبیلے کی عورتوں نے میرا ساتھ دیا ہے تو ان کے نوے میں میں بھی ان کا ساتھ دے کر بدلہ ضرور اتاروں گی چنانچہ وہ گئیں بدلہ اتارا پھر آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی حضرت ام سلیم جن کا نام ان عورتوں میں ہے جنہوں نے نوحہ کرنے کی بیعت کو پورا کیا یہ ملکان کی بیٹی اور حضرت انسؓ کی والدہ ہیں اور روایت میں ہے کہ جس عورت نے بدلہ کے نوحہ کی اجازت مانگی تھی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اجازت دی تھی یہی وہ معروف ہے جس میں نافرمانی منع ہے بیعت کرنے والی عورتوں میں سے ایک کا بیان ہے کہ معروف میں ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہ کریں اس سے مطلب یہ ہے کہ مصیبت کے وقت منہ نہ نوجھیں بال نہ منڈوائیں کپڑے نہ پھاڑیں ہائے وائے نہ کریں ابن جریر میں حضرت ام عطیہ سے مروی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں مدینہ میں تشریف لائے تو ایک دن آپ نے حکم دیا کہ سب انصاریہ عورتیں قلاں گھر میں جمع ہوں پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو وہاں بھیجا آپ دروازے پر کھڑے ہو گئے اور سلام کیا ہم نے آپ کے سلام کا جواب دیا پھر فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہوں ہم نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرہبا ہو اور آپ کے قاصد کو بھی حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تمہیں حکم کروں کہ تم اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا چوری اور زنا کاری سے بچنا اسی پر تم بیعت کرو ہم نے کہا ہم سب حاضر ہیں اور اقرار کرتی ہیں چنانچہ آپ نے وہیں باہر کھڑے کھڑے اپنا ہاتھ اندر کی طرف بڑھا دیا اور ہم نے اپنے ہاتھ اندر سے اندر ہی بڑھائے پھر آپ نے فرمایا اے اللہ گواہ رہ پھر ہمیں حکم ہوا کہ دونوں عیدوں میں ہم اپنی جائیداد عورتوں اور جوان کنواری لڑکیوں کو لے جایا کریں ہم پر جمعہ فرض نہیں ہمیں جنازوں کے ساتھ نہ جانا چاہئے حضرت اسماعیل راوی حدیث فرماتے ہیں میں نے اپنی دادی صاحبہ حضرت

ام عطیہؓ سے پوچھا عورتیں معروف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہ کریں اس سے کیا مطلب ہے؟ فرمایا یہ کہ نوح نہ کریں بخاری مسلم میں ہے کہ جو کوئی مصیبت کے وقت اپنے کلوں پر تھپڑ مارے دامن چاک کرے اور جاہلیت کے وقت کی ہائی و ہائی بچائے وہ ہم میں سے نہیں اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بری ہیں جو گلا بھاڑ کر ہائے وائے کرے بال نوچے یا منڈوائے اور کپڑے پھاڑے یا دامن چیرے ابو یعلیٰ میں ہے کہ میری امت میں چار کام جاہلیت کے ہیں جنہیں وہ نہ چھوڑے گی حسب نسب پر فخر کرنا انسان کو اس کے نسب کا طعنہ دینا ستاروں سے بارش طلب کرنا اور میت پر نوحہ کرنے والی عورت اگر بے گھر ہو گئے مر جائے تو اسے قیامت کے دن گندھک کا پیرا بن پھنسا جائے گا اور کھلی کی چادر اڑھائی جائے گی مسلم شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والیوں پر اور نوحہ کو کان لگا کر سننے والیوں پر لعنت فرمائی ابن جریر کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ معروف میں نافرمانی کرنے سے مراد نوحہ نہ کرنا ہے یہ حدیث ترمذی کی کتاب التفسیر میں بھی ہے اور امام ترمذی اس کو حسن غریب کہتے ہیں۔

لباس کی بابت کچھ تنبیہات

ماؤرن بننے کے شوق میں جہنم نہ واجب کر لیجئے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَّفَانِ مِنَ أَهْلِ النَّارِ لَمْ آرَهُمَا قَوْمٌ مَعَهُمْ سَبَاطٌ كَأَذْنَابِ الْبَقَرِ يَضْرِبُونَ بِهَا النَّاسَ وَنِسَاءٌ كَأَسِنَّاتِ عَارِيَاتٍ مُتَبِيلَاتٍ مَائِلَاتٍ رُءُوسُهُنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْبِ الْمَائِلَةِ لَا يَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يَجِدْنَ رِيحَهَا وَإِنَّ رِيحَهَا لَيُؤْجِدُ مِنْ مَّيْمَنَةِ كَذَاوِ كَذَا

ابو ہریرہ سے روایت ہے رسول اللہ نے فرمایا دو قسمیں ہیں دوزخیوں کی جن کو میں نے نہیں دیکھا ایک تو وہ لوگ جن کے پاس کوڑے ہیں نیلوں کی اموں کی طرح کے لوگوں کو اس سے مارتے ہیں دوسرے وہ عورتیں ہیں جو پہنتی ہیں مگرنگی ہیں (یعنی ستر کے اٹق اعضا کھلے ہیں جیسے حیدرآباد میں عورتوں کے سر اور پیٹ اور پاؤں کھلے رہتے ہیں یا کپڑے ایسے ہار یک پہنتی ہیں جن میں سے بدن نظر آتا ہے تو گویا نکلی ہیں) سیدھی راہ سے بہکانے والی خود نکتنے والی ان کے سرخنی (ایک قسم ہے اونٹ کی) اونٹ کی کوبان کی طرح ایک طرف جھکے ہوئے وہ جنت میں نہ جاویں گی بلکہ اس کی خوشبو بھی اس کو نہ ملے گی حالانکہ جنت کی خوشبو اتنی دور سے آتی ہے۔

کلر کی چھوڑیے اور گھر داری سیکھئے

آج کل کی لڑکیاں دھڑا دھڑا بی۔ اے ایم۔ اے کر رہی ہیں اور اس سب کا حاصل فقط کلرک پیدا کرنا ہے۔ صبح سے شام تک معصوم بچیوں کو رونا سسٹم کے تحت پڑھائی جاؤ۔ ان کا ذہن اور جسم اتنا کمزور کر دو کہ وہ بچے سنبھالنے کے قابل ہی نہ رہیں۔ خدارا! تعلیم واجبی سے بھی گزرا رہا جاتا ہے لیکن کیا گھر داری سیکھ بغیر آپ گھر بسانے میں کامیاب ہو جائیں گی۔ میں کیا تھا بیٹا کوئی ہے فقار خانے میں طوطے کی آواز سننے والا۔۔۔۔۔

مرد کو خوش کرنے کا راستہ اُس کے معدہ سے ہو کر جاتا ہے:

میری خواہش ہے کہ اس عنوان کے تحت ان احادیث کو لاؤں جن سے ایک خاتون کو اس چیز کا علم ہو جائے کہ نبی کریم ﷺ کو کونسی چیزیں مرغوب تھیں اور کونسی ناپسند تھیں یا احتراز فرماتے تھے۔ نیز کھانے پینے سے متعلقہ طریقہ نبوی بھی معلوم ہوگا اور مقصد فقط یہی ہے کہ آج تو آپ ایک نئی نویلی دلہن ہیں لیکن کل کو آپ ہی کے کندھوں پر نئی نسل کی تربیت کی ذمہ داری آپ پر ہے گی اس لئے میری خواہش ہے کہ جہاں آپ اپنے شوہر کے لئے کھانا تیار کرتے وقت ان چیزوں کا دھیان رکھیں وہیں آپ غیر محسوس طریقے پر گھر والوں کی ان آداب کی بابت تربیت بھی کرتی جائیں۔

بسم اللہ پڑھ کر کھانے کی ابتداء کیجئے:

عَنْ غَمَرِ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ كُنْتُ غُلَامًا فِي حَجَرِ رَسُولِ اللَّهِ وَكَانَتْ يَدِي تَجْلِفُ فِي الصُّخْفَةِ فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ

اِسْمَ اللّٰهِ وَكُلَّ بِیْمِیْنِكَ وَكُلَّ مِمَّا یَلِیْكَ (متفق علیہ)

صحیح البخاری: کتاب الاطعمۃ باب التسمیۃ علی الطعام والاكل بالیمین ح ۵۳۷۶۔

”حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں بچہ تھا اور رسول اللہ ﷺ کی پرورش و تربیت میں تھا (ایک دن میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا) اور میرا ہاتھ رکابی میں جلدی جلدی گھوم رہا تھا (یعنی جیسا کہ بچوں کی عادت ہوتی ہے) میں اپنے سامنے سے کھانے کے بجائے ادھر ادھر ہاتھ ڈال رہا تھا) چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ: ”بسم اللہ کو دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اس جانب سے کھاؤ جو تمہارے نزدیک ہے (یعنی اپنے سامنے سے کھاؤ)۔“ (بخاری و مسلم)

اس حدیث میں کھانے کے تین بنیادی آداب کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ سب سے پہلا ادب تو یہ ہے کہ کھانے کی ابتداء بسم اللہ کہہ کر ہونی چاہئے۔ دوسرا ادب یہ ہے کہ دائیں ہاتھ سے کھانا چاہئے اور تیسرا ادب یہ ہے کہ کھانے کے برتن میں اپنے سامنے سے کھانا چاہئے۔ جمہور علماء کا رجحان اس طرف ہے کہ اس حدیث میں مذکورہ بالا تین باتوں کا جو حکم دیا گیا ہے وہ استحباب کے طور پر ہے۔ اسی طرح دوسری روایت میں کھانے کے بعد خدا کی حمد و شکر کا جو حکم دیا گیا ہے وہ بھی مسئلہ ہے کہ اگر ایک دسترخوان پر کئی آدمی کھانے بیٹھیں تو سب لوگ بسم اللہ کہیں! جب کہ بعض علماء کے نزدیک کہ جن میں حضرت امام شافعیؒ بھی شامل ہیں یہ کہتے ہیں کہ محض ایک آدمی کا بسم اللہ کہہ لینا سب کے لئے کافی ہو جائے گا۔ پانی یا دوا وغیرہ پینے کے وقت بسم اللہ کہنے کا بھی وہی حکم ہے جو کھانے کے شروع میں بسم اللہ کہنے کا ہے۔

وَعَنْ حُذِیْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الشَّیْطَانَ

یَسْتَحْجِلُ الطَّعَامَ اَنْ لَا یَذْکُرَ اِسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهِ

صحیح مسلم: کتاب الاشریۃ ح ۲۰۱۷۔

”اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس کھانے پر خدا کا نام نہ لیا جائے اس کو شیطان اپنے لئے حلال سمجھتا ہے۔“ (مسلم)

کھاتے وقت بسم اللہ پڑھنے کی اہمیت:

”حلال سمجھتا ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ وہ (شیطان) اس کے کھانے پر قادر ہو جاتا ہے (یعنی کھانے والے کے ساتھ وہ بھی اس میں سے کھاتا ہے) یہ مطلب اس صورت میں ہے جب کہ حدیث کو اس کے ظاہری معنی پر محمول کیا جائے اور بعض حضرات نے یہ تاویل بیان کی ہے کہ جو کھانا بسم اللہ پڑھ کر نہ کھایا گیا ہو وہ ایسا ہے گویا اس کو شیطان کھا گیا ہے یا یہ مراد ہو کہ اس کھانے کو اللہ تعالیٰ کی غیر مرضی کی جگہ صرف کرنا ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ الرَّجُلُ بَیْتَهُ فَذَكَرَ اللّٰهَ عِنْدَ دُخُوْلِهِ وَعِنْدَ طَعَامِهِ قَالَ الشَّیْطَانُ لَا مَبِیْتَ لَكُمْ وَلَا عَشَاءَ وَاِذَا دَخَلَ فَلَمْ یَذْکُرِ اللّٰهَ عِنْدَ دُخُوْلِهِ قَالَ الشَّیْطَانُ اَذْرَکُمْ الْمَبِیْتَ وَاِذَا لَمْ یَذْکُرِ اللّٰهَ عِنْدَ طَعَامِهِ قَالَ اَذْرَکُمْ الْمَبِیْتَ وَالْعَشَاءَ۔

صحیح مسلم: کتاب الاشریۃ باب آداب الطعام والشراب ح ۲۰۱۸۔

”اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جب آدمی اپنے گھر (یعنی اپنی خواب گاہ) میں داخل ہوتا ہے اور داخل ہوتے وقت خدا کا نام لیتا ہے (یعنی بسم اللہ کہہ کر خواب گاہ میں داخل ہوتا ہے) اور پھر کھانا کھاتے وقت بھی خدا کا نام لیتا ہے تو شیطان (اپنے

تا بعد اوروں سے کہتا ہے کہ اس گھر میں تمہارے لئے نہ کوئی جگہ ہے نہ کھانا ہے اور جب آدمی گھر و خوابگاہ میں داخل ہوتے وقت خدا کا نام نہیں لیتا تو شیطان اپنے تابعداروں سے (کہتا ہے کہ) (اس گھر میں) تمہیں جگہ مل گئی اور جب آدمی کھانا کھاتے وقت خدا کا نام نہیں لیتا تو شیطان (اپنے تابعداروں سے) کہتا ہے کہ (اس گھر میں جگہ بھی مل گئی اور کھانا بھی مل گیا)۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا أَكَلَ أَخَذَ كُمْ فَلْيَأْكُلْ بِبَيْمِينِهِ وَإِذَا شَرِبَ فَلْيَشْرَبْ بِبَيْمِينِهِ
مسلم کتاب الاشرۃ باب ۱۳ ح ۲۰۲۰۔

”اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھائے تو داہنے ہاتھ سے کھائے اور جب کوئی چیز پئے تو دائیں ہاتھ سے پئے یعنی پانی وغیرہ کا برتن داہنے ہاتھ سے پکڑے۔“ (مسلم)

دائیں ہاتھ سے کھانا پینا چاہئے:

اس حدیث میں جو حکم دیا گیا ہے وہ بظاہر وجوب کے لئے ہے۔ جیسا کہ بعض علماء کا مسلک ہے اس کی تائید صحیح مسلم کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس کو سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کو بائیں ہاتھ سے کھاتے دیکھا تو فرمایا کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ اس شخص نے کہا کہ میں داہنے ہاتھ سے کھانے کی قدرت نہیں رکھتا (راوی کا بیان ہے کہ اس شخص کا داہنا ہاتھ درست تھا اس نے محض تکبر سے یہ الفاظ کہے) آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا (خدا کرے) تجھے داہنے ہاتھ سے کھانے کی طاقت نصیب نہ ہو۔ چنانچہ اس کے بعد وہ شخص (کبھی بھی) اپنا داہنا ہاتھ اپنے منہ کی طرف نہیں اٹھا سکا۔ اسی طرح طبرانی نے یہ روایت نقل کی ہے

کہ آنحضرت ﷺ نے (ایک دن) سلیبہ اسلامیہ کو بائیں ہاتھ سے کھانا کھاتے دیکھا تو اس کے لئے بد دعا فرمائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ طاعون میں مبتلا ہو کر مر گئی! تاہم جمہور علماء جن کے نزدیک دائیں ہاتھ سے کھانا کھانے کا حکم وجوب کے طور پر نہیں ہے بطریق استحباب ہے وہ ان روایتوں کو زبردستی اور مصالح شریعت پر محمول کرتے ہیں۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يَأْكُلَنَّ أَحَدُكُمْ بِشِمَالِهِ وَلَا يَشْرَبَنَّ بِيَمَانِهِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْكُلُ بِشِمَالِهِ وَيَشْرَبُ بِيَمَانِهِ
مسلم کتاب الاشرۃ باب ۱۳ ح ۲۰۲۰۔

”اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تم میں سے کوئی شخص بائیں ہاتھ سے کھانا نہ کھائے اور نہ بائیں ہاتھ سے (کوئی چیز) پئے کیوں کہ (یہ) شیطان کا شیوہ ہے کہ وہ (اپنے بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے)۔“ (مسلم)

بائیں ہاتھ سے کھانے پینے کی ممانعت:

جو لوگ شیطان کے زیر اثر اور اس کے تابعدار ہوتے ہیں وہ ان کو بائیں ہاتھ سے کھانے پینے پر ابھارتا ہے اور یہ حدیث اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے یعنی حقیقت میں شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا پیتا ہے۔

حسن بن سفیان نے اپنی مسند میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سند حسن یہ روایت نقل کی ہے کہ ”جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھائے تو اس کو چاہئے کہ دائیں ہاتھ سے کھائے اور دائیں ہاتھ سے پئے (اگر کسی کو کوئی چیز دے یا کسی سے کوئی چیز لے تو) دائیں ہاتھ سے لے اور دائیں ہاتھ سے دے کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے۔ بائیں ہاتھ سے پیتا ہے اور بائیں ہاتھ سے لیتا دیتا ہے۔“

وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَأْكُلُ بِثَلَاثَةِ أَصَابِعٍ وَيُلْعَقُ يَدَهُ قَبْلَ أَنْ يُمْسَحَهَا.

مسلم: کتاب الاشریہ باب استحباب لعق الاصابع والفصۃ ح ۲۰۳۲۔
 "اور حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تین انگلیوں سے (یعنی انگوٹھے، شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کے ساتھ) کھانا کھایا کرتے تھے اور (کھانے سے فراغت کے بعد) اپنا ہاتھ (کسی رومال وغیرہ سے) پونچھنے (یا دھونے) سے پہلے چاٹ لیا کرتے تھے۔" (مسلم)

تین انگلیوں سے کھانا اور انگلیاں چاٹنا سنت ہے:

نو دہی کہتے ہیں کہ تین انگلیوں سے کھانا سنت ہے لہذا ان تینوں کے ساتھ چوتھی اور پانچویں انگلی نہ ملائی جائے الا یہ کہ چوتھی اور پانچویں انگلی کو ملانا ضروری ہو۔
 "ہاتھ کو چاٹنے" سے مراد یہ ہے کہ جن انگلیوں سے کھاتے تھے ان کو چاٹ لیا کرتے تھے چنانچہ پہلے بیچ کی انگلی کو چاٹتے پھر اس کے پاس کی انگلی کو پھر انگوٹھے کو چاٹتے تھے۔

طبرانی نے عامر بن ربیع سے اس طرح نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ تین انگلیوں سے کھاتے تھے اور ان کی مدد کے لئے چوتھی انگلی بھی ملا لیا کرتے تھے نیز ایک حدیث مرسل میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ پانچوں انگلیوں سے کھاتے تھے۔ یا تو یہ پتلی چیز کھانے پر محمول ہے یا یہ کہ آپ ﷺ بیان جواز کی خاطر کبھی کبھی اس طرح بھی کھاتے تھے، لیکن اکثر اوقات تین ہی انگلیوں سے کھانے کی عادت تھی۔

وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمَرَ بِلَعْقِ الْأَصَابِعِ وَالصُّحُفَةِ وَقَالَ إِنَّكُمْ لَا تَذُرُونَ فِي آيَةِ الْبَرَكَةِ.

صحیح مسلم: کتاب الاشریہ باب ۱۳ ح ۲۰۳۳۔

"اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انگلیوں اور رکابی کو چاٹنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم نہیں جانتے کہ کس انگلی یا نوالے میں برکت ہے۔" (مسلم)

"والصُّحُفَةُ" میں حرف واو مطلق جمع کے لئے ہے لہذا پہلے رکابی و برتن وغیرہ کو صاف کیا جائے اور پھر انگلی کو چاٹا جائے۔

لفظ "آیۃ" تا ما نیث کے ساتھ منقول ہے اس لئے "ترجمہ" انگلی یا نوالہ" کیا گیا ہے۔ لیکن بعض نسخوں میں یہ لفظ "وہ" (یعنی مذکر) ضمیر کے ساتھ ہے۔ اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ (تم نہیں جانتے کہ) کس کھانے میں برکت ہے (آیا اس کھانے میں جو کھا چکے ہو یا اس کھانے میں جو چاٹو گے) اس کی تائید آگے آنے والی حدیث کے ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے کہ فَاِنَّهُ لَا يَمْدِي فِي اِی طَعَامٍ تَكُونُ الْبَرَکَةُ اِس سے معلوم ہوا کہ اصل میں سنت انگلیوں کو چاٹنا ہے اور اس چیز کو صاف کرنا ہے جو انگلیوں کو لگی ہے نہ کہ محض انگلیوں کو بمبالغہ منہ میں داخل کرنا۔

وَعَنْ ابْنِ عَدَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلَا يُمْسَحْ يَدَهُ حَتَّى يَلْعَقَهَا أَوْ يُلْعَقَهَا

صحیح البخاری: کتاب الاطعمۃ باب لعق الاصابع ح ۵۱۵۶۔

"اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھا چکے تو وہ ہاتھ کو اس وقت تک (کسی چیز سے) نہ پونچھے (اور نہ دھوئے) جب تک کہ ہاتھ کی انگلیوں کو چاٹ نہ لے یا چٹوانہ دے۔"

(بخاری و مسلم)

"چٹوانہ دے" کا مطلب یہ ہے کہ اگر انگلیوں کو خود نہ چاٹے تو ان لوگوں میں سے کسی کو چٹوانا دے جو اسی سے گھن اور کراہت محسوس نہ کریں جیسے بیوی بچے لونڈی

اور خادم و غلام وغیرہ کیونکہ ان کو اپنے طبعی تعلق و محبت کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ اس سے کوئی گھن اور کراہت محسوس نہیں ہوتی بلکہ ایک خاص قسم کی لذت محسوس کرتے ہیں انہیں کے حکم میں شاگرد اور وہ لوگ بھی شامل ہیں جو اس کو حصول سعادت سمجھتے ہوں۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَخْضَرُ أَحَدَكُمْ عِنْدَ كُلِّ شَيْءٍ مِنْ شَأْنِهِ حَتَّى يَخْضَرَهُ عِنْدَ طَعَامِهِ فَإِذَا سَقَطَتْ مِنْ أَحَدِكُمُ اللَّقْمَةُ فَلْيَهْطِ مَا كَانَ بِهَا مَا أَذَى ثُمَّ لِيَا كُلُّهَا وَلَا يَدْعُهَا لِلشَّيْطَانِ فَإِذَا فَرَغَ فَلْيَلْعَقْ أَصَابِعَهُ فَإِنَّهُ لَا يَذَرِي فِي أَيِّ طَعَامِهِ يَكُونُ الْبَرَكَةُ - (رواہ مسلم)

صحیح مسلم کتاب الاشریہ باب ۱۸ ح ۲۰۳۳۔

”اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ شیطان تمہارے ہر کام کے وقت تمہارے پاس موجود ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ تمہارے کھانے کے وقت بھی تمہارے پاس موجود رہتا ہے لہذا تم میں سے جب کسی شخص کا کوئی نوالہ گر جائے تو چاہئے کہ (اس کو اٹھا لے اور از قسم مٹی وغیرہ) جو چیز اس کو لگ گئی ہو اس کو صاف کر کے کھالے اس کو شیطان کے لئے نہ چھوڑے نیز جب کھانا کھا چکے تو چاہئے کہ اپنی انگلیاں چاٹ لے کیونکہ اس کو یہ نہیں معلوم کہ اس کے کون سے کھانے میں (یعنی کھانے کے کس حصہ میں) برکت ہے۔“ (مسلم)

کھاتے وقت کوئی لقمہ گر جائے تو اس کو صاف کر کے کھا لینا چاہئے:

”اس کو صاف کر کے کھالے“ لیکن اگر وہ لقمہ کسی نجاست و گندگی پر گر ہو تو اس کو دھو کر کھائے بشرطیکہ اس کو دھونا ممکن ہو یا طبیعت اس پر آمادہ ہو اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو

پھر اس کو کتے یا بلی وغیرہ کو کھلا دے۔

”اس کو شیطان کے لئے نہ چھوڑے“ یہ یا تو حقیقت پر محمول ہے کہ وہ واقعتاً کھاتا ہے یا یہ کتنا یہ ہے کہ اس لقمہ کو ضائع کرنے اور اس کو حقیر جاننے سے نیز اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ایسا کرنا (یعنی اس گرے ہوئے لقمہ کو حقیر و کمتر جان کر نہ اٹھانا) دراصل متکبر لوگوں کی مشابہت اور ان کی عادت کو اختیار کرنا ہے کیونکہ وہ (متکبر لوگ) گرے ہوئے لقمہ کو اٹھا کر کھانا عار سمجھتے ہیں اور یہ ساری چیزیں (یعنی اس لقمہ کو ضائع کرنا اور اس کو حقیر جاننا اور متکبر لوگوں کی عادت اختیار کرنا) شیطانی افعال میں سے ہیں۔

”نیز جب کھانا کھا چکے تو اٹھ“ یہ اگرچہ ایک علیحدہ حکم ہے مگر حقیقت میں پہلے حکم سے حاصل ہونے والے مفہوم ”تکبر کو ترک کرنے اور تواضع و انکساری کو اختیار کرنے“ کو مؤکد کرنے کے لئے ہے کہ کھانا کھا چکنے کے بعد ہاتھ کو دھونے سے پہلے انگلیوں کو چاٹ لیا جائے تاکہ اللہ کے رزق کے تئیں اپنے کامل احتیاج اور تواضع و انکساری کا اظہار ہو اور تکبر و نخوت کا کوئی شائبہ نہ پایا جائے۔

وَعَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا أَكُلُ مُدَكِّفًا (رواہ البخاری)

صحیح البخاری کتاب الاطعمۃ باب الاکل متکفناً ح ۵۳۹۸۔

”اور حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میں ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا“۔ (بخاری)

ٹیک لگا کر کھانا کھانے کی ممانعت:

”سفر العادت“ کے مصنف نے لکھا ہے کہ کھانا کھاتے وقت یل لگانے کی تین صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ پہلوؤں میں پر رکھا جائے دوسرے یہ کہ چار زانو بیٹھا جائے اور

تیسرے یہ کہ ایک ہاتھ ٹیک کر بیٹھا جائے اور دوسرے ہاتھ سے کھانا کھایا جائے۔ یہ شیوں صورتیں مذموم ہیں اور بعض حضرات نے چوتھی صورت یہ بیان کی ہے کہ ٹیکہ یا دیوار اور اسی طرح کی کسی اور چیز سے ٹیک لگا کر بیٹھا جائے! مسنون یہ ہے کہ کھاتے وقت کھانے کی طرف جھک کر اور متوجہ ہو کر بیٹھا جائے اور اکثر حضرات نے "ٹیک لگانے" کی وضاحت یہ کی ہے کہ دونوں پہلوؤں میں سے کسی ایک پہلو کی طرف جھک کر اور اس پر سہارا لے کر بیٹھا جائے کھاتے وقت بیٹھنے کی یہ صورت اس لئے غیر مسنون ہے کہ ایسی حالت میں کھانا ضرر پہنچاتا ہے۔ بایں طور کہ وہ بدن میں اپنی جگہ پر ٹھیک طرح سے نہیں پہنچتا جو طبیعت پر گراں ہو کر سبب ہضم کی شکایت پیدا کرتا ہے۔ سیوطی نے کتاب عمل الیوم واللیلہ میں لکھا ہے کہ ٹیک لگانا کھانے کے بل پر کر اور کھڑے ہو کر کھانا نہ کھایا جائے۔ بلکہ اس طرح بیٹھ کر کھائے کہ یا تو دو زانو ہو یا بصورت اقامہ ہو یعنی دونوں کو لمبے ٹیک لے اور دونوں زانو کھڑے کر لے یا دونوں پاؤں پر بیٹھے اکڑوں اور یا داہنا زانو کھڑا کر لے اور بائیں زانو پر بیٹھ جائے۔

آنحضرت ﷺ کسی کھانے کو برا نہیں کہتے تھے:

یاد رکھئے! آپ کے ساتھ شادی کے ابتدائی دنوں میں یہ صورتحال پیش آ سکتی ہے کہ شوہر کو آپ کے ہاتھ کا بنا کھانا پسند نہ آئے اور کچھ تو ایسے ناعاقبت اندیش بھی ہوں گے جو بھری مجلس ہی میں یہ بات کہہ کر اپنی مردانگی کی دھاک بٹھانا چاہیں گے تو اب میں آپ کو کیا مشورہ دوں کہ آپ بھی آگے سے جواب دینے لگ پڑیں۔ نہیں! نہیں! میں اپنی بچیوں کو ہرگز یہ مشورہ نہیں دوں گا۔ آپ صبر کیجئے اور اطمینان رکھئے۔ ہو سکتا ہے کہ ان کی والدہ زیادہ بچ مصالحوں والے کھانے بناتی ہوں یا گھی وغیرہ کوئی اور استعمال کرتی ہوں یا واقعی وہ بہت اچھے کھانے بناتی ہوں بہر حال بات جو بھی ہو چند ہی دنوں میں ان کا "ٹیسٹ ڈویلپ" ہو جائے گا تو امید ہے کہ

یہ مسئلہ خود بخود ہی ختم ہو جائے گا۔ بہر حال آپ بھی اچھے کھانے پکانے کے لئے کتب وغیرہ کا مطالعہ کر کے اس بابت اپنی استعداد بڑھا سکتی ہیں۔

مناسب موقع دیکھ کر شوہر کو یہ حدیث مبارکہ یاد کرائیے:

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ مَا غَابَ النَّبِيُّ ﷺ طَعَامًا قَطُّ إِنْ اشْتَبَاهُ أَكَلَهُ وَإِنْ كَرِهَهُ تَرَكَهُ (متفق علیہ)

صحیح البخاری، کتاب الاطعمہ، باب ما عاب النبی طعمًا، ح ۵۴۰۹۔

"اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی کسی کھانے کو برا نہیں کہا اگر آپ ﷺ کو رغبت ہوتی تو اس کو کھا لیتے اور اگر نا پسند فرماتے تو اس کو چھوڑ دیتے۔" (بخاری و مسلم)

مطلب یہ ہے کہ کھانے کی چیزوں کے سلسلہ میں آپ ﷺ کا یہی معمول تھا کہ جو چیز آپ کی پسندیدہ ہوتی اس کو آپ ﷺ رغبت کے ساتھ کھا لیتے اور جو چیز آپ ﷺ کو مرغوب و پسندیدہ نہ ہوتی اس کو نہیں کھاتے تھے یہ نہیں تھا کہ جو چیز پسندیدہ نہ ہوتی اس کو برا کہتے اس میں عیب نکالتے۔

جان ہے تو جہان ہے

موٹاپا اور اس کا نبوی علاج:

آج کل ہر گھر میں خاتون خاندان کو جو مسئلے درپیش ہیں ان میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ ہائے میں تو دن بدن موٹی ہوئی جا رہی ہوں۔ یہ غور کرنے کی کبھی زحمت نہ کی کہ جس شوہر کو بسا اوقات بے دھیانی میں ہی برا بھلا کہہ دیتی ہوں اس نے کپڑے دھونے کے لئے الگ صفائی کے لئے الگ اور برتنوں کے لئے الگ خادما یاں مہیا کی ہوئی ہیں۔

فرمانبردار بچیو!

دیکھو! یہی سب کام کر کے تو تم گھر کی ملکہ بنی اب انہی سے جان چھڑا کر اس عہدہ کی تو قیر بھی کم کر دائی اور اپنی جان کو الگ روگ لگوائے۔ چلے ہم بھی یہ مانے لیتے ہیں کہ اگر اللہ عزوجل نے آپ کو دولت دی ہے تو آپ کا بھی حق ہے چند دن آرام کریں لیکن کچھ کام تو اپنے ہاتھ سے کیجئے فقط بستر پہ لیٹے لیٹے حکم جمالینا یقین جائے فقط ”زبان کی ایک سرساز“ ہے اور اس کو تو آپ کو ”ریٹ“ دینے کی ضرورت ہے۔

ہائے! میرے شوہر دوسری عورتوں کی طرف دیکھتے ہیں:

یہ بات اگرچہ خواتین زبان پر تو کم ہی لاتی ہیں لیکن جب اندر کے حالات کا مطالعہ کیا جائے تو یہ دکھ بہت سی عورتوں کو لاحق ہے کہ ہمارے شوہر ”فلش“ میں ہماری طرف کم اور غیر عورتوں کی طرف زیادہ دیکھتے ہیں۔

مجھے تو یہ تسلیم کرنے میں کوئی باک نہیں کہ واقعی مردوں میں یہ ایک ایسا عیب ہے

جوان خواتین کو اندر ہی اندر گھولے دیتا ہے۔

لیکن میں چونکہ یہ کتاب آپ خواتین کے حوالے سے لکھ رہا ہوں اس لئے یہاں پر ان کو نصیحت کرنا نا کارہ سمجھتا ہوں اور فقط اپنی بیٹیوں کو ہی نصیحت کرنا چاہتا ہوں۔ خدا را! آپ اپنی اولاد کی دنیاوی کے ساتھ ساتھ ”کچھ“ دینی تربیت بھی کریں۔ چلئے آپ کے شوہر کی ان کی والدہ نے کوئی دینی تربیت نہیں کی آپ ہی نصیحت حاصل کیجئے اور اپنے بیٹے کو دنیا کے ساتھ ساتھ کچھ آخرت کے لئے بھی تیار کیجئے تاکہ آپ کی بہو تو کم از کم آپ کو دعائیں دے۔ یہ فقط اور فقط دین سے دوری کی وجہ سے ایسی لغویات و فواحشات میں مبتلا ہے۔ اپنے شوہروں کے دینی شعور کو بھی اجاگر کرنے کی کوشش کیجئے۔ خود نمازی پر ہیز گار بننے اور ان کو ایک ہی نماز پڑھنے کے بعد نماز پڑھنے کی تلقین نہ شروع کر دیجئے۔ چند دن خاموشی سے عمل پیرا رہئے دیکھئے اگر ”مہر“ نہیں لگی اور اکثر کو یقیناً نہیں لگی ہوگی تو خود ہی لائن پر آ جائیں گے ان شاء اللہ

مہر لگی ہونے کا مفہوم ☆

ذیقاٹ ☆ آئے آپ کو کچھ بتانا چلو کہ مہر لگی ہونے سے کیا مراد ہے اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

”اور وہ (یہودی افتخارا) کہتے ہیں کہ ہمارے قلوب محفوظ ہیں بلکہ ان کے

کفر کے سبب ان پر خدا کی مار ہے سو بہت ہی تھوڑا سا ایمان رکھتے ہیں۔“

(البقرہ: ۸۸)

یہودیوں کا ایک قول یہ بھی تھا کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں۔ یعنی یہ علم سے بھرپور ہیں۔ اب ہمیں نئے علم کی ضرورت نہیں۔ اس لئے جواب ملا کہ یوں نہیں بلکہ لعنت خدا کی مہر لگ گئی ہے۔ ایمان نصیب ہی نہیں ہوتا۔ غُلف کو غُلف بھی پڑھا گیا ہے یعنی یہ علم کے برتن ہیں اور جگہ قرآن کریم میں ہے: ﴿وَقَالُوا أَفَلَوْنَا فِيهِ آيَةٌ﴾ (حم السجدة: ۵) یعنی جس چیز کی طرف تم ہمیں بلا تے ہو۔ اس چیز سے

ہمارے دل پردے اور آڑ میں ہیں۔ اُن پر مہر لگی ہوئی ہے۔ وہ اُسے نہیں سمجھتے اور نہ اس کی طرف مائل ہوتے ہیں نہ اُسے یاد رکھتے ہیں۔ ایک حدیث میں بھی ہے کہ بعض دل خلاف والے ہیں۔ جن پر غضب خدا ہوتا ہے۔ یہ دل کفار کے ہوتے ہیں۔ (احمد) سورہ نساء میں بھی ایک آیت اسی معنی کی ہے: ﴿وَقُولُوا لَهُمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ.....﴾ (النساء: ۱۵۵) تھوڑا ایمان لانے کے ایک معنی تو یہ ہے کہ ان میں سے بہت کم لوگ ایماندار ہیں اور دوسرے معنی یہ بھی ہیں کہ ان کا ایمان بہت کم ہے۔ یعنی قیامت ثواب عذاب وغیرہ کے قائل حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھنے والے تورات کو خدائی کتاب ماننے والے ہیں مگر اس پیغمبر آخرا الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو مان کر اپنا ایمان پورا نہیں کرتے بلکہ آپ ﷺ کے ساتھ کفر کر کے اس تھوڑے ایمان کو بھی غارت اور برباد کر دیتے ہیں۔ تیسرے معنی یہ ہیں کہ یہ سرے سے بے ایمان ہیں۔ کیوں کہ عربی زبان میں ایسے موقع پر بالکل نہ ہونے کی صورت میں بھی ایسے الفاظ بولے جاتے ہیں۔ مثلاً میں نے اس جیسا بہت ہی کم دیکھا۔ مطلب یہ ہے کہ دیکھا ہی نہیں۔ واللہ اعلم۔ (یہ تحریر ایک بچی کے خط کے جواب میں لکھی تھی جو کہ اس نے مجھے اپنے شوہر کی مصروفیت کی بابت لکھا تھا اور اس میں اپنے شوہر (جو کہ میرے شاگرد رہ چکے ہیں) کے دل پر مہر لگی ہونے کا ذکر ”چھپتے“ ہوئے لفظوں میں کیا تھا۔

خدارا! فقط زور پہن کر خوبصورت نہ دیکھنے کی کوشش کیجئے کچھ صحت کا بھی خیال رکھئے:

اپنی صحت کی طرف بھی کچھ دھیان دیجئے۔ نئے نئے مہنگے ملبوسات بڑی بڑی دکانوں سے زیورات، ٹیلرنگ کا اعلیٰ معیار بالوں کونت نئے رنگ کروانا، چہرے کی پلاسٹک سرجری کروانا آنکھوں میں نئے رنگوں کے لینز لگوانا یہ آپ کی ذات کے نعم البدل ہرگز نہیں۔

ٹھیک ہے کہ ان میں سے کچھ چیزیں عورت کے لئے ضروری ہیں لیکن آخر جس نے پہنی ہیں اس کے چہرے پہ بھی تو کوئی رونق ہونی چاہئے۔ اس کے اعضاء میں بھی تو کوئی متناسبت ہونی چاہئے۔

یاد رکھئے! نماز سے بہتر کوئی کارآمد طریقہ کار نہیں جو کہ آپ کے جسم اور چہرہ کو پر رونق رکھے گا۔ کچھ وقت ایکسر سائز بھی کیجئے، اگر گھر کے کام نہیں کرتی اور اگر گھر کے کاموں سے ہی چور ہوئی رہتی ہیں تو کچھ دیر آرام آپ کے چہرے کو چار چاند لگا دے گا۔

آئیے کچھ ایسے طریقے بیان کئے دیتا ہوں جن سے آپ اور آپ کے خاندان کی صحت تادیر قائم رہے گی۔

گھر والوں کو اچھا مگر کم کھانے کی رغبت دلائیے:

وَعَنْهُ أَنَّ رَجُلًا كَانَ يَأْكُلُ أَكْلًا كَثِيرًا فَأَسْلَمَ وَكَانَ يَأْكُلُ قَلِيلًا فَذَكَرَهُ لِكَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ إِنَّ الْمُؤْمِنَ يَأْكُلُ فِي مَعَا وَاجِدُونَ الْكَافِرَ يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ (رواه البخاری ورواه مسلم) عَنْ أَبِي مُوسَى وَابْنِ عُمَرَ الْمُسْنَدُ مِنْهُ فَقَطْ وَفِي أُخْرَى لَهُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ ضَافَةً ضَيْفَ وَهُوَ كَافِرٌ فَأَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِشَاةٍ فَخَلَبَتْ فَشَرِبَ جَلَانِبَا ثُمَّ أُخْرِىَ فَشَرِبَهُ ثُمَّ أُخْرِىَ فَشَرِبَهُ حَتَّى شَرِبَ جَلَابَ سَبْعَ شِيفَاءٍ ثُمَّ إِنَّهُ أَضْبَحَ فَأَسْلَمَ فَأَمَرَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِشَاةٍ فَخَلَبَتْ فَشَرِبَ جَلَانِبَا ثُمَّ أَمَرَ أُخْرَى فَلَمْ يَسْتَقْبِهَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْمُؤْمِنُ

يَشْرَبُ قِي مِغَا وَاجِدًا وَالْكَافِرُ يَشْرَبُ قِي سَبْعَةَ أَفْعَاءٍ

صحیح مسلم، کتاب الاشریہ، باب المؤمنین یا کل فی معی واحد، ۲۰۶۰
 "اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص تھا جو
 (پہلے تو) بہت زیادہ کھایا کرتا تھا مگر جب مسلمان ہوا تو کم کھانے لگا
 چنانچہ نبی کریم ﷺ کے سامنے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد
 فرمایا کہ: "حقیقت یہ ہے کہ مؤمن تو ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر
 سات آنتوں میں کھاتا ہے (بخاری) اور مسلم نے اس روایت کو حضرت ابو
 موسیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے جس میں
 (یہ واقعہ مذکور نہیں ہے بلکہ) محض آنحضرت ﷺ کا ارشاد مذکور ہے لیکن
 مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت نقل کی ہے جس
 میں یوں ہے کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ کے ہاں ایک مہمان آیا جو
 کافر تھا رسول کریم ﷺ نے اس کے لئے ایک بکری دوہنے کا حکم دیا
 بکری دوہی گئی اور اس کافر نے اس دودھ کو پی لیا پھر آپ ﷺ کے حکم سے
 دوسری بکری دوہی گئی وہ اس دودھ کو بھی پی گیا پھر جب صبح ہوئی تو وہ
 مسلمان ہو گیا رسول کریم ﷺ نے (اس وقت بھی) اس کے لئے ایک
 بکری دوہنے کا حکم دیا۔ بکری دوہی گئی اور اس نے اس کا دودھ پی لیا پھر
 آپ ﷺ نے دوسری بکری دوہنے کا حکم دیا (بکری دوہی گئی) لیکن
 (اب) اس کا پورا دودھ نہ پی سکا رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:
 "مؤمن ایک آنت میں پیتا ہے اور کافر سات آنتوں میں۔"

مؤمن ایک آنت سے اور کافر سات آنتوں سے کھاتا ہے:

کہا جاتا ہے کہ انسان کے پیٹ میں سات آنتیں ہوتی ہیں لیکن اس سے قطع نظر
 یہاں ایک آنت اور سات آنت سے مراد قلب حرص اور کثرت حرص ہے۔ جس کا

مطلب یہ ہے کہ مسلمان کھانے پینے میں کم حرص رکھتا ہے اور کافر زیادہ حرص رکھتا ہے
 اور یہ بات اکثر واغلب کے اعتبار سے ہے یا اس مخصوص شخص کی حالت بیان کرنا مراد
 ہے جس کا روایت میں ذکر کیا گیا ہے کہ وہ جب مسلمان ہوا تو کم کھانے لگا لیکن جب
 کافر تھا تو زیادہ کھاتا یا کامل الایمان مؤمن مراد ہے کہ وہ ذکر الہی کی برکت اور نور و
 معرفت ایمان کے سبب ہمہ وقت سیر رہتا ہے کہ اس کو نہ کھانے پینے کی حرص ہوتی ہے
 اور نہ کھانے پینے کے اہتمام کی طرف رغبت اس کے برعکس کافر کا حال دوسرا ہوتا ہے!
 درحقیقت اس حدیث میں یہ تنبیہ ہے کہ مؤمن کی شان کا تقاضا یہ ہے کہ وہ صبر و قناعت
 کو لازم جانے زہد و ریاضت کی راہ کو اختیار کرے خورد و نوش کی اسی حد پر اکتفا کرے
 جو زندگی کی بقا کے لئے ضروری ہو اور اپنے معدے کو اتنا خالی رکھے۔ جو نورانیت دل
 صفائی باطن اور شب بیداری وغیرہ کے لئے مدد و معاون ہو۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ ایک فقیر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور
 بہت زیادہ کھا کر اٹھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو اتنا زیادہ کھاتے ہوئے دیکھا تو
 فرمایا کہ آئندہ اس کو میرے پاس نہ آنے دیا جائے علماء نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ
 جب اس فقیر نے اس قدر غیر معمولی طور پر کھایا تو گویا وہ کفار کے مشابہ ہوا اور جو شخص
 کافروں کی مشابہت اختیار کرے اس سے ملنا جلنا ترک کر دینا چاہئے۔ واضح رہے کہ
 کم کھانے کی عادت اختیار کرنا عقلاء باہمت اور اہل حقیقت کے نزدیک مستحسن و محمود
 ہے اور اس کے برعکس مذہبوسم ہے لیکن وہ بھوک جو حد افراط کو پہنچ جائے ضعف بدن اور
 قوائے جسمانی کے اختلال کا باعث ہو اور جس کی وجہ سے دین و دنیا کے امور کی انجام
 دہی میں رکاوٹ پیدا ہو وہ ممنوع اور طریقہ حکمت کے منافی ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ طَعَامُ الْاِثْنَيْنِ كَافِي الْخَلَاةِ

وَطَعَامُ ثَلَاثَةِ كَافِي الْاَرْبَعَةِ (متفق علیہ)

”اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”دو آدمیوں کا کھانا تین آدمیوں کو اور تین کا کھانا چار کو کافی ہوتا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

کھانے کے وقت سسرالی رشتہ داروں کو بھی ساتھ شامل کیجئے:

حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو کھانا دو آدمیوں کو سیر کر دیتا ہے وہ تین آدمیوں کو بھی سیر کر دیتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس کھانے کو دو آدمی سیر ہو کر کھاتے ہیں۔ وہ تین آدمیوں کے لئے بطور قناعت کافی ہو جاتا ہے کہ وہ تینوں کی بھوک ختم کر دیتا ہے ان کو عبادت و طاعت کی طاقت و قوت عطا کر دیتا ہے اور ان کے ضعف کو دور کر دیتا ہے اس پر مابعد کی عبارت ”تین آدمیوں کا کھانا چار کو کافی ہوتا ہے“ کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے اصل میں حدیث کی غرض اس طرف متوجہ کرنا ہے کہ اگر تمہیں اتنا کھانا میسر ہو جو تمہارا پیٹ پوری طرح بھر سکتا ہے تو اس کو محض اپنے پیٹ بھرنے میں صرف نہ کرو بلکہ درجہ قناعت اختیار کر کے اس میں سے اتنا ہی کھاؤ جو تمہاری غذائی ضرورت کے بقدر ہو جو تمہاری ضرورت واقعی سے زائد ہو اس کو کسی دوسرے محتاج کو کھلا دو۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ طَعَامُ الْوَاحِدِ يَكْفِي الْاِثْنَيْنِ وَطَعَامُ الْاِثْنَيْنِ يَكْفِي الْاَرْبَعَةِ وَطَعَامُ الْاَرْبَعَةِ يَكْفِي الْخَمَانِيَةِ

صحیح مسلم کتاب ۲۰۵۹

”اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کو دو کا کھانا چار کو اور چار کا کھانا آٹھ کو کافی ہوتا ہے۔“ (مسلم)

ایک آدمی کا کھانا دو کو دو کا چار کو اور چار کا کھانا آٹھ کو کافی ہوتا:

اس حدیث میں بھی وہی تاویل ہوگی جو اوپر بیان ہوئی، لیکن اوپر کی حدیث میں ثلث و ربیع کے حساب سے فرمایا گیا ہے (کہ ایک کا کھانا دو کو اور دو کا تین کو کافی ہوتا ہے) اور اس حدیث میں بطریق تضاعف (دگنے کے حساب سے) فرمایا گیا ہے (کہ ایک کا کھانا دو کو اور دو کا چار کو کافی ہو جاتا ہے) یہ اختلاف اشخاص و احوال کے تفاوت کے سبب سے ہے کہ جس جذبہ قناعت اور ایثار کی صورت میں دو آدمیوں کا کھانا تین آدمیوں کے لئے کافی ہوتا ہے بعض حالات اور بعض آدمیوں کی صورت میں وہی جذبہ قناعت و ایثار کچھ اور بڑھ کر دو آدمیوں کا کھانا چار آدمیوں کے لئے بھی کافی قرار دے دیتا ہے۔

منقول ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ قحط سالی کے دنوں میں فرمایا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں ہر گھر والوں کے پاس ان کی تعداد کے بقدر آدمی بھیج دوں کیونکہ آدمی آدھا پیٹ کھانے سے ہلاک نہیں ہوتا (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ تھا کہ اس قحط کے زمانہ میں بھی کچھ لوگوں کو اسباب معیشت میسر ہیں اور دو دنوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھاتے ہیں جب کہ کتنے ہی بندگان خدا ایسے ہیں جنہیں بقاء زندگی کے بقدر بھی خوراک میسر نہیں ہے میں چاہتا ہوں کہ جن گھروں کو خدا نے پیٹ بھر کر کھانے کے بقدر میسر کر رکھا ہے ان میں سے ہر گھر کے ذمہ اتنے محتاج نادار لوگوں کا کھانا کر دوں جتنے خود گھر والے ہیں مثلاً جس گھر میں پانچ آدمی ہیں اس گھر کے ذمہ پانچ ہی ناداروں کا کھانا کر دوں کہ وہ اپنے اتنے ہی کھانے میں کہ جو وہ اپنے لئے تیار کرتے ہیں ان پانچوں ناداروں کو بھی شریک کر لیں اس طرح وہ اپنا آدھا پیٹ کاٹ کر ان ناداروں کی زندگی کی بقاء کا ذریعہ بن جائیں گے جن کو کچھ بھی کھانے کے لئے میسر نہیں تھا اور ظاہر ہے کہ آدھا پیٹ بھرنے سے جسم کی توانائی میں کچھ کمی بے شک آ جائے مگر اس کی وجہ سے آدمی ہلاک نہیں ہوتا۔

نبی کریم ﷺ کی مرغوب غذا:

وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ خَبَّاطًا دَعَا النَّبِيَّ ﷺ لِبَطْعَامٍ صَنْعَةٍ فَذَبَبَتْ
مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَرَّبَ خُبْزُ شَعِيرٍ وَمَرَقَافِيهِ دُبًّا
وَقَدِيدًا فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَتَتَبَعُ الدُّبَّاءَ مِنْ حَوَالِي الْقُضْعَةِ
قَلَمَ أَزَلْ أَحَبُّ الدُّبَّاءِ بَعْدَ يَوْمَيْنِ

(متفق علیہ)

صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب الخیاط، ح ۲۰۹۲۔

”اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ایک درزی نے نبی کریم ﷺ کو اپنے تیار کئے ہوئے کھانے پر مدعو کیا، نبی کریم ﷺ کے ہمراہ میں بھی گیا، اس نے جو کی روٹی اور شوربالا کر (دستر خوان پر) رکھا جس میں کدو اور خشک گوشت تھا، چنانچہ میں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ (کو کدو چونکہ بہت مرغوب تھا اس لئے آپ ﷺ) پیالے کے کناروں میں سے کدو کو تلاش کر کے کھاتے تھے اسی لئے اس دن کے بعد سے میں کدو کو بہت پسند کرتا ہوں (کیونکہ وہ آنحضرت کو بہت پسند تھا)۔ (بخاری مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا اس دعوت میں جانا یا تو اس بنا پر تھا کہ ان کو بھی مدعو کیا گیا ہوگا یا وہ چونکہ آنحضرت ﷺ کے خادم خاص تھے اور کسی بھی دعوت میں خادم کے ساتھ ہونے کی اجازت داعی کی طرف سے عام طور پر ہوتی ہے اس لئے حضرت انس رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے ہمراہ اس دعوت میں شریک ہوئے اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ اگر دسترخوان پر کسی پیالے یا برتن میں کھانے کی مختلف چیزیں ایک ساتھ ہوں تو اس پیالے یا برتن کے دوسرے کنارہ تک ہاتھ بڑھانا جائز ہے اس صورت میں محض اپنے سامنے کے کنارے تک اپنے ہاتھ کو محدود رکھنا ضروری

نہیں ہوگا بشرطیکہ دسترخوان پر بیٹھے ہوئے دوسرے لوگ اس کو ناپسند کریں۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ غریب اور دستکاروں کی دعوت قبول کرنا چاہئے اور وہ دسترخوان پر کھانے کی جو بھی چیز لا کر رکھیں اس کو برضا و رغبت کھانا چاہئے تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر کھانے کے وقت اپنا خادم ساتھ ہو تو اس کو اپنے ساتھ ہی کھانا کھلانا چاہئے یہ خالص دنیا داروں کا طریقہ ہے کہ خود تو الگ بیٹھ کر کھائیں اور خادم کو دوسری جگہ بٹھا کر کھلائیں اور چوتھی بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ کدو کو اپنی پسندیدہ غذا قرار دینا مسنون ہے اور اس طرح ہر اس چیز کو پسند و مرغوب رکھنا مسنون ہے جس کو آنحضرت ﷺ پسندیدہ و مرغوب رکھتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کو میٹھی شے مرغوب تھی:

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُحِبُّ الْحُلُوءَ
وَالْعَسَلَ

البخاری، کتاب الاطعمہ، باب الحلواء والعسل، ح ۵۴۳۱۔

”اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ میٹھی چیز اور شہد کو بہت پسند فرماتے تھے۔“ (بخاری)

عربی میں حلواء (مد کے ساتھ) اور حلواء (قصر کے ساتھ) دونوں کا اطلاق اس میٹھی چیز پر ہوتا ہے جو مٹھاس اور پکنائی کے ذریعہ بنے جس کو اردو میں حلوہ کہا جاتا ہے اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ مطلق یعنی ہر میٹھی چیز کو حلوا کہتے ہیں اس صورت میں الحلواء کے بعد لفظ والعسل کا ذکر تخصیص بعد تعمیم کے طور پر ہوگا (یعنی پہلے تو حلوہ کا ذکر کیا) جو ایک عام لفظ ہے اور جس کے حکم میں شہد بھی داخل ہے لیکن پھر بعد میں خاص طور پر شہد کو بھی ذکر کر دیا، خطاباً نے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا میٹھی چیز کو بہت پسند کرنا طبعی خواہش کی زیادتی کی بنا پر نہیں تھا کہ آپ ﷺ اکثر و بیشتر میٹھی چیز

کھانا پسند فرماتے ہوں بلکہ "بہت پسند کرنے" کا مطلب محض یہ ہے کہ جب آپ ﷺ کے سامنے دسترخوان پر پیشی چیز آتی تو آپ ﷺ اس کو اتنی رغبت کے ساتھ تناول فرماتے کہ معلوم ہوتا کہ یہ آپ ﷺ کو بہت مرغوب ہے۔
آنحضرت ﷺ کس طرح بیٹھ کر کھاتے تھے:

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ مُقْعِنًا يَأْكُلُ تَمْرًا وَفِي رِوَايَةٍ يَأْكُلُ مِنْهُ أَكْلًا ذَرِيعًا (رواہ مسلم)

صحیح مسلم کتاب الاشراف باب تواضع الاكل وصفة قعوده - ۲۰۲۴

"حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو بہ بیت اقامہ بیٹھ کر کھجوریں کھاتے دیکھا ہے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ ﷺ کھجوروں کو جلدی جلدی کھا رہے تھے۔" (مسلم)

"بہ بیت اقامہ" سے مراد بیٹھنے کی وہ صورت ہے جس میں دونوں سرین زمین پر رکھے جائیں اور دونوں زانو کھڑے کر لئے جائیں۔

کھجوروں کو جلدی جلدی کھانے کا سبب یہ تھا کہ اس وقت آپ ﷺ کو کوئی کام درپیش ہوگا اس لئے آپ ﷺ نے کھجوروں کو جلدی جلدی کھایا تاکہ اس سے فارغ ہو کر اس کام میں مشغول ہو جائیں۔

تنگی معاش میں شوہر کا ساتھ دینا سیکھئے:

وَعَنْهَا قَالَتْ يَأْتِي عَلَيْنَا الشَّهْرُ مَا نَوْقِدُ فِيهِ نَارًا إِنَّمَا يُؤَاتِيهِمُ النَّارُ إِلَّا أَنْ يُؤْتَى بِاللَّخْمِ (متفق عليه)

صحیح البخاری کتاب الرقاق باب كيف كان عيش النبي ﷺ واصحابه - ۶۴۵۸

"اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ بعض مہینہ ہم پر ایسا گزرتا تھا کہ ہم اس میں آگ نہ جلاتے تھے (یعنی بعض مرتبہ پورا پورا مہینہ ایسا گزرتا تھا کہ ہمارے گھر میں سامان خوراک نہ ہونے کی وجہ سے چولہے میں آگ بھی نہیں جلتی تھی) اور (اس عرصہ میں) ہماری غذا کا انحصار (صرف) کھجور اور پانی پر ہوتا تھا۔ الا یہ کہ کہیں سے تھوڑا سا گوشت آ جاتا تھا۔"

"الا یہ کہ کہیں سے تھوڑا سا گوشت آ جاتا تھا" کا مطلب یہ ہے کہ تنگی معاش کے اس عرصہ میں ہم صرف کھجوریں کھا کھا کر اور پانی پی پی کر گزارا کر لیا کرتے تھے یا اگر کوئی شخص تھوڑا بہت گوشت بھیج دیا کرتا تھا تو اس کو کھا لیتے تھے۔ یا یہ مطلب ہے کہ گھر میں خوراک کا کوئی سامان نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے چولہے میں آگ نہیں جلتی تھی ہاں اگر کہیں سے کچھ گوشت آ جاتا تو اس کو پکانے کے لئے آگ جلا لیا کرتے تھے۔

وَعَنْهَا قَالَتْ مَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ يَوْمَئِذٍ مِنْ خُبْزٍ بَرًّا إِلَّا وَآخِذُهَا تَمْرًا (متفق عليه)

صحیح البخاری کتاب الرقاق باب كيف كان عيش النبي ﷺ واصحابه - ۶۴۵۵

"اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایسا (کبھی نہیں ہوا) کہ آنحضرت ﷺ کے گھر والوں نے دو دن گیارہوں کی روٹی سے اپنا پیٹ بھرا ہو اور ان دونوں میں سے ایک دن کی غذا کھجور نہ ہوئی ہو۔" (بخاری، مسلم)

آنحضرت ﷺ کی عام دنوں کی غذا:

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ سرکارِ دو عالم اور آپ ﷺ کے اہل و عیال کبھی بھی مسلسل دو دنوں تک گیارہوں کی روٹی نہیں کھاتے تھے جہاں تک گیارہوں کی روٹی کی قید لگانے کا سوال ہے تو ہو سکتا ہے کہ جو کی روٹی میسر ہو جاتی ہو۔

ہر وقت تنگی معاش کا رونا نہ روتی رہے:

وَعَنْهَا قَالَتْ تُوَفِّي زَيْنُوَاللَّهِ وَمَا شَبِعْنَا مِنْ
الْأَسْوَدَيْنِ -

صحیح البخاری کتاب الاطعمہ باب من اكل حتى شبع ح ۲۸۳۔

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے اور ہم نے (آپ ﷺ کی حیات میں کبھی) دو سیاہ چیزوں یعنی کھجور اور پانی سے پیٹ نہیں بھرا“۔ (بخاری و مسلم)

یہ حدیث بھی واضح کرتی ہے کہ آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے اہل و عیال کس تنگی و سختی کے ساتھ اپنی زندگی گزارتے تھے اور باوجودیکہ اگر آپ ﷺ چاہتے تو دنیا کی تمام لذات اور ایک خوش حال با فراغت زندگی گزارنے کے سارے وسائل و ذرائع آپ ﷺ کے قدموں میں ہوتے مگر آپ ﷺ ہمیشہ کمال ایثار و استغناء اور نفس کشی و ترک لذات پر عامل رہے۔

اسودین (دو سیاہ چیزیں) میں سے ایک سیاہ چیز کھجور ہے اور دوسری سیاہ چیز پانی! کو سیاہ چیز سے تعبیر کرنا مجاورت و مقارنت کی وجہ سے ہے اور اس طرح کا طرز کلام اہل عرب کی یہاں مستعمل ہے۔ جیسا کہ ماں اور باپ کو ابوین یا چاند اور سورج کو قمرین کہتے ہیں اس کو عربی میں تغلیب کہتے ہیں۔ تاہم واضح رہے کہ اس ارشاد میں ”پانی کا ذکر“ کھجور کے ضمن و طفیل میں ہے اصل مقصود کھجور ہی کا ذکر کرتا ہے کیونکہ پانی نہ تو پیٹ بھرنے کے مصرف میں آتا ہے اور نہ اس کی کوئی کمی ہی تھی اس سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ آنحضرت ﷺ اور ان کے گھر والوں کو غذا کے طور پر کھجوریں بھی اتنی مقدار میں مہیا نہیں ہوتی تھیں جو پیٹ بھرنے کے بقدر ہوں بلکہ بس اتنی ہی مہیا ہو جاتی تھیں جس سے پیٹ کو سہارا مل جاتا تھا۔

وَعَنِ النَّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ اُنْسْتُمْ فِي طَعَامٍ وَشَرَابٍ مَا
شَبِعْتُمْ لَقَدْ زَايَتْ نَبِيَّكُمْ ﷺ وَمَا يَجُذُّ مِنَ الدَّقَلِ مَا يَمْلَأُ
بَطْنَهُ -

صحیح مسلم کتاب الزہد ح ۲۹۷۷۔

”اور حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے (ایک موقع پر) فرمایا: ”کیا تم لوگ اپنے کھانے پینے میں جس طرح چاہتے ہو عیش نہیں کرتے (یعنی تم اپنے کھانے پینے کی چیزوں میں اپنی خواہش کے مطابق وسعت و افراط اختیار کر کے عیش و راحت کی زندگی گزار رہے ہو) جب کہ میں نے تمہارے نبی ﷺ کو اس حال میں دیکھا ہے کہ آپ ﷺ کو ناکارہ کھجوریں بھی اس قدر میسر نہیں ہوتی تھیں جو آپ ﷺ کا پیٹ بھر دیتیں“۔ (مسلم)

”کیا تم..... الخ“ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے یہ بات یا تو تابعین کو مخاطب کر کے کہی یا آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرام کو مخاطب کرتے ہوئے کہی۔

”تمہارے نبی ﷺ..... الخ“ مخاطبین کی طرف نبی ﷺ کی اضافت و نسبت ان کو الزام دینے یا یوں کہا جائے کہ غیرت دلانے کے لئے کی تا کہ تم جس نبی ﷺ کی امت میں ہو اور جن کا نام لیوا ہونے پر فخر کرتے ہو ان نبی ﷺ کا تو یہ حال تھا کہ ان کو اپنا پیٹ بھرنے کے لئے ناکارہ کھجوریں بھی میسر نہیں آتی تھیں اور ایک تم ہو کہ انواع و اقسام کے کھانے کھاتے ہو اور عیش و عشرت کی زندگی اختیار کئے ہوئے ہو اور اس طرح گویا تم نے دنیا اور دنیا کی لذتوں سے اجتناب کرنے کے لئے اپنے نبی ﷺ کے طریقہ کو اختیار کرنے سے اعراض کیا ہے۔

واضح رہے کہ پہلی حدیث میں تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ پر بعض ایام

ایسے گزرتے تھے جن میں آپ ﷺ کی غذا محض کھجوریں ہوتی تھیں دوسری حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ کھجوریں بھی اتنی مقدار میں میسر نہیں ہوتی تھیں جس سے پیٹ ہی بھر لیا جاتا اور یہاں یہ بیان کیا گیا کہ وہ قلیل مقدار بھی اچھی کھجوروں پر مشتمل نہیں ہوتی تھی بلکہ وہ ناکارہ کھجوریں ہوتی تھیں جن کو بالکل ہی محتاج و مفلس شخص کے علاوہ کوئی دوسرا کھانا بھی پسند نہ کرے اور یہ ساری باتیں اس حقیقت کی غائز ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے نزدیک لذات دنیا کی قطعاً کوئی اہمیت نہیں تھی اور آپ ﷺ معمولی درجہ کی بھی خوش حالی و راحت بخش زندگی گزارنے سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے تھے بلکہ آپ ﷺ نے بنیادی طور پر فقر اور ترک لذات کو اختیار کیا تھا اور یہی آپ ﷺ کا معمول بن گیا تھا جس پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہر حالت میں قائم رکھا۔ جب اسلام اور اہل اسلام پر سخت عسرت و تنگی کا زمانہ تھا اس وقت بھی آپ ﷺ اس پر عامل رہے اور جب اسلام اور اہل اسلام کو شوکت نصیب ہوئی اور دنیا کے غزانے آپ ﷺ کے قدموں میں آ گئے اس حالت میں بھی آپ ﷺ نے اسی فقر و عسرت کی زندگی گزارنے پر قناعت کی ایسا کیوں تھا؟ محض اس لئے نہیں کہ آپ ﷺ واقعتاً مفلس و محتاج تھے اور آپ ﷺ خواہش و طلب کے باوجود ایک خوش گو اور خوش حال زندگی کے اسباب و وسائل مہیا کرنے پر قادر نہیں تھے کیونکہ یہ بتایا جا چکا ہے کہ بعد میں مسلمانوں کو اسباب معیشت کی بڑی وسعت و فراوانی نصیب ہوئی بلکہ بجا طور پر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ عسرت و تنگی کے زمانہ میں بھی اگر آپ ﷺ چاہتے تو عیش و محمم کے وہ گون سے وسائل تھے جو آپ ﷺ کو حاصل نہیں ہو سکتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ کا اتنی سخت و تنگ زندگی گزارنا اس سخاوت کی بنا پر تھا کہ گھر میں جو کچھ بھی آیا دوسروں پر صرف کر دیا اس اثار کی بنا پر تھا جو خود کو سخت سے سخت تکلیف میں مبتلا کر کے بھی دوسروں کی راحت چاہتا تھا اس زہد و تقویٰ اور قناعت و توکل کی بناء پر تھا جس نے آخرت کی سربلندی اپنے پروردگار کی رضا جوئی اور اپنی عبدیت و بے چارگی کے

کمل اظہار کے لئے دنیا کی ہر لذت دنیا کا ہر عیش و محمم اور دنیا کی ہر خواہش کو کلیتاً پس پشت ڈال دیا تھا اور ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ آپ ﷺ اپنی اس عملی زندگی کے ذریعہ اپنی امت کو عیش و محمم کی زندگی سے اجتناب کرنے قناعت و توکل اور ایثار کا وصف پیدا کرنے اور اپنے حقیقی مقصد حیات کی راہ میں سختی و مشقت برداشت کرنے کی تعلیم و تربیت دیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کھانے والے اور پینے والے کے لئے یہ مستحب ہے کہ وہ جو چیز کھائی یا پی رہا ہو اس میں سے کچھ باقی چھوڑ دے اور پھر اس کو اپنے محتاج ہمسایوں میں تقسیم کر دے۔

اللہ کا شکر ادا کیجئے اور کفرانِ نعمت نہ کیجئے:

اللہ عز و جل نے ارشاد فرمایا:

﴿وَإِذْ قُلْتُمْ يٰمُوسٰی لِنِ نَّصْبِرْ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ

یُخْرِجْ ۚ ۝۱۶۱﴾ البقرة: ۱۶۱

اور جب تم لوگوں نے یوں کہا کہ اے موسیٰ (روز کے روز) ہم ایک ہی قسم کے کھانے کھانے پر کبھی نہ رہیں گے آپ ہمارے واسطے اپنے پروردگار سے دعا کریں کہ وہ ہمارے لئے ایسی چیزیں پیدا کرے جو زمین میں اُگا کرتی ہیں ساگ (ہوا) گلکڑی (ہوئی) گیہوں (ہوا) مسور (ہوئی) پیاز (ہوئی) آپ نے فرمایا کیا تم عوض میں لینا چاہتے ہو ادنیٰ درجہ کی چیزوں کو ایسی چیز کے مقابلہ میں جو اعلیٰ درجہ کی ہے۔ کسی شہر میں جا کر اُتر دو (وہاں) البتہ تم کو وہ چیزیں ملیں گی جن کی تم درخواست کرتے ہو۔

یہاں بنی اسرائیل کی بے صبری اور نعمت خداوندی کی بے قدری بیان ہو رہی ہے کہ من و سلویٰ جیسے پاکیزہ طعام پر ان سے صبر نہ ہو سکا اور روزی چیزیں مانگنے لگے۔

ایک طعام سے مراد ایک قسم کا طعام ہے یعنی من و سلوی۔ فومہ کے معنی میں اختلاف ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قراءت میں نوم ہے۔ مجاہد نے فوم کی تفسیر فوم کے ساتھ کی ہے یعنی لہن، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی یہ تفسیر مروی ہے۔ پچھلی لغت کی کتابوں میں فِرْفَرُ التا کے معنی اِخْتَبَرُوا یعنی ہماری روٹی پکاؤ کے ہیں۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں۔ اگر یہ صحیح ہو تو یہ حروف مبدلہ میں سے ہیں۔ جیسے: عَاثُورُ شُرٍّ عَاثُورُ شُرٍّ اِثَالِي اِثَالِي مَعَاثِيرُ مَعَاثِيرُ وغیرہ جن میں ف سے ث اور ث سے ف بدلا گیا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں مخزن کے اعتبار سے بہت قریب ہیں۔ واللہ اعلم۔

مطلب یہ ہوا کہ جو چیز تم طلب کرتے ہو یہ تو آسان چیز ہے۔ جس شہر میں جاؤ گے یہ تمام چیزیں پاؤ گے۔ میری دعا کی بھی کیا ضرورت ہے؟ کیونکہ ان کا یہ قول محض تکبر سرکشی اور بڑائی کے طور پر تھا۔ اس لئے انہیں کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ واللہ اعلم۔

فرمانبردار بچو!

یہ جو نعمتیں تمہیں میسر ہیں کبھی غور و فکر کرو تو احساس ہوگا کہ لاکھوں کروڑوں سے اللہ عزوجل نے تمہیں بہتر حالت میں رکھا ہوا ہے۔

اکثر عورتوں کو یہ خوش فہمی ہوتی ہے کہ وہ بڑی پارسا ہیں:

﴿بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ.....﴾ (البقرة: ۱۸۲)

”کیوں نہیں جو شخص قصد اُبری باتیں کرتا ہے اور اس کو اس کی خطا (اور قصور اس طرح) احاطہ کر لے (کہ کہیں نیکی کا اثر تک نہ رہے) سو ایسے لوگ اہل دوزخ ہوتے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور جو لوگ (اللہ اور رسول پر) ایمان لائیں اور نیک کام کریں ایسے لوگ اہل بہشت

ہوتے ہیں (اور) وہ اس میں ہمیشہ (ہمیشہ) رہیں گے۔“

کئے گئے گناہوں کو کبھی حقیر نہیں سمجھنا چاہیے ☆

مطلب یہ ہے کہ جس کے اعمال سر اسر بد ہیں جو نیکیوں سے خالی ہاتھ ہے وہ جہنمی ہے اور جو شخص اللہ رسول پر ایمان لائے اور سنت کے مطابق عمل کرے وہ جنتی ہے جیسے اور جگہ ہے: ﴿لَيْسَ بِأَمَانِيكُمْ.....﴾ (النساء: ۱۲۵) یعنی نہ تو تمہارے منصوبے چل سکیں گے اور نہ اہل کتاب کے۔ ہر برائی کرنے والا اپنی برائی کا بدلہ پائے گا اور ہر بھلائی والا اپنی نیک کاری کا۔ بُرے کا کوئی مددگار نہ ہوگا اور بھلے کا کوئی عمل برباد نہ ہوگا نہ مرد کا نہ عورت کا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: یہاں بُرائی سے مطلب کفر ہے اور ایک روایت میں ہے کہ مراد شرک ہے۔ ابو وائل (ابو العالیہ) مجاہد عکرمہ حسن، قتادہ ربیع بن انس وغیرہ سے بھی مروی ہے۔ سدی کہتے ہیں مراد کبیرہ گناہ ہیں جو تہہ بہ تہہ ہو کر دل کی حالت خراب کر دیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ فرماتے ہیں مراد شرک ہے جو دل پر قابض ہو جائے۔ ربیع ابن خثیم کا قول ہے جو گناہوں پر ہی مرے اور تو بہ نصیب نہ ہو۔ مسند احمد میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: گناہوں کو حقیر نہ سمجھا کرو۔ وہ جمع ہو کر انسان کی ہلاکت کا سبب بن جاتے ہیں۔ دیکھتے نہیں ہو کہ اگر کئی آدمی ایک ایک لکڑی لے آئیں تو انبار لگ جاتا ہے۔ پھر اگر آگ لگ جائے تو بڑی بڑی چیزوں کو وہ جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔ پھر ایمانداروں کا حال بیان فرمایا کہ جو تم جیسا عمل نہیں کرتے بلکہ تمہارے کفر کے مقابلہ میں ان کا ایمان ہے اور تمہاری بد اعمالیوں کے مقابلے میں ان کے پاکیزہ اعمال ہیں انہیں ابدی راحتیں اور ہمیشہ والی جنتیں ملیں گی۔ خدا کے عذاب اور ثواب دونوں پائیدار ہیں۔

فرمانبردار بیٹو!

آپ کا ہر بات بہ بات زبان درازی پہ اتر آتا ایک بہت بڑی قیامت ہے۔ جہاں آپ میں بے شمار اچھائیاں ہیں جن کی وجہ سے آپ کا شوہر آپ سے ہر وقت خوش رہتا ہے یہ ایک ایسی خامی ہے کہ اگر آپ اس پر قابو پالیں تو آپ "جنتی خاتون" کا عملی نمونہ بن جائیں۔

اشیاء خوراک کو ناپ تول کر لینے دینے اور پکانے کا حکم:

وَعَنِ الْمُقْدَامِ بْنِ مَعْدِيكَرَبٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ كَيْلُوا طَعَامَكُمْ يُبَارِكْ لَكُمْ فِيهِ (رواہ البخاری)

صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب ما یستحب من الکیل، ح ۲۱۲۸۔
"اور حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کھانے پینے کی چیزوں کو ناپ تول کر لیا کرو تمہارے لئے اس میں برکت عطا کی جائے گی۔"

مطلب یہ ہے کہ جو چیز پیمانہ و اوزان کے ذریعہ ناپی تولی جاتی ہے اس کو قرض لین دین بیچنے خریدنے اور پکانے کے لئے دیتے وقت ناپ تول لیا کرو تا کہ اس کا صحیح اندازہ و توازن قائم رہ سکے اور کی بیشی کا کوئی خدشہ نہ رہے چنانچہ یہ چیز (یعنی اناج و غلہ وغیرہ کا ناپنا تولنا) شارع کے اس حکم کی بناء پر خیر و برکت میں اضافہ کی خاصیت و تاثیر رکھتی ہے خاص طور پر جب کہ سنت کی رعایت ملحوظ ہو اور آنحضرت ﷺ کے حکم کی بجا آوری کا قصد ہو۔ (شیخ عبدالحق محدث دہلوی)

ملا علی قارئی نے بھی مظہر سے اسی طرح کی بات نقل کر کے یہ لکھا ہے کہ اگر یہ اشکال پیدا ہو کہ اس حدیث اور اس حدیث کے درمیان مطابقت کیوں کر ہوگی جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے بیان کیا "جب رسول

کریم ﷺ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو اس وقت میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا جو کوئی جائدار کھاتا علاوہ اس تھوڑے سے جو کہ جو نجاری میں تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جو کی اس تھوڑی سی مقدار میں اتنی برکت عطا فرما رکھی تھی کہ میں ایک مدت تک اس میں سے نکال نکال کر اپنے کھانے کا انتظام کرتی رہی پھر (ایک دن) میں نے اس کو ناپ ڈالا۔ بس جب ہی سے اس کی برکت جاتی رہی اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں خرید و فروخت کے وقت ماپنے کا حکم دیا گیا ہے تا کہ برابری اور توازن قائم رہے اور خرچ کے وقت ناپنا درحقیقت احصار و ضبط ہے جو ایک طرح سے نکل اور تنگی قلب کا مظہر ہوتا ہے اور اس سے منع فرمایا گیا ہے چنانچہ منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "بلال! تم بس خرچ کرو صاحب عرش (اللہ تعالیٰ) کی طرف سے کمی کئے جانے کا خوف نہ کرو۔" پس شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے حوالہ سے جو مطلب نقل کیا گیا ہے اس کے مطابق ناپنے تولنے کا حکم مطلق ناپ تول پر محمول ہے کہ لین دین اور خرید و فروخت کے وقت بھی ناپنا تولنا چاہئے اور خرچ کے وقت بھی ناپ تول کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ جب کہ ملا علی قارئی سے منقول مذکورہ بالا اشکال اور اس کا جواب یہ واضح کرتا ہے کہ ناپ تول کرنے کا حکم محض لین دین اور خرید و فروخت کی صورت پر محمول ہے۔ واللہ اعلم۔

وَعَنِ أَبِي أُمَامَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا رُفِعَ مَائِدَتُهُ قَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ خَفِذَاكَ تَبَارَكْتَ مَبْرُكًا فِيهِ غَيْرُ مَكْفِيٍّ وَلَا مُؤَدِّعٍ وَلَا مُسْتَغْنَى عَنْهُ رَبَّنَا (رواہ البخاری)

صحیح البخاری، کتاب الاضعمہ، باب ما یقول اذا رفع من طعامه، ح ۵۴۵۸۔
"اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے سے جب دسترخوان اٹھایا جاتا یعنی جب آپ ﷺ کھانا کھا کر فارغ ہوتے تو (اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اس طرح) فرماتے: "سب تعریف

اللہ کے لئے ہے ایسی تعریف جو بہت ہے پاکیزہ (یعنی ظاہر داری اور دکھادے سے خالی ہے) جس میں برکت عطا کی گئی ہے یعنی وہ ایسی بابرکت حمد ہے جو کہ ہمیشہ جاری و قائم رہے اور کبھی منقطع نہ ہو وہ نہ کفایت کی گئی ہے اور نہ اس سے بے پروائی ہو اسے رب ہمارے۔ (بخاری)

کھانے کے بعد اللہ کی حمد و ثنا:

غیر مکلفی کو علماء نے کئی طرح سے صحیح کہا ہے اور اس کے معنی بیان کئے ہیں اگر ان کی پوری تفصیل کو یہاں نقل کیا جائے تو غیر معمولی طوالت اختیار کرنی پڑے گی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ لفظ غمیر اور رہنا کو مرفوع بھی قرار دیا گیا ہے اور منصوب بھی یا ان دونوں میں سے ایک کو منصوب اور دوسرے کو مرفوع۔ اسی طرح علماء نے جو معنی و مطلب بیان کئے ہیں ان کا ماحصل یہ ہے کہ یہ الفاظ "وہ نہ کفایت کی گئی ہے اور نہ متروک اور نہ اس سے بے پروائی ہو" یا تو حمد و تعریف کے احوال و صفات کے اظہار کے لئے ہیں کہ انسان کو چاہئے کہ اپنے پروردگار کی اس طرح تعریف و ثنا بیان کرے کہ وہ کسی بھی درجہ پر کافی نہ سمجھی جائے نہ حمد و ثنا بیان کرنے کو ترک کیا جائے اور نہ اس سے بے نیازی برتی جائے بلکہ جس طرح حق تعالیٰ ہمہ وقت انسان پر اپنی رحمت کے ساتھ متوجہ رہتا ہے اور ہر لمحہ تسلسل و دوام کے ساتھ اس کو اپنی نعمتیں عطا کرتا رہتا ہے۔ اسی طرح انسان بھی ہر لمحہ اور ہمہ وقت تسلسل و دوام کے ساتھ حق تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتا رہے کہ یہ اپنے منعم حقیقی کے حضور ادا کی گئی شکر بھی ہے اور اپنے پروردگار کی تعریف بھی۔ یا یہ کہ یہ الفاظ اصل میں کھانے سے حق میں درجہ صفت رکھتے ہیں کہ کھانا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے کہ اس کو کسی بھی درجہ میں اپنے لئے کافی نہ سمجھا جائے بلکہ ہمہ وقت اپنے آپ کو رزق الہی کا محتاج تصور کیا جائے کہ اس کی خواہش و طلب کو ترک نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس سے بے نیازی برتی جا سکتی ہے اور یا یہ کہ یہ الفاظ حق تعالیٰ شانہ کے اوصاف جلیلہ کے اظہار کے لئے ہیں کہ ایسی کوئی ذات یا ایسی کوئی چیز نہیں ہے۔ جو

اس ذات کبریائی کو کافی ہو بلکہ وہ خود سارے جہان اور ساری چیزوں کے لئے کافی ہے اس کی قربت کی طلب و خواہش کو ترک نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس کے فضل و کرم سے مستغنی و بے نیاز ہو سکتے ہیں۔

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَيَرْضَى عَنِ الْعَبْدِ أَنْ يَأْكُلَ الْأَكْلَةَ فَيُحْمَدُهُ عَلَيْهَا أَوْ يَشْرِبَ الشَّرْبَةَ فَيُحْمَدُهُ عَلَيْهَا (رواه مسلم وسند صحيح) حَدِيثِي عَائِشَةَ وَابْنِ هُرَيْرَةَ (مَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ وَخَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ مِنَ الدُّنْيَا فَبِئْسَ بَابُ فَضْلِ الْفُقَرَاءِ إِنَّ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى -

صحیح مسلم کتاب الذکر و الدعاء باب استحباب حمد اللہ تعالیٰ بعد الاکل و الشرب ح ۲۷۳۴۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ بندے کی اس بات سے راضی و خوش ہوتا ہے کہ وہ لقمہ کھائے اور اس پر خدا کی حمد و ثنا کرے یا ایک مرتبہ پئے اور اس پر خدا کی حمد و ثنا کرے۔" (مسلم) اور دو روایتیں جن میں سے ایک روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے: مَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ صَلَّيَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ اور دوسری روایت حضرت خیرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔ ان دونوں روایتوں کو ہم ان شاء اللہ باب فضل الفقراء میں نقل کریں گے۔ یعنی یہ دونوں روایتیں صاحب مصابح نے کتاب الاطعمہ میں نقل کیں تھیں لیکن ہم نے ان کو باب فضل الفقراء میں نقل کیا ہے۔

اکلہ الف کے زبر کے ساتھ کے معنی ہیں "ایک بار سیر ہو کر کھانا" ویسے یہ لفظ الف کے پیش کے ساتھ بھی منقول ہے جس کے معنی لقمہ کے ہیں۔
حدیث کا ماحصل یہ ہے کہ جب کوئی شخص کھانا کھا کر فارغ ہو جاتا ہے یا کوئی چیز پیتا ہے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا ہے اور اس کی حمد و ثناء کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اس عمل سے بہت خوش ہوتا ہے۔

جادو ٹونا نہ صرف دنیا بلکہ آپ کی آخرت بھی

تباہ کر ڈالے گا

میں نے عورتوں میں ایک بہت بڑی خامی یہ بھی مشاہدہ کی ہے (اور سنی ہے) کہ چھوٹی موٹی لڑائیوں پر (اور وہ کس گھر میں نہیں ہوتی) پہ خود تو کوئی تہذیب نہیں کرتی بلکہ نام نہاد بیروں جو گیوں، نجومیوں کے پیچھے بھاگی پھرتی ہیں اللہ بچائے کہ کوئی خاتون کسی ایسے شخص کے ٹھلچے میں گرفتار ہو جس میں حاصل تو کچھ ہوتا نہیں بلکہ عزت بچانی مشکل ہو جاتی ہے اور جو آخرت برباد ہوئی وہ تو خیر ہر کس و نا کس کو پتہ ہی ہے۔

نوٹ: میں اس باب میں کوشش کروں گا کہ خود سے کچھ بیان نہ کروں تاکہ بات کی اہمیت کم نہ ہوں بلکہ مختلف تفاسیر و کتب احادیث سے آپ پہ آشکارا کروں کہ جادو ٹونا کرنا کروانا کتنا بڑا گناہ ہے تاکہ کبھی بھولے سے بھی آپ کے دل میں اس کا خیال نہ آئے۔

سورة البقرة میں جادو ٹونے کی ممانعت:

اور ہم نے تو آپ کے پاس بہت سے دلائل واضح نازل کئے ہیں اور کوئی انکار نہیں کیا کرتا مگر صرف وہی لوگ جو عدول حکمی کے عادی ہیں۔ کیا اور جب کبھی بھی ان لوگوں نے کوئی عہد کیا ہوگا (ضرور) اس کو ان میں سے کسی نہ کسی فریق نے نظر انداز کر دیا ہوگا بلکہ ان میں زیادہ تو ایسے ہی تھیں گے جو (میرے اس عہد کا) یقین ہی نہیں رکھتے اور جب ان کے

پاس ایک پیغمبر آئے اللہ کی طرف سے جو تصدیق بھی کر رہے ہیں اس کتاب کی جو ان لوگوں کے پاس ہے (یعنی تورات کی) ان اہل کتاب میں کے ایک فریق نے خود اس کتاب اللہ کو بتی پس پشت ڈال دیا۔ جیسے ان کو گویا اصلاً علم ہی نہیں اور انہوں نے ایسی چیز کا (یعنی سحر کا) اعتبار کیا۔ جس کا چرچا کیا کرتے تھے شیاطین (یعنی حبیب جن) حضرت سلیمان (علیہ السلام) کے عہد سلطنت میں اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا مگر (ہاں) شیاطین کفر کیا کرتے تھے اور حالت یہ تھی کہ آدمیوں کو بھی (اس) سحر کی تعلیم کیا کرتے تھے اور اس (سحر) کا بھی جو کہ ان دونوں فرشتوں پر نازل کیا گیا تھا شہر بابل میں جن کا نام باروت اور ماروت تھا اور وہ دونوں کسی کو نہ بتلاتے تھے جب تک یہ (نہ) کہہ دیتے کہ ہمارا وجود بھی ایک امتحان ہے سو تو کہیں کا فرمت بن جائیو (کہ اس میں بھنسن جاوے) سو بعض لوگ ان دونوں سے اس قسم کا سحر سیکھ لیتے تھے جن کے ذریعے سے (عمل کر کے) کسی مرد اور اس کی بیوی میں تفریق پیدا کر دیتے تھے اور یہ سحر لوگ اس کے ذریعے سے کسی کو بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے مگر خدا ہی کے (تقدیری) حکم سے اور ایسی چیز سیکھ لیتے ہیں جو (خود) ان کو ضرر رساں ہیں اور ان کو نافع نہیں ہیں اور ضروریہ (یہودی) بھی اتنا جانتے ہیں کہ جو شخص اس کو اختیار کرے ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ (باقی) نہیں اور بے شک بڑی ہے وہ چیز جس میں وہ لوگ اپنی جان دے رہی ہیں۔ کاش کہ ان کو (اتنی) عقل ہوتی اور اگر وہ لوگ (بجائے اس کے) ایمان اور تقویٰ (اختیار) کرتے تو خدا تعالیٰ کے ہاں کا معاوضہ بہتر تھا کاش ان کو (اتنی) عقل ہوتی۔ (البقرہ: ۱۰۳-۱۰۴)

یعنی اسے محمد ﷺ ہم نے ایسی نشانیاں جو آپ ﷺ کی نبوت کی صریح دلیل بن

سکیں نازل فرمادی ہیں۔ یہودیوں کی مخصوص معلومات کا ذخیرہ ان کی کتاب کی پوشیدہ باتیں ان کی تحریف و تبدیلی احکام و غیرہ سب ہم نے اپنی معجز نما کتاب قرآن کریم میں بیان فرمادیئے ہیں۔ جنہیں سن کر ہر زندہ ضمیر آپ کی نبوت کی تصدیق کے لئے مجبور ہو جاتا ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ یہودیوں کو ان کا حسد و بغض روک دے۔ ورنہ ہر شخص جان سکتا ہے کہ ایک آدمی شخص سے ایسا پاکیزہ خوبیاں والا حکمتوں والا کلام بن نہیں سکتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ابن سوریا قسطنطینی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ آپ ﷺ کوئی ایسی چیز نہیں لائے جسے ہم پہچان لیں۔ نہ آپ ﷺ کے پاس کوئی ایسی روشن دلیل ہیں۔ اس پر یہ آیت پاک نازل ہوئی۔ چونکہ یہودیوں نے اس بات سے انکار کر دیا تھا کہ ہم سے پیغمبر آخر الزماں کی بابت کوئی عہد لیا گیا ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ تو ان کی عادت ہی ہے کہ عہد کیا اور توڑا۔ بلکہ ان کے اکثر تو ایمان سے خالی ہیں۔ قبیلہ کے معنی پھینک دینا ہے۔ چونکہ ان لوگوں نے کتاب اللہ کو عہد باری کو اس طرح چھوڑ رکھا تھا گویا پھینک دیا تھا۔ اس لئے ان کی مذمت میں یہی لفظ لایا گیا۔

ابن جریر میں ایک عجیب واقعہ ہے اسے بھی سنئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ متہ الجندل کی ایک عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے تھوڑے ہی زمانہ کے بعد آپ کی تلاش میں آئی اور آپ کے انتقال کی خبر پا کر بے چین ہو کر رونے پینے لگی۔ میں نے اسے پوچھا آخر کیا بات ہے؟ تو اس نے کہا کہ مجھ میں اور میرے شوہر میں ہمیشہ ناچاقی رہا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ وہ مجھے چھوڑ کر اپنے کہیں چلا گیا۔ ایک بڑھیا سے میں نے یہ سب ذکر کیا۔ اس نے کہا جو میں کہوں وہ کرو وہ خود بخود تیرے پاس آ جائے گا۔ میں تیار ہو گئی وہ رات کو دو کتے لے کر میرے پاس آئی۔ ایک چوہہ خود سوار ہوئی دوسرے پر میں بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر میں ہم دونوں بابل گئیں۔ میں نے دیکھا کہ وہ شخص ادھر لٹکے ہوئے ہیں اور لوہے میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اس

عورت نے مجھ سے کہا 'ان کے پاس جا اور ان سے کہہ کہ میں جادو سیکھنے آئی ہوں۔ میں نے ان سے کہا۔ انہوں نے کہا 'ہم تو آزمائش میں ہیں تو جادو نہ سیکھ۔ اس کا سیکھنا کفر ہے۔ میں نے کہا کہ میں تو سیکھوں گی۔ انہوں نے کہا اچھا پھر جا اور اس تنور میں پیشاب کر کے چلی آ۔ میں گئی ارادہ کیا لیکن کچھ دہشت سی طاری ہوئی میں واپس آ گئی اور کہا میں فارغ ہو گئی۔ انہوں نے پوچھا کیا دیکھا؟ میں نے کہا کچھ نہیں انہوں نے کہا تو غلط کہتی ہے ابھی تک کچھ نہیں بگڑا تیرا ایمان ثابت ہے۔ اب بھی لوٹ جا اور کفر نہ کر میں نے کہا مجھے تو جادو سیکھنا ہے۔ انہوں نے پھر کہا 'جا کر اور اسی تنور میں پیشاب کر آ۔ میں پھر گئی لیکن اب کی مرتبہ بھی دل نہ چلا واپس آ گئی۔ پھر اسی طرح سوال و جواب ہوئے۔ تیسری مرتبہ پھر تنور کے پاس گئی اور دل گڑا کر کے پیشاب کرنے کو بیٹھ گئی۔ میں نے دیکھا کہ گھوڑا سوار منہ پر نقاب ڈالے نکلا اور آسمان پر چڑھ گیا۔ میں واپس چلی آئی۔ ان سے ذکر کیا۔ انہوں نے کہا ہاں اب کی مرتبہ تو سچ کہتی ہے وہ تیرا ایمان تھا جو تجھ میں سے نکل گیا۔ اب چلی جا میں آئی اور اس بڑھیا سے کہا کہ انہوں نے تو مجھے بھی نہیں سکھایا۔ اس نے کہا 'بس تجھے سب کچھ آ گیا۔ اب تو جو کہے گی ہو جائے گا۔ میں نے آزمائش کے لئے ایک دان گئیہوں کا لیا اسے زمین پر ڈال کر کہا اگ جاؤ وہ فوراً اگ گیا۔ میں نے کہا تجھ میں بال پیدا ہو جائے چنانچہ ہو گئی۔ میں نے کہا سوکھ جاؤ وہ بال سوکھ گئی۔ میں نے کہا الگ الگ دانہ ہو جا۔ وہ بھی ہو گیا۔ پھر میں نے کہا سوکھ جا سوکھ گیا۔ پھر میں نے کہا آتا ہن جا تو آتا ہن گیا۔ میں نے کہا روٹی پک جا تو روٹی پک گئی۔ یہ دیکھتے ہی میرے دل ناوم ہونے لگا اور مجھے اپنے بے ایمان ہونے کا صدمہ ہونے لگا۔ اے ام المؤمنین خدا کی قسم نہ میں نے اس جادو سے کوئی کام لیا نہ کسی پر کیا۔ یونہی روتی جتنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہوں۔ لیکن افسوس بد قسمتی سے آپ کو بھی میں نے نہ پایا۔ اب میں کیا کروں۔ اتنا کہہ کر اس نے گریہ و زاری شروع کی اور اس قدر روئی کہ ہر

ایک کو اس پر ترس آنے لگا۔ صحابہ کرام بھی متحیر تھے کہ اسے کیا فتویٰ دیں۔ آخر بعض صحابہ نے کہا اب اس کے سوا کیا ہو کہ تم اس فعل کو نہ کرو۔ تو بہ استغفار کرو اور اپنے ماں باپ کی خدمت گزاری کرتی رہو۔

یہاں یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ صحابہ کرام فتویٰ دینے میں بہت احتیاط کرتے تھے کہ چھوٹی سی بات بتانے میں بھی تاثر ہوتا تھا۔ آج ہم بڑی سے بڑی بات میں بھی اپنی رائے اور قیاس کو سب سے بڑا درجہ دیتے ہیں۔ اس کی اسناد بالکل صحیح ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ عین چیز جادو کے زور سے پلٹ جاتی ہے اور بعض کہتے ہیں انہیں صرف دیکھنے والے کو ایسا خیال پڑتا ہے۔ اصل چیز جھمی ہوتی ہے ویسی ہی رہتی ہے۔ (الاعراف: ۱۶۶) جیسے: ﴿اسْحَرُوا أَنْعِينَ النَّاسِ﴾ یعنی انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور فرمایا: ﴿يَحْتِيلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَتُهَا تَسْلَى﴾ (طہ: ۶۶) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف خیال ڈالا جاتا تھا کہ گویا وہ سانپ وغیرہ ان کے جادو کے زور سے چل پھر رہے ہیں۔ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں لفظ بابل سے مراد بابل عراق ہے بابل دنیا و نہ نہیں۔ ابن ابی حاتم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بابل کی زمین میں جا رہے تھے۔ مسر کی نماز کا وقت آ گیا لیکن آپ نے وہاں نماز ادا نہ کی بلکہ اس زمین کی سرحد سے نکل جانے کے بعد نماز پڑھی فرمایا میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قبرستان میں نماز پڑھنے سے روک دیا ہے۔

ابن جریج فرماتے ہیں سوائے کافر کے اور کوئی جادو سیکھنے کی جرأت نہیں کرتا۔ فتنہ کے معنی یہاں پر بلا آزمائش اور امتحان کے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول قرآن پاک میں مذکور ہے: ﴿إِنِّي هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ﴾ (الاعراف: ۱۵۵) اس آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جادو سیکھنا کفر ہے۔ حدیث میں بھی ہے کہ جو شخص کسی جادوگر کے پاس جائے اس کی بات کو سچ سمجھے اس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتری ہوئی

وحی کے ساتھ کفر کیا (بزار) یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی تائید میں دوسری حدیثیں بھی آئی ہیں۔

پھر فرمایا کہ لوگ باروت ماروت سے جادو سیکھتے ہیں۔ جس سے برے کام کرتے ہیں۔ عورت مرد کی محبت اور موافقت کو بغض اور مخالفت سے بدل دیتے ہیں۔ صحیح مسلم میں حدیث ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں شیطان اپنا عرش پانی پر رکھتا ہے پھر اپنے لشکروں کو بہکانے کے واسطے بھیجتا ہے۔ سب سے زیادہ مرتبہ والا اس کے نزدیک وہ ہے جو فتنے میں سب سے زیادہ بڑھا ہوا ہو۔ یہ جب واپس آتے ہیں تو اپنے بدترین کاموں کا ذکر کرتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ میں نے فلاں کو اس طرح بے راہ کر دیا ہے۔ کوئی کہتا ہے میں نے فلاں شخص سے یہ گناہ کرایا۔ شیطان ان سے کہتا ہے کچھ نہیں معمولی کام ہے۔ یہاں تک کہ ایک آکر کہتا ہے کہ میں نے ایک شخص کے اور اس کی بیوی کے درمیان جھگڑا ڈال دیا۔ یہاں تک کہ جدائی ہو گئی۔ شیطان اسے گلے لگا لیتا ہے اور کہتا ہے ہاں تو نے بڑا کام کیا۔ اسے اپنے پاس بٹھا لیتا ہے اور اس کا مرتبہ بڑھا دیتا ہے۔ پس جادوگر بھی اپنے جادو سے وہ کام کرتا ہے جس سے میاں بیوی میں جدائی ہو جائے۔ مثلاً اس کی شکل صورت اُسے بری معلوم ہونے لگے یا اس کے عادات و اطوار سے جو غیر شرعی نہ ہوں یہ نفرت کرنے لگے یا دل میں عداوت آ جائے وغیرہ وغیرہ۔ رفتہ رفتہ یہ باتیں بڑھتی جائیں اور آپس میں چھوٹ چھٹا ہو جائے قرآن کہتے ہیں۔ اس کا مذکر مؤنث اور تشبیہ تو ہے جمع نہیں بنتا۔ پھر فرمایا یہ کسی کو بھی بخیر خدا کی مرضی کے اندر نہیں پہنچا سکتے یعنی ان کے اپنے بس کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر اور اس کے ارادے کے ماتحت یہ نقصان بھی پہنچتا ہے۔ اگر خدا نہ چاہے تو اس کا جادو محض بے اثر اور بے فائدہ ہو جاتا ہے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ یہ جادو اسی شخص کو نقصان دیتا ہے جو اسے حاصل کرے اور اس میں داخل ہو۔ پھر ارشاد ہوتا ہے وہ سیکھتے ہیں جو ان کے لئے سراسر نقصان دہ ہے۔ جس میں کوئی نفع نہیں اور یہ یہودی

جانتے ہیں کہ رسول کی تابعداری چھوڑ کر جادو کے پیچھے لگنے والے کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ نہ ان کی کوئی قدر و وقعت خدا کے پاس ہے۔ نہ وہ دیندار سمجھے جاتے ہیں۔ پھر فرمایا اگر یہ اس کام کی برائی کو محسوس کرتے اور ایمان اور تقویٰ برتتے تو یقیناً ان کے لئے بہت ہی بہتر ہوتا مگر یہ بے علم لوگ ہیں۔ یہی اور جگہ فرمایا کہ اہل علم نے کہا تم پر افسوس ہے اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ثواب ایمانداروں اور نیک اعمال کے لئے بہت ہی بہتر ہے لیکن اسے صبر کرنے والے ہی پا سکتے ہیں۔ اس آیت سے یہ بھی استدلال بزرگان دین نے کیا ہے کہ جادوگر کافر ہے کیونکہ آیت میں: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا﴾ فرمایا ہے۔ حضرت امام احمد اور سلف کی ایک جماعت بھی جادو سیکھنے والے کو کافر کہتی ہے۔ بعض کافر تو نہیں کہتے لیکن فرماتے ہیں کہ جادوگر کی سزا یہ ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے۔

پڑھئے! پھر پڑھئے! سہ بارہ پڑھئے!

خدا را! اگر شتہ صفحات کو بغور پڑھئے اور جادو ٹوٹے ٹوٹکے ان چیزوں سے اجتناب کیجئے۔ میں پھر کہے دیتا ہوں حاصل کچھ بھی نہیں اور دنیا و آخرت کی تباہی لازم ٹھہرے گی۔

زبان قابو میں رکھئے معاملات سنورتے چلے جائینگے

ایک چپ سوکھ:

فرمانبردار بیٹیو!

حدیث نبوی میں ارشاد ہے:

وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
الْحَيَاءُ وَالْعِي شُغْبَتَانِ مِنَ الْإِيمَانِ وَالْيَدَا وَالنِّيَانِ
شُغْبَتَانِ مِنَ الْبَقَائِ

جامع الترمذی 'کتاب البر والصلہ' باب ما جاء فی العی' ح ۲۷-۲۸

"اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ
آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: شرم و حیا اور زبان کو قابو میں رکھنا ایمان کی دو
شاخص ہیں جب کہ فحش گوئی اور لاف حاصل ہو اس نفاق کی دو شاخص ہیں۔"

کم گوئی ایمان کی نشانی ہے:

شرم و حیا کا ایمان کی شاخ ہونا ایک ظاہر و معروف بات ہے اور زبان کو قابو میں
رکھنے کا ایمان کی شاخ ہونا اور فحش گوئی و لاف حاصل ہونا اس کا نفاق کی شاخ ہونا اس
اعتبار سے ہے کہ مؤمن اپنی حقیقت کے اعتبار سے شرم و حیا و انکساری و مسکینی اور
سلامتی طبع کے جن اوصاف سے مزین ہوتا ہے وہ اپنے خدا کی عبادت اپنے خدا کی
مخلوق کی خدمت اور اپنے باطن کی اصلاح میں جس طرح مشغول و منہمک رہتا ہے اس
کی بناء پر اس کو بے فائدہ تقریر بیان پر قدرت ہی حاصل نہیں ہوتی وہ اس بات پر قادر
ہی نہیں ہوتا ہے کہ اپنے مفہوم و دعا کو مبالغہ آرائی اور زبان کی تیزی و طراری کے

ذریعہ ثابت و ظاہر کر سکے بلکہ وہ اس خوف سے کم گوئی کو اختیار کرتا ہے اور اپنی زبان کو
قابو میں رکھتا ہے کہ مبالغہ از زبان سے کوئی بری بات نکل جائے اور وہ فحش گوئی اور
بد زبانی کا مرتکب قرار پا جائے اس کے برخلاف منافق کی شان ہی ہوتی ہے کہ وہ
چرب زبانی یا وہ گوئی اور مبالغہ آمیزی کی راہ اختیار کرتا ہے اور نتیجہ کے طور پر بے
فائدہ تقریر و بیان زبان درازی اور فحش گوئی پر قادر و ولیر ہو جاتا ہے۔

فرمانبردار بیٹیو!

خدا را! اپنی زبانوں کو قابو میں رکھئے۔ میں نے اپنے زمانہ تدریس میں بے شمار
گھر صرف عورتوں کی چرب زبانی کی وجہ سے ٹوٹے دیکھے ہیں اور جب میں ان بچیوں
سے اس بابت بات کرتا ہوں تو وہ دل کی اتنی نرم اور اچھی ہوتی ہیں کہ میں یہ کہنے پر
مجبور ہو جاتا ہوں کہ بیٹی مجھے تو یقین نہیں آ رہا کہ تم سے یہ باتیں منسوب ہیں۔ میں پھر
گزارش کرتا ہوں کہ ہر بات کا جواب دینا ضروری نہیں ہوتا۔ موقع و مناسبت کا خیال
رکھ کر بولا کیجئے۔ اسی میں سب کی بھلائی ہے۔

وَعَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ الْخُسَنِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ أَحَبُّكُمْ إِلَيَّ وَأَقْرَبُكُمْ مِنِّي يَوْمَ الْقِيَامَةِ

أَخَاسِيكُمْ أَخْلَاقًا وَإِنَّ ابْغَضَكُمْ إِلَيَّ وَأَبْعَدُكُمْ مِنِّي

أَسَاوِيكُمْ أَخْلَاقًا الثَّرَاوُونَ الْمُتَشَدِّقُونَ الْمُتَكَبِّرُونَ

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان وروی الترمذی نحوه

عن جابر وفی رواية) قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ قَدْ عَلِمْنَا

الثَّرَاوُونَ وَالْمُتَشَدِّقُونَ فَمَا الْمُتَكَبِّرُونَ قَالَ الْمُتَكَبِّرُونَ

”اور حضرت ابو شبلہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن مجھ کو سب سے زیادہ عزیز و محبوب اور میرے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جو تم میں سے زیادہ خوش اخلاق ہیں اور میرے نزدیک تم میں سے سب سے برے اور مجھ سے سب سے زیادہ دور وہ لوگ ہوں گے جو تم میں بد اخلاق ہیں اور بد اخلاق سے مراد وہ لوگ ہیں جو بہت (بنا بنا کر) باتیں کرتے ہیں بغیر احتیاط کے بک بک لگاتے ہیں اور متفہقین اس روایت کو بیہوشی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے اور ترمذی نے بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔ نیز ترمذی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ صحابہ نے یہ ارشاد سن کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ شراروں اور مشدقوں کے معنی تو ہمیں معلوم ہیں متفہقوں سے کیا مراد ہے؟ یعنی متفہق کس کو کہتے ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تکبر کرنے والے۔“

بے فائدہ بیان آرائی مکروہ ہے:

”فیہق“ ضرورت سے زیادہ باتیں کرنا اور منہ پھیر کر کوئی بات کہنے کو کہتے ہیں جیسا کہ تکبر و غرور میں مبتلا لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جو وہ کسی سے بات کرتے ہیں تو ان کے رویہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ اپنے مخاطب کو بہت حقیر و ذلیل سمجھ رہے ہوں اور یہ بھی گوارا نہیں ہو رہا ہے کہ اس کی طرف منہ اٹھا کر کسی بات کریں۔ بلکہ اس کی طرف چہرہ پھیر پھیر کر بات کرتے ہیں چنانچہ اسی معنوی لزوم کی وجہ سے ”متفہقین“ کی وضاحت ”تکبرین“ کے ذریعہ کی گئی ہے۔

چلئے! دوسروں کے متعلق نہ سوچنے لگ جائیے۔ ذرا اپنی ذات کے متعلق غور فرمائیے کہ آپ کا تعلق اپنی ماس انداد و گھر میں کام کے لئے آنے والی خواتین سے کیسا ہوتا ہے۔

غور کریں کہ اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ بک بک لگانا بے فائدہ و لا حاصل گفتگو بنانا، بنا بنا کر باتیں کرنا اور بیان آرائی و مبالغہ آمیزی کے ساتھ تقریریں کرنا مکروہ و مذموم ہے۔ لیکن حق کے تین لوگوں کے ذہن و فکر کو متاثر کرنے قلوب کو ترمانے اور عبادات و طاعات کی طرف متوجہ و راغب ہونے کے لئے وعظ و خطابت میں جو بیان آرائی و سیرکلامی اور طول بیان کی جاتی ہے وہ مذموم و مکروہ نہیں ہے لیکن چونکہ ہم یہاں پر عورتوں کی اصلاح کی خاطر یہ تمام احادیث درج کر رہے ہیں اس لئے یہ تمام باتیں ان پر بھی بعینہ لاگو آتی ہیں۔

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَخْرُجَ قَوْمٌ يَأْكُلُونَ بِلِسَانِهِمْ كَمَا تَأْكُلُ الْبَقَرَةُ بِالسِّنِّهَا (رواه احمد)

”اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے بیان فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ ایک ایسی جماعت پیدا نہیں ہو جائے گی جو اپنی زبانوں کے ذریعہ اس طرح کھائے گی جس طرح گائیں اپنی زبانوں سے کھاتی ہیں۔“ (احمد)

ایک پیش گوئی:

مطلب یہ ہے کہ قرب قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اپنی زبانوں کو کھانے پینے کا وسیلہ و ذریعہ بنائیں گے باری طور کہ وہ خوشامد و چاہلوسی کی خاطر لوگوں کی جھوٹی تعریفیں بیان کریں گے یا بغض و حسد کی بنا پر ان کی جھوٹی مذمت کریں گے اور اپنی تقریر و تحریر میں زبان دانی اور فصاحت و بلاغت کا جھوٹا مظاہرہ کریں گے تاکہ لوگوں کو اپنے دام فریب میں مبتلا کریں اور ان

سے دنیا کا مال و زر حاصل کریں اور اپنی خواہشات کی تکمیل کرائیں۔

”جس طرح گائیں اپنی زبان کے ذریعہ کھاتی ہیں“ کے ذریعہ اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جس طرح گائیں اپنی زبان سے کھاتی ہیں اور چارہ چرتے وقت یہ تمیز نہیں کرتیں کہ وہ چارہ خشک ہے یا تر شیریں ہے یا تلخ اور جائز ہے یا ناجائز۔ اسی طرح وہ لوگ بھی جو کہ اپنی زبانوں کو اپنے ناجائز مقاصد اور ناروا خواہشات کی تکمیل کا وسیلہ و ذریعہ بنائیں گے حق و باطل اور حق و جھوٹ کے درمیان قطعاً کوئی تمیز نہیں کریں گے اور نہ حلال و حرام کے درمیان کوئی فرق کریں گے۔

یاد رکھئے! زبان درازی بیوی کو شوہر تو کیا اللہ بھی پسند نہیں کرتا:

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ يُبْغِضُ
الْبَلْبِلَ مِنَ الرِّجَالِ الَّذِي يَتَحَلَّلُ بِلِسَانِهِ كَمَا يَتَحَلَّلُ الْبَقْرَةُ
بِلِسَانِهَا.

جامع الترمذی، کتاب الادب، باب فی الفصاحة، ح ۲۸۵۲۔

”اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ شخص خست ناپسندیدہ ہے جو کلام و بیان میں حد سے زیادہ فصاحت و بلاغت کا مظاہرہ کرے یا اس طرح کہ وہ اپنی زبان کو اس طرح لپیٹ لپیٹ کر باتیں کرے جس طرح گائیں اپنے چارے کو لپیٹ لپیٹ کر جلدی جلدی اپنی زبان کے ذریعہ کھاتی ہیں۔ اس روایت کو ترمذی اور ابوداؤد نے نقل کیا ہے نیز ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔“

زبان دراز اور چکنی چپڑی باتیں کرنے والا خدا کا ناپسندیدہ ہے:

مطلب یہ ہے کہ زبان درازی اور عداقت لسانی کوئی اچھی چیز نہیں ہے اپنی زبان

اور اپنے کلام میں خواہ مخواہ کے لئے حد سے زیادہ فصاحت و بلاغت کا مظاہرہ کرنا، حاشیہ آرائی اور مبالغہ آمیزی کے ساتھ اپنی بات کو پیش کرنا اور الفاظ کو چپا چپا کر اور زبان کو لپیٹ لپیٹ کر چکنی چپڑی باتیں کرنا احق لوگوں کے نزدیک تو ایک وصف سمجھا جاتا ہے لیکن دانشمند اور عاقل لوگ اس ”وصف“ کے پیچھے چھپی ہوئی برائی کو دیکھتے ہیں کہ عام طور پر اس طرح باتیں بنانے والے لوگ جھوٹے اور حیلہ باز ہوتے ہیں ان کے نزدیک اس وصف کا کوئی اعتبار نہیں اور اسی لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایسا شخص خدا کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ لہذا اچھا کلام وہی ہے جو ضرورت کے بقدر اور سیدھا سادا ہو نیز جس سے یہ واضح ہو کہ متکلم کے ظاہری الفاظ اس کی باطنی کیفیت کے ہم آہنگ ہیں جو شریعت کا تقاضا بھی ہے۔

میں اسی لئے اپنی شاگردوں کو بھی اور بہنوں بیٹیوں کو بھی تنبیہ کرتا ہوں کہ آپ جس لہجے میں بات کرتی ہیں اس میں تو اچھی بات بھی زہر میں بچھے حیر کی مانند ہو کر سینے میں اترتی جاتی ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ضَمَّتْ نَجَا

(زاد احمد والترمذی والدارمی والبیہقی فی شعب الایمان)

”اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص خاموش رہا اس نے نجات پائی۔“

(احمد ترمذی دارمی بیہقی)

ایک چپ سوکھ:

مطلب یہ ہے کہ چپ رہ کر اور زبان کو بری باتوں سے محفوظ رکھ کر دنیا کی بھی بہت سی آفتوں سے نجات مل جاتی ہے اور دینی و اخروی طور پر بھی بہت سی بلاؤں اور

نقصان و خسران سے نجات حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ انسان عام طور پر جن بلاؤں اور آفتوں میں مبتلا ہوتا ہے ان میں سے اکثر زبان ہی کے ذریعہ سے پہنچتی ہیں۔

آپ یہ اکثر آفتیں آپ کی زبان کی وجہ سے آتی ہیں:

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ انسان اپنی زبان سے جو بات نکالتا ہے اور جو کلام کرتا ہے اس کی چار قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک تو محض نقصان دوسرے محض نفع تیسرے وہ بات اور کلام جس میں نہ نفع ہوتا ہو اور نہ نقصان ہوتا ہو اور چوتھے وہ بات و کلام جس میں نفع بھی ہو اور نقصان بھی اس سے بھی خاموشی ہی اختیار کرنا چاہئے کیونکہ نقصان سے بچنا فائدہ حاصل کرنے سے زیادہ اہم ہوتا ہے اور وہ کلام کہ جس میں نفع ہو نہ نقصان تو ظاہر ہے کہ اس میں زبان کو مشغول کرنا محض وقت ضائع کرتا ہے اور یہ چیز بھی خالص ٹوٹا ہے دوسری قسم یعنی وہ کلام کہ جس میں نفع ہی نفع ہو تو اگرچہ ایسی بات و کلام میں زبان کو مشغول کرنا برائی کی بات نہیں ہے لیکن اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ اس میں بھی ابتلائے آفت کا خطرہ ضرور ہوتا ہے بایں طور کہ ایسے کلام میں بسا اوقات ریاء و تصنع خوشنودی نفس اور فضول باتوں کی آمیزش ہو جاتی ہے اور اس صورت میں یہ تمیز کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے کہ کہاں لغزش ہو گئی ہے۔ حاصل یہ کہ ہر حالت اور ہر صورت میں خاموشی اختیار کرنا بہتر اور نجات کا ذریعہ ہے کیونکہ زبان کی آفتیں ان گنت ہیں اور ان سے بچنا سخت مشکل الایہ کہ زبان کو بند ہی رکھا جائے کسی نے خوب کہا ہے۔

اللسان جسدہ صغیر و جرمہ کبیر و کثیر

”زبان کا جسد (ساز) تو چھوٹا ہے مگر اسکے پاپ بڑے اور بہت ہیں۔“

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ غَامِرٍ قَالَ لَقِيتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ مَا النَّجَاةُ فَقَالَ أَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَتَلِيْسُغْكَ

بَيْتُكَ وَابْنُكَ عَلَى خَطِيئَتِكَ (رواہ احمد والترمذی)

احمد بن حنبل المسند۔

”اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے ملاقات کی اور عرض کیا کہ (مجھے بتائیے کہ دنیا اور آخرت میں) نجات کا ذریعہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنی زبان کو قابو میں رکھو تمہارا گھر تمہاری کفایت کرے اور اپنے گناہوں پر روؤ۔“ (احمد ترمذی)

دنیا و آخرت کی نجات کے ذریعے:

لفظ ”الملک“ الف کے ذہر اور لام کے زیر کے ساتھ ہے۔ لیکن حضرت شیخ عبدالحق نے الف کے زیر کو ترجیح دی ہے اس جملہ کے معنی ایک شارح نے یہ لکھے ہیں کہ اپنی زبان کو ایسی چیزوں اور باتوں سے صاف رکھو جن میں خیر و بھلائی نہیں ہے۔ لیکن اس جملہ کے زیادہ صحیح معنی یہ ہیں کہ اپنی زبان کو بند رکھو کہ گویا تم اپنے تئیں اپنے امور کی نگہداشت رکھتے ہو۔ یعنی اپنے دین کے معاملہ میں محتاط اور پرہیزگار رہو اور اپنے حالات (کوائف) پر متوجہ ہونا ظاہر ہے کہ جب تم اپنے معاملات میں محتاط پرہیزگار رہو گے اور اپنے احوال و کوائف پر متوجہ رہ کر اپنی برائیوں اور بھلائیوں پر نظر رکھو گے تو راہ نجات تمہارے سامنے ہوگی۔

تمہارا گھر تمہیں کفایت کرے:

اس کا مطلب شرح مشکوٰۃ میں تو یہ لکھا ہے کہ بری مجلسوں اور برے لوگوں کی صحبت سے بچنے کی خاطر یکسوئی اختیار کر دو اپنے گھر سے اسی وقت باہر نکلو جب نکلنے کی ضرورت پیش آئے اور اس یکسوئی و گوشہ نشینی کی وجہ سے دل برداشتہ نہ ہو بلکہ اس کو نفیست جانو کیونکہ یہ چیز بہت سے فتنہ و فساد اور برائیوں سے نجات پانے کا ذریعہ ہے اسی لئے کہا گیا ہے ہذا زمان السکوت وملازمة البيوت والقناعة بالقوة الى ان

نقصان و خسران سے نجات حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ انسان عام طور پر جن بلاؤں اور آفتوں میں مبتلا ہوتا ہے ان میں سے اکثر زبان ہی کے ذریعہ سے پہنچتی ہیں۔

آپ یہ اکثر آفتیں آپ کی زبان کی وجہ سے آتی ہیں:

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ انسان اپنی زبان سے جو بات نکالتا ہے اور جو کلام کرتا ہے اس کی چار قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک تو محض نقصان دوسرے محض نفع تیسرے وہ بات اور کلام جس میں نہ نفع ہوتا ہو اور نہ نقصان ہوتا ہو اور چوتھے وہ بات و کلام جس میں نفع بھی ہو اور نقصان بھی اس سے بھی خاموشی ہی اختیار کرنا چاہئے کیونکہ نقصان سے بچنا فائدہ حاصل کرنے سے زیادہ اہم ہوتا ہے اور وہ کلام کہ جس میں نفع ہو نہ نقصان تو ظاہر ہے کہ اس میں زبان کو مشغول کرنا محض وقت ضائع کرنا ہے اور یہ چیز بھی خالص ٹونا ہے دوسری قسم یعنی وہ کلام کہ جس میں نفع ہی نفع ہو تو اگرچہ ایسی بات و کلام میں زبان کو مشغول کرنا برائی کی بات نہیں ہے لیکن اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ اس میں بھی ابتلائے آفت کا خطرہ ضرور ہوتا ہے بایں طور کہ ایسے کلام میں بسا اوقات ریا و تصنع، خوشنودی نفس اور فضول باتوں کی آمیزش ہو جاتی ہے اور اس صورت میں یہ تمیز کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے کہ کہاں لغزش ہو گئی ہے۔ حاصل یہ کہ ہر حالت اور ہر صورت میں خاموشی اختیار کرنا بہتر اور نجات کا ذریعہ ہے کیونکہ زبان کی آفتیں ان گنت ہیں اور ان سے بچنا سخت مشکل الا یہ کہ زبان کو بند ہی رکھا جائے کسی نے خوب کہا ہے۔

اللسان جسمه صغير وجرمه كبير وكثير

”زبان کا جسم (سائز) تو چھوٹا ہے مگر اس کے پاپ بڑے اور بہت ہیں۔“

وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ لَقِيتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ مَا النَّجَاةُ فَقَالَ أَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَلَيْسْغَكَ

نَبِّئَكَ وَأَمْلِكْ عَلَى خَلْقِكَ (رواہ احمد والترعذی)

احمد بن حنبلؒ المسند۔

”اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے ملاقات کی اور عرض کیا کہ (مجھے بتائیے کہ دنیا اور آخرت میں) نجات کا ذریعہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنی زبان کو قابو میں رکھو تمہارا گھر تمہاری کفایت کرے اور اپنے گناہوں پر روکو۔“ (احمد ترمذی)

دنیا و آخرت کی نجات کے ذریعے:

لفظ ”املک“ الف کے ذریعہ اور لام کے زیر کے ساتھ ہے۔ لیکن حضرت شیخ عبدالحقؒ نے الف کے زیر کو ترجیح دی ہے اس جملہ کے معنی ایک شارح نے یہ لکھے ہیں کہ اپنی زبان کو ایسی چیزوں اور باتوں سے صاف رکھو جن میں خیر و بھلائی نہیں ہے۔ لیکن اس جملہ کے زیادہ صحیح معنی یہ ہیں کہ اپنی زبان کو بند رکھو کہ گویا تم اپنے تئیں اپنے امور کی نگہداشت رکھتے ہو۔ یعنی اپنے دین کے معاملہ میں محتاط اور پرہیزگار رہو اور اپنے حالات (کوائف) پر متوجہ ہونا ظاہر ہے کہ جب تم اپنے معاملات میں محتاط پرہیزگار رہو گے اور اپنے احوال و کوائف پر متوجہ رہ کر اپنی برائیوں اور بھلائیوں پر نظر رکھو گے تو راہ نجات تمہارے سامنے ہوگی۔

تمہارا گھر تمہیں کفایت کرے:

اس کا مطلب شرح مشکوٰۃ میں تو یہ لکھا ہے کہ بری مجلسوں اور برے لوگوں کی صحبت سے بچنے کی خاطر یکسوئی اختیار کرو اپنے گھر سے اسی وقت باہر نکلو جب نکلنے کی ضرورت پیش آئے اور اس یکسوئی و گوش نشینی کی وجہ سے دل برداشتہ نہ ہو بلکہ اس کو غنیمت جانو کیونکہ یہ چیز بہت سے فتنہ و فساد اور برائیوں سے نجات پانے کا ذریعہ ہے اسی لئے کہا گیا ہے ہذا زمان السکوت وملازمة البيوت والقناعة بالقوة الى ان

تموت طبعی کہتے ہیں کہ وسعت بیتک میں حکم کا ظاہر مورد تو گھر ہے لیکن حقیقت میں اس حکم کا مورد مخاطب ہے گویا اس ارشاد کے ذریعہ مخاطب کو ہدایت کی گئی ہے کہ اپنے گھر میں یکسوئی اور گوشہ نشینی اختیار کر کے مولیٰ کی عبادت میں مشغول رہو۔

فرمانبردار بچو!

اب ذرا خود ہی غور کرو آج کل تو میں نے دیکھا ہے کہ اچھے بھلے کھاتے پیتے گھروں کی بچیاں محض تفریح کی خاطر اور کچھ "آزادی نسواں" کے اظہار کی خاطر نوکری کرتی ہیں۔

یقین جانئے! آپ کا تو یہ شوق ہے لیکن کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ بلا مقصد نوکری کر کے آپ کسی مجبور شخص کا حق مار رہی ہیں جو اس نوکری کا آپ سے زیادہ مستحق تھا جس کی تعلیم بھی ہو سکتا ہے آپ سے زیادہ ہو لیکن آپ ہو سکتا ہے محض خاتون ہونے کی وجہ سے یہ نشست حاصل کر پاکی ہوں۔ ان احادیث کو بغور پڑھئے یہ کوئی میری بات نہیں پیارے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی شان ہے اور ان میں آپ کے لئے بے شمار نصیحتیں چھپی ہیں۔ بات تو فقط غور کرنے کی ہے۔

اپنے ہمسائے میں رہنے والوں غریاء و ناداروں کا خیال کیجئے:

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ فُلَانَةً تَذْكُرُ مِنْ كَثْرَةِ صَلَاتِهَا وَصِيَامِهَا وَصَدَقَتِهَا غَيْرَ أَنَّهَا تُؤْذِي جِيرَانَهَا بِلِسَانِهَا قَالَ هِيَ فِي النَّارِ قَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّ فُلَانَةً تَذْكُرُ قِلَّةَ صِيَامِهَا وَصَدَقَتِهَا أَوْ صَلَاتِهَا وَأَنَّهَا تَصَدَّقُ بِالْأَثْوَارِ مِنَ الْأَقِطِ وَلَا تُؤْذِي جِيرَانَهَا قَالَ هِيَ

فِي الْجَنَّةِ (رواه احمد والبيهقي في شعب الایمان)
 "اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن مجلس نبوی ﷺ میں کسی شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ فلاں عورت کا زیادہ نماز روزے اور کثرت صدقہ و خیرات کی وجہ سے بڑا چرچا ہے (یعنی لوگ کہتے ہیں کہ وہ عورت بہت زیادہ عبادت کرتی ہے اور کثرت سے صدقہ و خیرات کرتی رہتی ہے) لیکن وہ اپنی زبان کے ذریعہ اپنے پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتی ہے۔ حضور ﷺ نے یہ سن کر فرمایا کہ وہ دوزخ میں جائے گی۔ (یعنی وہ عورت چونکہ اپنی بدزبانی اور گالم گلوچ کے ذریعہ اپنے پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتی ہے۔ اس لئے وہ دوزخ میں ڈالی جائے گی اور باوجودیکہ نماز روزہ اور صدقہ و خیرات افضل ترین عبادات ہیں لیکن اس کی یہ عبادتیں بھی اس کے گناہ کا کفارہ نہیں ہوں گی اس شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ فلاں عورت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بہت کم روزے رکھتی ہے بہت کم صدقہ و خیرات کرتی ہے اور بہت کم نماز پڑھتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس کا صدقہ و خیرات قروط کے چند ٹکڑوں سے آگے نہیں بڑھتا لیکن وہ اپنی زبان کے ذریعہ اپنے ہمسایوں کو تکلیف نہیں پہنچاتی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ عورت جنت میں جائے گی۔" (احمد بیہقی)

اپنی بدزبانی کے ذریعہ ہمسایوں کو ایذا پہنچانے والی عورت کے بارے میں وعید:

حضور ﷺ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ اصل میں دین کا مدار جس چیز پر ہے وہ اکتساب فرائض اور اجتناب معاصی ہے یعنی انسان کی اخروی فلاح و نجات محض اس بات پر منحصر ہے کہ وہ دینی فرائض و واجبات پر عمل کرے اور گناہ و معصیت سے پرہیز

کرے اور گناہ و معصیت خواہ ترک فرائض و واجبات کی صورت میں ہوں یا بد عملیوں کی شکل میں! اس بات سے کچھ حاصل ہونے والا نہیں کہ فضول یعنی نفلی عبادات و طاعات کو اختیار کیا جائے اور اصول یعنی واجبات کو ضائع کر دیا جائے۔ جیسا کہ اکبر علماء اور صلحاء اس کمزوری میں مبتلا ہیں چنانچہ علماء تو ان چیزوں کو ترک کرتے ہیں جن پر عمل کرنا واجب ہے اور صلحاء اس علم کو حاصل نہیں کرتے جس کو حاصل کرنا واجب ہے گویا دونوں طبقے ترک واجب کی معصیت کے مرتکب ہیں البتہ وہ مشائخ اور صوفیاء جو علم و عمل دونوں کے حامل ہوتے ہیں وہ واجبات پر عمل کرنے کو جو درجہ دیتے ہیں وہی درجہ ترک واجب کی معصیت سے اجتناب کو بھی دیتے ہیں بلکہ ایک طرح سے ان کے نزدیک اجتناب کی اہمیت مقدم ہے اور وہ حکمائے طب کے اس اصول کو اختیار کرتے ہیں کہ تحلیلہ پر تحلیلہ مقدم ہے لہذا جس طرح اطباء مریض کو پرہیز کراتے اور دو البعد میں دیتے ہیں۔ اس طرح وہ مشائخ و صوفیاء بھی سالکین طریقت کے لئے پہلی منزل تو بہ قرار دیتے ہیں حقیقت بھی ہے کہ جس طرح مریض مسخر چیزوں سے پرہیز نہ کرے تو لاکھ دوائیں بھی اس کے لئے بے فائدہ ہیں اسی طرح کوئی مسلمان گناہ و معصیت سے اجتناب نہ کرے اور ترک واجبات سے دامن نہ بچائے تو لاکھ عبادات کرے اور نوافل و اوراد میں مشغول رہے اس کو خاص فائدہ نہیں ہوگا۔ چنانچہ کلمہ توحید میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ پہلے نفی ہے پھر اثبات اور یہ کہ صفات ثبوتیہ پر صفات سلبیہ مقدم ہیں کیونکہ صفات ثبوتیہ کا حصول تو لازم آتا ہے لیکن صفات ثبوتیہ سے صفات سلبیہ کا حصول لازم نہیں آتا۔

اپنے قریبی لوگوں کو اپنے سے دُور مت بھگائیے:

وَعَنْهُ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَ عَلَى نَاسٍ جُلُوسٍ فَقَالَ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِكُمْ مِنْ شَرِّكُمْ

قَالَ فَسَكَتُوا فَقَالَ ذَلِكَ ثَلَاثُ مَرَّاتٍ فَقَالَ رَجُلٌ نَلَى يَارَسُولَ اللَّهِ أَخْبِرْنَا بِخَيْرِنَا مِنْ شَرِّنَا فَقَالَ خَيْرُكُمْ مَنْ يُزْجِي خَيْرُهُ وَيُؤْمِنُ شَرُّهُ وَشَرُّكُمْ مَنْ لَا يُزْجِي خَيْرُهُ وَلَا يُؤْمِنُ شَرُّهُ

(رواہ الترمذی والبیہقی فی شعب الایمان وقال الترمذی هذا حدیث حسن صحیح)

”اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم ﷺ نے بیٹھے ہوئے صحابہؓ کے سامنے کھڑے ہو کر فرمایا کیا میں تمہیں یہ بتاؤں کہ تم میں نیک ترین شخص کون ہے اور تمہارے بہترین آدمیوں کو تمہارے بدترین آدمیوں سے جدا کر کے دکھاؤں؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صحابہؓ (یہ سن کر) خاموش رہے (کیونکہ انہیں خوف ہوا کہ اگر حضور ﷺ نے عام مفہوم اور عنوان کلی کے طور پر بتانے کے بجائے شخص و متعین طور پر یعنی ایک ایک شخص کا نام لے کر بتا دیا کہ فلاں نیک ہے اور فلاں بد تو اس سے بڑی ذلت اور رسوائی ہوگی یہاں تک کہ) جب حضور ﷺ نے مذکورہ ارشاد تین مرتبہ فرمایا تو ایک صحابی نے عرض کیا کہ ہاں! یا رسول اللہ ﷺ! میں بتا دیجئے اور ہمارے نیک آدمیوں کو ہمارے بد آدمیوں سے ممتاز فرما دیجئے! حضور ﷺ نے فرمایا (تو سنو) تم میں بہترین شخص وہ ہے جس سے لوگ بھلائی کی توقع کریں اور اس کے شر سے محفوظ و مامون ہوں اور تم میں سے بدترین وہ ہے جس سے لوگ بھلائی کی توقع نہ کریں اور اس کے شر سے محفوظ و مامون نہ ہوں۔ (ترمذی و بیہقی) اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔“

کون بہتر ہے اور کون بدتر؟

بہترین اور بدترین شخص کی پہچان تو یہ ہے کہ جس کو حدیث میں فرمایا گیا رہا وہ شخص کہ جس سے لوگ بھلائی کی تو امید رکھتے ہوں، لیکن اس کے شر سے محفوظ و مامون نہ ہوں۔ یا وہ شخص کہ جس کے شر سے تو لوگ محفوظ و مامون ہوں مگر اس سے کسی بھلائی کی توقع نہ رکھتے ہوں تو ایسا شخص بین بین ہوگا کہ اس کو نہ بہترین کہیں گے نہ بدترین۔

وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَفَعَهُ قَالَ إِذَا أَصْبَحَ ابْنُ آدَمَ فَلَانَ الْأَعْضَاءِ كُلِّهَا تَكْفُرُ اللِّسَانُ فَيَقُولُ اتَّقِ اللَّهَ فَبِنَا نَحْنُ بِكَ فَإِنْ اسْتَقَمَّتْ اسْتَقَمْنَا وَإِنْ اغْوَجَتْ اغْوَجْنَا

(زوائد الترمذی)

جامع الترمذی کتاب الزہد باب فی حفظ اللسان ح ۲۴۰۷۔
"اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ سے بطریق مرفوع نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب ابن آدم صبح کرتا ہے تو سارے اعضاء جسم زبان کے سامنے عاجزی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے حق میں اللہ سے ڈر کیونکہ ہمارا تعلق تجھ ہی سے ہے۔ اگر تو سیدھی رہے گی تو ہم بھی سیدھے رہیں گے اور اگر تو میڑھی ہوگی تو ہم بھی میڑھے ہو جائیں گے۔"

تمام اعضاء جسم زبان سے عاجزی کرتے ہیں:

یوں تو سارے جسمانی نظام کا ظاہری و روحانی دار و مدار دل پر ہے کہ اگر دل درست و صالح ہے تو تمام اعضاء جسم بھی درست و صالح رہتے ہیں اور اگر دل فاسد و ناکارہ ہو جائے تو سارے اعضاء بھی فاسد و ناکارہ ہو جاتے ہیں جب کہ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے:

ان فی الجسد مضغة ان صلحت صلح الجسد كله و اذا فسدت فسد الجسد كله

"جسم میں گوشت کا اٹھرا ہے (جس کو دل کہا جاتا ہے) اگر وہ درست ہو تو سارا جسم درست ہے اور اگر وہ بگڑ گیا تو سارا جسم بگڑ گیا۔"

اس حقیقت کا باوجود اس حدیث میں یہ ظاہر کرنا کہ گویا زبان ہی سارے اعضاء جسم کی سردار ہے اس اعتبار سے ہے کہ حقیقت میں "دل" ہی جسم کا بادشاہ ہے مگر دل کا ترجمان اور خلیفہ زبان ہی ہے کہ دل جو کچھ سوچتا ہے زبان اس کو بیان کرتی ہے اور دیگر اعضاء جسم اس پر عمل کرتے ہیں۔ لہذا جو حکم دل کا ہے وہی زبان کا ہے کہ جس طرح دل کے صالح و فاسد ہونے کا اثر سارے اعضاء جسم پر پڑتا ہے اس طرح زبان کا بناؤ بگاڑ بھی تمام اعضاء جسم کو بناتا اور بگاڑتا ہے۔

وَعَنْ عَمَّارٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ ذَاوَجْهَيْنِ فِي الدُّنْيَا كَانَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ لِسَانَانِ مِنْ نَارٍ

ابوداؤد کتاب الادب باب فی ذی الوجهین ح ۴۸۸۳۔

"اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص دنیا میں دو روئے ہوگا قیامت کے دن اس کے (مٹ میں) آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔" (داری)

دو روئے کے بارے میں وعید:

دو روئے اصل میں منافق صفت آدمی کو کہتے ہیں یعنی وہ شخص جو کسی کے حق میں مخلص نہ ہو زبان سے کچھ کہے اور دل میں کچھ رکھے جب کسی کے سامنے بات کرے تو اس طرح کرے کہ مخاطب یہ سمجھے کہ یہ میرا بڑا دوست و ہمدرد ہے مگر جب اس کے پیچھے

چھپے بات کرے تو زبان سے ایسے الفاظ نکالے جو اس کے لئے تکلیف کا باعث ہوں۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ دورویہ اس شخص کو کہتے ہیں جو آپس میں محاسنت رکھنے والے دو آدمیوں میں سے ہر ایک کی منہ دیکھی بات کرے ایک کے پاس جائے تو اس کی پسند کی باتیں کرے اور وہ یہ سمجھے کہ یہ میرا دوست ہے اسی طرح دوسرے کے پاس جائے تو اس کی سی کہے اور وہ سمجھے کہ یہ میرا دوست ہے غرضیکہ دونوں میں سے ہر ایک کے پاس اس کی محبت ظاہر کرے اور دوسرے کی برائی کرے اسی طرح دونوں ہی اس کے بارے میں غلط فہمی کا شکار رہیں اور ہر ایک یہ سمجھتا ہے کہ یہ میرا دوست و بھروسہ اور مددگار ہے اور میرے مخالف کا دشمن و بدخواہ۔

آپ عورتوں میں تو یہ خرابی بے حد پائی جاتی ہے۔ شوہر کے سامنے شوہر کی اور جیسے ہی اپنے والدین کے سامنے پہنچی چاہی نہ چاہی ہر بات گلے کے انداز میں پیش کرنے لگیں

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا بِاللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيٍّ (رواه الترمذی والبیہقی فی شعب الایمان وفی اخری له ولا الفاحش البذی وقال الترمذی ہذا حدیث غریب)

جامع الترمذی کتاب البر باب ما جاء فی اللعنہ ح ۱۹۷۷۔

”اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”(کامل) ”مؤمن نہ تو طعن کرنے والا ہوتا ہے نہ لعن کرنے والا نہ فحش گوئی کرنے والا ہوتا ہے نہ زبان درازی کرنے والا (ترمذی بیہقی) اور بیہقی کی روایت میں نہ فحش گوئی کرنے والا زبان دراز“ کے الفاظ ہیں یعنی اس

روایت میں ”بذی“ کو ”فاحش“ کی صفت قرار دیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص کامل مؤمن نہیں ہو سکتا جو حد سے زیادہ فحش گوئی کرنے والا ہو نیز ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

ہر وقت لعنت ملامت نہ کرتی رہئے:

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَكُونُ الْمُؤْمِنُ لَعَّانًا وَفِي رِوَايَةٍ لَا يَتَّبِعُ لِلْمُؤْمِنِ أَنْ يَكُونَ لَعَّانًا

جامع الترمذی کتاب البر باب ما جاء فی اللعن ح ۲۰۱۹۔

”اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”وہ شخص (کامل) ”مؤمن نہیں ہو سکتا جو بہت زیادہ لعنت کرنے والا اور لعنت کرنے کا عادی ہو“۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ”اور کسی مؤمن کے لئے یہ موزوں نہیں کہ وہ بہت زیادہ لعنت کرنے والا ہو“۔ (ترمذی)

یہود پہ لعنت بھیجنے پر نبی کریم ﷺ کا سیدہ عائشہ کو انتہاء کرنا:

وَعَنِ عَائِشَةَ قَالَتْ اسْتَأْذَنَ رَبِطٌ مِنَ الْيَهُودِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا السَّامُ عَلَيْكُمْ غَقْلُكُ بَلْ عَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ إِنَّ اللَّهَ رَفِيقُ نَجِثٍ الرَّفِيقُ فِي الْأَمْرِ كَلْبُهُ قُلْتُ أَوَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوا قَالَ قَدْ قُلْتُ وَعَلَيْكُمْ وَفِي رِوَايَةٍ عَلَيْكُمْ وَلَمْ يَذْكُرِ الْوَاوُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ أَنَّ الْيَهُودَ أَتَوْا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا السَّامُ عَلَيْكَ قَالَ وَعَلَيْكُمْ فَقَالَتْ
عَائِشَةُ السَّامُ عَلَيْكُمْ وَلَعَنَكُمْ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْكُمْ فَقَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهَا يَا عَائِشَةُ عَلَيْكَ
بِالرَّفْقِ وَإِيَّاكَ وَالْغَنَفَ وَالْفُحْشَ قَالَتْ أَوْلَمْ تَسْمَعْ مَا
قَالُوا قَالَ أَوْلَمْ تَسْمَعِي مَا قُلْتُ رَدَدْتُ عَلَيْهِمْ فَيُسْتَجَابُ
لِي فِيهِمْ وَلَا يُسْتَجَابُ لَهُمْ فِي وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ لَا
تَكُونِي فَاَجْشَةَ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفُحْشَ وَالْفُحْشَ

صحیح بخاری کتاب السنن المروءین ح ۶۹۲۷۔

”اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک دن یہودیوں کی ایک
جماعت نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت مانگی۔
چنانچہ ان کو اجازت دے دی گئی اور جب وہ آپ ﷺ کے پاس آئے تو
کہا تمہیں موت آئے اور تم پر لعنت ہو۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:
عائشہ رضی اللہ عنہا اللہ تعالیٰ محبت و نرمی کرنے والا ہے اور ہر کام میں محبت و
نرمی کو پسند کرتا ہے میں نے عرض کیا کیا آپ نے سنا نہیں انہوں نے
(سلام کے) بجائے کیا لفظ کہا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا بے شک میں
نے سنا ہے اور میں نے ان کے جواب میں کہا ہے کہ وعلیکم اور ایک
روایت میں یہ لفظ علیکم ہے یعنی واؤ کا ذکر نہیں ہے۔ (بخاری و مسلم)
اور بخاری کی ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
نے فرمایا ایک دن کچھ یہودی رسول کریم ﷺ کے پاس آئے اور انہوں
نے السلام علیکم کہنے کے بجائے یوں کہا کہ السام علیکم آنحضرت
ﷺ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ وعلیکم۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

فرماتی ہیں کہ یہودیوں کی یہ بد تمیزی مجھ سے برداشت نہیں ہوئی اور میں
نے ان کے جواب میں کہا کہ تمہیں موت آئے اور تم پر اللہ کی لعنت ہو اور تم
پر اللہ کا غضب ٹوٹے۔ آنحضرت ﷺ نے جب میری زبان سے ایسے سخت
الفاظ سنے تو فرمایا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا رک جاؤ تمہیں نرمی اختیار کرنی
چاہئے نیز سخت گوئی اور لہجہ باتوں سے اجتناب کرنا چاہئے۔ حضرت عائشہ
رضی اللہ عنہا نے کہا کہ کیا آپ نے نہیں سنا کہ انہوں نے کیا لفظ کہا ہے؟
آنحضرت ﷺ نے فرمایا اور کیا تم نے نہیں سنا کہ انہوں نے جو کچھ کہا ہے
میں نے اس پر کیا جواب دیا ہے تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ان کے حق میں
میری دعا یا بد دعا تو قبول ہوتی ہے لیکن میرے حق میں ان کی دعا یا بد دعا
قبول نہیں ہوتی۔ اور مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ
نے فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا تم لہجہ باتیں کرنے والی مت بنو کیونکہ اللہ
تعالیٰ لہجہ باتوں کو اور یہ تکلف لہجہ باتیں بنانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

چھوٹی چھوٹی باتوں پہ بددعا کیلئے ہاتھ نہ اٹھاتی پھرئیے:

وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلَاعَنُوا بِلُغَةِ اللَّهِ وَلَا بِغَضَبِ اللَّهِ وَلَا
بِجَهَنَّمَ وَفِي رِوَايَةٍ وَلَا بِالنَّارِ (رواه الترمذی وابوداؤد)
جامع الترمذی کتاب البر باب ما جاء فی اللعنة ح ۱۹۷۶۔

”اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے
ارشاد فرمایا: ”آپس میں ایک دوسرے کے لئے نہ تو خدا کی لعنت کی بد دعا
کرنے خدا کے غضب کی اور نہ جہنم میں جانے کی بد دعا کرو۔“

مطلب یہ ہے کہ یوں تو کسی صورت میں بھی کسی مسلمان کو اپنے مسلمان بھائی

جو شخص لعنت کے قابل نہ ہو اس پر لعنت کرنا خود اپنے آپ کو مبتلائے لعنت کرنا ہے:

اس حدیث کے ذریعہ لعنت کی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ جس چیز کو لوگ بہت معمولی سمجھتے ہیں اور ہر کس و نا کس پر لعنت کرتے رہتے ہیں انجام کار خود ہی اس لعنت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ جب کوئی شخص کسی پر لعنت کرتا ہے تو وہ لعنت ابتداء ہی سے اس پر متوجہ نہیں ہوتی اور یہ چاہتی ہے کہ ادھر ادھر سے ہو کر باہر نکل جائے مگر جب کسی طرف کو راستہ نہیں پاتی تو آخر کار اس پر متوجہ ہوتی ہے بشرطیکہ وہ اس لعنت کا سزاوار ہو اور اگر حقیقت کے اعتبار سے وہ اس لعنت کا سزاوار نہیں ہوتا تو پھر انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ لوٹ کر اس شخص پر واقع ہو جاتی ہے جس نے وہ لعنت کی ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ جب تک یقینی طور پر یہ معلوم نہ ہو کہ فلاں شخص لعنت کا واقعی مستوجب ہے اس پر لعنت نہ کی جائے اور ظاہر ہے کہ کسی شخص کا قابل لعنت ہونا شارع علیہ السلام کی طرف سے بتائے بغیر متعین نہیں ہو سکتا۔

شوہر اور سرالیوں سے خوشی طبعی سے پیش آئیے:

فرما تہر دار بشیو!

آپ کے اور شوہر کے درمیان میں اپنے ذاتی مشاہدے کی بنیاد پر یہ بات کہہ رہا ہوں کہ سب سے زیادہ وجہ نزاع (خاص طور پر ابتدائی سالوں میں) یہ سرالی رشتہ دار ہی بنیں گے یا تو آپ کا رویہ ان کے ساتھ اچھا نہیں ہوگا یا ان کا۔ وجہ جو بھی ہو کند آپ پر ہی آ کر ٹوٹے گی۔

خوشی طبعی یا مزاج سے میرا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ آپ شوہر کے گھر سے نکلتے ہی سرالیوں کے ساتھ باہا بی بی ہو ہو کر بیٹھ جائیں۔ آئیں آپ کو بتاؤ کہ مزاج اور خوش طبعی حقیقت میں ہے کیا۔

کے حق میں بددعا نہ کرنی چاہئے کہ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے لیکن خدا کی لعنت وغیرہ جیسی چیزوں کی بددعا کرنا تو سخت برا اور گناہ کی بات ہے چنانچہ کسی کے حق میں اس طرح بددعا نہ کرنی چاہئے کہ تجھ پر خدا کی لعنت ہو یا تجھ پر خدا کا غضب ٹوٹے یا خدا کرے تو جہنم میں جائے اور یا خدا کرے تو دوزخ کی گھاٹی میں جلے وغیرہ وغیرہ۔

وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا لَعَنَ شَيْئًا صَبَدَتْ اللُّغَةُ إِلَى السَّمَاءِ فَتُغْلَقُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ دُونَهَا ثُمَّ يَنْهَبُ إِلَى الْأَرْضِ فَتُغْلَقُ أَبْوَابُهَا دُونَهَا ثُمَّ تَأْخُذُ يَمِينًا وَشِمَالًا فَإِذَا لَمْ تَجِدْ مَسَاغًا رَجَعَتْ إِلَى الذِّئْلِ لَعْنٍ فَإِنْ كَانَ لِذَلِكَ أَهْلًا فَلَا رَجْعَ إِلَى قَائِلِهَا (رواه ابوداؤد)

ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی اللعن، ح ۴۹۰۵۔

”اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ ”جب کوئی بندہ کسی چیز یعنی کسی انسان یا غیر انسان پر لعنت کرتا ہے تو وہ لعنت آسمان کی طرف جاتی ہے اور آسمان کے دروازے اس لعنت پر بند کر دیئے جاتے ہیں پھر وہ لعنت دائیں بائیں طرف جانا چاہتی ہے (مگر ادھر سے بھی دستکار دی جاتی ہے) چنانچہ جب وہ کسی طرف بھی راستہ نہیں پاتی تو اس چیز کی طرف متوجہ ہوتی ہے جس پر لعنت کی گئی ہے یہاں تک کہ اگر وہ چیز اس لعنت کی اہل و سزاوار ہوتی ہے تو اس پر واقع ہو جاتی ہے ورنہ اپنے کہنے والے کی طرف لوٹ جاتی ہے۔“

(ابوداؤد)

مزاج میم کے زیر کے ساتھ مصدر ہے جس کے معنی ہیں خوش طبعی کرنا، ہنسی مذاق کرنا اور میم کے پیش کے ساتھ یعنی مزاج اسم مصدر ہے جس کے معنی مطابہ یعنی خوش طبعی و مفاہت کے ہیں۔

عربی میں لفظ مزاج کا اطلاق اس خوش طبعی اور ہنسی مذاق پر ہوتا ہے جس میں کسی کی دل شکنی اور ایذا رسانی کا پہلو نہ ہو اس کے برخلاف جس خوش طبعی اور ہنسی مذاق کا تعلق دل شکنی اور ایذا رسانی سے ہو اس کو سحر یہ کہتے ہیں۔

ایک حدیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ لا تغاروا ولا تعادوا ولا تمناؤا یعنی اپنے مسلمان بھائی سے جھگڑا فساد نہ کرو اور نہ اس کے ساتھ ہنسی مذاق کرو تو علماء لکھتے ہیں کہ وہ مزاج و مفاہت ممنوع ہے جس میں حد سے تجاوز کیا جائے اور اس کو مادت بنا لیا جائے کیونکہ ہر وقت مزاج و مفاہت میں مبتلا رہنا اور اس میں حد سے تجاوز کرنا بہت زیادہ ہنسنے اور قہقہہ لگانے کا باعث ہوتا ہے جو قلب و ذہن کو قساوت اور بے حسی میں مبتلا کر دیتا ہے ذکر الہی سے غافل کر دیتا ہے۔ مہمات دین میں غور و فکر اور پیش قدمی سے باز رکھتا ہے اور اکثر اوقات اس کا انجام ایذا رسانی اور آپس میں بغض و عناد کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے علاوہ ازیں یہ بھی حقیقت ہے کہ جو شخص ہر وقت ہنسی مذاق کرتا رہتا ہے اس کی شخصیت بری طرح متاثر اور مجروح ہو جاتی ہے کہ نہ اس کا کوئی دبدبہ قائم رہتا ہے اور نہ اس کی عظمت اور اس کا وقار باقی رہتا ہے۔ اس کے برعکس جو مزاج و مفاہت حد کے اندر اور کبھی کبھار ہو وہ نہ صرف مباح ہے بلکہ صحت مزاج اور نو نشاط اور سلامت طبع کی علامت بھی ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ بھی مزاج اور مفاہت کو اختیار فرماتے تھے جس سے آپ ﷺ کا مقصد مخاطب کی دل بستگی و خوش وقتی اور آپس میں محبت و موانست کے جذبات کو مستحکم کرنا ہوتا تھا اور یہ چیز سنت مستحبہ ہے اور اگر اس موقع پر یہ اشکال واقع ہو کہ یہ بات کہ وہی مزاج و مفاہت مباح ہے جو کبھی کبھار ہو۔ اس روایت کے مخالف ہے جس میں حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے بیان کیا

ہے کہ ما رایت احدا اکثر مزاحا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی میں نے رسول کریم ﷺ سے زیادہ مزاح کرنے والا کوئی شخص نہیں دیکھا تو اس کا جواب مختصر طور پر یہ ہوگا کہ زیادہ مزاج و مفاہت کرنے کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ اس سے نفس پر قابو نہیں رہتا اور ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کے برابر کوئی اور شخص اپنے نفس پر قابو نہیں رکھ سکتا لہذا یہ چیز (زیادہ مزاج کرنا) ان امور میں سے ہے جو صرف آنحضرت ﷺ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں اور دوسروں کے لئے ان سے اجتناب ہی اولیٰ ہے اس کی تائید ترمذی کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو آگے آئے گی کہ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ ہمارے ساتھ مزاج فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا میں مزاج میں بھی سچ کہتا ہوں۔ حاصل یہ کہ زیادہ مزاج کرنے کی ممانعت کا تعلق آنحضرت ﷺ کے سوا دوسرے لوگوں سے ہے ہاں اگر کوئی شخص حد پر قائم رہے نفس پر قابو رکھے اور راہ اعتدال سے منحرف نہ ہونے پر قادر ہو وہ بھی اس ممانعت سے مستثنیٰ ہوگا۔

چھوٹی موٹی چیزوں کی کھوجانے کی صورت میں سرسرایوں پر الزام

نہ دھردیجئے:

پیاری بیٹیو!

اس سے پہلے کہ اس بات آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے کچھ بیان کروں پہلے فقط یہ عرض کرنے کی جرات کر رہا ہوں کہ کیا جب اپنے والدین کے گھر میں تھی تو کیا کوئی چیز کھوئی نہ گئی تھی۔ کیا آپ کا بازو کتاب انگوٹھی پیسے وغیرہ کبھی تو چوری یا کبھی لاپرواہی یا بے حساسی کی وجہ سے ادھر ادھر نہیں ہو گئے تھے تو کیا آپ فوراً اپنی والدہ اور بہن بھائیوں پر چوری کا الزام لگا دیتی تھیں نہیں نہیں۔ حاشا کھایا ہر گز نہیں ہوتا تھا تو اب

شوہر کے گھر میں آکر آپ کی طبیعت کو کیا ہوا کہ پانچ منٹ چیز نہ ملے تو فوراً شوہر کے کان بھرنے شروع کر دیئے کہ ہونہ ہو یہ کام ضرور دیور صاحب کا ہے کرتے درتے تو کچھ ہیں نہیں فقط دشمن اناج کے۔

کچھ عرصہ صبر سے گزاریں آپ خود ہی سرالیوں کے ساتھ ایڈجسٹ کر جائیں گی اور ان کے بغیر آپ کو گھر سونا سونا لگے گا:

ابھی وہ پڑھ رہا ہے جب پڑھ لکھ جائے گا تو یقیناً وہ بھی آپ کے شوہر کی طرح ذمہ دار بن جائے گا آپ کی نندیں بھی ابھی پڑھ رہی ہیں ان کا بھی وقت آئے گا تو وہ اپنے گھر چلی جائیں گی۔ یاد رکھئے ایک ایسا بھی وقت آئے گا کہ آپ انہی رشتوں کے دم سے زندہ ہوں گی۔ بس ذرا وقت گزرنے دیجئے۔ خود ہی ان رشتوں کی محبت آپ کے دل میں جاگ جائے گی۔

اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

اور جو شخص کوئی بُرائی کرے یا اپنی جان کا ضرر کرے پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہے تو اللہ تعالیٰ کو بڑی مغفرت والا بڑا رحمت والا پائے گا اور جو شخص کچھ گناہ کا کام کرتا ہے تو وہ فقط اپنی ذات پر اس کا اثر پہنچاتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے اور حکمت والے ہیں اور جو شخص کوئی چھوٹا گناہ کرے یا بڑا گناہ پھر اس کی تہمت کسی بے گناہ پر لگائے سو اس نے تو بڑا بھاری بہتان اور صریح گناہ کیا اپنے اوپر لاوا اور اگر آپ پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوں تو ان لوگوں میں سے ایک گروہ نے تو آپ کو غلطی ہی میں ڈال دینے کا ارادہ کر لیا تھا اور غلطی میں نہیں ڈال سکتے لیکن اپنی جان کو اور آپ کو ذرہ برابر ضرر نہیں پہنچا سکتے اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور علم کی باتیں نازل

فرمائیں اور آپ کو وہ وہ باتیں بتلائیں ہیں جو آپ نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے۔ (النساء: ۱۱۳ تا ۱۰۰)

بے گناہ ہوں پر تہمت تراشی جرم عظیم ہے:

اللہ تعالیٰ اپنے کرم اور اپنی مہربانی کو بیان فرماتا ہے کہ جس گناہ سے جو کوئی توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی طرف مہربانی سے رجوع کرتا ہے۔ ہر وہ شخص جو رب کی طرف بھٹکے رب اپنی مہربانی سے اور اپنے وسعت رحمت سے اسے ڈھانپ لیتا ہے اور اس کے صغیرہ اور کبیرہ گناہ کو بخش دیتا ہے گو وہ آسمان و زمین اور پہاڑوں سے بھی بڑے ہوں۔ بنو اسرائیل میں جب کوئی گناہ کرتا تو اس کے دروازہ پر قدرتی حروف میں اس کا کفارہ لکھا ہوا نظر آ جاتا۔ جو اسے ادا کرتا پڑتا اور انہیں یہ بھی حکم تھا کہ ان کے کپڑوں پر اگر پیشاب لگ جائے تو اتنا کپڑا کتر واڈالیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس اُمت پر آسانی کر دی پانی سے دھو لیتا ہی کپڑے کی پاکی رکھی اور صرف توبہ سے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ ایک عورت نے حضرت عبداللہ بن مفضلؓ سے سوال کیا کہ ایک عورت نے بدکاری کی پھر جب بچہ ہوا تو اسے مار ڈالا۔ آپ نے فرمایا اس کی سزا جہنم ہے۔ وہ روتی ہوئی واپس چلی تو آپ نے اسے بلایا اور آیت: ﴿لَمَنْ يَظْلِمْ﴾ پڑھ کر سنائی تو اس نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے اور واپس لوٹ گئی۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں: جس مسلمان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے۔ پھر وہ وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کر کے اللہ سے استغفار کرے۔ تو اللہ اس کے گناہ بخش دیتا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت اور آیت: ﴿وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً﴾ (آل عمران: ۱۲۳) کی تلاوت کی۔

حضرت ابو داؤدؒ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ مجلس میں سے اٹھ کر اپنے کسی کام کے لئے بھی جاتے اور واپس تشریف لائے گا ارادہ بھی ہوتا تو جوتی یا کپڑا کچھ نہ کچھ چھوڑ جاتے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ اپنی جوتی چھوڑے ہوئے تھے اور ڈولچی پانی کی ساتھ لے کر چلے۔ میں بھی آپ کے پیچھے ہو لیا۔ آپ کچھ دور جا کر

بغیر حاجت پوری کئے بغیر واپس آئے اور فرمانے لگے: میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا آیا اور مجھے یہ پیغام دے گیا۔ پھر آپ ﷺ نے آیت: ﴿وَمَنْ يَعْمَلْ﴾ پڑھی اور فرمایا میں اپنے صحابہ کو یہ خوشخبری سنانے کے لئے راستے میں سے ہی لوٹ آیا ہوں۔ اس سے پہلے چونکہ آیت: ﴿مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ﴾ (النساء: ۱۲۳) یعنی ہر برائی کرنے والے کو اس کی برائی کا بدل ملے گا اتر چکا تھا اس لئے صحابہ مشقت میں تھے۔ میں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ اگر کسی نے زنا کیا ہو چوری کی ہو۔ پھر وہ استغفار کرے تو اسے بھی اللہ بخش دے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ میں نے دوبارہ پوچھا: آپ ﷺ نے پھر کہا: ہاں میں نے سہ بارہ دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں ہاں گواہ و رداء کی ناک خاک آلود ہو۔ پس حضرت ابوذر داء جب یہ حدیث بیان کرتے اپنی ناک پر مار کر بتلاتے۔

پھر فرماتا ہے: گناہ کمانے والا اپنا ہی بُرا کرتا ہے۔ جیسے اور جگہ ہے کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ ایک دوسرے کو نفع نہ پہنچا سکے گا۔ ہر شخص اپنے کرتوت کا ذمہ دار ہے۔ کوئی نہ ہوگا جو بوجھ بنائے۔ خدائی علم خدائی حکمت خدائی عدل خدائی رحمت کے خلاف ہے کہ ایک کے گناہ پر دوسرا پکڑا جائے۔ پھر فرماتا ہے جو خود بُرا کام کرے کسی بے گناہ پر اس کا الزام نہ پڑے۔ جیسے بنو امیہ نے لبید کا نام لے دیا۔ جو واقعہ تفصیل وار اس سے اگلی آیت کی تفسیر میں بیان ہو چکا ہے۔ یا مراد زید بن سہیل یہودی ہے۔ جیسے بعض اور مفسرین کا خیال ہے کہ اس چوری کی تہمت اس قبیلے نے اس بے گناہ کے ذمے لگائی تھی اور خود ہی خائن اور ظالم تھے۔ آیت گوشان نزول کے اعتبار سے خاص ہے لیکن حکم کے اعتبار سے عام ہے۔ جو ایسا کرے خدائی سزا کا مستحق ہے۔ اس کے بعد کی آیت وَلَوْلَا کا تعلق بھی اسی واقعہ سے ہے۔ یعنی لبید بن عردہ اور ان کے ساتھیوں نے بنو امیہ کے چوروں کی حضور ﷺ کے سامنے برأت کر کے ان کی پاک دامنی کا اظہار کر کے حضور ﷺ کو اصلیت سے بنانے کا سارا کام کر لیا تھا۔

لیکن اللہ نے جو آپ کی عصمت کا حقیقی نگہبان ہے۔ آپ کو اس خطرناک موقع پر خائوں کی طرفداری سے بچالیا اور اصلی واقعہ صاف کر دیا۔ کتاب سے مراد قرآن اور حکمت سے مراد سنت ہے۔ نزول وحی سے پہلے آپ جو نہ جانتے تھے ان کا علم پروردگار نے آپ کو بذریعہ وحی کر دیا۔ جیسے اور آیت میں ہے: ﴿وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا﴾ (الشوریٰ: ۵۲) سے پوری سورت تک اور آیت میں ہے: ﴿وَمَا كُنْتَ تَرْجُو أَن يُلْقَى إِلَيْكَ الْكِتَابُ﴾ (القلم: ۸۶) اسی لئے یہاں بھی فرمایا: یہ سب باتیں اللہ کا فضل ہیں جو آپ ﷺ کے شامل حال ہیں۔

اپنی تند یاد یوروں کے بچوں کو اچھے القابات سے پکارئے:
نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عَنْ أَنَسٍ قَالَ إِنْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُخَالِطَنَا حَتَّى يَقُولَ لِأَخٍ لِّي صَغِيرًا يَا أَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ وَكَانَ لَهُ نُغَيْرٌ يُلْعَبُ بِهِ فَمَاتَ (متفق عليه)

صحیح بخاری، کتاب الادب، باب الانسباط، الی الناس، ح ۶۱۲۹۔
”حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہم سے اختلاط و خوش طبعی فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ میرے چھوٹے بھائی سے ازراہ مذاق فرماتے ابوعمیر! انھیو کہاں گیا؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میرے اس چھوٹے بھائی کے پاس ایک انھیو تھا جس سے وہ کھیلا کرتا تھا اور جو مر گیا تھا۔“ (بخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے چھوٹے بھائی کا ذکر کیا ہے ان کا نام کبشہ تھا اور وہ ان کے اخیانی یعنی ماں شریک بھائی تھے ان کے باپ کا نام ابوطلحہ زید بن سہیل انصاری رضی اللہ عنہ تھا۔

”تغیر“ تغیر ہے فقہ کی جو ایک چھوٹے پرندے کا نام ہے اور چھوٹی چڑیا کی طرح ہوتا ہے اور اس کی چونچ سرخ ہوتی ہے بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ وہ پرندہ چڑیا کی طرح سرخ سر والا ہوتا ہے نیز بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ اہل مدینہ اس پرندے کو بلبل کہتے تھے ہو سکتا ہے کہ یہ وہی پرندہ ہو جس کو ہمارے ہاں لال کہتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی کبشہ اس پرندے کو لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس آتے تھے جیسا کہ چھوٹے بچوں کو جب کوئی چڑیا وغیرہ مل جاتی ہے تو اس کے ساتھ کھیلا کرتے ہیں اور اس کو اپنے ساتھ رکھتے ہیں پھر ایک دن اچانک وہ پرندہ مر گیا اس کے بعد جب وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ ﷺ ان کو ازراہ مذاق چھیڑتے اور پوچھتے کہ ارے ابوعمیر تمہارا تغیر کیا ہوا؟ گویا ان کو مخاطب کرتے وقت ظرافت کے ساتھ لفظ کلام کا اسلوب بھی اختیار فرماتے یعنی تغیر کی مناسبت سے اور اس لفظ کے قافیہ کے طور پر ان کو ابوعمیر کی کنیت کے ذریعہ مخاطب فرماتے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچوں کو چڑیا وغیرہ سے دل بہلانا اور ان کے ساتھ کھیل کود کرنا جائز بشرطیکہ اس کو تکلیف و ایذا نہ پہنچائیں نیز اس سے معلوم ہوا کہ کسی چھوٹے اور کمسن بچے کی کنیت مقرر کرنا جائز ہے اور یہ جھوٹ میں داخل نہیں ہے نیک قالی ہے۔

خوش طبعی میں بھی سچ کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیے:
فرمانبردار بچو!

آپ کو ہم اس چیز کی ہرگز تاکید نہیں کر رہے کہ ہر وقت فقط ان رشتوں پہ ہی نظر رکھئے بلکہ اپنی آخرت کی فکر بھی آپ کو دامن گیر رہنی چاہیے۔ اسی لئے خوشی طبعی میں بھی جھوٹ کی آمیزش نہ ہونے دیجئے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكَ تُدَاعِبُنَا قَالَ إِنِّي لَا أَقُولُ إِلَّا حَقًّا

جامع الترمذی، کتاب البر والصلة، باب ما جاء فی المزاح، ج ۱۹۹۰۔
”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ ہم سے خوش طبعی فرماتے ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ لیکن اس خوش طبعی میں بھی میں سچی بات کہتا ہوں۔“ (ترمذی)

نبی کریم ﷺ کا ہنسی مذاق بھی جھوٹ پر مبنی نہیں ہوتا تھا:

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو زیادہ ہنسی مذاق کرنے سے منع فرمایا تو اس کے بعد انہوں نے مذکورہ سوال کیا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کو جواب دیا کہ ہنسی مذاق کی ممانعت اس بنا پر ہے کہ اس میں عام طور پر جھوٹی باتوں اور غیر شرعی امور کا ارتکاب ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ تم میں سے کوئی بھی شخص اس پر قادر نہیں ہے کہ اس کا ہنسی مذاق جھوٹ اور لالچ یعنی باتوں سے کلیتہً پاک ہو کیونکہ تم کو معصوم نہیں بنایا گیا ہے لیکن حق تعالیٰ نے مجھ کو معصوم بنایا ہے اور مجھے اس بات پر قادر کیا ہے کہ میرے کسی بھی ہنسی مذاق کی بات میں جھوٹ کی آمیزش ہو وہ ناجائز ہے یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کبھی بھی ایسا مزاح نہیں فرماتے تھے جس میں جھوٹ اور لچر بات کا شائبہ بھی پایا جاتا ہو اور اگر ہنسی مذاق کی کوئی بات حقیقت کے اعتبار سے جھوٹ پر مبنی نہ ہو تو وہ جائز ہے لیکن اس کے باوجود ہنسی مذاق اور ظرافت کو عادت نہ بنالینا کیونکہ اس کی وجہ سے دبدبہ اور وقار ختم ہو جاتا ہے۔

خوش طبعی کا ایک انداز نبوی:

وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَجُلًا اسْتَحْمَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي خَامِلٌ عَلَى وَلَدٍ نَاقَةٍ فَقَالَ مَا

أَصْنَعُ بَوْلِي النَّاقَةَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهَلْ تَلِدُ الْإِبِلُ إِلَّا النُّوقَ

(رواه الترمذی و ابو داؤد)

جامع الترمذی، کتاب البر والصلة، باب ما جاء في المزاح، ح ۱۹۹۱۔
"اور انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن ایک شخص نے رسول کریم ﷺ سے سواری کا ایک جانور مانگا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں تمہاری سواری کے لئے اونٹنی کا بچہ دوں گا۔ اس شخص نے (حیرت کے ساتھ) کہا یا رسول اللہ ﷺ میں اونٹنی کے بچہ کا کیا کروں گا؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اونٹ کو اونٹنی ہی تو جنتی ہے۔" (ترمذی، ابو داؤد)

اس شخص نے یہ سمجھا تھا کہ اونٹنی کے بچے سے مراد وہ چھوٹا بچہ ہے جو سواری کے قابل نہیں ہوتا لیکن آنحضرت ﷺ کی مراد یہ تھی کہ سواری کے قابل جو اونٹ ہوتا ہے وہ بچہ تو اونٹنی ہی کا ہوتا ہے۔ لہذا آنحضرت ﷺ نے اس شخص کی طلب پر مذکورہ ارشاد بطور خوش طبعی فرمایا اور پھر اس کی حیرت پر جو جواب دیا اس کے ذریعہ نہ صرف حقیقت مفہوم کو ادا کیا بلکہ اس کی طرف بھی اشارہ فرمایا کہ اگر تم تھوڑی عقل سے کام لیتے اور میری بات کی گہرائی تک پہنچنے کی کوشش کرتے تو اس حیرت میں نہ پڑتے اور حقیقی مفہوم کو خود سمجھ لیتے لہذا اس ارشاد میں نرمی ظرافت ہی نہیں ہے بلکہ اس امر کی طرف متوجہ کرنا بھی مقصود ہے کہ سننے والے کو چاہئے کہ وہ اس بات میں غور و تأمل کرے جو اس سے کہی گئی ہے اور بغیر سوچے سمجھے سوال و جواب نہ کرے بلکہ پہلے اس بات کو سمجھنے کی کوشش کرے اور غور و فکر کے بعد آگے بڑھے۔

وَعَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهْ يَا ذَا الْأَذْنَيْنِ

جامع الترمذی، کتاب البر والصلة، باب في المزاح، ح ۱۹۹۲۔
"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: اے دوکانوں والے۔" (ابو داؤد ترمذی)

تعریف پر مشتمل خوش طبعی:

آنحضرت ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دوکانوں والے کے ذریعہ جو مخاطب فرمایا تو اس میں خوش طبعی و ظرافت بھی تھی اور ان کے تئیں اس تعریف و توصیف کا اظہار بھی مقصود تھا کہ تم نہایت فہیم و ذکی ہو اور تم سے جو بات کہی جاتی ہے اس کو تم خوب اچھی طرح سننے ہو۔

نبی کریم ﷺ کا ایک بڑھیا کے ساتھ خوش طبعی فرمانا:

وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِامْرَأَةٍ عُجُوزَانَهُ لَا تَدْخُلُ الْجَنَّةَ عُجُوزٌ فَقَالَتْ وَمَالِهِنَّ وَكَانَتْ تَقْرَأُ الْقُرْآنَ فَقَالَ لَهَا أَمَا تَقْرَيْنِ الْقُرْآنَ إِنَّا أَنْشَأْنِيْ أَنْشَاءً فَجَعَلْنِيْ أَبْكَارًا

(رواه رزين وفي شرح السنة بلفظ المصابيح)

الترمذی، الشمائل، باب ما جاء في صفة مزاح رسول ﷺ، ح ۲۴۱۰۔
"اور انس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک دن ایک بوڑھی عورت نے جب آپ ﷺ سے درخواست کی کہ میرے جنت میں جانے کی دعا فرمائیں تو اس سے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بڑھیا جنت میں داخل نہیں ہوگی وہ عورت قرآن پڑھی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ تم نے قرآن میں یہ نہیں پڑھا ہے کہ إِنَّا أَنْشَأْنِيْ أَنْشَاءً فَجَعَلْنِيْ أَبْكَارًا یعنی ہم جنت کی عورتوں کو پیدا کریں گے جیسا کہ پیدا کیا جاتا

ہے پس ہم ان کو کنواری بنا دیں گے اس اعتبار سے یہ خوش طبعی مبنی بر حقیقت تھی اور آپ ﷺ کا یہ فرمانا درست ہوا کہ یہ بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائے گی کیونکہ واقعاً کوئی عورت اپنے بڑھاپے کے ساتھ جنت میں نہیں جائے گی۔ اس روایت کو رزین نے مذکورہ الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے اور بغوی نے اپنی دوسری کتاب شرح السنۃ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے جو مصاحح میں مذکور ہیں۔

مصاحح میں اس روایت کو جن الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے وہ یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس عورت سے فرمایا کہ بوڑھی عورتیں جنت میں داخل نہیں ہوں گی یہ سن کر وہ عورت واپس ہوئی اور روتی ہوئی چلی گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس عورت کو جا کر بتا دو عورتیں اپنے بڑھاپے کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہوں گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: **إِنَّا أَنشَأْنَهُنَّ إِنثَاءً فَجَعَلْنَهُنَّ امْرَأَاتٍ**

وَعَنْهُ أَنْ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الْبَابِيَّةِ كَانَ اسْمُهُ زَاهِرُ بْنُ حَزَامٍ وَكَانَ يُهْدِي لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْبَابِيَّةِ فَمُخْبِرُهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ زَاهِرًا بَابِيَّتُنَا وَنَحْنُ حَاضِرُوهُ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُجِبُّهُ وَكَانَ دَمِيمًا فَاتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا وَهُوَ يَبِيعُ مَتَاعَةً فَأَخْتَصَمَتْهُ مِنْ خَلْفِهِ وَهُوَ لَا يَبْصُرُهُ فَقَالَ أَرْسِلْنِي مِنْ هَذَا فَانْتَفَتَ فَعَرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ لَا يَأْلُو مَا أَلَزَقَ ظَهْرَهُ بِصَدْرِ النَّبِيِّ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ عَرَفَهُ وَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ يَشْقِرِي الْعَبْدَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَاللَّهِ تَجَدُّنِي كَأَمْسِدَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَكِنْ عِنْدَ اللَّهِ لَسْتُ بِكَامِسِدٍ۔

(رواہ فی شرح السنۃ)

الترمذی المسائل، باب ۳۶، ح ۲۳۰۔

”اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شہر سے باہر کارہنے والا ایک شخص جس کا نام زاہر بن حرام رضی اللہ عنہ تھا۔ نبی کریم ﷺ کے لئے بطور ہدیہ شہر کے باہر سے کچھ لایا کرتا تھا (یعنی ایسی چیزیں جو شہر سے باہر جنگل میں پیدا ہوتی ہیں جیسے ساگ، سبزی، لکڑی اور پھول پھل وغیرہ) اور جب وہ مدینہ سے باہر (اپنی جائے سکونت کو) جانے لگتا تو رسول کریم ﷺ اس کے ساتھ شہر کا کچھ سامان کر دیا کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ (اس کے بارے میں فرماتے) کہ زاہر رضی اللہ عنہ ہمارا باہر کا گماشتہ ہے کہ وہ ہمارے لئے باہر کی چیزیں لاتا ہے اور ہم اس کے شہر کے گماشتہ ہیں کہ ہم اس کو شہر کی چیزیں دیتے ہیں نیز نبی کریم ﷺ زاہر رضی اللہ عنہ سے بہت محبت و تعلق رکھتے تھے۔ ویسے وہ ایک بد صورت شخص تھا ایک دن نبی کریم ﷺ (بازار میں) تشریف لے گئے تو (دیکھا کہ) وہ اپنا سودا سلف بچ رہا ہے آپ ﷺ نے پیچھے سے اس کی اس طرح کو لی بھر لی کہ وہ آپ ﷺ کو دیکھ نہیں سکتا تھا (یعنی آپ ﷺ نے اس کی بے خبری میں اس کے پیچھے بیٹھ گئے اور اپنے ہاتھ اس کی دونوں بظلوں کے پیچھے سے نکال کر اس کی آنکھیں چھپالیں تاکہ وہ پہچان نہ سکے) زاہر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ

مجھے چھوڑ دو یہ شخص کون ہے؟ پھر (اس نے کوشش کر کے) کن آنکھوں سے دیکھا اور نبی کریم ﷺ کو پہچان گیا پھر تو وہ آپ ﷺ کو پہچاننے کے بعد اپنی پیٹھ کو نبی کریم ﷺ کے سینہ مبارک سے چمکانے کی پوری کوشش کرنے لگا تا کہ زیادہ سے زیادہ برکت حاصل کر لے۔ ادھر نبی کریم ﷺ نے یہ آواز لگانی شروع کر دی کہ کون شخص ہے جو اس غلام کا خریدار ہے؟ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! خدا کی قسم آپ ﷺ مجھ کو ناکارہ پاؤں گے (یعنی بالکل سستا اور بے کار مال) نبی کریم ﷺ نے فرمایا لیکن تم خدا کے نزدیک ناکارہ نہیں ہو۔ (شرح النہ)

آنحضرت ﷺ نے زاہر کو ازراہ مذاق غلام سے تعبیر کیا اور حقیقت کے اعتبار سے یہ کوئی جھوٹ بات نہیں تھی کیوں کہ وہ اللہ کے غلام بہر حال تھے ہی۔ کسی چیز کو بطور فروخت کرنے کے لئے بطور استفہام یہ کہنا کہ کون شخص ہے جو اس کو خریدتا ہے مفہوم کے اعتبار سے کبھی تو اس چیز کی بیش قیمت حیثیت کو ظاہر کرنے کے لئے مقابلہ آرائی پر اطلاق کیا جاتا ہے اور کبھی اس کا اطلاق استبدال پر آتا ہے۔ لہذا آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد ”کون شخص ہے جو اس غلام کا خریدار ہے“ کا مطلب یہ تھا کہ اس بازار میں ایسا کوئی شخص ہے جو اس غلام کی قدر و قیمت لگا دے اور ایسی کوئی چیز مجھے دے سکے جس کے بدلے میں اس کو یہ غلام دے سکوں یعنی یہاں کا کوئی مال اس کا بدل نہیں ہو سکتا اور کوئی چیز اس کی قیمت نہیں بن سکتی! نیز یہ بھی ممکن ہے آپ ﷺ کا یہ ارشاد تجرید کے قبیل سے ہو جس سے گویا آپ ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ کون شخص ہے جو اس غلام کو حاصل کرے یعنی ایسا کوئی شخص نہیں ہے جو اس غلام کو حاصل کرنے اور اس کو اپنے پاس رکھنے کا اہل ہو۔

زن و شو کے درمیان خوشی طبعی کی ایک عمدہ مثال:

وَعَنِ النَّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ اسْتَأْذَنَ أَبُو بَكْرٍ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَمِعَ صَوْتَ عَائِشَةَ عَالِيَةً فَلَمَّا دَخَلَ تَنَاوَلَهَا لِيَلْطَمَهَا وَقَالَ لَا أَرَاكَ تَرْفَعِينَ صَوْتَكَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْجُرُهُ وَخَرَجَ أَبُو بَكْرٍ مُغَضِبًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِئْتُ خَرَجَ أَبُو بَكْرٍ وَكَيْفَ رَأَيْتُنِي أَنْقَذْتُكَ مِنَ الرَّجُلِ قَالَتْ فَفَكَتَ أَبُو بَكْرٍ أَيَّامًا ثُمَّ اسْتَأْذَنَ فَوَجَدَهُمَا قَدِ اضْطَلَحَا فَقَالَ لَهُمَا ادْخُلَا بَنِي فَنِي سَلِّمُكُمَا كَمَا أَدْخَلْتُمَا نِي فِي حَرْبِكُمَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ فَعَلْنَا.

ابوداؤد، کتاب الادب، باب ما جاء فی المزاح، ۱۹۹۹ء۔

”اور حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے دروازے پر کھڑے ہو کر آپ ﷺ سے گھر آنے کی اجازت طلب کی جہی انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آواز کو سنا جو ذرا زور سے بول رہی تھیں پھر جب وہ گھر میں داخل ہوئے تو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہاتھ پکڑا اور طمانچہ مارنے کا ارادہ کیا اور کہا کہ خبردار آئندہ میں تمہیں رسول کریم ﷺ کی آواز سے اونچی آواز میں بولتے ہوئے نہ دیکھوں۔ ادھر نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو (حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا کے مارنے سے) روکنا شروع کیا اور پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ غصہ کی حالت میں نکل کر چلے گئے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے چلے جانے کے بعد (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے) فرمایا کہ تم نے دیکھا میں نے تمہیں اس آدمی یعنی ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے کس طرح بچا لیا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ (اس کے بعد) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ (مجھ سے خلق کی بنا پر یا آنحضرت ﷺ سے شرمندگی کی وجہ سے) کئی دن تک آنحضرت ﷺ کی خدمت میں نہیں آئے پھر ایک دن انہوں نے دروازے پر حاضر ہو کر اندر آنے کی اجازت مانگی اور اندر آئے تو دیکھا کہ دونوں (آنحضرت ﷺ اور عائشہ رضی اللہ عنہا) صلح کی حالت میں ہیں انہوں نے دونوں کو مخاطب کر کے کہا کہ تم دونوں مجھ کو اپنی صلح میں شریک کر لو جس طرح تم نے مجھ کو اپنی لڑائی میں شریک کیا تھا آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا بے شک ہم نے ایسا ہی کیا بے شک ہم نے ایسا ہی کیا یعنی تمہیں اپنی صلح میں شریک کر لیا (گویا آپ ﷺ نے اپنی بات مؤکد کرنے کے لئے یہ جملہ دوسرے فرمایا)۔ (ابوداؤد)

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کا وہ جملہ بطور مزاح تھا جو آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ دیکھا میں نے تمہیں اس شخص کے ہاتھ سے کس طرح نجات دلائی گویا آپ ﷺ نے ”تمہارے باپ“ کہنے کی بجائے ”اس شخص“ کہہ کر بقصد مزاح حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حق میں اجنبی قرار دیا۔

شادی کے بعد ہر کام میں تدبیر سے کام لینا سیکھئے:

وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا ذَرٍّ لَا عَقْلَ كَالْتَذْيِيرِ وَلَا وَدَعَ كَالْكَفِّ وَلَا حَسَبَ كَحُسْنِ الْخُلُقِ
”اور حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابو ذر (جان لو) عمل تدبیر کے برابر نہیں، ودع یعنی پرہیز گاری اجتناب و احتیاط کے برابر نہیں اور حسب و فضیلت خوش خلقی کے برابر نہیں ہے۔“

”تدبیر“ کے معنی ہیں ہر کام کے انجام پر نظر رکھ کر اس کے لئے سامان کرنا۔ لہذا ”عقل تدبیر کے مانند نہیں“ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی عقل، عقل تدبیر (وہ عقل کہ جس کے ساتھ تدبیر ہو) کے برابر نہیں ہو سکتی! گویا مذکورہ جملہ میں ”عقل“ سے مراد مطلق علم و ادراک ہے ”تدبیر“ سے مراد عقل تدبیر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو بھی کام کیا جائے پہلے اس کے انجام پر نظر رکھی جائے اور اس میں جو بھلائیاں و برائیاں ہوں ان کو پہچانا جائے۔

ودع کے معنی پرہیز گاری کے ہیں جس کو تقویٰ بھی کہا جاتا ہے اگرچہ بعض حضرات کے نزدیک ودع اور تقویٰ کے درمیان بھی فرق ہے وہ کہتے ہیں کہ ودع کا درجہ تقویٰ کے درجہ سے بڑھا ہوا ہے بایں طور کہ تقویٰ کا مطلب ہے کہ حرام چیزوں سے پرہیز کرنا اور تورع کا مطلب ہے ان چیزوں سے بھی پرہیز کرنا جو مکروہ یا مشتبہ ہوں لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ تقویٰ اور تورع دونوں کے ایک ہی معنی ہیں اور عام طور پر سب لوگ ان دونوں کو ایک ہی معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ اب رہی یہ بات کہ حدیث میں جو دو لفظ ودع اور کف نقل کئے گئے اور ان میں سے ودع کا ترجمہ

پر بیہ گاری اور کف کا ترجمہ اجتنب و احتیاط کیا گیا ہے تو کیا ان دونوں کے درمیان کچھ فرق ہے؟ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کیونکہ ورع کے معنی ہیں باز رہنا اور "کف" کے معنی بھی باز رہنے کے ہیں اس صورت میں حدیث کے اس جملہ لا ورع کا لکھ پر اشکال واقع ہوتا ہے کیونکہ اس کا لفظی ترجمہ یوں ہوگا "باز رہنا یا رہنے کے برابر نہیں"۔ اور ظاہر ہے کہ اس طرح اس جملہ کے کوئی معنی ہی نہیں ہوں گے چنانچہ طہی نے اس حدیث کی شرح میں اس اشکال کو ظاہر کیا ہے اور پھر اس کا جواب دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں کف کے معنی مسلمانوں کو ایذا پہنچانے یا زبان کو لالہ یعنی باتوں میں مشغول کرنے سے پرہیز کرنا ہے اور چونکہ دینی طور پر بھی اور سماجی و معاشرتی طور پر بھی ان دونوں چیزوں میں سے ہر ایک مفاسد اور اس کی برائیاں بہت زیادہ ہیں اس لئے ان کے مفاسد کو ازراہ مبالغہ بیان کرنے کے لئے گویا یہ فرمایا کہ ورع یعنی حرام چیزوں سے باز رہنا اگرچہ ایک اعلیٰ وصف ہے علاوہ ازیں ایک بات یہ بھی کہی جاسکتی ہے کہ ورع و تقویٰ کے لغوی معنی اگرچہ باز رہنا اور پرہیز کرنا ہیں لیکن شرعی طور پر ان کے مفہوم میں اجتنب اور احتنب دونوں ایک ساتھ داخل ہیں اور اگر ان کا مفہوم صرف اجتنب یعنی پرہیز گاری ہی ہو تو احکام فرماں برداری ترک کرنے سے پرہیز کرنا بھی ان کے مفہوم میں داخل ہوتا لہذا بات دینی رہی کہ ورع اور تقویٰ کے مفہوم میں اجتنب اور احتنب دونوں داخل ہیں اور اس صورت میں بھی حاصل یہی نکلے گا کہ ورع اور تقویٰ کا اصل مفہوم یہ ہے کہ جو احکام دیئے گئے ہیں ان پر چلا جائے اور ان احکام پر خواہ اجتنب کے طور پر ہو یا اجتنب کے طور پر اس طرح جب یہ بات واضح ہو گئی کہ ورع کا تعلق دو چیزوں سے ہے یعنی جن امور کو کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان کو اختیار کرنا اور جن امور سے منع کیا گیا ہے ان سے باز رہنا اور "کف" کا تعلق صرف ایک چیز یعنی منوعات سے باز رہنے سے ہے تو مذکورہ اشکال رفع ہو گیا۔ اس کے بعد یہ مسئلہ جان لینا چاہئے۔ جس سے

حدیث کے مذکورہ جملہ کا مفہوم اور زیادہ صاف ہو جائے گا کہ جانب اجتنب کی رعایت جانب امتثال کی رعایت کے بہ نسبت زیادہ مقدم اور زیادہ ضروری ہے یعنی شریعت نے جن چیزوں سے باز رہنے کا حکم دیا ہے ان سے باز رہنا زیادہ مقدم اور زیادہ ضروری ہے بہ نسبت اس بات کے کہ جن چیزوں کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے ان کو اختیار کیا جائے اسی بنا پر علماء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص جانب امتثال میں فرض و واجبات اور سنن مؤکدہ پر اکتفا کرے اور نوافل و مستحبات کو ترک کرے لیکن جانب اجتنب میں خوب اہتمام کرے یعنی تمام حرام مکروہ اور مشتبہ چیزوں سے پرہیز کرے تو وہ شخص منزل مقصود پالے گا یعنی معرفت و حقیقت اور قرب خداوندی کا درجہ حاصل کر لے گا اس کے برخلاف اگر کوئی شخص جانب امتثال میں خوب اہتمام کرے یعنی فرائض و واجبات اور سنن مؤکدہ پر بھی عمل کرے اور تمام نوافل و مستحبات کو بھی ادا کرے لیکن جانب اجتنب کی رعایت نہ کرے یعنی منوعات کا ارتکاب کرتا رہے تو وہ شخص منزل مقصود کو نہیں پہنچے گا اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص بیمار ہو اور وہ پرہیز تو پوری طرح کرے لیکن دوا نہ کھائے تو وہ اچھا ہو جائے گا خواہ کتنی ہی دیر میں اچھا ہو اس کے برخلاف اگر وہ دوائیں کھاتا رہے لیکن پرہیز بالکل نہ کرے تو وہ ہرگز شفا نہیں پائے گا۔ بلکہ روز بروز بیمار ہوتا چلا جائے گا۔

"حسب و فضیلت خوش خلقی کے برابر نہیں ہے" حسب اصل میں کہتے ہیں اپنے اور اپنے باپ دادا کے فضائل و مناقب کو گنونا اور اپنے خاندانی فخریہ کارناموں کو بیان کرنا۔ لہذا اس جملہ میں اس حقیقت کو واضح فرمایا گیا ہے کہ انسان کی ذاتی فضیلت و بزرگی اور انسانیت کا اصل تقاضا یہ ہے کہ اس میں خوش خلقی ہو اگر کوئی شخص خوش خلقی کی صفت سے محروم ہے تو وہ لاکھ اپنے مناقب گنوائے اور لاکھ اپنے فخریہ کارناموں کا اظہار کرے۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوگی۔ واضح رہے کہ اگر خوش خلقی میں "خلق" سے مراد تمام باطنی اوصاف ہوں تو ظاہر ہے کہ حسن اخلاق کو سب سے بہتر اور اصل

فضیلت کہا جائے گا اور اگر "خلق" سے مراد نرم خوئی و مہربانی اور مردت کے اوصاف ہوں جیسا کہ عام طور پر خوش خلقی انہی اوصاف کو کہا جاتا ہے تو اس صورت میں یہ فرمانا کہ حسب و فضیلت خوش خلقی کے برابر نہیں ہے خوش خلقی کی فضیلت کو ازراہ مبالغہ بیان کرنے کے لئے ہوگا۔

اہل تصوف کے نزدیک خوش خلقی کی فضیلت ان الفاظ میں بیان کی جاتی ہے کہ خندہ پیشانی کے ساتھ رہنا، لوگوں کو اپنی عطا و بخشش سے بہرہ مند کرنا اور خدا کی مخلوق کو ایذا پہنچانے سے باز رہنا یہ وہ اوصاف ہیں جن پر حسن خلق کا اطلاق ہوتا ہے۔ یہ حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے اور ایک بڑے بزرگ یہ کہتے ہیں کہ حسن خلق یہ ہے کہ خدا کی مخلوق کے ساتھ عداوت کو ترک کیا جائے اور راحت و تسکین دونوں حالت میں لوگوں کو خوش رکھا جائے اور حضرت سہل تستریؒ کے قول کے مطابق حسن خلق کا سب سے کم تر درجہ یہ ہے کہ مخلوق کی طرف سے جو زیادتی و سختی پیش آئے اس کو برداشت کرے اور کسی سے انتقام نہ لے۔ ظالم کے حق میں بھی شفیق و مہربان رہے اور اس کی معفرت کا خواہاں رہے۔

زن و شو میں لڑائی جھگڑے کا حل

اللہ نہ کرے اگر آپ میں اور شوہر میں ناچاقی زیادہ بڑھ جائے: یاد رکھئے اس دنیا میں کوئی گھر ایسا نہیں جس میں ہلکی ہلکی لڑائی جھگڑا نہ ہوتا ہو اور میں تو طالب علموں کو بتاتا ہوں کہ جو کہتے ہیں کہ ہمارے گھر میں کوئی جھگڑا نہیں یا تو وہ جھوٹ بولتے ہیں یا پھر ابھی ان کی شادی نہیں ہوئی۔ اس لئے چھوٹے چھوٹے اختلافات پہ بلند پریشانی نہ کر لیا کیجئے لیکن اگر کبھی ایسی صورت ہو جائے تو خود ہی فیصلہ کر کے ماں باپ کے گھر جا کر نہ جاییں بلکہ بڑوں سے "اگر واقعی لڑائی جھگڑا نہ رک رہا ہو تو" مشورہ کیجئے اور پھر ان کی ہدایات پر عمل کیجئے۔ ان شاء اللہ معاملات سنور جائیں گے۔

اللہ عز و جل نے ارشاد فرمایا:

اور اگر تم اوپر والوں کو ان دونوں میاں بیوی میں کشاکش کا اندیشہ ہو تو تم لوگ ایک آدمی جو تصفیہ کرنے کی لیاقت رکھتا ہو مرد کے خاندان سے اور ایک آدمی جو تصفیہ کرنے کی لیاقت رکھتا ہو عورت کے خاندان سے بھیجو۔ اگر دونوں آدمیوں کو اصلاح منظور ہوگی تو اللہ تعالیٰ ان میاں بیوی کے درمیان اتفاق فرمادیں گے۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑے علم اور بڑے خبردار ہے۔

(النساء: ۳۵)

مصالحت کی کوشش

وہ اس صورت کو بیان فرمایا کہ نافرمانی اور کبھی عورتوں کی جانب سے ہو۔ اب یہاں اس صورت کا بیان ہو رہا ہے کہ اگر دونوں ایک دوسرے سے ناااں ہوں تو کیا

کیا جائے؟ پس علمائے کرام فرماتے ہیں کہ ایسی حالت میں حاکم افتاد اور مجھ دار کو مقرر کرے جو یہ دیکھے کہ ظلم اور زیادتی کس طرف سے ہے۔ پس ظالم کو ظلم سے روکا جائے۔ اگر اس پر بھی کوئی بہتری کی صورت نہ نکلے تو عورت والوں میں سے ایک اس کی طرف سے اور مرد والوں میں سے ایک بہتر شخص اس کی جانب سے منصف مقرر کر دے اور یہ دونوں مل کر تحقیقات کریں اور جس امر میں مصلحت سمجھیں اس کا فیصلہ کر دیں۔ یعنی خواہ الگ کرادیں خواہ ملاپ کرادیں۔ لیکن شارع نے تو اس امر کی ترغیب دی ہے کہ جہاں تک ہو سکے کوشش کریں کہ کوئی شکل نباہ کی نکل آئے۔ اگر دونوں کی تحقیق میں خاوند کی طرف سے بُرائی ثابت ہو تو یہ اس کی عورت کو اس سے روک لیں اور اسے مجبور کریں گے کہ اپنی عادت ٹھیک ہونے تک اس سے الگ رہے اور اس کے خرچ اخراجات ادا کرتا رہے اور اگر شرارت عورت کی طرف سے ثابت ہو تو اسے نان نفقہ نہیں دلائیں گے اور خاوند سے ہنسی خوشی بسر کرنے پر مجبور کریں گے۔ اسی طرح اگر وہ طلاق کا فیصلہ دیں تو خاوند کو طلاق دینی پڑے گی۔ اگر وہ آپس میں رہنے کا فیصلہ کریں تو بھی انہیں ماننا پڑے گا۔ بلکہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: اگر دونوں بیچ اس پر متفق ہو گئے کہ انہیں رضامندی کے ساتھ ایک دوسرے سے اپنے تعلقات نباہنے چاہئیں اور اس فیصلہ کو ایک نے منظور کر لیا اور دوسرا نہیں کرتا اور اسی حالت میں ایک کا انتقال ہو گیا تو جو راضی تھا وہ اس کا وارث بنے گا جو ناراض تھا۔ لیکن جو ناراض تھا اسے اس کا وارث نہیں ملے گا جو راضی تھا۔ (ابن جریر)

ایک ایسے ہی جھگڑے میں حضرت عثمانؓ نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت معاویہؓ کو حکم مقرر کیا تھا۔ اگر تم ان میں میل کرانا چاہو تو میل ہوگا اور اگر جدائی کرنا چاہو تو جدائی ہو جائے گی۔ ایک روایت میں ہے کہ عقیل بن ابی طالب نے فاطمہ بنت عقبہ بن ربیعہ سے نکاح کیا۔ تو اس نے کہا: تو میرے پاس آئے گا اور میں ہی تیرا خرچ بھی برداشت کروں گی۔ اب یہ ہونے لگا کہ جب عقیل ان کے پاس آتا چاہے تو وہ پوچھتی

عقبہ بن ربیعہ اور شبیبہ بن ربیعہ کہاں ہیں؟ یہ فرماتے: تیرے بائیں جانب جہنم میں۔ اس پر وہ بگڑ کر اپنے کپڑے ٹھیک کر لیتیں ایک مرتبہ یہ حضرت عثمانؓ کے پاس آئیں اور یہ واقعہ بیان کیا۔ خلیفہ المسلمین اس پر بنے اور حضرت ابن عباسؓ اور حضرت معاویہؓ کو ان کا بیچ مقرر کیا۔ حضرت ابن عباسؓ تو فرماتے تھے: ان دونوں میں علیحدگی کرا دی جائے۔ لیکن حضرت معاویہؓ فرماتے تھے: بنو عبد مناف میں یہ تفریق میں ناپسند کرتا ہوں اب یہ دونوں حضرات عقیل کے گھر پہنچے۔ دیکھا دروازہ بند ہے اور دونوں میاں بیوی اندر ہیں۔ یہ دونوں لوٹ گئے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حسن تدبیر:

مسند عبد الرزاق میں ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت کے زمانہ میں ایک میاں بیوی اپنی ناچاقی کا جھگڑا لے کر آئے۔ اس کے ساتھ ان کی برادری کے لوگ تھے اور اس کے ہمراہ اس کے گھرانے کے۔ حضرت علیؓ نے دونوں میں سے ایک ایک کو چنا اور اسے حکم مقرر کیا۔ پھر دونوں بچوں سے کہا: جانتے بھی ہو تمہارا کام کیا ہے؟ تمہارا منصب یہ ہے کہ اگر چاہو دونوں میں صلح صفائی کرادو۔ اگر چاہو تفریق کرادو۔ یہ سن کر عورت نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر راضی ہوں۔ خواہ صلح و مصالحت کی صورت میں ہو خواہ جدائی کی صورت میں۔ مرد کہنے لگا: مجھے جدائی نا منظور ہے۔ اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا: نہیں نہیں قسم اللہ کی تجھے دونوں صورتیں منظور کرنی پڑیں گی۔ پس علا کا اجماع ہے کہ ایسی صورت میں ان دونوں منصفوں کو دونوں اختیار ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت ابراہیم نخعیؓ فرماتے ہیں کہ اگر وہ چاہیں دو اور تین طلاقیں بھی دے سکتے ہیں۔ حضرت امام مالکؓ سے بھی یہی منقول ہے۔ ہاں حضرت حسن بصریؓ فرماتے ہیں کہ انہیں اجماع کا اختیار ہے تفریق کا نہیں حضرت قتادہؓ اور زید بن اسلمؓ کا بھی یہی قول ہے۔ امام احمد اور ابو ثور اور داؤد کا بھی یہی مذہب ہے۔ ان کی دلیل ﴿ان یؤیّدوا اصلاً﴾ والا جملہ ہے کہ اس میں تفریق کا ذکر نہیں۔ ہاں اگر یہ دونوں شوہر اور بیوی

دونوں کی طرف وکیل ہیں تو بیشک ان کا حکم جمع اور تفریق دونوں میں نافذ ہوگا اور اس میں تو کسی کے خلاف منقول بھی نہیں۔ پھر بھی یہ خیال رہے کہ یہ دونوں شیخ حاکم کی طرف سے مقرر ہوں گے اور فیصلہ کریں گے۔ گو ان سے فریقین ناراض ہوں یا یہ دونوں میاں بیوی کی طرف سے وکیل ہوں گے۔ جمہور کا مذہب تو پہلا ہے اور دوسرا یہ ہے کہ ان کا نام قرآن حکیم نے حکم رکھا ہے اور حکم کے فیصلے سے کوئی خوش ہو یا ناخوش۔ بہر صورت اس کا فیصلہ ہوگا۔ آیت کے ظاہری الفاظ بھی جمہور کے ساتھ ہیں۔ امام شافعی کا نیا قول بھی یہی ہے اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی قول ہے۔

لڑائی جھگڑے کی صورت میں ہدایت الہی:
اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے غالب احتمال بددماغی یا بے پروائی کا ڈر ہو سو دونوں کو اس امر میں کوئی گناہ نہیں کہ دونوں باہم ایک خاص طور پر صلح کر لیں اور یہ صلح بہتر ہے اور نفوس کو حرص کے ساتھ افتر ہوتا ہے اور اگر تم اچھا برتاؤ رکھو اور احتیاط رکھو تو بلاشبہ حق تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں اور تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ سب بیبیوں میں برابری رکھو تو تمہارا کتنا ہی جی چاہے تو تم بالکل تو ایک ہی طرف نہ ڈھل جاؤ جس سے اس کو ایسا کر دو جیسے کوئی ادھر میں لگی ہو اور اگر اصلاح کرو اور احتیاط رکھو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں اور اگر دونوں میاں بی بی جدا ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنی وسعت سے ہر ایک کو بے احتیاطی کر دے گا اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے اور بڑی حکمت والے ہیں۔

(النساء: ۱۲۸ تا ۱۳۰)

شکر رنجی اور مصالحت کی کوششیں:

اللہ تعالیٰ میاں بیوی کے حالات اور ان کے احکام بیان فرما رہا ہے۔ کبھی مرد اس سے ناخوش ہو جاتا ہے کبھی چاہئے لگتا ہے اور کبھی الگ کر دیتا ہے۔ بس پہلی حالت میں جبکہ عورت کو اپنے شوہر کی ناراضگی کا خیال ہے اور اسے خوش کرنے کے لئے اپنے تمام حقوق سے یا کسی خاص حق سے وہ دستبرداری کر لے تو کر سکتی ہے۔ مثلاً اپنا کھانا کپڑا چھوڑ دے یا شب باشی کا حق معاف کر دے تو دونوں کے لئے یہ جائز ہے۔ پھر اسی کی رغبت دلاتا ہے کہ صلح ہی بہتر ہے۔ حضرت سو وہ بنت زمہ جب بہت عمر (رسیدہ) کی ہو جاتی ہیں اور انہیں معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ انہیں جدا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ تو کہتی ہیں میں اپنی باری کا حق حضرت عائشہ کو دیتی ہوں۔ چنانچہ اس پر صلح ہو گئی اور حضور ﷺ نے قبول فرمالیا۔ ابوداؤد میں ہے کہ اسی پر یہ آیت اتری۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں: میاں بیوی جس بات پر راضی ہو جائیں وہ جائز ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے وصال کے وقت آپ ﷺ کی نو بیویاں تھیں۔ جن میں سے آپ ﷺ نے آٹھ کو باریوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ بخاری مسلم میں ہے کہ حضرت سودہؓ کا دن بھی حضور ﷺ حضرت عائشہ کو دیتے تھے۔ حضرت عروہ کا قول ہے کہ حضرت سودہؓ نے بڑی عمر میں جب معلوم کیا کہ حضور ﷺ انہیں چھوڑ دینا چاہتے ہیں تو خیال کیا کہ آپ کو صدیقہ سے بڑی محبت ہے۔ اگر میں اپنی باری انہیں دے دوں تو کیا عجب ہے کہ حضور ﷺ راضی ہو جائیں اور میں آپ کی بیویوں میں آخر دم تک رہ جاؤں۔ حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ رات گزارنے میں اپنی تمام بیویوں کو برابر کے درجے پر رکھا کرتے تھے۔ عموماً ہر روز سب بیویوں کے ہاں آتے بیٹھتے بولتے چلتے مگر ہاتھ نہ بڑھاتے۔ پھر آخر میں جن بیوی صاحبہ کی باری ہوتی ان کے یہاں جاتے اور رات وہیں گزارتے۔ پھر سودہؓ کا واقعہ بیان فرمایا۔ جو اوپر گزرا (ابوداؤد) عجم ابو العباس کی ایک مرسل حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے

حضرت سودہ کو طلاق کی خبر بھجوائی۔ یہ حضرت عائشہ کے یہاں جا بیٹھیں۔ جب آپ تشریف لائے تو کہنے لگیں: آپ کو اس اللہ کی قسم جس نے آپ پر اپنا کلام نازل فرمایا اور اپنی مخلوق میں سے آپ کو برگزیدہ اور اپنا پسندیدہ بنایا۔ آپ مجھ سے رجوع کر لیجئے۔ میری عمر بڑی ہو گئی ہے۔ مجھے مرد کی خاص خواہش نہیں رہی۔ لیکن تمنا ہے کہ قیامت کے دن آپ کی بیویوں میں اٹھائی جاؤں۔ چنانچہ آپ نے یہ منظور فرمایا اور رجوع کر لیا۔ پھر یہ کہنے لگیں: یا رسول اللہ ﷺ! میں اپنی باری کا دن اور رات آپ کی محبوبہ حضرت عائشہ کو بہہ کرتی ہوں۔

بخاری شریف میں ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ بڑھیا عورت جو اپنے خاوند کو دیکھتی ہے کہ وہ اس سے محبت کر سکتا بلکہ اسے الگ کرنا چاہتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ میں اپنا حق چھوڑتی ہوں تو مجھے جدا نہ کر۔ تو آیت دونوں کو رخصت دیتی ہے۔ یہی صورت اس وقت بھی ہے۔ جب کسی کی دو بیویاں ہوں اور ایک سے اسے بوجہ بڑھاپے یا بد صورتی کے محبت نہ ہو اور وہ اسے جدا کرنا چاہتا ہو اور یہ اپنے تعلق یا بعض اور مصالح کی بناء پر الگ ہونا پسند نہ کرتی ہو تو اسے حق ہے کہ اپنے بعض یا سب حقوق سے الگ ہو جائے اور خاوند اس کی بات کو منظور کر کے اس کو جدا نہ کرے۔ ابن جریر میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے ایک سوال کیا (جسے اس کی بیہودگی کی وجہ سے) ناپسند فرمایا اور اسے کوڑا مار دیا۔ پھر ایک اور نے اسی آیت کی بابت سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ہاں یہ باتیں پوچھنے کی ہیں۔ اس سے ایسی صورت مراد ہے کہ مثلاً ایک شخص کی بیوی ہے لیکن وہ بڑھیا ہو گئی ہے اولاد نہیں ہوتی۔ اس نے اولاد کی خاطر کسی جوان عورت سے اور نکاح کیا۔ پھر یہ دونوں جس چیز پر آپس میں اتفاق کر لیں جائز ہے۔ حضرت علیؓ سے جب اس آیت کی نسبت پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ عورت ہے جو بوجہ اپنے بڑھاپے کے یا بد صورتی کے یا بد خلقی کے یا گندگی کے اپنے خاوند کی نظروں سے گر جائے اور اس کی تمنا ہو کہ خاوند مجھے

چھوڑے تو یہ اپنا پورا یا آدھا مہر معاف کر دے یا اپنی باری معاف کر دے وغیرہ۔ تو اس طرح صلح کر سکتے ہیں۔ سلف اور ائمہ سے برابر اس کی یہی تفسیر منقول ہے بلکہ اس پر تقریباً اتفاق ہے۔ میرے خیال سے تو اس کا کوئی مخالف نہیں۔ واللہ اعلم۔ محمد بن مسلم کی صاحبزادی حضرت رافع بن خدیج کے گھر میں تھیں بوجہ بڑھاپے کے یا کسی امر کے یہ انہیں چاہتے نہ تھے۔ یہاں تک طلاق دینے کا ارادہ کر لیا۔ اس پر انہوں نے کہا: آپ مجھے طلاق تو دیجئے نہیں ہاں جو آپ چاہیں وہی مجھے منظور ہے۔ اس پر یہ آیت اتری۔ ان دونوں آیتوں میں ذکر ہے اس عورت کا جس سے اس کا خاوند بگڑا ہوا ہو۔ اسے چاہئے کہ اپنی بیوی سے کہہ دے کہ اگر وہ چاہے تو اسے طلاق دے دے اور اگر وہ چاہے تو اس بات کو پسند کر کے اس کے گھر میں رہے کہ وہ مال کی تقسیم میں اور باری کی تقسیم میں اس پر دوسری بیوی کو ترجیح دے گا۔ اب اسے اختیار ہے اگر یہ دوسری شق کو منظور کر لے تو شرعاً خاوند کو جائز ہے کہ اسے باری نہ دے اور جو مہر وغیرہ اس نے چھوڑا ہے اسے اپنی ملکیت سمجھے۔

حضرت رافع بن خدیج انصاریؓ کی بیوی صاحبہ جب سن رسیدہ ہو گئیں تو انہوں نے ایک نوجوان لڑکی سے نکاح کیا اور پھر اسے زیادہ چاہنے لگے اور اسے اگلی بیوی پر مقدم رکھنے لگے۔ آخر اس نے شک آ کر طلاق طلب کی۔ آپ نے دے دی۔ پھر عدت ختم ہونے کے قریب لوٹا لیکن پھر وہی حال ہوا کہ جوان بیوی کو زیادہ چاہنے لگے اور اس کی طرف جھک گئے اس نے پھر طلاق مانگی آپ نے دوبارہ طلاق دے دی۔ پھر لوٹا لیا۔ لیکن پھر وہی نقشہ پیش آیا۔ پھر اس نے قسم دی کہ مجھے طلاق دے دو۔ تو آپ نے فرمایا کہ دیکھو اب یہ تیسری طلاق ہے۔ اگر تم چاہو تو میں دے دوں اور اگر چاہو تو اسی طرح رہنا منظور کر لو۔ اس نے سوچ کر جواب دیا کہ اچھا مجھے اسی طرح رہنا منظور ہے۔ چنانچہ وہ اپنے حقوق سے دست بردار ہو گئیں اور اس طرح رہنے پہنے لگیں۔ اس جملے کا کہ صلح خیر ہے ایک معنی تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ خاوند کا اپنی بیوی کو یہ

اختیار دینا کہ اگر تو چاہے تو اسی طرح رہ کر دوسری بیوی کے برابر تیرے حقوق نہ ہوں گے اور اگر چاہے تو طلاق لے لے۔ یہ بہتر ہے اس سے کہ یونہی دوسری پر ترجیح دیئے ہوئے رہے۔ لیکن اس کا اچھا مطلب یہ ہے کہ بیوی اپنا کچھ حق چھوڑ دے اور خاوند اسے طلاق نہ دے اور آپس میں مل کر رہیں۔ یہ طلاق دینے اور لینے سے بہتر ہے۔ جیسے کہ خود نبی ﷺ نے حضرت سودہ بنت زمعہ کو اپنی زوجیت میں رکھا اور انہوں نے اپنا دن حضرت عائشہ کو ہیہ کر دیا۔ آپ ﷺ کے اس فعل میں بھی آپ ﷺ کی امت کے لئے بہترین نمونہ ہے کہ عدم موافقت کی صورت میں طلاق کی نوبت نہ آئے۔ چونکہ اللہ کے نزدیک صلح افتراق سے بہتر ہے۔ اس لئے یہاں فرما دیا کہ صلح خیر ہے بلکہ ابن ماجہ وغیرہ کی حدیث میں ہے تمام حلال چیزوں میں سے سب سے زیادہ ناپسند چیز اللہ کے نزدیک طلاق ہے۔ پھر فرمایا: تمہارا احسان اور تقویٰ کرنا یعنی عورت کی طرف کی ناراضگی سے درگزر کرنا اور اسے ناپسندیدگی کے باوجود جو اس کا پورا حق دینا باری میں لین دین میں برابری کرنا یہ بہترین فعل ہے۔ جسے اللہ بخوبی جانتا ہے جس پر وہ بہت اچھا بدلہ عطا فرمائے گا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ گو تم چاہو کہ اپنی کئی ایک بیویوں کے درمیان ہر طرح بالکل پورا عدل و انصاف اور برابری کرو تو بھی تم نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ گواہ ایک ایک دن کی باری باندھ لو لیکن محبت، شہوت، جماع وغیرہ میں برابری کیسے کر سکتے ہو؟ ابن مالک فرماتے ہیں: یہ آیت حضرت عائشہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ حضور ﷺ انہیں بہت چاہتے تھے۔ اسی لئے ایک حدیث میں ہے حضور ﷺ عورتوں کے درمیان صحیح طور پر مساوات رکھتے تھے۔ لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے فرماتے تھے: الہی یہ وہ تقسیم ہے جو میرے بس میں تھی۔ اب جو چیز میرے قبضہ سے باہر ہے یعنی دلی تعلق اس میں تو مجھے ملامت نہ کرنا۔ (ابوداؤد) اس کی اسناد صحیح ہے۔

لیکن امام ترمذی فرماتے ہیں: دوسری سند سے یہ مرسلا مروی ہے اور وہ زیادہ

صحیح ہے۔ پھر فرمایا: بالکل ہی ایک جانب جھک نہ جاؤ کہ دوسری کو لڑکا دو۔ وہ نہ بے خاوند کے رہے نہ خاوند والی۔ تم اس سے بے رخی برتو اور ہو وہ تمہاری زوجیت میں۔ نہ تو اسے طلاق ہی دو جو اپنا دوسرا نکاح کرے۔ نہ اس کے وہ حق ادا کرو جو ہر بیوی کے اس کے میاں پر ہیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں جس کی دو بیویاں ہوں پھر وہ بالکل ہی ایک طرف جھک جائے تو قیامت کے دن اللہ کے سامنے اس طرح آئے گا کہ اس کا آدھا جسم ساقط ہوگا۔ (احمد وغیرہ) امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث مرفوع طریق سے سوائے ہام اور کسی ذریعہ سے روایت نہیں ہے۔ پھر فرماتا ہے: اگر تم اپنے کاموں کی اصلاح کر لو اور جہاں تک تمہارے اختیار میں عورتوں کے درمیان عدل و انصاف اور برابری ہے کرو اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو۔ تو اگر تم کسی وقت ایک کی طرف مائل ہو گئے ہو اسے اللہ تعالیٰ معاف فرما دیگا۔ پھر تیسری حالت بیان فرماتا ہے کہ اگر کوئی صورت ہی نباہ کی نہ ہو اور دونوں الگ ہو جائیں۔ تو اللہ ایک کو دوسرے سے بے نیاز کر دیگا۔ اسے اس سے اچھا شوہر اور اسے اس سے اچھی بیوی دیگا۔ اللہ تعالیٰ کا فضل بہت وسیع ہے وہ بڑے احسانوں والا ہے اور ساتھ ہی وہ حکیم ہے۔ تمام افعال اور ساری تقدیریں اور پوری شریعت حکمت سے سراسر بھر پور ہے۔

خرچ میں میانہ روی زندگی کا آدھا سرمایہ ہے

وَعَنْ ابْنِ عُثْمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَقْتِصَاذُ فِي الْحَقِّقَةِ نَصْفُ الْمَعِيشَةِ وَالْوَدُّ إِلَى النَّاسِ نَصْفُ الْعَقْلِ وَحُسْنُ السُّؤَالِ نَصْفُ الْعِلْمِ

رواہ البیہقی الاحادیث الاربعۃ فی شعب الایمان

”اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اخراجات میں میانہ روی اختیار کرنا نصف معیشت ہے انسانوں سے دوستی نصف عقل ہے اور خوبی کے ساتھ سوال کرنا آدھا علم ہے۔ ان چاروں روایتوں کو نبی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔“

شہر کی کم تنخواہ میں گھر چلانے کا نسخہ کیمیاء:

حدیث کے پہلے جز کا مطلب یہ ہے کہ اپنے اور اپنے متعلقین کی ضروریات زندگی خرچ کرنے میں نہ تو اسراف کرنا اور نہ تنگی و سختی کرنا بلکہ اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنا زندگی کا آدھا سرمایہ ہے بایں طور کہ انسان کی معاشی زندگی کا دار و مدار دو چیزوں پر ہے ایک تو آمدنی دوسرے خرچ اور ان دونوں کے درمیان توازن خوشحالی کی علامت بھی ہے اور معیشت کے مستحکم ہونے کا ذریعہ بھی لہذا جس طرح آمدنی کے توازن کا بگڑنا خوشحالی کے منافی اور معیشت کے عدم استحکام کا سبب ہے۔ اسی طرح اگر اخراجات کا توازن بگڑ جائے تو نہ صرف خوش حالی مفقود ہوگی بلکہ معیشت کا سارا ڈھانچہ درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔ لہذا مصارف میں اعتدال اور خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرنا معیشت کا نصف حصہ ہوا۔

حدیث کے دوسرے جز کا مطلب یہ ہے کہ اچھے لوگوں کے ساتھ محبت ظاہر کرنا اور ان کی محبت کو اپنے معاملات و احوال میں خیر و برکت کا سرچشمہ جاننا اس عقل کا نصف حصہ ہے جو حسن معاشرت کی ضامن ہے۔ گویا پوری عقل مندی یہ ہے کہ انسان کوئی کسب و پیشہ اور سعی و محنت کر کے جائز روزی حاصل کرے اور اس کے ساتھ آپس میں محبت و مروت کے جذبات بھی کار فرما رکھے۔

حدیث کے تیسرے جز کا مطلب یہ ہے کہ کسی علمی مسئلہ میں خوب سوچ سمجھ کر اور اچھی طرح سوال کرنا آدھا علم ہے کیونکہ جو شخص سوال کرنے میں دانا اور سمجھ دار ہوتا ہے اسی چیز کے بارے میں سوال کرتا ہے جو بہت زیادہ ضروری اور بہت کارآمد ہوتی ہے اور چونکہ وہ اپنے علم میں اضافہ کا متنبی ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ پوچھی جانے والی چیزوں کے درمیان تمیز کرنا جانتا ہے کہ کیا پوچھنا چاہئے اور کس سے پوچھنا چاہئے اس لئے جب وہ اپنے سوال کا جواب پالیتا ہے تو حل طلب مسئلہ میں اس کا علم پورا ہو جاتا ہے اس اعتبار سے گویا علم کی دو قسمیں ہوں گی ایک تو سوال اور دوسرے جواب۔

دینی بات کہ اچھی طرح سوال کرنے کا مطلب کیا ہے تو جاننا چاہئے کہ ”اچھے سوال“ کا اطلاق اس سوال پر ہوتا ہے جس کے تمام پہلوؤں کی تحقیق و تنقیح کر لی گئی ہو اور اس میں جتنے احتمالات پیدا ہو سکتے ہیں ان سب کی واقفیت ہوتا کہ شافی و کافی جواب پائے اور جواب میں کوئی پہلو تشنہ نہ رہے پائے اس طرح کا سوال بذات خود علم کی ایک شق ہوگا اور اس پر یہ اشکال وارد نہیں ہوگا کہ جب سوال کرنا، جہل (ناواقفیت) اور تردد پر دلالت کرتا ہے تو سوال کرنے کو نصف علم کس طرح کہا گیا ہے تاہم مذکورہ اشکال کے پیش نظر ایک بات یہ بھی کہی جاسکتی ہے کہ جو شخص خوب سوچ سمجھ کر اور صحیح انداز میں سوال کرتا ہے اس کے بارے میں یہی سمجھا جاتا ہے کہ یہ ایک ایسا شخص ہے جو علمی ذوق کا حامل ہے اور علم میں اپنا کچھ حصہ ضرور رکھتا ہے اور اس بات کا خواہش مند ہے کہ اپنے ناقص علم کو پورا کرے لہذا اس کے سوال کو نصف علم کہنا موزوں

ہوگا۔ اس کے برخلاف جو شخص بغیر سوچے سمجھے اور خراب انداز میں سوال کرتا ہے وہ اپنے اس سوال کے ذریعہ اپنے نقصان عقل و کمال اور جہالت پر دلالت کرتا ہے۔ اس کی مثال میں اس واقعہ کو پیش کیا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امام ابو یوسفؒ نے اپنی علمی مجلس میں اپنے ایک شاگرد کو مسلسل خاموش بیٹھے ہوئے دیکھا تو اس سے فرمایا کہ یہاں بیان کی جانے والی باتوں میں سے کوئی تمہاری سمجھ میں نہ آئے یا کوئی مسئلہ تمہیں مشکل معلوم ہو رہا ہو تو اس کے بارے میں پوچھ لینا شرمانا نہیں، کیونکہ کسی حل طلب بات میں سوال کرنے سے شرمانا علم سے باز رکھتا ہے اس وقت حضرت امام ابو یوسفؒ روزہ کی تعریف میں گفتگو فرما رہے تھے چنانچہ جب انہوں نے فرمایا کہ روزہ صبح سے شروع ہوتا ہے اور غروب آفتاب تک رہتا ہے تو اسی شاگرد نے سوال کیا کہ حضرت اگر آفتاب غروب ہی نہ ہو تو پھر روزہ کب تک رہے گا؟ حضرت امام ابو یوسفؒ نے (اس کا جاہلانہ سوال سن کر) فرمایا کہ چپ رہو! تمہارا چپ رہنا اس سے کہیں بہتر ہے کہ تم بولو۔

حاصل یہ کہ سوال کی نوعیت اور سوال کرنے کا انداز سوال کرنے والے کی شخصیت و حالت پر بذات خود دلالت کرتا ہے اور اس کے سوال کی روشنی میں یہ اندازہ نکالنا مشکل نہیں ہوتا کہ یہ شخص بالکل ہی جاہل ہے یا علم سے کچھ سروکار رکھتا ہے جس شخص میں علم و عقل کی روشنی ہوگی اس کا سوال بھی عالمانہ اور عاقلانہ ہوگا اور جو شخص نرا جاہل ہوگا اس کی اور باتوں کی طرح اس کا سوال بھی جاہلانہ اور عامیانہ ہوگا جیسا کہ کسی نے کہا ہے جب جاہل بات کرتا ہے تو گدھے کی طرح معلوم ہوتا ہے اور جب چپ رہتا ہے تو دیوار کی طرح معلوم ہوتا ہے۔

حیاء ایک بہت بڑی نعمت الہیہ:

عَنْ زَيْدِ بْنِ طَلْحَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ إِنَّ لِكُلِّ دِينٍ خُلُقًا خُلُقُ الْإِسْلَامِ الْحَيَاءُ.

(رواہ مالک مرسلًا ورواہ ابن ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان عن انس و ابن عباس)

سنن ابو داؤد کتاب الادب باب من کظم عیظاً ح ۹۷۷۸۔

”اور حضرت زید بن طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ہر دین اور مذہب میں ایک خلق ہے (یعنی ہر مذہب والوں میں ایک ایسی صفت و خصلت ہوتی ہے جو ان کی تمام صفات پر غالب اور ان کی ساری خصلتوں سے اعلیٰ ہوتی ہے) اور اسلام کا وہ خلق حیا ہے۔“ اس روایت کو مالکؒ نے بطریق ارسال نقل کیا ہے (کیونکہ زید صحابی نہیں ہیں بلکہ تابعی ہیں نیز ابن ماجہ اور شعب الایمان میں بیہقی نے اس روایت کو حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔“

حیا کی تعریف و فضیلت:

یہاں ”حیاء“ سے اس چیز میں شرم و حیا کرنا مراد ہے جس میں حیا کرنا مشروع ہے چنانچہ جن چیزوں میں شرم و حیا کرنے کی اجازت نہیں ہے جیسے تعلیم و تدریس امر بالمعروف و نہی عن المنکر، ادائیگی حق کا حکم دینا، خود حق کو ادا کرنا اور گواہی دینا وغیرہ وغیرہ ان میں شرم و حیا کرنے کی کوئی فضیلت نہیں ہے۔

حدیث کا زیادہ مفہوم بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر دین کے لوگوں پر کوئی نہ کوئی وصف و خصلت غالب رہتی ہے چنانچہ اہل اسلام پر جس طبعی وصف کو غالب قرار دیا گیا ہے وہ حیاء ہے اور باوجودیکہ حیا بھی ان اوصاف و خصائل میں سے ہے جو تمام ادیان و مذاہب کے لوگوں میں مشترک طور پر پائی جاتی ہیں لیکن اسی وصف حیاء کو خاص طور پر اہل اسلام پر غالب کیا گیا ہے اور دوسرے مذاہب کے لوگوں میں اس جوہر کو بہت کم

رکھا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حیا نہ صرف یہ کہ طبعی خاصیتوں اور خصلتوں میں سب سے اعلیٰ درجہ رکھتی ہے بلکہ یہ وہ جوہر ہے جس سے انسانی اخلاق و کردار کی تکمیل بھی ہوتی ہے اور چونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ بعثت لا تصم مکارم الاخلاق (میں اچھے اخلاق کی تکمیل کے لئے دنیا میں بھیجا گیا ہوں) اس لئے اس جوہر کے ذریعہ ملت اسلامیہ کے اخلاق و اوصاف کو کمال کے درجہ پر پہنچایا گیا ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ صرف حیا ہی میں منحصر نہیں ہے بلکہ ہم سے پہلے کی امتوں میں تمام ہی اخلاق و خصائل ناقص تھے یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ دنیا میں تشریف لائے اور آپ ﷺ کی برکت سے ملت اسلامیہ میں تمام اخلاق و خصائل کو کامل و مکمل کیا گیا اسی لئے ملت اسلامیہ کی اس خاصیت کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ اُخْرِجْتُ النَّاسَ (تم کو دنیا والوں کے لئے سب سے بہتر امت بنا کر پیدا کیا گیا ہے الخ)۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْحَيَاءَ وَالْإِيمَانَ قُرْنَانِ جَمِيعًا فَإِذَا رُفِعَ أَحَدُهُمَا رُفِعَ الْآخَرُ وَفِي رِوَايَةٍ ابْنِ عَبَّاسٍ فَإِذَا سَلِبَ أَحَدُهُمَا تَبِعَهُ الْآخَرُ (رواه البيهقي في شعب الایمان)

”اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حیا اور ایمان کو ایک دوسرے کے ساتھ یکجا کیا گیا ہے لہذا جب کسی کو ان دونوں میں سے کسی ایک سے محروم کیا جاتا ہے تو وہ دوسرے سے بھی محروم رکھا جاتا ہے یعنی جو شخص ایمان سے محروم رہتا ہے وہ حیا سے محروم رکھا جاتا اور جس میں حیا نہیں ہوتی اس میں ایمان بھی نہیں ہوتا اور ایک دوسری روایت میں جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے یوں ہے کہ

ان دونوں میں سے جب ایک کو دور کیا جاتا ہے تو دوسرا بھی جاتا رہتا ہے۔“

صحیحین میں حیا کی بابت مروی چند احادیث:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْإِيمَانُ بِضْعٌ وَسِتُّونَ شُعْبَةً وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کی ستر پر کئی شاخیں ہیں اور حیا ایمان کی ایک شاخ ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْإِيمَانُ بِضْعٌ وَسِتُّونَ شُعْبَةً فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَذْنَاهَا إِفْاطَةُ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ایمان کی ستر پر کئی یا ساٹھ پر کئی شاخیں ہیں ان سب میں افضل لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہنا ہے اور اذنی ان سب میں راہ میں سے نوذی چیز کا ہٹانا ہے اور حیا ایمان کی ایک شاخ ہے۔

عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يَعْظُ أَخَاهُ فِي الْحَيَاءِ فَقَالَ الْحَيَاءُ مِنَ الْإِيمَانِ

سالم نے اپنے باپ عبد اللہ بن عمر سے روایت کیا رسول اللہ ﷺ نے سنا کہ ایک شخص اپنے بھائی کو حیا کے باب میں نصیحت کر رہا تھا فرمایا (جانے دے

یعنی حیا سے متوجہ کرنا حیا ایمان میں داخل ہے۔

عَنْ عُمَرَانَ ابْنِ حُصَيْنٍ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ الْخِيَاءُ لَا يَأْتِي إِلَّا بِخَيْرٍ فَقَالَ بُشَيْرُ ابْنِ كَعْبٍ إِنَّهُ مَكْتُوبٌ لِي الْحِكْمَةُ أَنْ مِنْهُ وَقَارًا وَمِنْهُ سَكِينَةٌ فَقَالَ عُمَرَانُ أَخَذْتُكَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَحَدَّثَنِي عَنْ صُحْبِكَ.

عمران بن حصین حدیث بیان کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حیا سے نہیں ہوتی مگر بہتری۔ بشیر بن کعب نے کہا حکمت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حیا ہی سے وقار ہوتا ہے اور حیا سے سکینہ ہوتا ہے۔ عمران نے کہا میں تو تجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تو اپنی کتابوں کی باتیں بیان کرتا ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ حیا ایمان میں ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ حیا سے نہیں ہوتی مگر بھلائی۔ ایک روایت میں ہے کہ حیا بالکل خیر ہے۔ واحدی نے کہا کہ حیا اور احتیاء دونوں حیات سے لکھے ہیں اور حیا انسان کی قوت حیات ہے تو جس شخص کا احساس لطیف اور حیات قوی ہے اسی کو حیا ہوتی ہے۔ جنید بغدادی نے کہا کہ حیا اعتدال کا دیکھنا اور اپنے قصور و عیوب پر نظر کرنا ہے یعنی اللہ کے احسانات اور اپنی تقصیرات پر غور کرنا اس سے ایک حالت پیدا ہوتی ہے جس کو حیا کہتے ہیں۔ اخلاق میں فضائل نفس تین رکھے ہیں عفت اور شجاعت اور عدالت۔ پھر حیا عفت کا ایک شعبہ ہے۔ ابو علی بن مسکویہ نے کتاب الطہارۃ میں کہا کہ حیا نفس کا بری باتیں کرنے سے رک جانا ہے اور برائی سے پرہیز کرنا ہے۔ قاضی عیاض نے کہا حیا تو ایک خلقی صفت ہے پھر اس کو ایمان میں داخل کیا اس لئے کہ کبھی حیا پیدا ہوتی ہے، ریاضت اور کسب

سے جیسے اخلاق حسنہ ریاضت سے حاصل ہوتے ہیں اور کبھی خلقی ہوتی ہے لیکن حیا کا استعمال قانون شرع کے موافق محتاج ہوتا ہے کسب اور نیت اور علم کی طرف تو وہ ایمان میں ہے اور دوسرے یہ کہ حیا نیک کام کرائی ہے اور گناہوں سے باز رکھتی ہے لیکن یہ جو فرمایا کہ حیا بالکل خیر ہے اور نہیں ہوتی اس سے مگر خیر تو اس میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ بعض وقت حیا کی وجہ سے انسان حق بات کہنے سے رک جاتا ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ترک کرتا ہے اور کبھی حیا کی وجہ سے اس کے حقوق تلف ہو جاتے ہیں تو خیر محض کیونکر ہوئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حیا نہیں ہے یہ تو بجز اور ناتوانی ہے اس کو حیا بعضوں نے مجازاً کہا ہے لیکن حقیقتاً حیا اس خلق کا نام ہے جو بری بات سے روکتی ہے اور اچھی بات کی طرف ہلاتی ہے اور کسی حقدار کے حق میں قصور کرنے سے منع کرتی ہے اور جہنم کا قول اس پر دلالت کرتا ہے۔ (نووی)

بیویوں کا بات بہ بات غیرت کھانا تباہی کا پیش خیمہ:

وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْأَخْدَرِيِّ قَالَ قَامَ فِينَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَظِينًا بَعْدَ الْعَصْرِ فَلَمْ يَدْعُ شَيْئًا يَكُونُ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ إِلَّا ذَكَرَهُ حَفَظَهُ مَنْ حَفَظَهُ وَنَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ وَكَانَ فِينَا قَالَ إِنَّ الدُّنْيَا خُلُوةٌ خَضِرَةٌ وَإِنَّ اللَّهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيهَا فَنَظَرُكُمْ تَعْمَلُونَ إِلَّا فَاتَقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوا النَّسَاءَ وَذَكَرْنَا أَنَّ لِكُلِّ غَابِرٍ لَوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَمَةِ بِقَدْرِ غَزَرِهِ فِي الدُّنْيَا وَلَا غَدْرَ أَكْبَرُ مِنْ غَدْرِ أَمِيرِ الْعَامَّةِ يُغَرَّرُ لَوَائُهُ عِنْدَ إِنْشَائِهِ قَالَ وَلَا يَمْنَعُنَّ أَحَدٌ مِنْكُمْ هَيْبَةُ النَّاسِ أَنْ يَقُولَ بِحَقِّ إِذَا عَلِمَهُ وَفِي رِوَايَةٍ أَنْ رَأَى مُنْكَرًا أَنْ يَغْيِرَ

یعنی حیا سے مت منع کر (حیا ایمان میں داخل ہے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ حَدَّثَنَا عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ الْحَيَاءُ لَا يَأْتِي إِلَّا بِخَيْرٍ فَقَالَ بُشَيْرُ ابْنِ كَعْبٍ إِنَّا مَكْتُوبٌ فِي الْحِكْمَةِ أَنَّ مِنْهُ وَقَارًا وَمِنْهُ سَكِينَةٌ فَقَالَ عُمَرَانِ أَحَدُكَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَحَدَّثُنِي عَنْ صُحْبِكَ

عمران بن حصین حدیث بیان کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حیا سے نہیں ہوتی مگر بہتری۔ بشیر بن کعب نے کہا حکمت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حیا ہی سے وقار ہوتا ہے اور حیا سے سکینہ ہوتا ہے۔ عمران نے کہا میں تو تجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تو اپنی کتابوں کی باتیں بیان کرتا ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ حیا ایمان میں ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ حیا سے نہیں ہوتی مگر بھائی۔ ایک روایت میں ہے کہ حیا بالکل خیر ہے۔ واحدی نے کہا کہ حیا اور احتیاء دونوں حیات سے اٹکے ہیں اور حیا انسان کی قوت حیات ہے تو جس شخص کا احساس لطیف اور حیات قوی ہے اسی کو حیا ہوتی ہے۔ جنید بغدادی نے کہا کہ حیا انسان کا دل کیلنا اور اپنے قصوروں پر نظر کرنا ہے یعنی اللہ کے احسانات اور اپنی تقصیرات پر غور کرنا، اس سے ایک سمات پیدا ہوتی ہے جس کو حیا کہتے ہیں۔ اخلاق میں فضائل نفس میں رکھے ہیں عفت اور شجاعت اور عدالت۔ پھر حیا عفت کا ایک شعبہ ہے۔ ابو حامد بن مسکویہ نے کتاب الطہارۃ میں کہا کہ حیا نفس کا بری باتیں کرنے سے رک جانا ہے اور برائی سے پرہیز کرنا ہے۔ قاضی عیاض نے کہا حیا تو ایک خلقی صفت ہے پھر اس کو ایمان میں داخل کیا اس لئے کہ کبھی حیا پیدا ہوتی ہے، ریاضت اور کسب

سے جیسے اخلاق حسنہ ریاضت سے حاصل ہوتے ہیں اور کبھی خلقی ہوتی ہے لیکن حیا کا استعمال قانون شرع کے موافق محتاج ہوتا ہے کسب اور نیت اور علم کی طرف تو وہ ایمان میں ہے اور دوسرے یہ کہ حیا نیک کام کرائی ہے اور گناہوں سے باز رکھتی ہے لیکن یہ جو فرمایا کہ حیا بالکل خیر ہے اور نہیں ہوتی اس سے مگر خیر تو اس میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ بعض وقت حیا کی وجہ سے انسان حق بات کہنے سے رک جاتا ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ترک کرتا ہے اور کبھی حیا کی وجہ سے اس کے حقوق تلف ہو جاتے ہیں تو خیر محض کیونکر ہوئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حیا نہیں ہے یہ تو عجز اور ناتوانی ہے اس کو حیا بعضوں نے مجازاً کہا ہے لیکن حقیقتاً حیا اس خلق کا نام ہے جو بری بات سے روکتی ہے اور اچھی بات کی طرف بلاتی ہے اور کسی حقدار کے حق میں تصور کرنے سے منع کرتی ہے اور جنید کا قول اس پر دلالت کرتا ہے۔ (نووی)

بیویوں کا بات بہ بات غیرت کھانا تباہی کا پیش خیمہ۔

وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْأَخْدَرِيِّ قَالَ قَامَ فِينَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاطِبًا بَعْدَ الْغَضْرِ قَلَمٌ يَدْعُ شَيْئًا يَكُونُ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ إِلَّا ذَكَرَهُ حَفِظَهُ مَنْ حَفِظَهُ وَنَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ وَكَانَ فِينَا قَالَ إِنَّ الدُّنْيَا خُلُوةٌ خَصْرَةٌ وَإِنَّ اللَّهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيهَا فَمَا ظَرُكُمُ كَيْفَ تَعْمَلُونَ أَلَا فَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوا النَّسَاءَ وَذَكَرْنَا أَنَّ لِكُلِّ غَادِرٍ لَوَاءً يَوْمَ الْقِيَمَةِ بِقَدْرِ غَدْرَتِهِ فِي الدُّنْيَا وَلَا غَدْرَ أَكْبَرُ مِنْ غَدْرِ أَمِيرِ الْعَامَّةِ يُغْدِرُ لَوَائِهِ عِنْدَ إِسْبَاحِهِ قَالَ وَلَا يَمْنَعَنَّ أَحَدٌ مِنْكُمْ بَيْنَهُ النَّاسَ أَنْ يَقُولَ بِحَقِّ إِذَا عَلِمَهُ وَفِي رِوَايَةٍ أَنْ رَأَى مُنْكَرًا أَنْ يُغَيِّرَ

کے لئے ہوگا تاکہ ایک کو دوسرے سے امتیاز کر کے پہچانا جاسکے جیسے اس دنیا میں امراء اور مقتدرین اپنے ساتھ کوئی علامتی نشان رکھتے ہیں اور کوئی عہد شکنی امیر عامہ کی عہد شکنی سے زیادہ بڑی نہیں چنانچہ اس کا نشان اس کی مقعد کے قریب کھرا کیا جائے گا (تاکہ اس کی زیادہ فضیلت و رسوائی ہو) حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ تم میں سے کسی کو بھی کوئی خوف و ہیبت حق بات کہنے سے باز نہ رکھے جب کہ وہ حق بات سے واقف ہو (یعنی کوئی شخص کلمہ حق کہنے میں کسی کا کوئی خوف و لحاظ نہ کرے بلکہ اس کو برملا کہے) ہاں اس کی وجہ سے جان جانے کا خوف ہو تو معذوری ہے اور ایک اور روایت میں اس جگہ (ولا یمنعن احدا منکم ہیبة الناس ان یقول بحق کے بجائے) یہ ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی خلاف شرع امر کو دیکھے تو لوگوں کا کوئی خوف و ہیبت اس کو خلاف شرع امر کی اصلاح و سرکوبی سے باز نہ رکھے۔ یہ بیان کر کے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روپڑے اور کہنے لگے کہ ہم نے خلاف شرع امر کو (اپنی آنکھ سے) دیکھا اور لوگوں کے خوف سے ہم اس کے بارے میں کچھ نہ کہہ سکے۔ (اس کے بعد حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ) حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا: "جان لو! آدم علیہ السلام کی اولاد کو مختلف جماعتوں اور متضاد اقسام و مراتب کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے چنانچہ ان میں سے بعض وہ ہیں جن کو مؤمن پیدا کیا جاتا ہے جو (سن تمیز سے لے کر آخر عمر تک گویا ساری عمر) ایمان کی حالت میں (ساری عمر) زندہ رہتے ہیں اور ایمان ہی پر ان کا خاتمہ ہوتا ہے اور ان میں سے بعض وہ ہیں جن کو مؤمن پیدا کیا جاتا ہے وہ ایمان ہی کی حالت میں (ساری عمر) رہتے ہیں لیکن ان کا خاتمہ کفر پر ہوتا ہے اور ان

میں سے بعض وہ ہیں جن کو کافر پیدا کیا جاتا ہے جو کفر ہی کی حالت میں (ساری عمر) گزارتے ہیں ان کا خاتمہ کفر پر ہوتا ہے اور ان میں سے بعض وہ ہیں جن کو کافر پیدا کیا جاتا ہے وہ کفر ہی کی حالت میں (ساری عمر) گزارتے ہیں لیکن ان کا خاتمہ ایمان پر ہوتا ہے۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (اس موقع پر) حضور ﷺ نے غضب و غصہ کی قسموں کو بھی ذکر کیا چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: "بعض آدمی بہت جلد غضب ناک ہو جاتے ہیں لیکن ان کا غضب و غصہ جلد ہی ختم بھی ہو جاتا ہے (یعنی کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں ذرا سی بات پر جلد ہی غصہ آ جاتا ہے لیکن ان کا غصہ جتنی تیزی کے ساتھ ہے اسی تیزی کے ساتھ فرو بھی ہو جاتا ہے) چنانچہ ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کا بدل بن جاتا ہے (یعنی جلد غصہ آنا بری خصلت ہے اور غصہ کا جلد جاتے رہنا اچھی خصلت ہے لہذا جس شخص میں یہ دونوں خصلتیں ہوں تو ان میں سے جو خصلت اچھی ہے وہ بری خصلت کی مکافات کر دیتی ہے اس طرح اس بارے میں وہ شخص نہ تو مدح و تحسین کا مستحق ہوتا ہے اور نہ برائی کا مستوجب بلکہ دونوں خصلتوں کا حامل ہونے کی وجہ سے بین بین رہتا ہے بایں اعتبار اس کے متعلق نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ لوگوں میں بہتر شخص ہے اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ لوگوں میں بدتر شخص ہے) اور بعض آدمی ایسا ہوتا ہے کہ اس کو غصہ دیر میں آتا ہے اور دیر سے جاتا ہے (ایسا شخص بھی ایک اچھی خصلت رکھتا ہے اور ایک بری خصلت کہ اگر چہ غصہ کا دیر میں آنا اچھا ہے لیکن اس کا دیر سے جانا برا ہے۔ چنانچہ ایسا شخص بھی بین بین ہوتا ہے کہ اس کو بہترین شخص کہا جاسکتا ہے اور نہ بدترین شخص لہذا تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جن کو غصہ دیر سے آتا ہے اور

جلد فرو ہو جاتا ہے جب کہ تم میں سے بدترین شخص وہ ہے جس کو جلد غصہ آئے اور دیر میں غصہ جائے۔ (اس کے بعد) حضور ﷺ نے فرمایا: ”تم غصہ سے بچو (یعنی ایسا کام نہ کرو جس سے غصہ آئے یا یہ مطلب ہے کہ غصہ سے خدا کی پناہ مانگو اور اس خصلت سے بچو) کیونکہ وہ غصہ ابن آدم کے قلب پر ایک دھبہ بنا دیتا ہے (یعنی غصہ آگ کے انگارہ کی طرح حرارت غریزہ اور حدت جلیہ رکھتا ہے جو نفس کی آگ لٹھی میں دبا ہوا ہے اور جب خواہش نفس اس کو بھڑکاتی ہے تو اس کی حرارت اور تیزی قلب پر غالب آ جاتی ہے اور مثل اپنا تصرف کرنے سے عاجز رہتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسا شخص اپنے غصہ کی آگ میں دوسروں کو تو جلاتا ہے لیکن خود کو بھی جلا ڈالتا ہے) کیا تم نہیں دیکھتے کہ (جب کوئی شخص غضب ناک ہوتا ہے تو) اس کی گردن کی رگیں پھول جاتی ہیں اور آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں (یعنی یہ چیزیں دراصل اسی غصہ کی حرارت غریزہ اور بخارات غلیظہ کے اٹھنے کا اثر ہوتی ہیں اس طرح غضب ناک شخص کا ظاہر گویا اس کے باطن کا غماز ہوتا ہے) لہذا جب کوئی شخص یہ محسوس کرے کہ اب غصہ آیا ہی چاہتا ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ فوراً پہلو پر لیٹ جائے اور زمین سے چٹ جائے۔ اور حضور ﷺ نے قرض کا بھی ذکر کیا (یعنی قرض قرضدار اور قرض خواہ کے احوال و اقسام کو بھی بیان کیا) چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”تم میں سے بعض آدمی ایسا ہوتا ہے کہ وہ (قرض کی) ادائیگی میں تو اچھا رہتا ہے لیکن اپنا قرض وصول کرنے میں سختی کرتا ہے (یعنی اگر اس پر کسی کا قرض ہوتا ہے تو اس کو ادا کرنے میں صفائی معاملہ اور خوبی کا ثبوت دیتا ہے) لیکن جب اس کا قرض کسی پر ہوتا ہے تو اس کو قرض دار سے وصول کرنے

میں سختی کرتا ہے بایں طور کہ مطالبہ و تقاضا کے وقت اس قرض دار کا کوئی ادب و لحاظ نہیں کرتا اور سختی و بدگلائی کے ذریعہ اس کو ایذا پہنچاتا ہے اس طرح اس میں قرض کو خوبی کے ساتھ ادا کرنے کی بھی خصلت ہوتی ہے اور وصول قرض میں برائی اختیار کرنے کی بھی خصلت چنانچہ اس کی دونوں خصلتوں میں سے ہر ایک دوسری کا بدل ہو جاتی ہے۔ لہذا تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو کسی کا قرض ادا کرنے میں بھی اچھے ہوں اور تم میں بدترین لوگ وہ ہیں جو کسی قرض وصول کرنے میں بھی برے ہوں اور کسی سے اپنا قرض وصول کرنے کا قرض ادا کرنے میں بھی برے ہوں اور کسی سے اپنا قرض وصول کرنے میں بھی برے ہوں۔“ حضور ﷺ نے اپنے خطبہ میں یہ نصیحتیں فرمائیں (یہاں تک کہ جب سورج کا اثر صرف کھجوروں کی چوٹیوں اور دیواروں کے کناروں پر رہ گیا (یعنی جب دن آخر ہو گیا) تو آپ ﷺ نے یہ فرمایا: ”یاد رکھو! اس دنیا کا جو زمانہ گزر چکا ہے اس کی بہ نسبت صرف اتنا زمانہ باقی رہ گیا ہے کہ آج کے دن کے گزرے ہوئے حصہ کی بہ نسبت یہ آخری وقت! (یعنی جس طرح آج کے دن کا قریب قریب پورا حصہ گزر چکا ہے اب بہت قلیل عرصہ باقی رہ گیا ہے۔“ (ترمذی)

”یہ دنیا بڑی شیریں اور ہری بھری ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ یہ دنیا اپنے تعلقات کے ساتھ بظاہر اس قدر لذت آمیز اور خوش نما ہے کہ محض ظاہری حالت پر سمجھ جانے والے لوگوں کو طبعی طور پر اس سے بہت مناسبت اور اس کی طرف میلان ہوتا ہے اور ان کی آنکھوں میں اس کی حقیقت نہایت دلکش اور سرسبز معلوم ہوتی ہے! بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اہل عرب کے نزدیک جو چیز نرم و نازک ہوتی ہے اور اپنی ناپائیداری کی وجہ سے زیادہ مدت نہیں ٹھہرتی بلکہ جلد جاتی رہتی ہے اس کو وہ لوگ

خضر و ایت یعنی سبزیوں اور ترکاریوں سے مشابہت دیتے ہوئے ”خضراء“ کہتے ہیں۔ بہر حال حدیث کے اس جملہ میں دراصل اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ یہ دنیا مکر و تصنع اور ظاہری حسن و لذات سے بھری ہوئی ہے کہ لوگوں کو اپنے ظاہری ٹیپ ٹاپ رکھنے والے حسن و جمال پر فریفتہ کرتی ہے اور اپنی جھوٹی لذات اور خواہشات کی طرف مائل کرتی ہے حالانکہ اس کی تمام تزکشی اور رنگینی اور خواہشات و لذات بہت جلد فنا کے گھاٹ اتر جاتی ہیں۔

”اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس دنیا میں خلیفہ بنایا ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں تمہیں جو مال و دولت حاصل ہے اس کے بارے میں تم اس حقیقت کو جان لو کہ اس مال و دولت کے تم حقیقی مالک نہیں ہو بلکہ حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے اور تم صرف اس کے خرچ و تصرف میں خلیفہ اور وکیل کی حیثیت رکھتے ہو۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان لوگوں کا خلیفہ قرار دیا ہے جو تم سے پہلے اس دنیا میں تھے اور ان کے اموال و جائیداد کو تمہاری سپردگی میں دے دیا ہے لہذا وہ دیکھتا ہے کہ تم اپنے اموال و املاک کے بارے میں کیا طرز عمل اختیار کرتے ہو اور اس میں کس طرح تصرف کرتے ہو یا کہ تم گزرے ہوئے لوگوں کے احوال و انجام سے کس طرح عبرت پکڑتے ہو اور ان کے چھوڑے ہوئے اموال و جائیداد میں کس طرح تصرف کرتے ہو۔

”تم دنیا سے بچو“ کا مطلب یہ ہے کہ جب تم نے دنیا کی حقیقت جان لی کہ وہ فنا ہونے والی چیز ہے اور اس کی کسی بھی شے کو کوئی استحکام و دوام نہیں ہے تو پھر اس کے پیچھے پڑنا نہایت نازیبا اور غیر دانش مندی کی بات ہے لہذا تم دنیا کو اس قدر حاصل کرنے کی خواہش و کوشش نہ کرو جو ضرورت و حاجت سے زیادہ ہو اور ضرورت و حاجت بھی وہ کہ جس سے آبرو مند اندہ زندگی کی بقاء و دین کی مدد اور آخرت میں نفع حاصل ہو۔ ”اسی طرح عورتوں سے بچو“ کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کے حسن و جمال اور ناز و ادا کے مکر و فریب اور ان کی ناروا محبت و شیفتگی کے جال سے اپنے آپ کو بچاؤ

کہ مبادا یہ چیز مال و دولت جمع کرنے کی حرص اور دنیا کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کے استغراق میں مبتلا کروے جس کی وجہ سے تم علم و عمل کی راہ سے دور ہو جاؤ۔ ”امیر عامہ“ سے مراد متغلی ہے یعنی وہ شخص جو مسلمانوں کے معاملات اور ان کے ملک و شہر پر غالب و حکمران ہو گیا ہو اور عام لوگوں نے اسے باب حل و عقد یعنی علماء اور دانشوران زمانہ کی رائے و مشورہ کے بغیر اس شخص کو امیر و حاکم تسلیم کر لیا ہو اور اس کے حامی و مددگار ہوں۔

اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کا رونا اس احساس کی بنا پر تھا کہ ہم نے کلمہ حق کہنے کے سلسلہ میں اس مرتبہ کو ترک کر دیا جو اولیٰ ہے اور وہ یہ کہ ہر حال میں حق بات کہی جائے خواہ اس کی پاداش میں جان ہی کیوں نہ رہی پڑے! ظاہر ہے کہ ان کا یہ احساس محض اس کے کمال ایمان اور دین کے تئیں شدت احتیاط پر مبنی تھا ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اس مرتبہ کو ترک کرنے اسلامی تعلیمات کے قطعاً خلاف نہیں تھا بلکہ ان احادیث پر عمل کرنے کی بناء پر تھا جن سے واضح ہوتا ہے کہ اہل ایمان کے ضعف و اضمحلال کے زمانہ میں اور عجز و بے بسی کی صورت میں کلمہ حق کہنے سے سکوت اختیار کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس کی وجہ سے جان و مال اور آبرو کی ہلاکت و نقصان کا خوف ہو! اس سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ جب اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اکابر صحابہ کرام جیسے عظیم انسان کو جو دین کے بارے میں انتہائی سخت و مضبوط تھے اور جو یقین و معرفت کی دولت سے پوری طرح مالا مال تھے اگر وہ اس وصف و مرتبہ کے باوجود اہل باطل جیسے یزید و حجاج سفاک و غیرہ کے خوف سے اظہار حق کی قدرت نہیں رکھتے تھے تو ہم جیسے مسلمانوں کے بارے میں کیا کہا جاسکتا ہے جو اہل ایمان کے انتہائی ضعف و اضمحلال کا زمانہ پائے ہوئے ہیں جن میں باعمل علماء اور ایمانی جرأت و ایثار رکھنے والے راہبر کم ہیں جو ریاکار مشائخ و صوفیاء کی کثرت رکھتے ہیں اور جن پر اکثر ظالم امراء و حکماء مسلط ہیں! لہذا اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ زمانہ عبرت و تحمل رضا بقضاء اور سکوت و یکسوئی اختیار

کرنے اور بقدر بقا زندگی معاشی ضروریات کے حصول پر قناعت کرنے کا ہے۔
 "بعض وہ ہیں جن کو مؤمن پیدا کیا جاتا ہے" یعنی ان کی پیدائش مؤمن ماں
 باپ کے یہاں یا مسلم آبادی یا شہر میں ہوتی ہے اور اس اعتبار سے ان کو مؤمن کہا جاتا
 ہے۔ یہ وضاحت اس لئے کی جاتی ہے کہ جب کوئی شخص پیدا ہوتا ہے تو سن تیز کو پہنچنے
 سے قبل اس کی طرف ایمان کی نسبت نہیں کی جاتی یہ اور بات ہے کہ علم الہی کے اعتبار
 سے یا اس سے آئندہ زمانہ کی حالت کے اعتبار سے اس کی طرف ایمان کی نسبت کر
 دی جائے۔ اسی طرح "بعض وہ ہیں جن کو کافر پیدا کیا جاتا ہے" سے مراد وہ لوگ ہیں
 جو کافر ماں باپ سے پیدا ہوتے ہیں یا جن کی پیدائش کافروں کی آبادی اور ان کے
 شہر میں ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے حدیث کا یہ جملہ اس حدیث کے منافی نہیں ہے جس
 میں فرمایا گیا ہے کہ کل مولد یولد علی الفطرة کیونکہ اس ارشاد گرامی (کل مولود یولد علی
 فطرة فیه اسلام) کی مراد یہ بتانا ہے کہ جو بھی شخص اس دنیا میں آتا ہے وہ فطری طور پر ہدایت و راستی قبول
 کرنے کی استعداد و صلاحیت رکھتا ہے بشرطیکہ کوئی ایسا مانع پیش نہ آئے جو اس کو
 گمراہی کے راستہ پر ڈال دے جیسا کہ خود اسی حدیث کے بعد کے الفاظ فابواہ
 یرودا فیه اسلام۔ اس پر دلالت کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ مذکورہ بالا ارشاد گرامی میں
 لہجوں کی جو قسمیں بیان کی گئی ہیں وہ غالب و اکثریت کے اعتبار سے ہیں "وہ بعض
 لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو مؤمن پیدا ہوتے ہیں کفر کی حالت پر زندگی گزارتے
 ہیں" لیکن ان کا خاتمہ ایمان ہی کی حالت پر ہوتا ہے اسی طرح بعض وہ ہیں جو کافر پیدا
 ہوتے ہیں ایمان کی حالت پر زندگی گزارتے ہیں لیکن ان کا خاتمہ کفر کی حالت پر ہوتا
 ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں قسمیں اس لئے ذکر نہ فرمائی گئی ہوں کہ یہاں حقیقی مقصد
 اس بات کو واضح کرنا ہے کہ ہدایت و گمراہی میں اصل اعتبار خاتمہ کی حالت کے ہے
 اور یہ بات مذکورہ قسمیں بیان کرنے سے بھی اجمالی طور پر سمجھ میں آ جاتی ہے۔
 "پہلو پر لیٹ جائے اور زمین سے چمٹ جائے" غصہ آنے کے وقت اس

حالت کو اختیار کرنے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ یہ حالت نفسیاتی طور پر
 غصہ کو فرو کرنے کا بہترین ذریعہ ہے کیونکہ غصہ کے وقت زمین سے لگ کر
 پہلو پر لیٹ جانا فوری طور پر یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ جب میری حقیقت
 بس اتنی ہے کہ میں مٹی سے پیدا ہوا اور آخر کار مٹی ہی میں مل جاؤں گا تو مجھ
 کو تکبر نہ کرنا چاہئے بلکہ تحمل اور انکساری کی راہ اختیار کرنی چاہئے۔

معاشی تنگی کے دنوں میں نیک بیوی کا طرزِ عمل

اللہ عزوجل نے اس زندگی میں بے شمار رنگ بھر دیئے ہیں اور خود ہی قرآن میں فرما دیا کہ میں لوگوں کے درمیان دنوں کو پھیرتا رہتا ہوں۔ آپ دیکھیں کہ اگر آج آپ کے شوہر پہ مشکل وقت آیا ہے تو یہ صدائیں رہنا کیا پہلے حالات اچھے نہیں تھے اور اگر پہلے بھی نہیں تھے تو یقیناً جائے پھر بھی ایسے حالات سدا نہیں رہنے۔ مشکل وقت اگر آپ نے چند دن خوش دلی سے شوہر کا ساتھ دے لیا تو آگے اچھے وقت میں وہ شوہر آپ پہ کیسے ثار جائے گا، کیا اس بات کو سمجھانے کے لئے کسی ستر اعلیٰ دماغ کی ضرورت ہے۔

آئیے اس بابت اپنی فرمانبرداری بنیاد پر کچھ نصیحت کئے دیتے ہیں:

فقراء کی فضیلت اور نبی کریم ﷺ کی معاشی زندگی کا بیان:

”فقراء“ فقیر کی جمع ہے جس کے معنی ہیں مفلس محتاج، غریب اور ”فضیلت“ سے مراد اجر و ثواب کی کثرت ہے! لہذا فقراء کی فضیلت کے بیان کا مطلب ان احادیث کو نقل کرنا ہے جن سے یہ واضح ہوگا کہ جو لوگ اپنی غربت و افلاس اور محتاجی کی وجہ سے اپنی اور اپنے متعلقین کی معاشی زندگی کی خیتوں کو صبر و سکون کے ساتھ جھیلے ہیں اور تمام مشکلات کا مقابلہ نہایت عزم و استقلال کے ساتھ کرتے ہوئے توکل و قناعت اختیار کرتے ہیں اور تقدیر الہی پر راضی و شاکر رہتے ہیں ان کو کتنا زیادہ اجر و ثواب ملتا ہے اور وہ آخرت میں کتنا بڑا درجہ پائیں گے۔

”حضور ﷺ کی معاشی زندگی“ سے مراد آپ ﷺ کے کھانے پینے، رہن سہن اور بسر اوقات کا وہ معیار اور طور طریقہ ہے جو غرباء اور فقراء کا ہوتا ہے اور زیادہ سے

زیادہ جس کو کفاف (بقدر ضرورت) کہا جاسکتا ہے! عنوان بالا میں ”فقراء کی فضیلت“ اور ”حضور کی معاشی زندگی“ کو ایک ساتھ ذکر کرنے اور دونوں سے متعلق احادیث و مضمون کو ایک باب میں نقل کرنے میں جو خاص حکمت ہے وہ اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اکثر انبیاء و اولیاء کی طرح حضور ﷺ کا معیار زندگی اور بسر اوقات بھی غرباء و فقراء کی طرح تھا، یعنی سرکارِ دو عالم ﷺ خوشحال زندگی اختیار کرنے کی قدرت رکھنے کے باوجود اپنی زندگی اس طرح بسر کرتے تھے جس طرح کوئی غریب و مفلس شخص بسر کرتا ہے اور اپنے متعلقین کی کفالت اسی تنگی اور سخت کوشی و جانکاهی کے ساتھ کرتے تھے جو غریب و نادار لوگوں کا معمول ہے چنانچہ غریب و نادار مومن کی فضیلت کو ثابت کرنے کے لئے یہی بات بہت کافی ہے۔

واضح رہے کہ اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ صبر و رضا اختیار کرنے والا غریب و مفلس زیادہ فضیلت رکھتا ہے یا شکر گزار غنی و خوشحال؟ چنانچہ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ شکر گزار اور غنی زیادہ فضیلت رکھتا ہے کیونکہ اس کے ہاتھ سے اکثر وہ چیزیں مل جاتی ہیں جو صدقہ و خیرات اور مالی انفاق و ایثار یعنی زکوٰۃ قرآنی اور نیک کاموں میں خرچ کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی زیادہ سے زیادہ قرب و نزدیکی حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں نیز حدیث میں بھی انبیاء کی تعریف میں یوں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اِنَّكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ، (یعنی یہ مال و دولت اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے) اور اکثر حضرات یہ فرماتے ہیں کہ صبر کرنے والا غریب و مفلس زیادہ فضیلت رکھتا ہے جس کی ایک سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ خود حضور سرور کائنات کا معیار زندگی انبیاء کے مطابق نہیں تھا بلکہ غرباء اور مفلسوں کی طرح تھا، نیز اس بات میں جو احادیث منقول ہوں گی وہ سب بھی ان حضرات کے قول کی دلیل ہیں! تاہم یہ بات ملحوظ رہے کہ اس اختلاف اقوال کا تعلق دراصل مطلق فقراء و غنا کی حقیقت و ماہیت سے ہے اور اس کا اعتبار بھی وجوہ کے مختلف

ہونے پر ہے۔

چنانچہ ایک شخص کے حق میں کبھی تو غنا یعنی دولت مندی خیر و بھلائی کا باعث بن سکتی ہے اور کبھی اس کا فقیر و مفلس ہونا ہی اس کے حق میں بہتر ہو سکتا ہے جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندہ پر مہربان ہوتا ہے تو اس کو وہی چیز دیتا ہے جو اس کے حق میں صلاح و فلاح کا ذریعہ ہوتی ہے۔ خواہ فقر ہو یا غنا اور خواہ صحت ہو یا تندرستی! یہی حکم (کہ اختلاف وجوہ کی بناء پر ایک ہی چیز کبھی افضل ہو سکتی ہے اور کبھی مفصول) ان تمام صفات کا ہے جو ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

حضرت شیخ المشائخ سید محمد الدین عبد القادر جیلانی کے بارے میں منقول ہے کہ کسی نے ان سے پوچھا کہ صبر کرنے والا مفلس بہتر ہے یا شکر گزار دولت مند؟ تو انہوں نے فرمایا کہ شکر گزار فقیر دونوں سے بہتر ہے۔ انہوں نے اس جواب کے ذریعہ گویا فقر و افلاس کی فضیلت کی طرف اشارہ فرمایا کہ فقر و افلاس درحقیقت ایک نعمت ہے کہ اس پر شکر گزار ہونا چاہئے نہ کہ وہ مصیبت و بلا ہے جس پر صبر کیا جائے شیخ عالم عارف ربانی اور ولی اللہ حضرت عبدالوہاب متقی اپنے شیخ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ انہوں نے جب تک ہم سے فقر و افلاس کی فضیلت کا اقرار و اعتراف نہیں کرایا اس وقت تک ہمیں بیعت نہیں کیا چنانچہ فرمایا کہ اس طرح کہو: الفقير افضل من الغناء (فقر و افلاس غنا سے بہتر ہے) جب ہم نے اس بات کو دہرایا تب انہوں نے ہمارا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور ہمیں مرید کیا۔

اس موقع پر اس بات کو بھی جان لینا چاہئے کہ اصلاح شریعت میں "فقیر" کا وہ مفہوم ہر آدمی نہیں ہوتا جو عام طور پر معروف ہے یعنی گداگر بھکاری اور منگتا بلکہ اس لفظ سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جس کو عرف عام میں "غریب و مفلس" کہا جاتا ہے اور جو مال و اسباب سے تہی دست ہوتا ہے! اسلام کی مذہبی کتابوں اور احکام و مسائل میں ایسے شخص کے لئے عام طور پر دو لفظ استعمال ہوتے ہیں ایک تو "فقیر" دوسرے "مسکین"۔

چنانچہ بعض حضرات نے ان دونوں میں فرق کیا ہے اور کہا ہے کہ "فقیر" کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جو نصاب (یعنی اس قدر مال و اسباب) کا مالک نہ ہو جس کی وجہ سے اس پر زکوٰۃ و فطر واجب ہوتا ہو یا اس شخص کو "فقیر" کہا جاتا ہے جو بس ایک دن کی غذائی ضروریات کے بقدر مال و اسباب رکھتا ہو اور اس سے زائد اس کے پاس اور کچھ نہ ہو جب کہ "مسکین" اس شخص کو کہتے ہیں جو نہ صرف یہ کہ نصاب کا مالک نہ ہو بلکہ اس کے پاس کچھ بھی نہ ہو یہاں تک کہ وہ ایک دن کی غذائی ضروریات کے بقدر بھی مال و اسباب نہ رکھتا ہو اور بعض حضرات نے اس کے برعکس کہا ہے! بہر حال عنوان میں جو لفظ "فقراء" استعمال کیا گیا ہے اس سے فقیر اور مسکین دونوں مراد ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَبُّ أَشْعَثَ أَغْبَرَ مَذْفُوعٌ بِالْأَبْوَابِ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللَّهِ لَا يَبْرُهُ (رواه مسلم)

صحیح مسلم کتاب البر باب فضل الضعفاء ج ۳۶۲۴۔

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بہت سے لوگ ایسے ہیں جو (بظاہر تو) پرانندہ بال اور غبار آلود (یعنی نہایت خستہ حال اور پریشان صورت) نظر آتے ہیں جن کو (ہاتھ یا زبان کے ذریعہ) دروازوں سے دھکیلا جاتا ہے لیکن (وہ خدا کے نزدیک اتنا اونچا درجہ رکھتے ہیں کہ) اگر وہ اللہ کے بھروسہ پر قسم کھالیں تو اللہ ان کی قسم کو یقیناً پورا کرے۔"

افلاس اور خستہ حالی کی فضیلت:

"جن کو دروازوں سے دھکیلا جاتا ہے" اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ لوگ واقعتاً دنیا داروں کے دروازوں پر جاتے ہیں اور ان کو وہاں سے دھکیلا جاتا ہے کیونکہ

جو لوگ خدا کے لئے دنیا کی ظاہری زینت و عزت کی چیزوں سے دور رہتے ہیں ان کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ کوئی ایسا کام کریں گے جس سے ذلت اٹھانا پڑے بلکہ اس جملہ سے مراد یہ ہے کہ اولیاء اللہ کی روحانی عظمتوں کا راز ان کی شکستہ حالی میں پوشیدہ ہوتا ہے اور ان کا ظاہر ان کے باطن کا اس حد تک سرپوش ہوتا ہے کہ اگر بالفرض وہ کسی کے گھر جانا چاہیں تو لوگوں کی نظر میں ان کی کوئی قدر و منزلت نہ ہونے کی وجہ سے ان کو دروازہ ہی پر روک دیا جائے مکان میں داخل نہ ہونے دیا جائے اور ظاہر ہے کہ جب وہ دروازوں سے دھکیلے جاسکتے ہیں تو ان کو مجلسوں اور محفلوں میں آنے سے بطریق اولیٰ روکا جاسکتا ہے اور اس میں حکم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ ان کی حقیقت لوگوں پر ظاہر ہو اور وہ ایسی حالت میں رہیں جس سے لوگ ان کی طرف مائل و ملتفت ہوں تاکہ ان کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے کوئی انس و رغبت نہ ہو! پس حقیقت میں اللہ تعالیٰ ان پاک نفس بندوں کو دنیا داروں اور ظالموں کے دروازوں پر کھڑے رہنے اور ان کے حرام مال کے کھانے پینے سے محفوظ رکھتا ہے جیسا کہ کوئی شخص اپنے مریض کو مسر آب و ہوا اور نقصان دہ غذاؤں سے بچانے کی کوشش کرتا ہے! چنانچہ وہ لوگ اپنے مولیٰ کے در کے علاوہ اور کسی دروازے پر حاضری نہیں دیتے اور اپنے کمال استغناء اور بے نیازی کی وجہ سے اپنے پروردگار کے علاوہ کسی دوسرے کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتے۔

اور اگر وہ اللہ پر قسم کھائیں..... الخ کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ اللہ پر اعتماد کر کے اور اس کی قسم کھا کر یہ کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں کام کرے گا یا فلاں کام نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو سچا کرتا ہے بایں طور کہ ان کے کہنے کے مطابق اس کام کو کرتا ہے یا نہیں کرتا جیسا کہ باب الدیۃ میں اس کے متعلق ایک روایت گزر چکی ہے! حاصل یہ کہ وہ لوگ اگر چہ اپنی ظاہری حالت کی وجہ سے دنیا داروں کی نظر میں کوئی قدر و منزلت نہیں رکھتے

مگر حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا مرتبہ اتنا بلند اور اس کی بارگاہ میں ان کی عزت و مقبولیت اتنی زیادہ ہے کہ اگر وہ کسی بات پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ ان کو سچا کرتا ہے اور ان کی قسم پوری کرتا ہے یعنی وہ بات پوری ہو کر رہتی ہے۔

قریبی رشتہ داروں کی دولت دیکھ کر شوہر کو غلط کاموں پر مت ابھاریے:

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَغِيْطَنَّ فَاجِرًا بِنِعْمَةٍ فَإِنَّكَ لَا تَذَرِي صَاطِئًا فِي بَغْدٍ مَّوْتِهِ إِنْ لَدَّ عِنْدَ اللَّهِ قَاتِلًا لَا يَمُوتُ يَغْنِي النَّارَ

(رواہ فی شرح السنۃ)

صحیح بخاری التاریخ الکبیر۔

”اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”کسی فاجر (یعنی کافر یا فاسق) کو دنیاوی نعمتوں“ یعنی جاہ و شہرت اور دولت سے مالا مال دیکھ کر اس پر رشک نہ کرو کیونکہ تم نہیں جانتے کہ مرنے کے بعد (قبر میں یا حشر میں) اس کو کیا کیا پیش آنے والا ہے (یعنی وہ یہاں تو بے شک دنیاوی نعمتوں سے مالا مال ہے لیکن اس کے برعکس آخرت میں طرح طرح کے عذاب اور سختیوں سے دوچار ہوگا) اور (یاد رکھو) فاجر کے لئے خدا کے لئے یہاں ایک ایسا قاتل ہے جس کو موت اور نجات نہیں ہے“ اور اس قاتل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد ”آگ“ ہے۔“ (شرح السنۃ)

لوگوں کی دولت پر نظر رکھ کر کڑھتی نہ رہئے:

”ایک ایسا قاتل ہے الخ“ یعنی اللہ تعالیٰ نے کفار و فاسق کے لئے ایک ایسی چیز

تیار کر رکھی ہے جو ان کو سخت عذاب دے گی ہلاک کرے گی اور طرح طرح کی اذیت تاکہ ان میں مبتلا کرے گی اور اس چیز کی شان یہ ہے کہ خود اس کو موت و فنا نہیں ہے۔ بلکہ ہمیشہ موجود رہے گی۔

”تبعنی النار“ کے الفاظ ان راوی کے ہیں جنہوں نے اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور ان کا نام نامی حضرت عبداللہ بن ابی مریم ہے۔ گویا انہوں نے الفاظ کے ذریعہ یہ وضاحت کی ہے کہ حضور ﷺ نے لفظ ”قاتل“ کے ذریعہ جس چیز کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ دوزخ کی آگ ہے۔

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایسے کافر و فاسق کو دیکھ کر کہ جو زیادہ اولاد رکھتا ہے یا زیادہ جاہ و شہرت کا مالک ہے یا مال و دولت کی فراوانی رکھتا ہے اور یا دوسری دنیاوی نعمتوں سے مالا مال ہے تو اس پر رشک نہ کیا جائے اس تمنا کو اپنے دل میں جگہ نہ دی جائے کہ کاش اسی طرح کی نعمتیں ہمیں بھی حاصل ہوں۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَفْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَسَخْنَةُ وَإِذَا فَارِقَ الدُّنْيَا فَارِقَ السِّجْنِ وَالسَّنَةِ

احمد بن حنبل المسند

”اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”یہ دنیا! مؤمن کے لئے قید خانہ اور قلعہ ہے جب وہ مؤمن دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو (گویا) قید خانہ اور قلعہ سے نجات پاتا ہے۔“

نیک زن و شو کے لئے تو یہ دنیا ہے ہی قید خانہ:

قید خانہ اور قلعہ کا مطلب یہ ہے کہ مؤمن یہاں ہمیشہ طرح طرح کی تنگی و سختی کا شکار رہتا ہے اور معاشی پریشان حالیوں میں بسر اوقات کرتا ہے اور اگر کسی مؤمن کو

یہاں کی خوشحالی میسر بھی ہو تو ان نعمتوں کی بہ نسبت کہ جو اس کو آخرت میں حاصل ہونے والی ہیں یہ دنیا پھر بھی اس کے لئے قید خانہ اور قلعہ زدہ جگہ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی! یا یہ مراد ہے کہ مخلص عبادت گزار مؤمن چونکہ اپنے آپ کو ہمیشہ طاعات اور عبادات کی مشقتوں اور ریاضت و مجاہدہ کی سختیوں میں مشغول رکھتا ہے۔ بیش و راحت کو اپنی زندگی میں راہ نہیں پانے دیتا اور ہر لمحہ اس راہ شوق پر گامزن رہتا ہے کہ اس محنت و مشقت بھری دنیا سے نجات پا کر دار البقاء کی راہ پکڑے۔ اس اعتبار سے یہ دنیا مؤمن کے لئے قید خانہ اور قلعہ زدہ جگہ سے کم صبر آزما نہیں ہوتی! ایک روایت میں یوں فرمایا گیا: لَا يَخْلُو الْمُؤْمِنُ قَلْعًا أَوْ عِلَّةً أَوْ ذَلَّةً وَقَدْ يَجْتَمِعُ لِلْمُؤْمِنِ الْكَامِلِ جَمِيعُ ذَلِكَ يَعْنِي إِيَّاهُ كَوْنُي مُؤْمِنًا نَحْسًا جَوِيًّا أَوْ مَالًا كَمِيًّا أَوْ تَارِيًّا أَوْ زَلَّةً أَوْ خَوَارِيًّا أَوْ خَالِيًّا أَوْ أَوْ بَعْضُ أَوْ قَاتٍ مُؤْمِنًا كَامِلًا فِي سَبِّهِ جَمْعٌ يَجْعَلُ جَوَاتِيَّ هِيَ۔

عَنْ قَتَادَةَ بْنِ النُّعْمَانِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَحَبَّ اللَّهُ غَيْدًا حَمَاهُ الدُّنْيَا كَمَا يَظَلُّ أَحَدُكُمْ بِحِمَى سَقِيمَةِ الْمَاءِ.

جامع الترمذی کتاب الطہارۃ باب ما جاء فی الحبیۃ ح ۲۰۳۶۔

”اور حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو اس کو دنیا سے بچاتا ہے جس طرح کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے مریض کو پانی سے بچاتا ہے۔“ (احمد)

جن کو خدا اپنا محبوب بنانا چاہتا ہے ان کو دنیاوی مال و دولت سے

بچاتا ہے:

مطلب یہ ہے کہ جس طرح تمہارا کوئی عزیز و متعلق جب کسی ایسے مرض میں مبتلا

ہو جائے جس میں پانی کا استعمال سخت نقصان پہنچاتا ہے جیسے استسقاء اور ضعف معدہ وغیرہ اور تمہیں اس کی زندگی پیاری ہوتی ہے تو تم اس بات کی پوری کوشش کرتے ہو کہ وہ سر یعنی پانی کے استعمال سے دور رہے تاکہ صحت یابی سے جلد ہسٹنا ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ جس بندے کو اپنا محبوب بنانا اور اس کو آخرت کے بلند درجات پر پہنچانا چاہتا ہے اس کو دنیاوی مال و دولت بجاہ و منصب اور اس ہر چیز سے دور رکھتا ہے جو اس کے دین کو نقصان پہنچائے اور عقیقی میں اس کے درجات کو کم کرنے کا سبب بنے۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی اسی طرح کی بات کہی ہے اور لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو دنیاوی مال و جاہ اور یہاں کی کوئی ایسی چیز نہیں دیتا جو اس کی دینی و اخروی زندگی کی زینت و خوبی کو انداز کر دے تاکہ اس کا دل دنیا اور دنیا کی چیزوں کی محبت و خواہش کے مرض میں مبتلا نہ ہو۔

وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ لَيْبٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اثْنَتَانِ يَكْرَهُُمَا ابْنُ آدَمَ يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَالْمَوْتُ خَيْرٌ لِلْمُؤْمِنِينَ مِنَ الْفِتْنَةِ وَيَكْرَهُ قَلَّةَ الْمَالِ وَقَلَّةُ الْمَالِ أَقْلٌ لِلْجَسَابِ (رواه احمد)

احمد بن حنبل "المسند"

اور حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "دو چیزیں ایسی ہیں جن کو ابن آدم (انسان) ناپسند کرتا ہے (اگرچہ حقیقت کے اعتبار سے وہ دونوں چیزیں بہت اچھی ہیں چنانچہ انسان ایک تو موت کو ناپسند کرتا ہے حالانکہ مؤمن کے لئے موت فتنہ سے بہتر ہے دوسرے مال و دولت کی کمی کو ناپسند کرتا ہے حالانکہ مال کی کمی حساب کی کمی کا موجب ہے۔" (احمد)

مال کی کمی و حقیقت بڑی نعمت ہے:

"فتنہ" سے مراد ہے کفر و شرک اور گناہوں میں گرفتار ہونا ظالم و جابر لوگوں کا ایسے کام پر مجبور کرنا جو اسلامی عقائد و تعلیمات کے خلاف ہوں اور ایسے حالات سے دوچار ہونا جن سے دین و آخرت کی زندگی مجروح ہوتی ہو! حقیقت تو یہ ہے کہ زندگی اور زندہ رہنے کی تمنا تو اسی صورت میں خوب ہے جب کہ خدا اور خدا کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے طاعات و عبادات کی توفیق عمل حاصل رہے راہ مستقیم پر ثابت قدمی نصیب ہو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس دنیا سے ایمان کی سلامتی کے ساتھ رخصت ہو! اگر یہ چیزیں حاصل نہ ہوں اور ایمان کی سلامتی نصیب نہ ہو تو پھر یہ زندگی کس کام کی؟ ظالم و جابر لوگوں کی طرف سے جبر و اکراہ کی صورت میں اگرچہ دل ایمان عقیدہ پر قائم رہے مگر زبان سے ایسی بات کا ادا ہونا کہ جو ایمان و عقیدہ کے مناسب و لائق نہیں ہے یہ بھی ایک "فتنہ" ہی ہے! ہاں اگر فتنہ کا تعلق کسی اور طرح کے دنیاوی ابتلاء و مصائب زندگی کی غیبتوں اور نفس کی مشقت و شدائد سے ہو تو اسی صورت میں زندگی سے نفرت اور موت کی تمنا درست نہیں ہوگی کیونکہ ایسا فتنہ گناہوں کے کفارہ اور اخروی درجات کی بلندی و رفعت کا سبب ہوتا ہے۔

وَقَلَّةُ الْمَالِ أَقْلٌ لِلْجَسَابِ کا مطلب یہ ہے کہ دنیاوی مال و دولت کی کمی عذاب سے بعید تر اور ہر مسلمان کے لئے بہتر ہے۔ لہذا جو مسلمان تنگ دست و غریب ہو اس کو خوش ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مال و دولت کی فراوانی سے بچا کر گویا آخرت کے حساب و عذاب سے بچایا ہے! ہے اور ظاہر ہے کہ اس دنیا میں غربت و ناداری کی وجہ سے جو سختیاں اور پریشانیاں برداشت کرنا پڑتی ہیں وہ ان غیبتوں اور ہولناکیوں سے کہیں کم اور آسان تر ہیں جو مال و دولت کی فراوانی کے وبال کی وجہ سے آخرت میں پیش آئیں گی۔

حضرت شیخ عبدالحق دہلویؒ نے اس موقع پر بڑی حکمت آمیز بات کہی ہے انہوں

نے ہر طالب حق کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ "عزیز من! یہ سب ایمان کی نشانیں ہیں جو شخص شارع علیہ السلام کے ارشادات کے مطابق ایمان کو صحیح درست رکھتا ہے وہ یقیناً جانتا ہے کہ شارع نے جو کچھ فرمایا ہے وہ برحق اور عین صداقت ہے اور اگر وہ شخص عقل سلیم اور صحیح تجربہ رکھتا ہو تو وہ اسی دنیا میں بھی جان لیتا ہے کہ مال و دولت کی فراوانی اور اس مال و دولت کو حاصل کرنے اور جمع کرنے نیز اس کے ساتھ تعلق و محبت رکھنے کے سلسلے میں جن مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس قدر ذلت و خواری کا منہ دیکھنا پڑتا ہے اور جتنی زیادہ محنت اور مشقت برداشت کرنا پڑتی ہے وہ سب فقر و افلاس کی تختیوں اور پریشانیوں سے کسی طرح کم نہیں ایس (دنیاوی طور پر محنت و مشقت اور ہر طرح کی ذلت و خواری سے بچنے ہی کا نہیں بلکہ) نفس کی پاکیزگی و صفائی (اور اخروی حساب و عذاب سے بچنے نیز درجات کی بلندی و رفعت) کا انحصار اس بات پر ہے کہ مال و دولت کی کثرت سے اپنا دامن بچایا جائے اس سے قطع کر کے اور قدر کفایت پر قناعت کر کے عزت نفس اور اخلاق و کردار کی بلندی و استقامت کو اختیار کیا جائے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُغْفَلٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي أَجُودُ فَقَالَ أَنْظِرْ مَا تَقُولُ فَقَالَ وَاللَّهِ إِنِّي لَا أَجُودُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالَ إِنْ كُنْتَ صَادِقًا فَأَعِدْ لِلْفَقْرِ تَجَفُّفًا لِلْفَقْرِ أَسْرِعْ إِلَى مَنْ يُحِبُّنِي مِنَ السُّبُلِ إِلَى مُنْتَهَاهُ

جامع الترمذی کتاب الزہد باب ما جاء فی فضل الفقر ح ۲۳۵۰

"اور حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں آپ ﷺ سے (بہت

زیادہ) محبت رکھتا ہوں! حضور ﷺ نے یہ (سن کر) فرمایا کہ دیکھ لو کیا کہہ رہے ہو؟ (یعنی اچھی طرح سوچ لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو کیونکہ تم ایک بہت بڑی چیز کا دعویٰ کر رہے ہو ایسا نہ ہو کہ بعد میں اپنی بات پر پورا نہ اتر سکو) اس شخص نے عرض کیا کہ خدا کی قسم میں آپ ﷺ سے محبت رکھتا ہوں اور تین بار اس جملہ کو ادا کیا! حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تم (میری محبت کے دعوے میں) سچے ہو تو پھر فقر کے لئے پاکھڑیا کر لو کیونکہ جو شخص مجھ سے محبت رکھتا ہے اس کو فقر و افلاس اس پانی کے بہاؤ سے بھی زیادہ جلد پہنچتا ہے جو اپنے منہ کی طرف جاتا ہے۔ اس حدیث کو ترجمہ کرنے والے نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

ذات رسالت ﷺ سے محبت کا دعویٰ رکھتے ہو تو فقر و فاقہ کی زندگی اختیار کرو:

"تجفاف" کے معنی ہیں "پاکھڑ" اور پاکھڑ اس آہنی جھول کو کہتے ہیں جو میدان جنگ میں ہاتھی گھوڑے پر ڈالی جاتی ہے تاکہ ان کا جسم دشمنیوں سے بچا رہے جیسا کہ زہرہ سوار سپاہی کے جسم کو نیزہ و تلوار وغیرہ کے زخم سے محفوظ رکھتی ہیں۔ یہاں حدیث میں "پاکھڑ" کے ذریعہ "صبر و استقامت" کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ جس طرح "پاکھڑ" ہاتھی گھوڑے کے جسم کو چھپاتا ہے۔ اس طرح صبر و استقامت اختیار کرنا فقر و فاقہ کی زندگی کا سرپوش بنتا ہے! حاصل یہ کہ صبر و استقامت کی راہ پر بہر صورت گامزن رہو خصوصاً اس وقت جب کہ فقر و افلاس تمہاری زندگی کو گھیر لے تا کہ تمہیں مراتب و درجات کی بلندی و رفعت نصیب ہو۔

حدیث کے آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص حضور ﷺ کی محبت سے پوری طرح سرشار ہوتا ہے اس کو فقر و فاقہ کا جلد پہنچنا اور اس پر دنیاوی آفات و بلاؤں اور

نہیوں کا کثرت سے نازل ہونا ایک یقینی امر ہے کیونکہ منقول ہے کہ دنیا میں جن لوگوں کو سب سے زیادہ آفات و شدائد کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ انبیاء ہیں ان کے بعد درجہ بدرجہ ان لوگوں کا نمبر آتا ہے جو عقیدہ و عمل کے اعتبار سے اعلیٰ مرتبہ کے ہوتے ہیں۔ پس حضور ﷺ بھی انہیں انبیاء میں سے تھے لہذا آپ ﷺ نے اس شخص پر واضح فرمایا کہ اگر واقعتاً تم میری محبت رکھو گے تو میرے تین تمہاری محبت جس درجہ کی ہوگی اسی درجہ کی دنیاوی نعمتوں اور پریشانیوں کا تمہیں سامنا کرنا پڑے گا کیونکہ یہ اصول ہے کہ المرء مع من احب (یعنی جو شخص جس کو دوست رکھتا ہے اسی جیسی حالت میں رہتا ہے)۔

حضرت شیخ عبدالحق فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنے اس ارشاد "فقر کے لئے پا کھرتیار کرلو" کے ذریعہ بطور کنایہ اس امر کی تلقین فرمائی کہ فقر و فاقہ کے وقت "میر" کی راہ پر چلنے کے لئے تیار رہو کیونکہ یہ صبر ہی ہے جو فقر و افلاس کی آفتوں اور صعوبتوں کو برداشت کرنے کی طاقت ہم پہنچاتا ہے دینی و دنیاوی ہلاکت و تباہی سے محفوظ رکھتا ہے جو زع و فزع اور شکوہ و شکایت کی راہ سے دور رکھتا ہے اور غضب خداوندی سے بچاتا ہے حضرت شیخ آگے فرماتے ہیں کہ "اس حدیث سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ فقر و فاقہ کی زندگی اختیار کئے بغیر اور حضور ﷺ کے طرز حیات پر عمل جبرا ہوئے بغیر آپ ﷺ کی محبت کا دعویٰ بالکل ناروا اور جھوٹ ہے کیونکہ حقیقت میں اسوۂ نبوی کی اتباع اور حضور ﷺ کی محبت دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں اور محبوب کی اتباع و پیروی کے بغیر محبت کا دعویٰ درست ہو ہی نہیں ہو سکتا ان المصحب لمن یحب مطیع! تاہم واضح رہے کہ حب نبوی کا یہ سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے کہ کسی مسلمان کا حضور ﷺ کے اسوۂ حیات کی کامل اتباع کو اپنا شیوہ بنالینا اس بات کی علامت ہے کہ وہ حضور ﷺ کے تین دعویٰ محبت میں بالکل سچا اور درجہ کمال کا حامل ہے! اگرچہ "محبت" کی حقیقت و ماہیت یہ ہے کہ انسان کا کسی کی طرف اندر

سے کھینچنا اور اس کے دل کا اس (محبوب) کی خوبیوں اس کی ذات و صفات کی تحسین اور اس کی شکل و صورت اور عادات و اطوار کی تعریف و توصیف سے معمور ہو جانا کہ وہ اپنے محبوب کو سب سے اچھا دیکھنے اور سب سے اچھا جاننے لگے! مگر جیسا کہ پہلے بتایا گیا تکمیل محبت کا انحصار محبوب کی کامل اتباع اور پیروی پر ہے اگر باطنی تعلق و محبت کے ساتھ عمل و اتباع کی دولت بھی نصیب ہو تو اصل اور کامل محبت وہی کہلائے گی ورنہ محض دل میں محبت کا ہونا اور زبان سے اس کا اعتراف اقرار بھی کرنا مگر عمل و اتباع کی راہ میں غفلت و کوتاہی کا شکار ہونا محبت کے ناقص ہونے کی دلیل ہے جیسا کہ عمل کے بغیر ایمان درجہ تکمیل تک نہیں پہنچاتا۔

سہیلیوں اور کزنز کو بلا جھجک شوہر سے ملوانے کے نتائج

جیسی ہی آپ کی شادی ہوئی شوہر صاحب نے اپنے دو چار دوستوں کو گھر مدعو کیا اور کمال ڈھنائی سے آپ کی ان سب سے ملاقات کروائی اور آپ نے بھی نت نئے فیشن کئے تاکہ شوہر کی "عزت" رہ جائے۔ اب بدلے میں آپ کی سہیلیاں اور کزنز کھانے پہ آنے لگیں اور پھر کیا باقی کے معاملات آپ اخبارات میں نہیں پڑھتیں۔

کسی عورت کے جسم کا حال اپنے شوہر کے سامنے بیان نہ کرو:

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَبَا شَرَّ الْمَرْأَةِ الْمَرْأَةُ فَتَفْتَنُهَا لِزَوْجِهَا كَأَنَّهُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا. (متفق عليه)

صحیح بخاری: کتاب النکاح: باب لا تباشر المرأة المرأة: ح ۵۲۴۰۔
"اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کوئی عورت اپنا برہنہ جسم کسی دوسری عورت کے برہنہ جسم سے نہ لگائے اور نہ اس عورت کے جسم کا حال اپنے خاوند کے سامنے بیان کرے (کیونکہ اپنے خاوند کے سامنے کسی اجنبی عورت کے جسم کا حال بیان کرنا ایسا ہی ہے) جیسا کہ اس کا خاوند اس عورت کے جسم کو خود دیکھ رہا ہو۔"

(بخاری و مسلم)

کسی عورت کا اپنے جسم کو برہنہ کر کے کسی دوسری عورت کے برہنہ جسم سے مس کرنا اور پھر اس عورت کے جسم کی خصوصیات یعنی گدازپن وغیرہ اپنے شوہر کے سامنے

بیان کرنا انتہائی معیوب بات ہے چنانچہ آپ ﷺ نے اس سے عورتوں کو منع کیا ہے کیونکہ یہ نہ صرف بے شرمی کی بات اور غیر اخلاقی حرکت ہے بلکہ اس سے یہ بھی خطرہ ہے کہ اس کا خاوند کسی اجنبی عورت کے جسم کی پُرکشش خصوصیات من کر نفسانی پہچان اور گندے خیالات میں مبتلا ہو جائے جو فتنہ و برائی کی جڑ ہے۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْظُرُ الرَّجُلُ إِلَى عَوْرَةِ الرَّجُلِ وَلَا الْمَرْأَةُ إِلَى عَوْرَةِ الْمَرْأَةِ وَلَا يُفْضِي الرَّجُلُ إِلَى الرَّجُلِ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ وَلَا تُفْضِي الْمَرْأَةُ إِلَى الْمَرْأَةِ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ.

(رواہ مسلم)

صحیح مسلم: کتاب الحیض: باب تحریم النظر الى العورات: ح ۳۳۸۔
"اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کوئی مرد کسی دوسرے مرد کے ستر کی طرف نہ دیکھے کوئی عورت کسی دوسری عورت کے ستر کی طرف نہ دیکھے دو برہنہ مرد ایک کپڑے میں جمع نہ ہوں اور نہ دو برہنہ عورتیں ایک کپڑے میں جمع ہوں۔" (مسلم)

ایک یاد دہانی! جو آپ کی عفت و عصمت کو محفوظ رکھے گی:

شریعت نے مرد و عورت کے جسم کے جن حصوں اور اعضاء کو باہم دیکھنے اور چھونے کی ممانعت کی ہے ان کو "ستر" کہا جاتا ہے اور جسم کے ان حصوں کو عام نظروں سے چھپانا یا حائلنا ضروری ہے اس بارے میں جو فقہی تفصیل ہے وہ اس طرح ہے:
"مرد کا ستر اس کے جسم کا وہ حصہ ہے جو زیر ناف سے گھٹنوں کے نیچے تک ہوتا ہے اس کے جسم کے اس حصہ کو بلا ضرورت دیکھنا نہ تو کسی مرد کیلئے جائز ہے اور نہ کسی

فَاَضْبَحُوا يَتَحَدَّثُونَ تُصَدِّقُ اللَّيْلَةَ عَلَى زَانِيَةٍ فَقَالَ
 اللَّهُمَّ لَكَ الْحَفْظُ عَلَى زَانِيَةٍ لَا تُصَدِّقَنَّ بِصَدَقَةٍ فَخَرَجَ
 بِصَدَقَتِهِ فَوَضَعَهَا فِي يَدِغَنِي فَاَضْبَحُوا يَتَحَدَّثُونَ
 تُصَدِّقُ اللَّيْلَةَ عَلَى غَنِي فَقَالَ اللَّهُمَّ لَكَ الْحَفْظُ عَلَى
 سَارِقٍ وَزَانِيَةٍ وَغَنِي فَقَالَ قَلِيلٌ لَهُ أَمَّا صَدَقَةٌ عَلَى
 سَارِقٍ فَلَعَلَّهُ أَنْ يُسْتَعْفَّ عَنْ سَرَقَتِهِ وَأَمَّا الزَّانِيَةُ فَلَعَلَّهَا
 أَنْ تُسْتَعْفَّ عَنْ زِنَاهَا وَأَمَّا الْغَنِيُّ فَلَعَلَّهُ يَقْتَبِرُ غِنْيَهُ مِمَّا
 آتَاهُ اللَّهُ (متفق عليه ولفظه للبخاری)

صحیح البخاری کتاب الطہارۃ باب إذا تصدق علی غنی وهو لا یعلم ح ۱۳۳۳

”اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے
 ارشاد فرمایا ایک شخص نے اپنے دل میں یا کسی اپنے دوست سے کہا کہ میں
 آج رات خدا کی راہ میں کچھ مال خرچ کروں گا چنانچہ اس نے اپنے قصد و
 ارادہ کے مطابق خیرات کے لئے کچھ مال لگالیا تاکہ اسے کسی مستحق کو دے
 دے اور وہ مال اس نے ایک چور کے ہاتھ میں دے دیا۔ اسے معلوم نہ تھا
 کہ یہ چور ہے کہ جس کی وجہ سے خیرات کے مال کا مستحق نہیں ہے۔ جب
 صبح ہوئی اور لوگوں کو الہام خداوندی کے سبب یا خود اس چور کی زبانی معلوم
 ہوا تو بطریق تعجب لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ آج کی رات ایک چور کو
 صدقہ کا مال دیا گیا ہے۔ جب صدقہ دینے والے کو بھی صورتحال معلوم
 ہوئی تو وہ کہنے لگا کہ اے اللہ اتیرے لئے تعریف ہے۔ باوجود یہ کہ صدقہ کا
 مال ایک چور کے ہاتھ لگا اور پھر کہنے لگا کہ آج کی رات پھر صدقہ دوں گا
 تاکہ وہ مستحق کو مل جائے چنانچہ اس نے صدقہ کی نیت سے پھر کچھ مال نکالا

اور اس مرتبہ بھی غلط فہمی میں وہ مال ایک زانیہ کے ہاتھ میں دے دیا جب
 صبح ہوئی تو پھر لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ آج تو ایک زانیہ صدقہ کا مال
 لے آئی وہ شخص کہنے لگا کہ اے اللہ اتیرے لئے تعریف ہے اگرچہ اس
 مرتبہ صدقہ کا مال ایک زانیہ کے ہاتھ لگا گیا اور پھر کہنے لگا کہ آج کی رات
 پھر صدقہ دوں گا چنانچہ اس نے پھر کچھ مال صدقہ کی نیت سے نکالا اور اس
 مرتبہ پھر غلط فہمی میں وہ مال ایک غنی کے ہاتھ میں دے دیا جب صبح ہوئی تو
 پھر لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ آج کی رات تو ایک دولت مند غنی کو
 صدقہ کا مال مل گیا۔ وہ شخص کہنے لگا اے اللہ اتیرے ہی لئے تعریف ہے
 اگرچہ صدقہ کا مال چور زانیہ اور دولت مند کو مل گیا۔ جب وہ شخص سویا تو
 خواب میں اس سے کہا گیا کہ تو نے جتنے صدقے دیئے ہیں سب قبول ہو
 گئے کیونکہ صدقہ کا جو مال تو نے چور کو دیا ہے وہ بے فائدہ اور خالی از ثواب
 نہیں ہے ممکن ہے وہ اس کی وجہ سے چوری سے باز رہے اور صدقہ کا جو مال
 تو نے زانیہ کو دیا ہے ممکن ہے وہ اس کی وجہ سے زنا سے باز رہے اور
 صدقہ کا جو مال تو نے دولت مند کو دیا ہے ممکن ہے وہ اس کی وجہ سے
 عبرت حاصل کر لے اور اللہ تعالیٰ نے اسے جو کچھ دیا ہے اس میں سے خرچ
 کرے۔ (بخاری و مسلم)۔ (الفاظ بخاری کے ہیں)

صدقہ دینے والے نے خدائی تعریف یا بطریق شکر کی کہ خدا کا شکر ہے کہ میں
 نے صدقہ تو دیا اگرچہ وہ غیر مستحق ہی کے ہاتھ میں لگا یا پھر بطریق تعجب یا اپنے دل کے
 اطمینان کے لئے اس نے خدا کی تعریف کی۔

بہر کیف نبی کریم ﷺ نے بنی اسرائیل کے اس شخص کا یہ واقعہ اس لئے بیان
 فرمایا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ خدا کی خوشنودی کی خاطر صدقہ و خیرات بہر نوع بہتر اور
 باعث ثواب ہے جس کسی کو بھی صدقہ دیا جائے گا ثواب ضرور پائے گا۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
بَيْنَا رَجُلٌ بِفَلَاةٍ مِنْ الْأَرْضِ فَسَمِعَ صَوْتًا فِي سَحَابَةٍ
إِسْقَى حَدِيقَةً فَلَانَ فَتَنَحَّى ذَلِكَ السَّحَابُ فَأَفْرَغَ مَا هُوَ
فِي حَرَّةٍ فَإِذَا شَرْجَةٌ مِنْ تِلْكَ الشَّرَاحِ قَدْ اسْتَوْعَبَتْ
ذَلِكَ الْمَاءَ كُلَّهُ فَتَتْبَعُ الْمَاءَ فَإِذَا رَجُلٌ صَاحِبٌ فِي حَدِيقَتِهِ
يُحَوِّلُ الْمَاءَ بِمَسْحَاةٍ فَقَالَ لَهُ يَا عَبْدَ اللَّهِ مَا اسْمُكَ قَالَ
فَلَانٌ الْإِسْمُ الَّذِي سَمِعَ فِي السَّحَابَةِ فَقَالَ لَهُ يَا عَبْدَ اللَّهِ
لِمَ تَسْأَلُنِي عَنْ اسْمِي فَقَالَ إِنِّي سَمِعْتُ صَوْتًا فِي
السَّحَابِ الَّذِي هَذَا مَا هُوَ وَيَقُولُ إِسْقَى حَدِيقَةَ فَلَانَ
لَا اسْمَ لَكَ فَمَا تَصْنَعُ فِيهَا قَالَ أَمَا إِذَا قُلْتُ هَذَا فَأَنِّي أَنْظُرُ
إِلَى مَا يَخْرُجُ مِنْهَا فَأَتَصَدَّقُ بِثُلُثِهِ وَأَكُلُ أَنَا وَغِيَا لِي ثُلُثًا
وَأَرُدُّ فِيهَا ثُلُثَهُ (رواه مسلم)

صحیح مسلم، کتاب الزہد والرفق، باب الصدقة فی الساکین، ج ۵۲۹۹

”اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ
آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ایک شخص زمین کے ایک حصے جنگل میں کھڑا تھا
کہ اس نے ابر میں سے ایک آواز سنی کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ فلاں شخص
کے باغ کو سیراب کر پھر وہ ابر ایک طرف چلا اور ایک پتھریلی زمین پر پانی
برسانے لگا اور تمام پانی ان نالیوں میں سے کہ جو اس زمین میں تھیں ایک
ناالی میں جمع ہوئے لگا پھر وہ پانی اس نالی کے ذریعے ایک طرف بہنے لگا تو
وہ شخص بھی اس پانی کے پیچھے پیچھے چلنے لگا تاکہ وہ دیکھے کہ جس شخص کے باغ

میں یہ پانی جا رہا ہے وہ کون ہے؟ ناگہاں اس شخص نے ایک آدمی کو دیکھا
جو اپنے کھیت میں کھڑا بیچہ کے ذریعے اس پانی کو باغ کے درختوں میں پھیلا
رہا تھا اس شخص نے باغ والے سے پوچھا کہ اے خدا کے بندے تمہارا نام
کیا ہے؟ اس نے کہا کہ میرا نام کیوں پوچھ رہے ہو؟ اس شخص نے کہا کہ
میں اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ جس ابر کا یہ پانی ہے اس ابر میں میں نے ایک
آواز سنی کہ کوئی کہنے والا اس ابر سے کہہ رہا تھا کہ فلاں شخص کے باغ کو
سیراب کر اور وہ نام تمہارا ہی تھا اور اب مجھے یہ بتاؤ کہ تم اس باغ میں کیا
کرتے ہو جس کی وجہ سے تم اس فضیلت اور بزرگی سے نوازے گئے ہو باغ
والے نے کہا کہ چونکہ اس وقت تم پوچھ رہے ہو اس لئے میں بھی تم سے
بتائے دیتا ہوں کہ اس باغ کی جو کچھ پیداوار ہوتی ہے میں اسے دیکھتا ہوں
پھر اس میں سے ایک تہائی تو خدا کی راہ میں خرچ کر دیتا ہوں ایک تہائی
میں اور میرے اہل و عیال کھاتے ہیں اور ایک تہائی اسی باغ میں لگا دیتا
ہوں۔“ (مسلم)

اللہ کی راہ میں خرچ کرنا باعث برکت ہے:

اگرچہ ابر کی آواز نے باغ والے کا نام صراحت لیا تھا جیسا کہ بعد میں ذکر کیا گیا
مگر آپ ﷺ نے یہ قصہ سناتے ہوئے ابتداء میں اس کا صراحت نام نہیں لیا بلکہ لفظ
”فلاں“ سے اس کے نام کو کنایہ ذکر کیا۔

اسی طرح ابر کی آواز سننے والے شخص نے بھی ابر میں باغ والے کا نام صراحت نہ
تھا مگر اس نے باغ والے سے اس کا نام اس لئے پوچھا تا کہ اسے یقین ہو جائے کہ
واقعی یہ وہی شخص ہے جس کا نام ابر کی آواز نے لیا تھا نیز جب باغ والے نے اس سے
اپنا نام دریافت کرنے کا سبب پوچھا تو اس ابر کی آواز کی نقل کرتے ہوئے بھی اس کا
نام نہیں لیا بلکہ لفظ ”فلاں“ لگا دیا اس نے ظاہر کیا کہ اگرچہ ابر کی آواز نے صراحتاً اس کا

صراحتہ لیا تھا مگر میں اس وقت تمہارے متعین نام کی بجائے لفظ "فلاں" ذکر کر رہا ہوں حاصل یہ کہ ہاتھ ٹھہری نے بارغ والے کا نام صراحتہ ذکر کیا تھا مگر سامع نے اس کے نام کو لفظ "فلاں" سے کنا یہ تعبیر کیا اور اسے بتا دیا کہ تمہارا نام میں نے سنا تھا۔ مگر اب کو لفظ "فلاں" سے تعبیر کیا ہے۔

وَعَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ ثَلَاثَةً مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ أَبْرَصَ وَأَقْرَعَ وَأَعْمَى فَأَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَبْتَلِيَهُمْ فَبَعَثَ إِلَيْهِمْ مَلَكًا فَاتَى الْأَبْرَصَ فَقَالَ أَيُّ شَيْءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ لَوْنٌ حَسَنٌ وَجِلْدٌ حَسَنٌ وَيَذْهَبُ عَنِّي الدُّبُّ قَدْ قَذَرَنِي النَّاسُ قَالَ فَمَسَحَهُ فذَهَبَ عَنْهُ قَدْ رُءِ وَأَعْطَى لَوْنًا حَسَنًا وَجِلْدًا حَسَنًا قَالَ فَاتَى الْمَالَ أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ الْإِبِلُ أَوْ قَالَ الْبَقَرُ ثُمَّ اسْحَوْا إِلَّا أَنْ الْأَبْرَصَ أَوْ الْأَقْرَعَ قَالَ أَحَدُهُمَا الْإِبِلُ وَقَالَ الْآخَرُ الْبَقَرُ قَالَ فَأَعْطَى نَاقَةً عَشْرًا فَقَالَ بَارَكَ اللَّهُ لَكَ فِيهَا قَالَ فَاتَى الْأَقْرَعَ فَقَالَ أَيُّ شَيْءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ شَعْرٌ حَسَنٌ وَيَذْهَبُ عَنِّي هَذَا الدُّبُّ قَدْ قَذَرَنِي النَّاسُ قَالَ فَمَسَحَهُ فذَهَبَ عَنْهُ قَالَ وَأَعْطَى شَعْرًا حَسَنًا قَالَ فَاتَى الْمَالَ أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ الْبَقَرُ فَأَعْطَى بَقْرَةً حَامِلًا قَالَ بَارَكَ اللَّهُ لَكَ فِيهَا قَالَ فَاتَى الْأَعْمَى فَقَالَ أَيُّ شَيْءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ أَنْ يَرُدَّ اللَّهُ إِلَيَّ بَصَرِي فَأَبْصُرَ بِهِ النَّاسُ قَالَ فَمَسَحَهُ فَرُدَّ

اللَّهُ إِلَيْهِ بَصَرُهُ قَالَ فَاتَى الْمَالَ أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ الْغَنَمُ فَأَعْطَى شَاةً وَالذَّيْفَ أَنْتَجَ هَذَانِ وَوُلِدَ هَذَا أَفْكَانَ بِهِذَا وَإِذَا مِنْ الْإِبِلِ وَلِهَذَا وَإِذَا مِنَ الْبَقَرِ وَلِهَذَا وَإِذَا مِنَ الْغَنَمِ قَالَ ثُمَّ أَنَّهُ أَتَى الْأَبْرَصَ فِي صُورَتِهِ وَهَيْئَتِهِ فَقَالَ رَجُلٌ مُسْكِينٌ قَدْ انْقَطَعَتْ بَيْنِي الْجِبَالُ فِي سَفَرِي فَلَا بَلَغَ لِي الْيَوْمَ إِلَّا بِاللَّهِ ثُمَّ بِكَ أَسْأَلُكَ بِالَّذِي أَعْطَاكَ اللَّوْنَ الْحَسَنَ وَالْجِلْدَ الْحَسَنَ وَالْمَالَ بَعِيرًا أَتَبْلُغُ بِهِ فِي سَفَرِي فَقَالَ الْخَقَوِيُّ كَثِيرَةٌ فَقَالَ إِنَّهُ كَانِي أَعْرِفُكَ أَلَمْ تَكُنْ أَبْرَصَ يَقْدُرُكَ النَّاسُ فَقِيرًا فَأَعْطَاكَ اللَّهُ مَا لَا فَقَالَ إِنَّمَا وَرِثْتُ هَذَا الْمَالَ كَمَا بَرَأَ عَنْ كَابِرٍ فَقَالَ إِنْ كُنْتُ كَاتِبًا فَصَيِّرْكَ اللَّهُ إِلَى مَا كُنْتُ قَالَ وَأَتَى الْأَقْرَعَ فِي صُورَتِهِ فَقَالَ لَهُ مِثْلُ مَا قَالَ لِهَذَا وَرُدَّ عَلَيْهِ مِثْلُ مَا رُدَّ عَلَى هَذَا فَقَالَ إِنْ كُنْتُ كَاتِبًا فَصَيِّرْكَ اللَّهُ إِلَى مَا كُنْتُ قَالَ وَأَتَى الْأَعْمَى فِي صُورَتِهِ وَهَيْئَتِهِ فَقَالَ رَجُلٌ مُسْكِينٌ وَإِنْ سَبِيلُ انْقَطَعَتْ بَيْنِي الْجِبَالُ فِي سَفَرِي فَلَا بَلَغَ لِي الْيَوْمَ إِلَّا بِاللَّهِ ثُمَّ بِكَ أَسْأَلُكَ بِالَّذِي رَدَّ عَلَيْكَ بَصْرَكَ شَاةً أَتَبْلُغُ بِهَا فِي سَفَرِي فَقَالَ قَدْ كُنْتُ أَعْمَى فَرَدَّ اللَّهُ إِلَيَّ بَصْرِي فَخُذْ مَا شِئْتَ وَدَعْ مَا شِئْتَ قُوِ اللَّهُ لَا أَجْهَدُكَ الْيَوْمَ بِشَيْءٍ أَخَذَتْهُ لِلَّهِ فَقَالَ أَمْسِكْ مَا لَكَ فَإِنَّمَا ابْتُلَيْتُمْ فَقَدْ رَضِيَ

عَنْكَ وَتَسْخَطُ عَلَيَّ صَاحِبِيكَ - (متفق علیہ)

صحیح البخاری کتاب احادیث الانبیاء باب حدیث ابرہہ و اعمی
واقترع فی ہذا اسرائیل ح ۳۲۰۵

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے
نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بنی اسرائیل میں تین اشخاص تھے ان
میں سے ایک تو کوڑھی تھا دوسرا گنجا اور تیسرا اللہ تعالیٰ نے انہیں آزمانا
چاہا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس ایک فرشتہ (مسکین) کی صورت میں
بجھباؤ فرشتہ پہلے کوڑھی کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ تمہیں کون سی چیز
سب سے زیادہ پسند ہے؟ کوڑھی نے کہا کہ اچھا رنگ اور جسم کی بہترین جلد
نیز یہ کہ مجھے اس چیز سے نجات مل جائے جس کی وجہ سے لوگ مجھ سے گھن
کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ فرماتے تھے کہ یہ سن کر فرشتہ نے کوڑھی کے
بدن پر ہاتھ پھیرا چنانچہ اس کا کوڑھ جاتا رہا۔ اسے بہترین رنگ و روپ
اور بہترین جلد عطا کر دی گئی۔ پھر فرشتہ نے پوچھا کہ اب تمہیں کونسا مال
سب سے زیادہ پسند ہے؟ اس شخص نے کہا کہ "اونٹ" یا کہا "گائیں"
حدیث کے ایک راوی اسحق کو شک ہے کہ گائے کے لئے کوڑھی نے کہا تھا یا
گجے نے کہا تھا بہر حال یہ سچ ہے کہ ان میں سے ایک نے تو اونٹ کے
لئے کہا تھا اور دوسرے نے گائے کے لئے نبی کریم ﷺ فرماتے تھے کہ اس
شخص کو حاملہ اونٹیاں عطا کر دی گئیں پھر فرشتے نے یہ وعادی کہ اللہ تعالیٰ
تمہارے اس مال میں برکت عطا فرمائے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا
پھر فرشتہ گجے کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ تمہیں کون سی چیز سب سے
زیادہ پسند ہے؟ گجے نے کہا کہ بہترین قسم کے بال اور یہ کہ یہ چیز یعنی گج
سے میں نجات پا جاؤں جس کی وجہ سے لوگ مجھ سے گھن کرتے

ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا فرشتے نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس
کا گج جاتا رہا نیز اسے بہترین قسم کے بال عطا کر دیئے گئے پھر فرشتہ نے
اس سے پوچھا کہ تمہیں کونسا مال سب سے زیادہ پسند ہے؟ اس شخص نے کہا
کہ "گائیں" چنانچہ اسے حاملہ گائیں عطا کر دی گئیں اور فرشتہ نے اسے بھی
وعادی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اس مال میں برکت عطا فرمائے۔ نبی
کریم ﷺ فرماتے تھے کہ اس کے بعد پھر فرشتہ اندھے کے پاس آیا اور اس
سے پوچھا کہ تمہیں کون سی چیز سب سے زیادہ پسند ہے؟ اندھے نے کہا کہ
اللہ تعالیٰ مجھے چٹائی دے دے تاکہ میں اس کے ذریعے لوگوں کو
دیکھوں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا فرشتہ نے اس پر ہاتھ پھیرا اور اللہ
تعالیٰ نے اسے اس کی چٹائی عطا فرمادی پھر فرشتے نے اس سے پوچھا کہ
اب تمہیں کونسا مال سب سے زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا "بکریاں"
چنانچہ اسے بہت سی بچے دینے والی بکریاں عنایت فرمادی گئیں کوڑھی اور
گجے نے اونٹیوں اور گائیوں کے ذریعے اور اندھے نے بکریوں کے
ذریعے بچے حاصل کئے یہاں تک کہ کوڑھی کے اونٹوں سے ایک جنگل بھر
گیا گجے کی گائیوں سے ایک جنگل بھر گیا اور اندھے کی بکریوں سے ایک
جنگل بھر گیا نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا فرشتہ پھر کوڑھی کے پاس اپنی اسی
شکل و صورت میں آیا اور اس سے کہنے لگا کہ میں ایک مسکین شخص ہوں میرا
تمام سامان سفر کے دوران جاتا رہا ہے اس لئے آج میرا پہنچنا ممکن نہیں ہے
ہاں اگر اللہ تعالیٰ کی عنایت و مہربانی ہو جائے اور اس کے بعد تم ذریعہ بن
جاؤ لہذا میں تم سے اس ذات کا واسطہ دے کر جس نے تمہیں اچھا رنگ
بہترین جلد اور مال عطا کیا ہے ایک اونٹ مانگتا ہوں تاکہ اس کے ذریعے
میرا سفر پورا ہو جائے اور میں اپنی منزل مقصود تک پہنچ جاؤں اس کوڑھی نے

مسند احمد کتاب باقی مسند الأنصار باب حدیث ام سعد ح

۲۵۸۶۷

”اور حضرت ام مجید رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ جب کوئی سائل میرے دروازے پر کھڑا ہوتا ہے اور مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو مجھے شرم محسوس ہوتی ہے کیونکہ میں اپنے گھر میں کوئی ایسی چیز نہیں پاتی جو اس کے ساتھ میں دے دوں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کے ہاتھ میں کچھ نہ کچھ دے دو خواہ چلا ہوا گھر ہی کیوں نہ ہو۔ (احمد ابو داؤد ترمذی) اور امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔“

نبی کریم ﷺ نے صدقہ و خیرات کے بارے میں یہ حکم گویا بطور مبالغہ ارشاد فرمایا کہ سائل کو خالی ہاتھ واپس کرنے سے بہتر ہے اس کے ہاتھ میں کچھ نہ کچھ ضرور دے دیا جائے خواہ وہ کتنی ہی حقیر اور کم تر چیز کیوں نہ ہو۔

نبی کریم ﷺ کے ایک واقعہ میں ہمارے لئے ایک سبق:

وَعَنْ مَوْلَى لِعُثْمَانَ قَالَ أَهْدَيْتُ لِأُمِّ سَلَمَةَ بَضْعَةً مِّنْ لَّحْمٍ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْجِبُهُ اللَّحْمُ فَقَالَتْ لِلْخَادِمِ ضَعِيهِ فَيُؤْتِي النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُهُ فَوَضَعَتْهُ فَيُكْوِي النَّبِيَّ وَجَاءَ سَائِلٌ فَقَامَ عَلَى الْبَابِ فَقَالَ تَصَدَّقُوا بَارَكَ اللَّهُ فِيكُمْ فَقَالُوا بَارَكَ اللَّهُ فِيكَ فَذَهَبَ السَّائِلُ فَدَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا أُمِّ سَلَمَةَ هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ أَطْعَمُهُ فَقَالَتْ أَنَا قَالَتْ لِلْخَادِمِ أَذْهَبِي فَأَتَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْأِلُكَ اللَّحْمَ فَذَهَبَتْ فَلَمْ تَجِدْ فِي الْكُوَّةِ إِلَّا قِطْعَةً مَّرْوَةً فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّ ذَلِكَ أَلَّحْمٌ عَادَ مَرْوَةً لِقَا لَمْ تَغْطُوهُ السَّائِلُ.

رواہ البیهقی فی دلائل النبوة

”اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام کہتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں گوشت کا ٹکڑا اتھکے کے طور پر آیا نبی کریم ﷺ کو چونکہ گوشت بہت مرعوب تھا اس لئے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی لونڈی سے فرمایا کہ اس گوشت کو گھر میں رکھ دو شاید نبی کریم ﷺ اسے تناول فرمائیں چنانچہ لونڈی نے وہ گوشت گھر میں ایک طاق میں رکھ دیا ایک سائل نے دروازے پر کھڑے ہو کر صدا بلند کی کہ اے گھر والو خدا کی راہ میں کچھ عنایت کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے گھر والوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے سائل واپس چلا گیا جب نبی کریم ﷺ تشریف لائے تو فرمایا کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا تمہارے پاس کھانے کے لئے کوئی چیز بھی ہے؟ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ہاں پھر انہوں نے لونڈی سے کہا کہ جاؤ رسول اللہ ﷺ کے واسطے گوشت لے آؤ لونڈی چلی گئی مگر طاق کے پاس پہنچ کر اس کی حیرت کی کوئی انتہاء نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ وہاں گوشت کا کہیں نام نہیں تھا بلکہ سفید پتھر کا ایک ٹکڑا رکھا ہوا تھا نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم نے سائل کو کچھ نہ دیا اس لئے یہ گوشت سفید پتھر کی شکل اختیار کر گیا۔ یہی جی نے اس روایت کو دلائل النبوة میں نقل کیا ہے۔“

وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا

أَحْبَبُكُمْ بِشَرِّ النَّاسِ مَنْزِلًا قِيلَ نَعَمْ قَالَ الَّذِي يَسْتَنْتِلُ بِاللَّهِ
وَلَا يُغْطِي بِهِ (رواه احمد)

مسند احمد، کتاب ومن مسند بنی ہاشم، باب بداية مسند عبد اللہ بن
العباس، ح ۲۰۱۱

”اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ
نے ارشاد فرمایا: کیا میں تمہیں یہ بتاؤں کہ خدا کے نزدیک باعتبار مرتبہ
کے بدترین شخص کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ جی! یا رسول اللہ ﷺ
آپ ﷺ نے فرمایا وہ شخص جس سے خدا کے نام پر سوال کیا جائے اور وہ
اس سوال کو پورا نہ کرے۔“ (احمد)

کسی سوالی کا سوال پورا نہ کرنے والوں کے لئے تنبیہ:

مطلب یہ ہے کہ کوئی سوال کسی شخص سے خدا کے نام پر خدا کے واسطے سے
بائیں طور سوال کرے کہ ”خدا کے نام پر مجھے کچھ عطا کرو اور اس کے باوجود وہ شخص
سائل کو کچھ نہ دے تو وہ خدا کے نزدیک تمام لوگوں میں باعتبار کے برا ہے ہاں اگر
سائل مستحق نہ ہو یا سائل نے جس شخص سے سوال کیا اس کے پاس اس کی اپنی ضرورت
و حاجت اور اس کے اہل و عیال کی ضرورت و حاجت سے زائد مال نہ ہو تو پھر اس
سائل کا سوال پورا نہ کرنے کی صورت میں نہ تو وہ گنہگار ہوگا اور نہ وہ اس حدیث کے
مطابق قابل مذمت ہوگا حاصل یہ کہ خدا کے نام پر سوال کرنے والے کا سوال پورا نہ
کرنے والا اسی صورت میں قابل مذمت اور گنہگار ہوگا جب کہ سائل اس کے مال کا
مستحق ہو نیز یہ کہ اس کے پاس اتنا مال ہو جو اس کی ضروریات سے زائد نہ ہو۔

بہترین بیوی کی پہچان

”اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا
کہ کون سی بیوی بہتر ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ عورت جب
اس کا خاوند اس کی طرف دیکھے تو وہ اس کو خوش کر دے اور جب شوہر اس کو
کوئی حکم دے تو اس کو بجالائے (بشرطیکہ وہ حکم خلاف شرع نہ ہو) اور اپنی
ذات اور اپنے مال میں اس کے خلاف کوئی ایسی بات نہ کرے جس کو وہ
پسند نہ کرتا ہو۔“

بہترین بیوی کی پہچان:

اس روایت میں ایک اچھی بیوی کی پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ جب اس کا شوہر اس
کی طرف دیکھے یعنی اس کی خوش اخلاقی و خوش اطواری کو دیکھے تو وہ خوش ہو جائے اور
اگر کہیں وہ بیوی صورت و سیرت دونوں میں اچھی ہو تو پھر کیا کہنا ”نور علی نور اور سرور علی
سرور ہے اسی طرح ایک پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ وہ اپنی ذات اور اپنے مال میں ایسی
کوئی بات نہ کرے جو اس کے شوہر کی نظر میں پسندیدہ نہ ہو۔

”یہاں اپنے مال“ سے خود اس بیوی کا مال بھی مراد ہو سکتا ہے یعنی جس مال کی
حقیقت میں وہ خود مالک ہو اس مال کو بھی اپنے شوہر کی مرضی کے خلاف خرچ نہ کرے
اور اس سے وہ مال بھی ہو سکتا ہے جو خود اس کی ملکیت میں نہ ہو بلکہ حقیقت میں مالک تو
اس کا خاوند ہو البتہ اس عورت کے قبضہ و تصرف میں ہو۔ اس صورت میں بھی یہ مطلب
ہوگا کہ اس کا خاوند اس کو جو کچھ مال و اسباب اور روپیہ پیسہ دے وہ اس کو ایک امانت
کے طور پر اپنے پاس رکھے اس میں نہ تو خیانت کرے اور نہ اپنے خاوند کی مرضی کے
خلاف اس کو خرچ کرے۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَزْبَعُ مَنْ أُعْطِيَهُنَّ فَقَدْ أُعْطِيَ خَيْرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ قَلْبُ شَاكِرٍ وَلِسَانُ ذَاكِرٍ وَبَدَنٌ عَلَى الْبَلَاءِ صَابِرٌ وَزَوْجَةٌ لَا تَبْغِيهِ خُونًا فِي نَفْسِهَا وَلَا مَالًا

رواه البيهقي في شعب الإيمان

”اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: چار چیزیں ایسی ہیں کہ وہ جس شخص کو مل جائیں اس کو دنیا و آخرت کی بھلائی نصیب ہو جائے اول (حق تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کا) شکر ادا کرنے والا دل دوم (خوشی اور رنج میں اللہ تعالیٰ کو) یاد کرنے والی زبان سوم بلاؤں پر صبر کرنے والا جسم اور چہارم وہ عورت جو اپنی ذات اور اپنے خاوند کی مال میں خیانت نہ کرے۔ اس روایت کو تینہی نے شعب الايمان میں نقل کیا ہے۔“

وَعَنِ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَيْ أَجْزَأُ أَنْفَقَ عَلَى بَنِي أَبِي سَلَمَةَ إِنَّمَا لَهُمْ بَنِي فَقَالَ أَنْفَقِي عَلَيْهِمْ فَلَكَ أَجْرُ مَا أَنْفَقْتَ عَلَيْهِمْ (متفق عليه) صحيح البخاری کتاب الزکاة باب الزکاة علی الزوج والیتیم فی الحجر ح ۱۳۷۴

”اور ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے بیٹوں پر خرچ کرنے میں میرے لئے ثواب ہے کہ نہیں؟ درآئیکہ وہ میرے ہی بیٹے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ان پر خرچ کرو جو چیز تم ان پر خرچ کرو

گی اس کا تمہیں ثواب ملے گا۔“ (بخاری و مسلم)

اولاد پر خرچ کرنے کا اجر:

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا پہلے ان کے عقد میں تھیں ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے ان کی کئی بچے ہوئے عمر زینب اور درہ جب ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو نبی کریم ﷺ کی زوجیت میں آنے کا شرف حاصل ہوا۔ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے ان کے جو بچے تھے وہ ان کے اخراجات انہیں کچھ دیا کرتی تھیں۔ چنانچہ اسی کو انہوں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ ان کو میں جو کچھ دیتی ہوں آیا اس کا ثواب بھی مجھے ملتا ہے یا نہیں؟ لہذا اس صورت میں ”بیٹوں“ سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بیٹے مراد ہو گئے جو ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے تھے یا یہ بھی احتمال ہے کہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی دوسری بیوی کے کچھ بچے ہوں گے ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان پر مال خرچ کرنے کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے پوچھا اس صورت میں ”بیٹوں“ سے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے سوتیلے بیٹے مراد ہوں گے۔

وَعَنِ زَيْنَبِ امْرَأَةِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَصَدَّقْنَ يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ وَلَوْ مِنْ حُلِيِّكُنَّ قَالَتْ فَرَجَعْتُ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ فَقُلْتُ إِنَّكَ رَجُلٌ خَفِيفُ ذَاتِ الْيَدِ وَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَمَرَنَا بِالصَّدَقَةِ فَأَتَيْتُهُ قَالَتْ لَكَ فَبَانَ كَأَنَّ ذَلِكَ يُجْزَى عَنِّي وَالْأَصْرَفُ إِلَيَّ غَيْرِكُمْ قَالَتْ فَقَالَ لَبِىَّ عَبْدُ اللَّهِ بَلِ انْتَبِهَ أَنْتِ قَالَتْ فَا نَطْلَقُ فَإِذَا امْرَأَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ بَبَابِ

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاجَتُنِ حَاجَتُنَا قَالَتْ
وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَلْبَيْتَ عَلَيْهِ
الْمَهَابَةُ فَقَالَتْ فَخَرَجَ عَلَيْنَا بِلَالٌ فَقُلْنَا لَهُ إِنَّ رَسُولَ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَهُ أَنَّ امْرَأَتَيْنِ بَالِهَا
نَسِيَا نِكَاحَ الصَّدَقَةِ عَنْهُمَا عَلَى الرِّجَالِ فَقَالَتْ
إِنِّي فِي حُجُورِهِمَا وَلَا تُخْبِرُهُ مِنْ نَحْنُ قَالَتْ فَدَخَلَ
بِلَالٌ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ
فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ هُمَا قَالَ
امْرَأَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ وَزَيْنَبُ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الرِّجَالِ قَالَ امْرَأَةٌ عَبْدُ اللَّهِ فَقَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُمَا أَخْرَاكِ أَخْرُ
الْقَرَابَةَ وَأَخْرُ الصَّدَقَةَ

صحیح مسلم کتاب الزکاة باب فضل الصدقة والصدقة علی الاغنیاء
والزوج والاموال ج ۱ ص ۱۶۶

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ زینب رضی اللہ عنہا
کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے ذکر و نصیحت میں عورتوں کو مخاطب کرتے ہوئے
رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اے عورتوں کی جماعت! صدقہ و خیرات
کو اگرچہ وہ تمہارے زیورات ہی میں سے کیوں نہ ہو! حضرت زینب
رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور
ان سے کہنے لگی کہ آپ خالی ہاتھ مرد ہیں اور چونکہ رسول کریم ﷺ نے

میں صدقہ و خیرات کرنے کا حکم فرمایا ہے اس لئے آپ رسول اللہ ﷺ کی
خدمت میں جا کر یہ معلوم کریں کہ اگر میں آپ پر اور آپ کی اولاد بطور
صدقہ خرچ کرو تو آیا یہ صدقہ میرے لئے کافی ہوگا یا نہیں؟ اگر آپ کی
اولاد کو میرا صدقہ دینا میرے لئے کافی ہو جائے تو پھر آپ ہی کو صدقہ دے
دوں اور اگر میرے لئے کافی نہ ہو تو پھر آپ کے علاوہ دوسرے لوگوں پر
بطور صدقہ خرچ کروں! حضرت زینب رضی اللہ عنہ کہتی ہیں کہ حضرت
عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ تم ہی جاؤ چنانچہ میں خود نبی
کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی! میں وہاں کیا دیکھتی ہوں کہ رسول
کریم ﷺ کے دروازے پر انصار میں کی ایک عورت کھڑی ہے اور ہماری
دونوں کی حاجت یکساں تھی یعنی وہ بھی معلوم کرنے آئی تھی کہ آیا میں اپنے
صدقہ کا مال اپنے خاوند اور اس کے متعلقین کو دے سکتی ہوں یا نہیں؟
حضرت زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ کی ذات اقدس
بیت و عقلت کا پیکر تھی اس لئے ہم وہاں سے نکل کر حضرت بلال رضی اللہ
عنہ کے پاس آئیں اور ان سے کہا کہ آپ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں
جا کر کہئے کہ دروازے پر کھڑی ہوئی دو عورتیں آپ ﷺ سے پوچھتی ہیں
کہ کیا اپنے شوہروں اور ان یتیموں کی جوان کی پرورش میں ہیں ان کا
صدقہ دینا ان کے لئے کافی ہو جائے گا، مگر دیکھئے نبی کریم ﷺ کو یہ نہ
بتائیے کہ ہم کون ہیں؟ یعنی انہوں نے اپنے آپ کو ظاہر کر کے ریا سے بچتے
میں مبالغہ کیا کہ اس بارے میں ریا کا کیا کام؟ حضرت زینب رضی اللہ عنہا
کہتی ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے پاس گئے اور
آپ ﷺ سے وہ مسئلہ دریافت کیا نبی کریم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ
عنہ سے پوچھا کہ دو عورتیں کون ہیں؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا کہ

ایک تو انصار میں کی کوئی عورت ہے اور دوسری زینب رضی اللہ عنہا ہیں۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کون سی زینب؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی! پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کے لئے دو ہزار ثواب ہے ایک تو حق قرابت کا اور دوسرا صدقہ دینے کا۔ (بخاری و مسلم الفاظ مسلم کے ہیں)

شوہر کو صدقہ؟

اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کی ذات اقدس کو بیت و عظمت کا ایسا بیکر بنایا تھا کہ لوگ آپ ﷺ سے مرعوب ہوتے ڈرتے اور آپ ﷺ کی بے انتہا تعظیم کرتے تھے اسی وجہ سے کسی کو بھی جرات نہیں ہوتی تھی کہ وہ اچانک آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچ جائے اور ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کی یہ عظمت بیت آپ ﷺ کی کسی بد خلقی اور خشونت کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ یہ تو خدا داد تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اس عظمت و بیت کو آپ ﷺ کی عزت و تعظیم کا سبب بنایا تھا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو منع کر دیا تھا کہ وہ ان کے نام نبی کریم ﷺ کو نہ بتائیں تو انہیں ان کی اس خواہش کا احترام کرنا چاہئے تھا مگر نبی کریم ﷺ نے چونکہ ان سے ان عورتوں کا نام پوچھا اس لئے نبی کریم ﷺ کے حکم کی بناء پر ان کے لئے یہی ضروری ہو گیا تھا کہ وہ ان کا نام بتا دیں چنانچہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے حکم کی تعمیل کی۔

مسئلہ یہ ہے کہ آیا کوئی عورت اپنے خاوند یا کوئی مرد اپنی بیوی کو اپنی زکوٰۃ کا مال دے سکتا ہے یا نہیں لہذا اس بارے میں تو بالاتفاق تمام علماء کا یہ مسلک ہے کہ کوئی مرد اپنی بیوی کو اپنی زکوٰۃ کا مال نہ دے مگر اس کے برعکس صورت میں امام ابو حنیفہؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ کوئی عورت اپنے خاوند کو اپنی زکوٰۃ کا مال نہ دے کیونکہ منافع اور مال میں عادتہ دونوں ہی شریک ہوتے ہیں (اس طرح کوئی عورت اپنے خاوند کو اپنی زکوٰۃ

کا مال دے گی تو اس مال سے خود بھی فائدہ حاصل کرے گی جو جائز نہیں ہوگا) صاحبین یعنی حضرت امام یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح مرد کو اپنی بیوی کو زکوٰۃ کا مال دینا جائز ہے اس طرح بیوی بھی اپنی زکوٰۃ کا مال اپنے خاوند کو دے سکتی ہے ائمہ کے اس اختلاف کی بنا پر کہا جائے گا کہ حضرت امام اعظمؒ ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس مذکورہ "صدقہ" سے صدقہ نفل مراد ہوگا اور صاحبین کے نزدیک اس سے صدقہ نفل بھی مراد ہو سکتا ہے اور صدقہ فرض یعنی زکوٰۃ کو بھی مراد لیا جاسکتا ہے۔

وَعَنْ مَيْمُونَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ أَنَّهَا أَعْطَتْ وَلِيذَةَ فَيَ رِزْقًا
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَتْ ذَلِكَ لِرَسُولِ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَوْ أَعْطَيْتَهَا أَخْوَالَكَ كَانَ
أَعْظَمَ لَأَخِيكَ (متفق علیہ)

صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب فضل الصدقة والصدقة علی الاقربین
والزوج والاولاد، ح ۱۶۶۶

”اور ام المومنین حضرت ميمونہ رضی اللہ عنہا بنت حارث کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ کے زمانے میں ایک لونڈی آزاد کی اور سرکارِ دو عالم ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر تم وہ لونڈی اپنے ماموں کو دے دیتیں تو تمہیں بہت زیادہ ثواب ملتا۔“ (بخاری و مسلم)

اپنے عزیزوں کو صدقہ دینے دوسری جگہوں پر دینے سے بہتر ہے:

مطلب یہ ہے کہ تمہارے ماموں کو چونکہ ایک خدمت گار کی ضرورت تھی اس لئے اگر تم وہ لونڈی انہیں دے دیتیں تو تمہیں صدقہ کا ثواب تو ملتا ہی اس کے ساتھ ہی صلہ رحمی کا ثواب بھی ملتا۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ لِي جَارَيْنِ قَالِي
أَيُّهُمَا أَهْدَى قَالَ أَقْرَبُهُمَا مِنْكَ يَا بَا (رواه البخاری)
صحیح البخاری، کتاب الادب، باب حق الحواری فی قرب الابواب، ح ۵۵۶۱

”سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے عرض
کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میرے دو پڑوسی ہیں میں ان میں سے کسے تختہ
بھیجوں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اس پڑوسی کو جس کا دروازہ تم سے
زیادہ قریب ہو۔“ (بخاری)

قریب ترین ہمسایہ کا حق زیادہ ہے:

اگر کسی کے دو پڑوسی ہوں اس طرح کہ ان میں ایک پڑوسی کی دیوار اپنے سے
زیادہ قریب ہو اور دوسرے پڑوسی کا دروازہ زیادہ قریب ہو تو قریبی دروازہ والے ہی
کو مقدم رکھا جائے۔

لیکن اتنی بات سمجھ لیجئے کہ یہاں حدیث میں ”حضر“ مراد نہیں ہے، یعنی آپ ﷺ
کے ارشاد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صرف اسی کو دیا جائے دوسرے کو نہ دیا جائے، بلکہ مراد
یہ ہے کہ پہلے یا زیادہ اس پڑوسی کو بھیجا جائے جس کا دروازہ قریب ہو اور اس کی وجہ
بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ جس پڑوسی کا دروازہ زیادہ قریب ہوتا ہے اور اس سے ملنا
جلنا اور اس کے یہاں آنا جانا زیادہ رہتا ہے جس کی وجہ سے اس کے حالات کا بھی
زیادہ علم رہتا ہے لہذا اس کے ساتھ محبت و سلوک کا معاملہ کرنا اولیٰ ہے۔

وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ إِذَا طَبَخْتَ مَرَقَةً فَأَكْثِرْ
مَاءَهَا وَتَعَاهَدْ جِيرَانَكَ (رواه مسلم)

صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب الوصیة بالجار

والاحسان الیہ، ح ۴۷۵۸

”اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول
کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جب تم شور یا پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ ڈالو
اور اپنے ہمسایہ کا خیال رکھو۔“ (مسلم)

اس ارشاد گرامی کا منشاء یہ ہے کہ جب سالن پکاؤ تو اپنی لذت و خواہش ہی کو
مقدم نہ رکھو بلکہ ہمسایہ اور پڑوسی کی ضرورت کا بھی خیال رکھو اور اس کی شکل یہ ہے کہ
سالن میں پانی زیادہ ڈالو تاکہ شور یا زیادہ ہو اور تم اپنے ہمسایہ میں ضرورت مند لوگوں
کو بانٹ سکو۔

بیوی اپنے شوہر کے مال میں سے جو چیز خرچ کر سکتی ہے اس کا بیان:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
إِذَا أَنْفَقَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ طَعَامِ بَيْتِهَا غَيْرَ مُفْسِدَةٍ كَانَ لَهَا
أَجْرُهَا بِمَا أَنْفَقَتْ وَلَزَوْجُهَا أَجْرُهُ بِمَا كَسَبَ وَلِلْخَاوِنِ
مِثْلُ ذَلِكَ لَا يَنْقُصُ بَعْضُهُمْ أَجْرَ بَعْضٍ شَيْنًا.

(متفق علیہ) صحیح البخاری، کتاب الزکاة، باب من امر خادمہ
بالصدقة ولم ینال بنفسه، ح ۱۳۳۶

”سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد
فرمایا جب کوئی عورت اپنے گھر کھانے میں سے صدقہ دیتی ہے بشرطیکہ وہ
اسراف نہیں کرتی تو اسے اس کے خرچ کرنے سے ثواب ملتا ہے اور اس
کے شوہر کو مال کمانے کی وجہ سے ثواب ملتا ہے اور داروغہ کو بھی ایسا ہی
ثواب ملتا ہے اور ان میں سے کسی کے ثواب میں دوسرے کے ثواب کی وجہ
سے کمی نہیں ہوتی۔“

صدقات کے مسائل:

اس حدیث کا تعلق اس صورت سے ہے جب کہ شوہر نے بیوی کو اپنے مال سے صدقہ و خیرات کرنے کی اجازت دے رکھی ہو خواہ اس نے صراحۃً اجازت دی یا دلالت۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اہل حجاز کا یہ معمول تھا کہ انہوں نے اپنی مہمان نوازی اور سخاوت کے پیش نظر اپنی بیویوں اور اپنے خدمت گاروں (مثلاً داروغہ مطبخ وغیرہ) کو یہ اجازت دے رکھی تھی کہ وہ مہمانوں کی بھرپور ضیافت کریں اور فقراء و مساکین نیز پڑوس کے لوگوں کو کھانا وغیرہ کھلا دیا کریں چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اس ارشاد گرامی کے ذریعے اپنی امت کو ترغیب دلائی کہ یہ نیک اور اچھی عادت اختیار کریں۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَنْفَقَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ كَسْبِ زَوْجِهَا مِنْ غَيْرِ أَمْرِهَ قَلَّهَا نِصْفُ أَجْرِهِ. (متفق علیہ)

صحیح البخاری، کتاب النفقات، باب نفقة المرأة إذا غاب عنها زوجها ولفقة الولد، ح ۴۹۴۱

”اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جب کوئی عورت اپنے شوہر کی کمائی میں سے اس کی اجازت کے بغیر صدقہ و خیرات دیتی ہے تو اسے آدھا ثواب ملتا ہے۔“ (بخاری و مسلم)

شوہر کی کمائی سے صدقہ کرنے کا ثواب

”اس کی اجازت کے بغیر“ مطلب یہ ہے کہ جو چیز وہ صدقہ میں دے رہی ہے

خاص طور پر اس کی اجازت شوہر نے نہیں دی ہوئی ہے لیکن وہ شوہر کی صراحۃً یا دلالت اجمالی رضا جانتی ہو اور وہ چیز تھوڑی اور کمتر ہو کہ اس کے دینے کو کوئی منع نہیں کرتا ہے۔ جیسے ہمارے یہاں عام طور پر عورتیں دروازوں پر مانگنے والوں کو آٹے کی چٹکی روٹی کا ٹکڑا یا ایک آدھ پیسہ دے دیتی ہیں۔

وَعَنْ غَائِثَةَ قَالَتْ إِنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَمِّي أَفْطَلَتْ نَفْسَهَا وَأَطْنَهَا لَوْ تَكَلَّمْتُ تَصَدَّقْتُ فَهَلْ لَهَا أَجْرٌ إِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ. (متفق علیہ)

صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب موت الفحاة البغتنا، ح ۱۶۹۹
”اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ میری والدہ کا اچانک انتقال ہو گیا اور میرا خیال ہے کہ اگر کچھ کہنے پائیں تو صدقہ دینے کی وصیت کرتیں لہذا اگر میں ان کے طرف سے صدقہ دوں تو انہیں اس صدقہ کا ثواب مل جائے گا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”ہاں“۔ (بخاری و مسلم)

میت کو مالی عبادت کا ثواب پہنچتا ہے:

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے کسی مرحوم عزیز کی طرف سے بطور صدقہ کچھ مال وغیرہ دے تو اس میت کو ثواب ملتا ہے اسی طرح میت کے لئے دعاء استغفار وغیرہ بھی کارآمد ہے چنانچہ اہلسنت والجماعت کے متفقہ طور پر یہی مسلک ہے ہاں بدنی عبادت نماز روزہ اور تلاوت قرآنی وغیرہ کے بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں لیکن اس بارے میں بھی قابل اعتماد زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ میت کو عبادت بدنی کا بھی ثواب پہنچتا ہے۔

چنانچہ امام عبداللہؒ نے لکھا ہے کہ ایک غالی بزرگ شیخ عبدالسلام کو ان کے انتقال

کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا تو شیخ مرحوم نے فرمایا کہ ہم تو دنیا میں کہا کرتے تھے کہ تلاوت قرآن کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا مگر اس عالم میں آکر ہم نے معاملہ برعکس دیکھا ہے۔

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي خُطْبَتِهِ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ لَا تُنْفِقُ امْرَأَةٌ شَيْئًا مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا الطَّعَامَ قَالَ ذَلِكَ أَفْضَلُ أَمْوَالِنَا (رواه الترمذی)

سنن الترمذی، کتاب الزکاة عن رسول اللہ، باب فی نفقة المرأة من بیت زوجها، ح ۶۰۶

”حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا رسول کریم ﷺ حجۃ الوداع کے سال اپنے خطبہ میں فرماتے تھے کوئی عورت اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر گھر میں سے کچھ خرچ نہ کرے۔ (خواہ صراحۃً اجازت ہو یا دلالتاً) عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! کیا کھانے میں سے بھی خرچ نہ کرے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کھانا ہمارے اموال میں نفیس ترین چیز ہے۔“

بیوی کے لئے شوہر کی اجازت لازمی ہے:

آپ ﷺ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ جب شوہر کی اجازت کے بغیر ان چیزوں کو خرچ کرنا جائز نہیں ہے جو کھانے سے کم تر درجہ کی ہیں تو کھانا خرچ کرنا کیسے درست ہوگا جب کہ یہ افضل ترین چیز ہے۔

بظاہر اس حدیث میں اور اس بارے میں ذکر کی گئی گزشتہ احادیث میں تعارض نظر آتا ہے لیکن ان احادیث کی تشریحات اگر سامنے ہوں تو پھر کوئی تعارض نظر نہیں آئے گا کیونکہ ان تشریحات کے ذریعے احادیث میں تطبیق بیان کر دی گئی ہے۔

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ قَالٍ لَمَّا بَايَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النِّسَاءَ قَامَتِ امْرَأَةٌ جَلِيلَةٌ كَانَتْهَا مِنْ نِسَاءِ مَضَرَ فَقَالَتْ يَا نَبِيَّ اللَّهِ إِنَّا كُلُّ عَلِيٍّ أَبَا بَنَانٍ وَأَبْنَا بَنَانٍ وَأَزْوَاجُنَا فَمَا يَجِلُّ لَنَا مِنْ أَمْوَالِهِمْ قَالَ الرَّطْبُ تَأْكُلْنَهُ وَتَهْدِيْنَهُ۔

سنن ابی داؤد، کتاب الزکاة، باب المرأة تنصنف من بیت زوجها، ح ۱۴۳۶

”اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ نے عورتوں سے بیعت لی تو ان میں سے ایک بڑے قد کی یا بڑے مرتبہ کی عورت کھڑی ہوئی جو غالباً قبیلہ مضر سے معلوم ہوتی تھی اور اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہمارا بارہا اپنے والدین اپنی اولاد اور اپنے شوہروں پر ہے کیا ان کا مال ہمارے لئے حلال ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جو تازہ مال ہو اسے کھاؤ اور بطور تحفہ کے بھیجو۔“ (ابوداؤد)

جلد خراب ہونے والی چیزوں کا صدقہ کرنا:

”تازہ مال“ سے وہ چیزیں مراد ہیں جو دیر پا نہ ہوں بلکہ جلدی خراب ہو جاتی ہوں جیسے سالن ترکاری اور دودھ وغیرہ لہذا ان چیزوں کے استعمال میں اجازت کی ضرورت نہیں کیونکہ عام طور سے لوگ ان کو خرچ کرنے سے منع نہیں کرتے گویا اس طرح ان چیزوں کے خرچ کرنے کے لئے دلالتاً اجازت حاصل ہوتی ہے بخلاف ان چیزوں کے جو خشک اور خراب نہ ہونے والی ہوں کہ ان کے خرچ کرنے کے لئے اجازت و رضاء کا حاصل ہونا ضروری ہے۔

ایک سوال

میں نے اس کتاب کی تیاری میں ایک انگریزی کتاب کا مطالعہ کیا جس میں گھریلو زندگی کو مسرت بخش بنانے کے اصول کے تحت سب سے پہلا اصول یہ لکھا تھا کہ مرد عورت کی زندگی میں روک ٹوک نہ کرے اور عورت مرد پہ نگاہ نہ رکھے معاشرہ ان کی اصلاح خود ہی کرے گا سبحان اللہ!

یاد رکھئے!

یہ کسی عیاش ذہن و میاش معاشرے کی سوچ ہے جبکہ اقبال ان کو اتنے عرصہ قبل ہی یہ بتا دیا تھا کہ

کوئی پوچھے حکیم یورپ سے
ہند و یوناں ہیں جس کے حلقہ بگوش!

کیا یہی ہے معاشرت کا کمال
مرد بیکار و زن تہی آغوش!

یاد دہانی

گھریلو زندگی کو مسرت بخش بنانے کے

سات اصول

پہلا (اصول): ہرگز ہرگز بے وجہ و لغو عیب جوئی نہ کیجئے۔

دوسرا (اصول): اپنے ساتھی کو نیچا دکھانے کی کوشش مت کیجئے۔

تیسرا (اصول): نکتہ چینی نہ کیجئے۔

چوتھا (اصول): خلوص دل سے شوہر اور دیگر اہل خانہ کو اچھے کام پہ داود دیجئے۔

پانچواں (اصول): ہر موقع پر آپ اپنے شوہر پر توجہ دینے کی ہر ممکن سعی کیجئے۔

چھٹا (اصول): شوہر اور سسرالی رشتوں داروں سے اخلاق سے پیش آئیے۔

ساتواں (اصول): شادی سے قبل یا بعد میں اس موضوع پر کسی مستند کتاب کا مطالعہ کیجئے۔

صبح و شام پڑھنے کی دعائیں

”قابل احترام! فرمانبردار بچپن! میں نے کتاب کے اختتام سے قبل مناسب جانا کہ آپ کو چند دعاؤں کی بابت کچھ مواد مہیا کر دوں۔ امید ہے کہ جب آپ کتاب کے پہلے حصوں پر حتی الامکان عمل کرنے کی کوشش کریں گی اور اس کے بعد ان دعاؤں کو یاد کرنے کی کوشش کیجئے۔ مجھے امید ہے (اور میں نے بارہا خاندانوں کو ان دعاؤں پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے اور عملی اقدام اٹھانے سے) کافی بگڑی ہوئی حالت سے اللہ کے فضل و کرم سے سنبھلتے دیکھا ہے۔ اللہ آپ کو بھی ان پر عمل پیرا ہونے کی سہی عطا فرمائیے اور مجھے بھی۔“

صبح، شام اور سوتے وقت پڑھی جانے والی دعاؤں کا بیان:

”صبح“ سے مراد ہے آفتاب طلوع ہونے تک دن کا بالکل ابتدائی حصہ۔ ”شام“ سے مراد ہے آفتاب کے غروب ہونے کے وقت سے شفق غروب ہونے کے وقت تک دن کا بالکل آخری حصہ لہذا جو دعائیں صبح کے وقت پڑھنے کے لئے منقول ہیں ان کو چاہے نماز فجر سے پہلے پڑھا جائے نماز فجر کے بعد دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے اسی طرح شام کے وقت جن دعاؤں کا پڑھنا منقول ہے ان کو بھی چاہے تو مغرب کی نماز سے پہلے پڑھا جائے چاہے مغرب کی نماز کے بعد۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَمْسَى قَالَ أَمْسَيْنَا وَأَمْسَى الْمَلِكُ لِلَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْخِطَابُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ هَذِهِ اللَّيْلَةِ

وَأَخِيرَ مَا فِيهَا وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيهَا اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَسُوءِ الْكِبَرِ وَفِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَإِذَا أَصْبَحَ قَالَ ذَلِكَ أَيْضًا أَصْبَحْنَا وَأَصْبَحَ الْمَلِكُ لِلَّهِ وَفِي رِوَايَةٍ رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ فِي النَّارِ وَعَذَابِ فِي الْقَبْرِ (رواه مسلم)

صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، ج ۲۷۲۳۔

”اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب شام ہوتی تو رسول اللہ ﷺ کی لسان مقدس پر یہ الفاظ جاری ہوتے اَمْسَيْنَا وَأَمْسَى الْمَلِكُ لِلَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْخِطَابُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ هَذِهِ اللَّيْلَةِ وَخَيْرِ مَا فِيهَا وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيهَا اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَسُوءِ الْكِبَرِ وَفِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ اور جب صبح ہوتی تو آپ ﷺ اسی طرح پڑھتے لیکن شروع میں اَمْسَيْنَا وَأَمْسَى الْمَلِكُ لِلَّهِ کی بجائے أَصْبَحْنَا وَأَصْبَحَ الْمَلِكُ لِلَّهِ یعنی ہم نے صبح کی اور ہر چیز نے صبح کی جو اللہ کی ملک میں ہے) پڑھتے۔ ایک دوسری روایت میں وَسُوءِ الْكِبَرِ کے بعد یہ الفاظ ہیں رَبِّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ فِي النَّارِ وَعَذَابِ فِي الْقَبْرِ (یعنی اے میرے رب! میں اس عذاب سے جو دوزخ میں ہے اور اس عذاب سے جو قبر میں ہے تیری پناہ چاہتا ہوں)۔“

صبح و شام کے وقت آپ ﷺ کی دعا:

جب یہ دعا صبح کے وقت پڑھی جائے گی تو اس میں اللیلۃ کی بجائے الیوم پڑھا جائے گا یعنی یوں پڑھیں گے اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ هَذَا الْيَوْمِ نیز جہاں

رات کی رعایت سے مؤمن کی ضمیریں استعمال ہوتی ہیں وہاں دن کی رعایت سے مذکر ضمیریں استعمال ہوں گی یعنی حا کی جگہ پڑھا جائے گا بقیہ عبارت جوں کی توں رہے گی۔

وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَخَذَ مَضْجَعَهُ مِنَ اللَّيْلِ وَضَعَ يَدَهُ تَحْتَ خَدِّهِ ثُمَّ يَقُولُ اللَّهُمَّ يَا سَمِيعُ أَمُوتُ وَأَحْيُ وَإِذَا سَتَقَطَّ قَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ.

(رواہ البخاری و مسلم عن البراء)

صحیح بخاری کتاب الدعوات باب وضع اليد تحت الخد ح ۶۳۱۴
”اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب رات میں اپنے بستر پر تشریف لاتے اور سونے کے لئے لیٹتے تو اپنا ہاتھ (یعنی اپنی داہنی ہتھیلی) اپنی (دائیں) گال کے نیچے رکھتے اور یہ فرماتے اللھُمَّ بِسْمِکَ أَمُوتُ وَأَحْيُ اے اللہ! تیرے ہی نام پر مرنا (یعنی سوتا) ہوں اور تیرے ہی نام پر زندہ ہوتا یعنی جاگتا ہوں اور جب آپ ﷺ نیند سے بیدار ہوتے تو یہ فرماتے۔ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ اس روایت کو بخاری اور مسلم نے نقل کیا ہے لیکن مسلم نے (حضرت حذیفہ) کی بجائے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔“

سونے اور جاگنے کے وقت کی دعا:

”اسی کی طرف رجوع ہے“ کا مطلب بعض علماء نے تو یہ لکھا ہے کہ ”آخر کار موت کے بعد حساب اور جزا و سزا کے لئے اسی ذات باری تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے لیکن زیادہ بہتر یہ ہے کہ کہا جائے گا کہ یہاں نشور (رجوع) سے مراد ہے۔“ سونے

کے بعد اٹھ کر طلب معاش اور اپنے کام کاج میں مصروف ہونے کے لئے زندگی کی ہماہمی میں شریک ہو جاتا۔ رخسار کے نیچے ہاتھ رکھ کر سونے سے چونکہ غفلت بہت زیادہ طاری نہیں ہوتی اس لئے آپ ﷺ اپنے دائیں رخسار مبارک کے نیچے اپنی دائیں ہتھیلی رکھ کر سوتے تھے۔ اسی طرح سوتے وقت اور جانے کے بعد ذکر و دعا کرنے کی حکمت و وجہ یہ ہے کہ اعمال کا خاتمہ بھی عبادت و طاعت پر ہو افعال کی ابتداء بھی عبادت ہی سے ہے۔

وَعَنْ عَلِيٍّ أَنَّ قَاطِمَةَ آتَتْ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَشْكُو إِلَيْهِ مَا تَلْقَى فِي يَدِهَا مِنَ الرُّخَى وَبَلَغَهَا أَنَّهُ جَاءَهُ دَقِيقٌ فَلَمْ تُصَادِفْهُ فَذَكَرَتْ ذَلِكَ لِعَايِشَةَ فَلَمَّا جَاءَ أَخْبَرَتْهَا عَايِشَةُ قَالَ فَجَاءَنَا وَقَدْ أَخَذْنَا مَضًا جَعَلْنَا فِذْهَبَنَا نَقُومُ فَقَالَ عَلِيٌّ مَكَانُكُمْ فَجَاءَ فَقَعَدَ بَيْنِي وَبَيْنَهَا حَتَّى وَجَدْتُ بُرْدَ قَدَمِهِ عَلَى بَطْنِي فَقَالَ أَلَا أَدْلُكُمْ عَلَى خَيْرٍ مِمَّا سَأَلْتُمَا إِذَا أَخَذْتُمَا مَضْجَعَكُمْ فَسَبِّحَا ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ وَاحْمَدَا ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ وَكَبِّرَا أَرْبَعًا وَثَلَاثِينَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ خَادِمٍ (متفق علیہ)

صحیح مسلم کتاب الذکر والدعاء ح ۲۷۲۶۔

”اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ (میری زوجہ محترمہ اور نبی کریم ﷺ کی صاحبزادی) حضرت قاطمہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کے ہاں اس غرض سے حاضر ہوئیں کہ بچکی پینے کی وجہ سے ان کے ہاتھ جس زحمت و مشقت میں مبتلا تھے اس کی شکایت آنحضرت ﷺ سے کریں (اور

کوئی ضد منکار مانگیں) کیونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا تھا کہ آنحضرت ﷺ کے پاس کچھ غلام آئے ہیں مگر (اس وقت) آپ ﷺ سے ان کی ملاقات نہیں ہوئی چنانچہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے اس کا تذکرہ کیا (یعنی ان سے کہا کہ جب آنحضرت ﷺ تشریف لائیں تو کہہ دیجئے گا کہ فاطمہ اپنی مشقت و تکلیف کے پیش نظر ایک غلام مانگنے حاضر ہوئی تھیں) پھر جب آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا پیغام آپ ﷺ تک پہنچا دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد آنحضرت ﷺ ہمارے ہاں اس وقت تشریف لائے جب کہ ہم اپنے بستروں پر لیٹ چکے تھے (آپ ﷺ کو دیکھ کر ہم نے اٹھنے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اپنی جگہ پر لیٹے رہو" پھر آپ ﷺ ہمارے نزدیک) تشریف لائے اور میرے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے درمیان بیٹھ گئے یہاں تک کہ میں نے اپنے پیٹ پر آپ ﷺ کے مبارک قدموں کی ٹھنڈک محسوس کی پھر آپ ﷺ نے فرمایا (مجھے فاطمہ کا پیغام مل گیا ہے) کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتا دوں جو اس چیز (یعنی غلام) سے بہتر ہے جو تم نے مانگی تھی اور وہ یہ کہ جب تم اپنے بستر پر آؤ تو تینتیس بار سبحان اللہ تینتیس بار الحمد للہ اور چونتیس بار اللہ اکبر کہو تمہارے لئے خادم سے یہ چیز بہتر ہے۔" (بخاری و مسلم)

نبی کریم ﷺ کی صاحبزادی رضی اللہ عنہا سے مروی دعا:

وَعَنْ بَعْضِ بَنَاتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعَلِّمُهَا فَيَقُولُ قَوْلِي حِينَ

تُصْبِحِينَ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ مَا شَاءَ اللَّهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا فَإِنَّهُ مَنْ قَالَهَا حِينَ يُصْبِحُ حُفَظَ حَتَّى يُمَسِّي وَمَنْ قَالَهَا حِينَ يُمَسِّي حُفَظَ حَتَّى يُصْبِحَ (رواه ابو داود)

ابو داود کتاب الادب ج ۵۰ ص ۷۵۔

"اور نبی کریم ﷺ کی کسی صاحبزادی سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں تعلیم دی کہ جب صبح ہو تو یہ دعا پڑھو سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ مَا شَاءَ اللَّهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا لہذا جس شخص نے صبح کے وقت یہ کلمات کہے (یعنی صبح کے وقت یہ دعا پڑھی) وہ شام تک بلاؤں (اور خطاؤں سے) محفوظ رہتا ہے اور جس شخص نے شام کے وقت یہ کلمات کہے وہ صبح تک محفوظ رہتا ہے۔" (ابو داود)

زندہ کرتا ہے (یعنی زمین کو خشک ہو جانے کے بعد سرسبز کرتا ہے) اور اسی طرح تم بھی (قبر سے) نکالے جاؤ گے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمرَ قَالَ لَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُ هَؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ حِينَ يُمَسِّي وَحِينَ يُصْبِحُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَافِيَةَ فِي دِينِي وَدُنْيَايَ وَأَهْلِي وَمَالِي اللَّهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِي وَامْنِ رَوْعَاتِي اللَّهُمَّ احْفَظْنِي مِنْ بَيْنِ يَدَيْ وَمِنْ خَلْفِي وَعَنْ يَمِينِي وَعَنْ شَمَائِي

لِي وَمِنْ فَوْقِي وَأَعُوذُ بِعَظَمَتِكَ أَنْ أُغْتَالَ مِنْ تَحْتِي يَغْنَى
الْخَسْفُ

ابوداؤد، کتاب الادب، باب۔

”اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صبح اور شام کے وقت یہ دعا پڑھنا نہ چھوڑتے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ الْعَافِیَةَ فِیْ دِیْنِیْ وَدُنْیَایْ وَآہِلِیْ وَمَالِیْ اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِیْ وَاعِزُّ رَوْعَاتِیْ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنِیْ مِنْ بَیْنِ یَدَیْ وَوَعْدِیْ وَخَلْفِیْ وَعَنْ یَمَیْنِیْ وَعَنْ شَمَائِیْ وَمِنْ فَوْقِیْ وَأَعُوذُ بِعَظَمَتِكَ اَنْ اُغْتَالَ مِنْ تَحْتِیْ اے اللہ میں تجھ سے دنیا و آخرت کی عافیت مانگتا ہوں یا الہی میں تجھ سے گناہوں کی معافی چاہتا ہوں اور اپنے دین و اپنی دنیا کے امور میں (عیوب اور برائیوں سے) اور اپنے اہل و عیال اور اپنے مال میں سلامتی مانگتا ہوں اے پروردگار میرے عیوب کی پردہ پوشی فرما اور مجھے خوف کی چیزوں سے امن میں رکھ (یعنی میری مصیبت اور بلائیں دور فرما) اور اے اللہ! تو مجھے آگے سے پیچھے سے دائیں سے بائیں سے اوپر سے محفوظ رکھ اور اے اللہ تیری عظمت و کبریائی کے ذریعہ اس بات سے بچا ہ مانگتا ہوں کہ ہلاک کیا جاؤں اچانک نیچے کی جانب سے یعنی زمین میں دھنس جانے سے۔“ (ابوداؤد)

بعض روایتوں میں لفظ نبیا ہے اور بعض میں رسولاً لہذا مستحب یہ ہے کہ دونوں ہی لفظ پڑھے جائیں یعنی یوں کہا جائے وَبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا وَرَسُولًا

وَعَنْ حُذَیْفَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا ارَادَ اَنْ یَنَامَ وَضَعَ یَدَہُ تَحْتَ رَاسِہِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ قِنِیْ عَذَابَ بَلَدِکَ یَوْمَ تَجْمَعُ عِبَادُکَ اَوْ تَبْعَثُ عِبَادَکَ رواہ الترمذی

واحمد عن البراء۔

جامع الترمذی، کتاب الدعوات، ح ۳۳۹۸۔

”اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب سونے کا ارادہ فرماتے (یعنی سونے کے لئے لیٹتے تو) اپنا ہاتھ اپنے سر کے نیچے رکھتے اور یہ دعا پڑھتے اَللّٰهُمَّ قِنِیْ عَذَابَ بَلَدِکَ یَوْمَ تَجْمَعُ عِبَادُکَ اَوْ تَبْعَثُ عِبَادَکَ (ترجمہ) اے اللہ مجھے اس دن کے عذاب سے بچائیے جب تو اپنے بندوں کو جمع کرے گا یا جب تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا (یعنی قیامت کے دن) (یعنی راوی کو شک ہے کہ آپ ﷺ نے تجمّع عبادک کہا یا اس کی بجائے تبعث عبادک کہا) (ترمذی) امام احمد نے اس روایت کو براہِ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔“

اس روایت میں تو یہ ہے کہ ”آپ ﷺ دست مبارک سر کے نیچے رکھتے تھے“ جب کہ ایک اور روایت میں منقول ہے کہ رخسارہ مبارک کے نیچے رکھتے تھے لہذا ان دونوں روایتوں میں یوں مطابقت پیدا کی جائے کہ آپ ﷺ اپنا ہاتھ کبھی تو سر کے نیچے رکھتے ہوں گے اور کبھی رخسارہ مبارک کے نیچے جس راوی نے جو دیکھا اس کو روایت کر دیا یا یہ کہ ہاتھ کا کچھ حصہ تو سر کے نیچے ہوتا ہوگا اور کچھ حصہ رخسارہ کے نیچے۔ لہذا جس راوی نے ہاتھ کا کچھ حصہ سر کے نیچے دیکھا اس نے یہ بیان کیا کہ آپ ﷺ اپنے ہاتھ سر کے نیچے رکھتے تھے اور جس راوی نے ہاتھ کا کچھ حصہ رخسارہ کے نیچے اس نے رخسارہ کے نیچے رکھنے کو ذکر کیا۔

وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَاْخُذُ مُصْجَعَهُ بِقِرَاءَةِ سُورَةِ مَنْ کِتَابِ اللّٰهِ اِلَّا وَكَّلَ اللّٰهُ بِہٖ مَلٰکًا فَلَا یَقْرِئُہُ شَیْءٌ یُّؤْذِیْہِ

حَتَّى يُهَبَّ مَتَى هَبَّ (رواہ الترمذی)

جامع الترمذی، کتاب الدعوات، ح ۳۴۰۷۔

”اور حضرت شہاد بن اوس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو بھی مسلمان اپنی خواہ گاہ میں آ کر (یعنی سوتے وقت) قرآن کریم کی کوئی سورت پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ایک فرشتہ متعین کر دیتا ہے اور اس فرشتے کو حکم دیتا ہے کہ ضرر پہنچانے والی چیزوں سے اس بندہ کی حفاظت کی جائے (چنانچہ جب تک کہ وہ جاگ نہیں جاتا ضرر و نقصان پہنچانے والی کوئی بھی چیز اس کے پاس بھٹکتی بھی نہیں چاہے وہ جب بھی (یعنی دیر سے یا جلدی) جاگے۔“ (ترمذی)

سوتے وقت قرآن کی کوئی سورت پڑھنے کی برکت:

حضرت انسؓ سے بطریق مرفوع روایت ہے کہ (آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا) جب تم اپنے بستر پر اپنا پہلو رکھو یعنی سونے لگو اور اس وقت سورہ فاتحہ اور سورہ قل ہو اللہ پڑھ لو تو (جب تک سوتے رہو گے) موت کے علاوہ ہر چیز سے حفاظت میں رہو گے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ غَفْوَيْنَ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلَّتَانِ لَا يَخْصِنُهُمَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ إِلَّا وَلَهُمَا يَسِيرٌ وَمَنْ يَعْمَلْ بِهِمَا قَلِيلٌ يُسَبِّحُ اللَّهَ فِي ذُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ عَشْرًا وَيَحْمَدُهُ عَشْرًا وَيُكَبِّرُهُ عَشْرًا قَالَ فَأَنَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْقُدُهَا بِيَدِهِ قَالَ فَبَلَكَ خَفْسُونَ وَمِائَةً بِاللِّسَانِ

وَأَلْفٌ وَخُمْسٌ مِائَةٍ فِي الْمِيزَانِ وَإِذَا أَخَذَ مَضْجَعَهُ يُسَبِّحُهُ وَيُكَبِّرُهُ وَيَحْمَدُهُ مِائَةً فَتَبَلَكَ مِائَةً بِاللِّسَانِ وَأَلْفٌ فِي الْمِيزَانِ فَأَيُّكُمْ يَعْمَلُ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ أَلْفَيْنِ وَخُمْسَ مِائَةٍ سَبْتَةً قَالُوا وَكَيْفَ لَا نُخْصِنُهُمَا قَالَ يَا بَنِي أَخَذَكُمْ الشَّيْطَانُ وَهُوَ فِي صَلَاةٍ فَيَقُولُ أَذْكَرُ كَذَا أَذْكَرُ كَذَا حَتَّى يَنْقُطَ فَلَعَلَّهُ أَنْ لَا يَفْعَلَ وَيَا بَنِي فِي مَضْجَعِهِ فَلَا يَزَالُ يُنَوِّمُهُ حَتَّى يَنَامَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَفِي رَوَايَةِ أَبِي دَاوُدَ قَالَ خَضَلَتَانِ أَوْ خَلَّتَانِ لَا يُحَا فُظُّ عَلَيْهِمَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَكَذَا فِي رَوَايَةٍ بَعْدَ قَوْلِهِ وَأَلْفٌ وَخُمْسٌ مِائَةٍ فِي الْمِيزَانِ قَالَ يُكَبِّرُ أَرْبَعًا وَثَلَاثِينَ إِذَا أَخَذَ مَضْجَعَهُ وَيَحْمَدُ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ وَيُسَبِّحُ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ وَفِي أَكْثَرِ نُسَخِ الْقَصَا يَبْحُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُثْمَانَ

ابوداؤد، کتاب الادب، ح ۵۰۶۵۔

”اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”دو چیزیں ایسی ہیں جنہیں جو بھی مرد مسلمان مداومت کے ساتھ اختیار کرتا ہے وہ جنت میں داخل ہوتا ہے (یعنی وہ شخص جنت میں نجات پانے والوں کے ساتھ ہوگا) اور جان لو وہ دونوں چیزیں آسان تو بہت ہیں (بائیں طور کہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں پر عمل کرنا جن لوگوں کے لئے آسان کر دے ان کے لئے وہ کوئی مشکل نہیں ہیں) مگر ان پر عمل کرنے والے بہت کم ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ کی توفیق نہ ہونے کے سبب ان پر

مداومت کے ساتھ عمل کرنے میں شاذ و نادر ہی ہیں) ان میں سے ایک چیز تو یہ ہے کہ ہر فرض نماز کے بعد اللہ کو پاکی کے ساتھ یاد کیا جائے یعنی سبحان اللہ پڑھا جائے دس مرتبہ خدا کی حمد کی جائے یعنی الحمد للہ کہا جائے اور دس مرتبہ اللہ اکبر کہا جائے۔ ابن عمر و کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا آپ ﷺ نے ان کو اپنے ہاتھ کی انگلیوں پر شمار کیا اور فرمایا پس (پانچوں نمازوں کی مجموعی تعداد کے اعتبار سے) یہ زبان سے کہنے میں تو ڈیڑھ سو ہیں لیکن (اعمال) کے ترازو میں ان کی تعداد ڈیڑھ ہزار ہوگی (بایں طور کہ ہر نیکی پر دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور دوسری چیز یہ ہے کہ اپنے بستر پر آ کر (یعنی سونے کے وقت) سبحان اللہ اکبر اور الحمد للہ سو مرتبہ کہے (یعنی سبحان اللہ تینتیس بار اور الحمد للہ تینتیس بار اور اللہ اکبر چونتیس بار کہا جائے تو ان کی مجموعی تعداد سو ہوتی ہے اور یہ زبان میں کہنے سے تو سو بار ہیں لیکن میزان اعمال میں ایک ہزار ہوں گی۔ پس تم میں سے وہ کون ہے جو دن رات میں ڈھائی ہزار برائیاں کرتا ہوگا؟ صحابہؓ نے عرض کیا (جب یہ بات ہے تو پھر) ہم ان چیزوں کی بھلا کیونکر محافقت نہ کریں گے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھتا ہوا ہوتا ہے تو اس کے پاس شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں چیز یاد کرو فلاں بات یاد کرو (یعنی اسے نماز کی حالت میں دنیا کی باتیں یا آخرت کی باتیں ایسی جن کا تعلق نماز سے ہوتا نہیں ہے یاد دلانا رہتا ہے) یہاں تک کہ وہ نماز پڑھ کر فارغ ہوتا ہے پس ہو سکتا ہے کہ وہ (ان کلمات پر محافقت نہ کرے) اور اسی طرح شیطان اس کی خواب گاہ میں آتا ہے اس کو سلاتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ سو جاتا ہے (ترمذی ابو داؤد نسائی) اور ابو داؤد کی روایت میں بعض الفاظ میں اختلاف ہے چنانچہ ان کی روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”دو خصلتیں ایسی ہیں یا دو (چیزیں ایسی ہیں) راوی کو شک ہوا کہ آپ ﷺ نے لفظ خصلتین فرمایا تھا یا خلتین ویسے دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔ جنہیں جو بھی بندہ مسلمان اختیار کرتا ہے (یعنی اس روایت میں لا یحصیہما رجل مسلم کے بجائے لا یحافظ علیہما عبد مسلم ہے) اسی طرح ابو داؤد کی روایت میں والف خمسانة فی المیزان کے بعد یہ الفاظ ہیں کہ تکبیر کہے چونتیس بار جب کہ اپنے بستر پر آئے اور حمد کرے تینتیس بار اور تسبیح کرے تینتیس بار۔ نیز مصابح کے اکثر نسخوں میں یہ روایت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے یعنی مؤلف مشکوٰۃ نے تو اس روایت کو عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے جب کہ مصابح کے اکثر نسخوں میں اس حدیث کے راوی عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔

دن اور رات میں حاصل ہونے والی نعمتوں کے شکر کی ادائیگی:

منقول ہے کہ ایک دن حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کیا کہ ”پروردگار اتنی ہی بہت زیادہ نعمتیں مجھے حاصل ہیں میں ان کا شکر کس طرح ادا کروں! پروردگار نے فرمایا: اگر تم نے یہ جانا کہ تمہیں نعمتیں جو حاصل ہیں وہ سب میری ہی طرف سے ہیں تو کبھو کہ تم نے ان کا شکر ادا کیا۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ إِذَا أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ اللَّهُمَّ رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَرَبِّ كُلِّ شَيْءٍ فَاقْبَلْ الْحَبَّ وَالنَّوَى مُنْزِلَ التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ أَعُوذُكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ ذِي شَرٍّ أَنْتَ اجْزُبْنَا صَبِيحَهُ أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ

الْأَجْرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُونَكَ شَيْءٌ اِقْضِ عَنِّي الدَّيْنَ وَاعْبِنِي مِنَ الْفَقْرِ

(رواہ ابو داؤد والنسائی وابن ماجہ ورواہ مسلم مع اختلاف يسير)

ابو داؤد کتاب الادب ج ۵۰ ص ۵۱

”اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جب اپنے بستر پر تشریف لاتے تو یہ دعا پڑھتے: اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ فَاقِ الْوَحْيَ وَالْوَيْ مَنَزَلَ التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلَ وَالْقُرْآنَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ ذِيْ شَرٍّ اَنْتَ اِخْدُ بِنَا صِيَّتِهِ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَيْءٌ اِقْضِ عَنِّي الدَّيْنَ وَاعْبِنِي مِنَ الْفَقْرِ (حصن حصین میں ہے کہ یہ دعا سوتے وقت لیٹ کر پڑھی جائے) ابو داؤد و ترمذی ابن ماجہ امام مسلم نے اس روایت کو تھوڑے سے فرق کے ساتھ نقل کیا ہے۔“

بے خوابی دور کرنے کی دعا:

حصین حصین میں ہے کہ اس روایت کو طبرانی نے اوسط میں اور ابن ابی شیبہ نے نقل کیا ہے لیکن ان روایتوں میں لفظ جَمِيعًا کی بجائے اَجْمَعِينَ ہے اور لفظ يَبْقَى کی بجائے يَطْفَى اور اسی طرح وَجَلَّ فَنَافَاوَتْ سے آخر تک کے الفاظ ان کی روایت میں نہیں ہے بلکہ عز جارك کے بعد و تبارك اسمك ہے اور اسی جملہ پر روایت ختم ہو گئی ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَصْبَحَ قَالَ أَصْبَحْنَا وَأَصْبَحَ الْمَلِكُ لِلَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَالْكَبْرُ لِلَّهِ وَالْعِظَمَةُ لِلَّهِ وَالْخَلْقُ وَالْأَمْرُ وَاللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَمَا سَكَنَ فِيهِمَا لِلَّهِ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَوَّلَ هَذَا النَّهَارِ صَلَاحًا وَاَوْسَطَهُ نَجَاحًا وَاٰخِرَهُ فَلَاحًا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ذَكَرَهُ النُّوَوِيُّ فِيْ كِتَابِ اَلَا ذِكَارِ بِرِ وَاِيَةِ ابْنِ السِّنِّيِّ

”اور حضرت عبداللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب صبح ہوتی رسول اللہ ﷺ یہ دعا پڑھتے۔ اَصْبَحْنَا وَاَصْبَحَ الْمَلِكُ لِلَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَالْكَبْرُ لِلَّهِ وَالْعِظَمَةُ لِلَّهِ وَالْخَلْقُ وَالْأَمْرُ وَاللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَمَا سَكَنَ فِيهِمَا لِلَّهِ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَوَّلَ هَذَا النَّهَارِ صَلَاحًا وَاَوْسَطَهُ نَجَاحًا وَاٰخِرَهُ فَلَاحًا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ صبح کی میں نے اور صبح کی ملک نے جو خدا کے لئے تمام تعریفیں خدا کے لئے ہیں اور بزرگی ذات و صفات کی خدا ہی کے لئے ہے اور حکم دن اور رات اور چیزیں دن رات میں آرام پاتی ہیں۔ سب خدا ہی کے لئے ہیں اے اللہ اس دن کے ابتدائی حصہ کو نیکی کا بنا یعنی یہ کہ ہم اسے طاعات میں صرف کریں اور اس کا درمیانی حصہ حاجات کے پورا ہونے کا اور اس کے آخری حصہ کو نجات کا سبب بنا اے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے۔ اس حدیث کو نووی نے ابن سنی کی روایت کے ساتھ کتاب الاذکار میں نقل کیا ہے۔“

صبح کے وقت آنحضرت ﷺ کی دعا:

جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے جس دعا کو رحم الراحمین پر ختم کیا جائے وہ تہلہ قبول ہوتی ہے اسی لئے آنحضرت ﷺ نے اس دعا کو انہیں الفاظ پر ختم کیا۔ حاکم نے

مستدرک میں ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے بطریق مرفوع بیان کیا ہے کہ یا ارحم الراحمین کہنے والوں پر اللہ تعالیٰ فرشتے متعین فرما دیتا ہے چنانچہ جو شخص اس جملہ کو تین بار کہتا ہے تو وہ فرشتہ اس سے کہتا ہے کہ ارحم الراحمین تیری طرف متوجہ ہے جو مانگتا ہے مانگ لو۔

وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَنبَزٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا أَصْبَحَ أَصْبَحْنَا عَلَى فِطْرَةِ الْإِسْلَامِ وَكَلِمَةِ الْإِسْلَامِ وَغَلَى دِينِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَى مِلَّةِ آبَائِنَا إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (رواه احمد والدارمی)

”اور حضرت عبدالرحمن بن انبزی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ صبح کے وقت یہ فرماتے: أَصْبَحْنَا عَلَى فِطْرَةِ الْإِسْلَامِ وَكَلِمَةِ الْإِسْلَامِ وَغَلَى دِينِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَى مِلَّةِ آبَائِنَا إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ صبح کی ہم نے دین اسلام پر اور کلمہ توحید پر کہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے اور اپنے نبی محمد ﷺ کے دین پر اور اپنے باپ ابراہیم کے دین پر جو باطن سے بیزار ہو کر دین حق کی طرف متوجہ تھے اور ابراہیم شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھے۔“

(احمد دارمی)

”اپنے نبی محمد ﷺ کے دین پر“ ان الفاظ سے ظاہری طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ خود بھی اپنی ذات کی طرف مبعوث فرمائے گئے اسی طرح آپ ﷺ کو بھی اپنی ذات کی طرف مبعوث تھے یا پھر ان الفاظ کے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ آپ ﷺ نے امت کو سکھانے کے لئے فرمایا کہ دعا میں اس طرح کہا جائے۔

مختلف اوقات کی دعاؤں کا بیان

جو اذکار یعنی دعائیں وغیرہ شارع سے کسی بھی وقت اور کسی بھی حالت سے متعلق منقول ہیں ان کو اختیار کرنا اور ان اذکار کو ان کے منقول اوقات میں پورا کرنا ہر شخص کے لئے مسنون ہے اگر ان اذکار کو پابندی کے ساتھ اختیار کیا جائے تو کیا ہی کہنے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو کم سے کم ایک مرتبہ تو ضرور ہی پورا کیا جائے تاکہ آنحضرت ﷺ کی اتباع کی سعادت حاصل ہو جائے۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”جب تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی یا لونڈی کے پاس صحبت کے لئے آئے تو دعا پڑھے اگر اس وقت (ان دونوں) مرد عورت کے جماع کے نتیجہ میں فرزند دیا جانا مقدر ہوا (یعنی بچہ پیدا ہوا) تو اس (بچہ) کو شیطان کبھی ضرر نہیں پہنچائے گا اور وہ دعایہ ہے بِسْمِ اللَّهِ اللَّهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا ہم مدد چاہتے ہیں اللہ کے نام کے ساتھ اے اللہ تو ہمیں جو اولاد نصیب کرے اے شیطان سے اور شیطان کو اس سے دور رکھ۔“

اولاد کو شیطان سے کیسے محفوظ رکھا جاسکتا ہے:

اگر یہ اشکال پیدا ہو کہ اکثر لوگ یہ دعا پڑھتے ہیں مگر اس کے باوجود ان کی اولاد شیطان کے تصرف اور اس کے ضرر سے محفوظ نہیں رہتی؟ تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ ”شیطان کبھی ضرر نہیں پہنچائے“ سے مراد یہ ہے کہ شیطان انہیں کفر کی کھانسیوں میں نہیں پھینک سکتا لہذا اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ صحبت کے وقت ذکر اللہ کی برکت سے اولاد خاتمہ بخیر کی سعادت ابدی سے نوازی جاتی ہے یا پھر اس کے معنی

یہ ہیں کہ شیطان اس کی اولاد کو آسیب اور صرع (یعنی ہاتھ پاؤں ٹیڑھے) کر دینے یا اسی قسم کی دوسری بلاؤں میں مبتلا کر کے ضرر پہنچانے پر قادر نہیں رہتا۔

حضرت امام جوزی کے قول کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان اس شخص کی اولاد کے دین و اعتقاد پر اثر انداز نہیں ہوتا اور جس طرح کہ شیطان دوسروں کے صحیح اعتقادات اور دینی رجحانات میں نقصان پہنچاتا ہے ان کی بہ نسبت اس شخص کی اولاد کے حق میں اس کا ضرر و نقصان بے اثر رہتا ہے۔

آپ کے شوہر کا غصہ دور کرنے کا ایک نسخہ کیا:

وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ صُرَدٍ قَالَ اسْتَعَبَ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ عِنْدَهُ جُلُوسٌ وَأَخَذَ هُمَا يَسُبُّ صَاحِبَهُ مُغَضِبًا قَدْ احْمَرَّ وَجْهُهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْنِي لَا عَلِمَ كَلِمَةٌ لَوْ قَالَهَا لَذْهَبَ عَنْهُ مَا يَجِدُ مِنَ الْغَضَبِ أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ فَقَالُوا لِلرَّجُلِ أَلَا تَسْمَعُ مَا يَقُولُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ابْنِي لَسْتُ بِمَجْنُونٍ (متفق عليه)

صحیح مسلم: کتاب البر والصلة، باب من يملك نفسه، ج ۲، ص ۶۱۰۔

”اور حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک (دن) ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ کی مجلس میں دو آدمی آپس میں ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے ان میں سے ایک آدمی تو دوسرے کو بہت ہی برا بھلا کہہ رہا تھا وہ غصہ میں بھرا ہوا تھا اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے (اس کی یہ کیفیت دیکھ کر) فرمایا ”کہ میں ایک کلمہ جانتا ہوں اگر یہ شخص اس کلمہ کو پڑھے تو اس کا غصہ جاتا رہے جو اس

پر سوار ہے اور وہ کلمہ یہ ہے أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ (میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں شیطان مردود سے) صحابہؓ نے جب یہ دیکھا کہ اس شخص نے کلمہ نہیں پڑھا تو اس سے کہا کیا تم سن نہیں رہے ہو۔ آنحضرت ﷺ کیا فرما رہے ہیں؟ اس شخص نے کہا کہ ”میں کوئی دیوانہ نہیں ہوں“۔ (بخاری)

غصہ فرو کرنے کی ایک بے مثل تدبیر:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غصہ فرو کرنے کا بڑا آسان طریقہ یہ ہے کہ اَعُوذُ بِاللَّهِ پڑھ لیا جائے اس سے غصہ فرو ہو جائے گا اس حدیث کی بنیاد یہ آیت ہے وَإِنَّمَا يَنْزِعُ عَنْكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ اور اگر تمہیں شیطان بہکا کر اپنے جال میں پھانسے تو اللہ سے پناہ مانگو بلاشبہ وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

جس شخص کو آنحضرت ﷺ نے یہ کلمہ تعلیم فرمایا وہ علم شریعت کے زیور سے آراستہ نہیں تھا اور دین کی سمجھ سے بالکل کور تھا۔ چنانچہ اس کے ذہن میں یہ بات آئی کہ یہ کلمہ پڑھنے کے لئے اس شخص کو کہا جاتا ہے جو دیوانگی میں مبتلا ہو میں دیوانگی میں مبتلا نہیں ہوں اس لئے یہ کلمہ کیوں پڑھوں۔

آنحضرت ﷺ کی اس تعلیم کی طرف اس شخص کی بے اعتنائی کے سلسلہ میں علامہ طبریؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ وہ شخص منافق رہا ہو یا پھر پرلے درجے کا بدخواہ اور گنوار۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا لَقِيتُ مِنْ غَرَبٍ لَدَى غَنِيِّ لُبَارِحَةَ قَالَ أَمَا لَوْ قُلْتُ حِينَ أَمْسَيْتُ أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ الثَّمَانِيَةِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ لَمْ تَضُرَّكَ .

صحیح مسلم کتاب الذکر والدعاء باب التعوذ من سوء القضاء ح

۲۷۰۹

”اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا ”یا رسول اللہ! میں ایک بچھوکی وجہ سے اذیت میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ جس نے گزشتہ رات میں مجھے ڈس لیا تھا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جان لو! اگر تم شام کے وقت یہ کلمات کہہ لیتے تو (بچھو) تمہیں ضرر نہ پہنچاتا اور وہ کلمات یہ ہیں اَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ الثَّامَاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ“ (مسلم)

رات میں ضرر و نقصان سے بچانے والی دعا:

ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ جو شخص (ان مذکورہ بالا) کلمات کو شام کے وقت تین مرتبہ پڑھ لے تو اسے اس رات میں (کسی بھی زہریلے جانور) کا زہر ضرر نہیں پہنچائے گا۔ نیز ایک روایت میں ان کلمات کو صبح کے وقت بھی پڑھنا منقول ہے یعنی اگر ان کلمات کو صبح کے وقت پڑھا جائے تو اس دن زہریلے جانوروں سے حفاظت رہتی ہے۔

حضرت مفصل بن یسار رضی اللہ عنہ جو صحابی ہیں سے منقول ہے کہ جو شخص ان کلمات کو پڑھتا ہے اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے متعین کئے جاتے ہیں جو اس شخص کے لئے بخشش کی دعا کرتے ہیں نیز وہ شخص اگر اسی حالت میں مر جاتا ہے تو شہید مرتا ہے۔

وَعَنْ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ دَخَلَ السُّوقَ فَقَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَخَذَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْخِمْدُ يُحْيَى وَيُمِيتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ بَيْنَهُ

الْخَيْرُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ كَتَبَ اللَّهُ لَهُ أَلْفَ أَلْفٍ حَسَنَةً وَمُحِيَ عَنْهُ أَلْفَ أَلْفٍ سَيِّئَةٍ وَرَفَعَ لَهُ أَلْفَ أَلْفٍ دَرَجَةً وَبَنَى لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ (رواه الترمذی وابن ماجہ وقال الترمذی هذا حديث غريب وفي شرح السنة من قال

فی سوق جامع بیاع فیہ بدل من دخل السوق)

جامع الترمذی السنن کتاب الدعوات باب ما یقول اذا دخل السوق ح ۳۴۲۸

”اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص بازار میں پہنچ کر یہ کلمات پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے دس لاکھ نیکیاں لکھتا ہے اس سے دس لاکھ برائیاں دور کرتا ہے اس کے لئے دس لاکھ درجے بلند کرتا ہے اور اس کے لئے جنت میں گھر بناتا ہے اور وہ کلمات یہ ہیں: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَخَذَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْخِمْدُ يُحْيَى وَيُمِيتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ بَيْنَهُ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ہیکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کے لئے

بادشاہت ہے اور اس کے لئے تعریف ہے وہ زندہ ہے اور وہی مارتا ہے وہ (ہمیشہ ہمیش کے لئے) زندہ ہے اس کے لئے موت نہیں ہے۔ اس کے ہاتھ میں بھلائی ہے اور وہ چیز پر قادر ہے) (ترمذی ابن ماجہ) امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔ نیز شرح السنۃ میں ومن دخل السوق (جو شخص بازار میں پہنچ کر) کی بجائے یہ ہے من قال فی سوق جامع بیاع فیہ (جو بازار میں جہاں خرید و فروخت ہوتی ہو جہاں اکثر چیزیں بکتی ہوں یہ کلمات کہے۔“

بازار میں پڑھنے کی دعا اور اس کی فضیلت:

اتنا زیادہ ثواب ملنے کی وجہ یہ ہے کہ بازار غفلت کی جگہ ہے نیز بازار ایک ایسی جگہ ہے جہاں عام طور پر جھوٹ، دغا، مکر و فریب اور چال بازیوں کی کثرت ہوتی ہے پھر یہ کہ بازاروں کو شیاطین کی سلطنت کہا جاتا ہے اس لئے اسی جگہ میں اللہ کو یاد کرنے سے بہت زیادہ ثواب ملتا ہے۔

اور فرمانبردار بیٹیو! آپ کو تو ویسے بھی اشد ضرورت ہے کہ اس دعا کو اچھی طرح یاد کر لیں کیونکہ آپ نے تو فقط دل بہلانے کو ہی اکثر بازار جانا ہوتا ہے اور اس کو آپ "ونڈو شاپنگ" کا نام دیتی ہیں۔ سبحان اللہ! یعنی کوئی چیز خریدنی نہیں فقط دیکھنی ہے۔

وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الْكُفْرِ وَالذَّنِّ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَتَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الْكُفْرِ بِاللَّذِينَ قَالَ نَعَمْ وَفِي رَوَايَةٍ أَلَلَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ قَالَ رَجُلٌ وَيَعْدِلَانِ قَالَ نَعَمْ - (رواہ النسائی)

"اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کلمات فرماتے سنا ہے: اَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الْكُفْرِ وَالذَّنِّ (یعنی میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کفر اور قرض سے) ایک شخص نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! کیا آپ (ﷺ) نے کفر کو قرض کے برابر کر دیا؟" آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ہاں" اور ایک روایت میں یہ دعا منقول ہے: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ یعنی اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں کفر سے اور فقر سے۔ (یہ سن کر) ایک شخص نے عرض کیا کہ "کیا کفر اور فقر دونوں

برابر ہو سکتے ہیں؟" آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ہاں!"۔ (نسائی)

کفر اور قرض سے پناہ مانگنی چاہئے:

"کفر اور قرض" کو برابر اس لئے فرمایا کہ قرض کی وجہ سے انسان جھوٹ بولتا ہے، مکاری کرتا ہے اور وعدہ کے خلاف کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بدترین خصالتیں کفار اور منافقین ہی میں ہوتی ہیں۔

"کفر" اور "فقر" کو برابر بایں معنی کیا گیا ہے کہ فقر کی وجہ سے انسان بے صبری کرتا ہے اپنی قسمت کو کوستا ہے، تقدیر کا گلہ کرتا ہے اپنی زبان سے ایسے الفاظ نکال بیٹھتا ہے جو کفر کا باعث ہوتے ہیں۔

ہر وقت کی مصروفیت سے پناہ مانگنے کی دعا:

فرمانبردار بیٹیو!

آپ کی زندگی جو کہ ایک انتہائی اچھے اور سنبھلے ہوئے طریقے پر گزر رہی تھی شادی کے فوراً ہی بعد آپ کی زندگی ایک نئی طرح کی مصروفیات میں گھر گئی ہے اور یقین جاسے کہ آگے آگے مصروفیات بڑھتی ہی جاتی ہیں۔ کچھ تو اللہ کی طرف سے ہی آپ کو سونپ دی جائیں گی اور بے شمار آپ نے خود ہی اپنے آپ پر ڈال دی ہوں گی۔ اس واسطے اس دعا کو بالخصوص یاد کیجئے تاکہ اللہ عزوجل آپ کو کچھ وقت فراغت کی بابت بھی مہیا کرے۔ آمین

جو سب کو سنوارتی ہے وہ اپنے آپ کو سنوارنے کا وقت بھی نکال سکے:

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يَزِيدٍ الْخَطَمِيِّ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ فِي دُعَائِهِ أَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يَنْفَعُنِي حُبُّهُ عِنْدَكَ أَللّٰهُمَّ مَا رَزَقْتَنِي مِمَّا أَحْبَبْتُ فَأَجْعَلْهُ قُوَّةً لِي فِيْهِمَا تَحِبُّ أَللّٰهُمَّ مَا رَزَوْتَنِي عَنِ مِمَّا

أَحِبُّ فَاجْعَلْهُ قَرَا غَالِي فِيمَا تُحِبُّ (رواه الترمذی)

جامع الترمذی، کتاب الدعوات، ح ۳۴۹۱۔

”اور حضرت عبداللہ بن یزید عظمیٰ رسول اللہ ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنی دعا میں یہ فرمایا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ حَبِيْثًا وَحَبِيْثًا مِّنْ يَّنْفَعْنِيْ حَبِيْثًا عِنْدَكَ اَللّٰهُمَّ مَا رَزَقْتَنِيْ مِمَّا اَحِبُّ فَاجْعَلْهُ قُوَّةً لِّيْ فِيمَا تُحِبُّ اَللّٰهُمَّ مَا رَزَقْتَ عَنِّيْ مِمَّا اَحِبُّ فَاجْعَلْهُ قَرَا غَالِي فِيمَا تُحِبُّ اے اللہ! مجھے نصیب کر اپنی محبت اور اس شخص کی محبت جس کی محبت تیرے نزدیک مجھے نفع دے اے اللہ تو نے مجھے اس چیز میں سے جسے میں پسند کرتا ہوں جو کچھ بھی عطا کیا ہے اس کو میرے لئے اس چیز میں قوت کا سبب بنا جسے تو پسند کرتا ہے۔ (یعنی تو نے مال و زرعاقت و الطمینان اور دوسری دنیاوی نعمتوں میں سے جو کچھ بھی عطا فرمایا ہے اور ان کو شکرگزاری اور اپنی طاعت کا سبب بنا کہ میں اسے تیری راہ میں اور تیری خوشنودی کے لئے خرچ کرو۔ اے اللہ تو نے مجھے اس چیز میں سے جسے میں پسند کرتا ہوں جو کچھ نہیں دیا ہے اس کو میرے لئے اس میں فراغت کا سبب بنا جسے تو پسند کرتا ہے۔“ (ترمذی)

محبت الہی کی طلب کے لئے دعا:

دعا کے آخری جز کا مطلب یہ ہے کہ تو نے مجھے مال و زر میں سے جو کچھ نہیں دیا ہے اس کو میرے لئے اپنی عبادت میں مشغولیت کا سبب بنا کہ مجھے قناعت و توکل کی دولت حاصل رہے اور وہ مال و زر جو مجھے حاصل نہیں ہوا ہے اس سے بے پرواہ ہو کر بغیر مانع کے تیری عبادت میں مشغول رہوں اور حاصل دعا کے آخری دونوں جملوں کا یہ ہے کہ اگر تو مجھے دنیا کی نعمتیں عطا کرے تو پھر ان کا شکر ادا کرنے کی توفیق بھی عطا فرما کہ میرا شکر کرنے والے اغنیاء کے زمرہ میں ہو اور اگر مجھے وہ نعمتیں حاصل نہ

ہوں تو میرے دل کو فارغ رکھ بایں طور کہ میں ان سے بے پرواہ ہو جاؤں میرا دل ان میں نہ لگا رہے۔ میں پورے اطمینان کے ساتھ تیری عبادت میں مشغول رہوں اور جزع و فزع، شکوہ و شکایت نہ کروں کہ میرا شمار صبر کرنے والے فقراء میں ہو۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَلَّمَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُومُ مِنْ مَجْلِسٍ حَتَّى يَذْغُو بِهِوَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا ضَرَابَةَ إِلَهُمْ أَقْسَمَ لَنَا مِنْ حَشِيَّتِكَ مَا تَحُولُ بِهِ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَا صِيكَ وَمِنْ طَاعَتِكَ مَا تُبَلِّغُنَا بِهِ جَنَّتِكَ وَمِنَ الْيَقِيْنِ مَا تُهَوِّنُ بِهِ عَلَيْنَا مُصِيبَاتِ الدُّنْيَا وَمَتَّعُنَا بِأَسْمَاعِنَا وَأَبْصَارِنَا وَقُوَّتِنَا مَا أَحْبَبْتَ وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا وَاجْعَلْ ثَوْبَنَا عَلَى مَنْ ظَلَمْنَا وَانْصُرْنَا عَلَى مَنْ عَادَانَا وَلَا تَجْعَلْ مُصِيبَتَنَا فِي دِينِنَا وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا أَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَا يَرْحَمُنَا

(رواه الترمذی وقال حدیث حسن غریب)

جامع الترمذی، کتاب الدعوات، ح ۳۵۰۲۔

”اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کسی مجلس سے اٹھتے ہوں اور ان کلمات کے ذریعے اپنے صحابہ کے لئے دعا نہ مانگتے ہوں۔ (کیونکہ مجلس اور دعا میں صحابہ بھی شامل ہوتے تھے یا یہ کہ ان کی تعلیم کے لئے یہ دعا مانگتے تھے: اَللّٰهُمَّ اَقْسِمُ لَنَا مِنْ حَشِيَّتِكَ مَا تَحُولُ بِهِ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَا صِيكَ وَمِنْ طَاعَتِكَ مَا تُبَلِّغُنَا بِهِ جَنَّتِكَ وَمِنَ الْيَقِيْنِ مَا تُهَوِّنُ بِهِ عَلَيْنَا مُصِيبَاتِ الدُّنْيَا وَمَتَّعُنَا بِأَسْمَاعِنَا

وَأَصْمَرَ بِنَا وَفَوَّ بِنَا مَا أَحْبَبْنَا وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا وَاجْعَلْ ثَارَنَا عَلَى مَنْ ظَلَمْنَا وَانصُرْنَا عَلَى مَنْ عَادَاكَ وَلَا تَجْعَلْ مَصِيبَتَنَا فِي دِينِنَا وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا أَكْبَرَ هَمِّمِنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا تَسْلُطْ عَلَيْنَا مَنْ لَا يَرْحَمُنَا اے اللہ! تو ہم میں اپنا اتنا خوف پیدا کر دے کہ تو اس کی وجہ سے ہمارے اور گناہوں کے درمیان حائل ہو جائے (یعنی اس خوف کی وجہ سے ہم گناہوں سے بچیں) اور ہمیں اپنی اتنی اطاعت نصیب کر کہ اس کی وجہ سے ہمیں بہشت کے (عالی درجات) میں پہنچا دے ہمیں اتنا یقین عطا فرما کہ اس کی وجہ سے تو ہم دنیا پر دنیا کی مصیبتیں آسان کر دے ہمیں ہمارے سامعین ہماری بیانیوں اور ہماری قوتوں سے اس وقت تک بہرہ مند رکھ جب تک کہ تو ہمیں زندہ رکھے اور بہرہ مندی کو ہمارا ورثہ قرار دے یعنی ہمارے تمام اعضاء و حواس کو آخر تک برقرار و سلامت رکھ ہمارے کینہ و انتقال میں اس شخص کو مبتلا کر جس نے ہم پر ظلم کیا (یعنی ہمیں اتنی طاقت و قوت دے کہ ہم اپنے ظالموں سے بدلہ لے سکیں یا ہماری طرف سے تو ان سے بدلہ لے) ہمیں فتح عطا فرما اس شخص سے جو ہم سے دشمن رکھے خواہ وہ ہمارا دینی دشمن ہو یا دنیاوی دشمن ہماری مصیبتوں کو ہمارے دین میں موثر نہ کر (یعنی ہمیں ایسی مصیبتوں میں مبتلا نہ کر جو دین کے نقصان کا باعث ہوں) دنیا کو ہمارے لئے فکر کا مرکز اور ہمارے مصلح علم کو ہمارا مطمع نظر بنا اور ہم پر ان لوگوں کو مسلط نہ کر جو ہم پر رحم نہ کریں۔ امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

ایک عمدہ دعا:

”ہمیں اتنا یقین عطا فرما“ کا مطلب یہ ہے کہ تو اپنی ذات و صفات پر اور سرکارِ دو عالم ﷺ کے ارشادات و تعلیم پر ہمیں اس درجہ کا یقین و اعتماد عطا فرما کہ دنیا کی

سختیاں اور یہاں کے مصائب و آلام ہمارے لئے آسان ہوں۔ مثلاً جس شخص کو یہ یقین ہوگا کہ اللہ تعالیٰ رزاق ہے ہر جاندار کی ضروریات زندگی پورا کرتا ہے تو اسے ہر گز کوئی فکر نہیں ہوگی اور وہ اس کی ذات پر بھروسہ و اعتماد کرے گا اسی طرح جسے اس یقین کی دولت حاصل ہو جائے گی کہ آخرت کی سختیاں اور وہاں کے مصائب زیادہ سخت ہیں۔ دنیا کی سختیاں بالکل ناپائیدار اور ختم ہو جانے والی ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے تو اس کے لئے دنیا کی مصیبتیں آسان ہو جائیں گی۔

ہم دنیا کی بہت زیادہ فکر و تدبیر میں نہ لگے رہیں۔ بلکہ آخرت کی فکر و دہیں کے اندیشہ کا زیادہ خیال رکھیں دنیا کی صرف اتنی ہی فکر اور اپنے معاش کا اتنا ہی خیال رکھیں جو ضروری ہے اور جس کے لئے نہ صرف ہمیں اجازت ہے بلکہ مستحب بھی ہے۔

ایک دعا جس کی وجہ سے شوہر و سسرالی رشتوں میں آپ کی عزت ان شاء اللہ بڑھ جائے گی:

وَعَنْ أَبِي الدُّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ مِنْ دُعَاءِ دَاوُدَ يَقُولُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ وَالْعَمَلَ الَّذِي يُبْلِغُنِي حُبَّكَ اللَّهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي وَمَا لِي وَآهْلِي وَمِنْ الْمَاءِ الْبَارِدِ قَالَ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ذَكَرَ دَاوُدَ يُحَدِّثُ عَنْهُ يَقُولُ كَانَ أَغْبَدَ النَّبَشَرِ.

(رواہ الترمذی وقال هذا حدیث حسن غریب)

جامع الترمذی کتاب الدعوات ج ۱ ص ۴۹۰۔

”اور حضرت ابو دواء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد

فرمایا: حضرت داؤد علیہ السلام کی دعاؤں میں سے ایک یہ بھی تھی: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّكَ وَالْعَمَلَ الَّذِیْ یُبَلِّغُنِیْ حُبَّكَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ وَمَا لِیْ وَاهِلِیْ وَمِنْ الْمَاءِ الْیَّارِدِ اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں تیری محبت اور اس شخص کی محبت جو تجھ سے محبت رکھے اور وہ عمل جو مجھے تیری محبت تک پہنچا دے۔ اے اللہ! تو اپنی محبت کو میرے لئے میری جان سے، میرے مال سے، میرے اہل و عیال سے اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ عزیز بنا دے۔ راوی کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ جب حضرت داؤد علیہ السلام کی باتیں بیان فرماتے تو فرماتے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے زمانہ کے آدمیوں میں بڑے عابد تھے۔ امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

شکر گزار ہونے کی دعا:

نصیحت سے مراد بندوں کے حقوق ہیں اور ”وصیت“ سے مراد اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا یا! تو نے لوگوں کے حقوق ادا کرنے کا مجھے جو حکم دیا ہے اور اپنے حقوق کی ادائیگی کا جو فریضہ مجھ پر عائد کیا ہے اس پر محاذ فطرت کروں یعنی دونوں قسم کے حقوق ادا کرتا ہوں۔

اہل و عیال کو بیماریوں سے دور رکھنے کی دعا:

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ الصِّحَّةَ وَالْعِفَّةَ وَالْاَمَانَةَ وَحُسْنَ الْخُلُقِ وَالرِّضَى بِالْقَدَرِ

”اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا

کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ الصِّحَّةَ وَالْعِفَّةَ وَالْاَمَانَةَ وَحُسْنَ الْخُلُقِ وَالرِّضَى بِالْقَدَرِ یعنی بری بیماریوں سے بدن کی سلامتی و تندرستی یا افعال و احوال و اعمال کی درستی و اصلاح اور حرام سے اجتناب اور امانت (یعنی لوگوں کے اموال میں یا شریعت کے تمام حقوق میں خیانت نہ کروں اور بہترین اخلاق اور تقدیر پر رضا۔

وَعَنْ اُمِّ مَعْبُدٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قُلُوبِیْ مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِیْ مِنَ الرِّیَاءِ وَلِسَانِیْ مِنَ الْكُذْبِ وَعَيْنِیْ مِنَ الْخِيَانَةِ فَاِنَّكَ تَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُورُ

(رواہما الیہقی فی الدعوات الکبیر)

”اور حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ دعا مانگتے سنا ہے: اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قُلُوبِیْ مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِیْ مِنَ الرِّیَاءِ وَلِسَانِیْ مِنَ الْكُذْبِ وَعَيْنِیْ مِنَ الْخِيَانَةِ فَاِنَّكَ تَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُورُ اے اللہ! پاک کر میرے دل کو نفاق سے، میرے عمل کو ریا سے، میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھ کو خیانت (یعنی نظر حرام) سے بے شک تو جانتا ہے آنکھوں کی خیانت کو اور اس چیز کو کہ دل میں پوشیدہ ہے یعنی خواہشات اور گناہ۔ یہ دونوں روایتیں بیہقی نے دعوات کبیر میں نقل کی ہیں۔“

خصائل بد سے بچنے کی دعا:

مردوں کی ایک جماعت کہیں بیٹھی ہوئی ہے اچانک ایک عورت ان کے سامنے سے گزرتی ہے اور وہ سب مرد ایک دوسرے کی شرم سے اس عورت کی طرف نظر

اٹھانے کی ہمت نہیں کرتے ہیں چنانچہ جب وہ سب اپنی نظریں نیچی کر لیتے ہیں تو ان میں سے ایک شخص سب کی نگاہوں سے بچ کر اپنی نظر اٹھاتا ہے اور پوری سے اس عورت کو دیکھ لیتا ہے یہی آنکھوں کی خیانت ہے۔

وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَادَ رَجُلًا مِّنَ الْمُسْلِمِينَ قَدْ خَفَتْ قَصَارًا بِمَثَلِ الْفَرْخِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ كُنْتَ تَدْعُو اللَّهَ بِشَيْءٍ أَوْ تَسْأَلُهُ إِيَّاهُ قَالَ نَعَمْ كُنْتُ أَقُولُ اللَّهُمَّ مَا كُنْتُ مُعَاقِبِي بِهِ فِي الْأُخْرَةِ فَعَجَّلْهُ لِي فِي الدُّنْيَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبْحَانَ اللَّهِ لَا تَطِيقُهُ وَلَا تَسْتَطِيقُهُ أَفَلَا قُلْتَ اللَّهُمَّ إِنِّي فِي الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَفِي الْأُخْرَةِ حَسَنَةٌ وَقَدْ عَذَّبَ النَّارَ قَالَ قَدَعَا اللَّهُ بِهِ فَشَفَاهُ اللَّهُ

صحیح مسلم کتاب الذکر والدعاء باب کراهۃ الدعاء بتعجیل العقوبۃ فی الدنیا ح ۲۲۸۸۔

”اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ایک مسلمان کی عیادت کی جو پرندے کے ایک بچے کی مانند ضعیف ہو گیا تھا رسول اللہ ﷺ نے (اس کی حالت دیکھ کر) فرمایا کہ ”کیا تم اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کی دعا مانگا کرتے تھے؟“ یا فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ سے کس چیز کی دعا مانگتے تھے؟ اس نے کہا کہ ہاں! میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگا کرتا تھا کہ خدایا اگر تو آخرت میں مجھے عذاب میں مبتلا کرنے والا ہو تو (اس کے بدلے) دنیا ہی میں وہ عذاب دینے میں جلدی کر۔“ آنحضرت ﷺ نے

(یہ سن کر) فرمایا ”تم نے بڑی عجیب دعا مانگی نہ تم (دنیا ہی میں) اللہ تعالیٰ کے عذاب کو برداشت کرنے کی طاقت رکھتے ہو اور نہ آخرت ہی میں تم اللہ کے عذاب کے متحمل ہو سکتے ہو۔ تم نے اس طرح کیوں نہ دعا مانگی۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةٌ وَفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةٌ وَقَدْ عَذَّبَ النَّارَ۔ اے اللہ! ہمیں عطا فرما دنیا میں بھلائی (یعنی عافیت) اور آخرت میں بھلائی (یعنی تقصیرات) اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔“

راوی کا بیان ہے کہ اس شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگنی شروع کی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے شفاء عطا فرمائی۔ (صحیح مسلم)

تسبیحات فاطمہؑ

جب آپ ﷺ کے ہاں آئے تو کامل محبت و شفقت کی وجہ سے ان دونوں کے درمیان تشریف فرما ہو گئے کیونکہ پیار و محبت اور شفقت و الفت کسی تکلف کی پابند نہیں ہوتی اس لئے کہا گیا ہے کہ اذا جاءت الالفه رفعت الکلفه (ترجمہ) جب الفت آئی تو تکلف اٹھا دی گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک ہی لحاف میں سوتے تھے۔

مذکورہ بالا کلمات کی ترتیب کے سلسلہ میں جزرئی نے شرح مصابیح میں کہا ہے کہ تکبیر پہلے ہے چنانچہ ابن کثیر فرمایا کرتے تھے کہ نمازوں کے بعد تو پہلے سبحان اللہ پڑھنا چاہئے اس کے بعد الحمد للہ اور پھر اللہ اکبر لیکن سوتے وقت پہلے اللہ اکبر ہی پڑھ لینا چاہئے۔ اس سلسلہ میں علماء لکھتے ہیں کہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اللہ اکبر کو کبھی تو پہلے پڑھا جائے اور کبھی بعد میں تاکہ اس بارہ میں منقول دونوں روایتوں ہی پر عمل ہو اور یکجا اولیٰ اور زیادہ بہتر ہے۔

ارشاد گرامی ”تمہارے لئے یہ چیز خادم سے زیادہ بہتر ہے“ کے ذریعہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دنیا کی مشقتوں اور تکالیف اور دنیاوی طور پر ناپسندیدہ چیزوں مثلاً مرض و فقر پر صبر کی ترغیب دلائی گئی ہے نیز اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ شکر کرنے والے مالدار کی بہ نسبت صبر کرنے والا مفلس زیادہ افضل ہے۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَتْ فَاطِمَةُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْأَلُهُ خَادِمًا فَقَالَ أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى مَا هُوَ خَيْرٌ مِنْ خَادِمٍ تَسْتَبْحِينَ اللَّهَ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ وَتَحْمَدِينَ اللَّهَ

ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ وَتُكَبِّرِينَ اللَّهَ أَرْبَعًا وَثَلَاثِينَ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ وَعِنْدَ مَنَاجِكَ (رواہ مسلم)

صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، ج ۲۷۲۸۔

”اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اس مقصد سے حاضر ہوئیں کہ آپ ﷺ سے کوئی خادم مانگیں لیکن آپ ﷺ سے ان کی ملاقات نہ ہو سکی۔ جب آنحضرت ﷺ کو یہ معلوم ہوا تو آپ ﷺ (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتا دوں جو خادم سے بہتر ہے۔ (اور وہ یہ ہے کہ) ہر نماز کے بعد اور سوتے وقت سبحان اللہ تینتیس بار اور الحمد للہ تینتیس بار اور اللہ اکبر چونتیس بار پڑھ لیا کرو۔“

دن بھر کی مشقت سے آرام:

سونے کے وقت ان تسبیحات کا پڑھنا دن بھر کی مشقت، محنت و کوفت اور ہر قسم کے رنج و غم کو دور کرتا ہے۔

اور آخر میں میری بھی یہی دعا ہے کہ اللہ عزوجل آپ کو اس ازدواجی زندگی میں کامیابیوں سے بہرہ ور کرے اور آپ کو شوہر، سرالی رشتہ داروں اور دیگر اعزاء و اقرباء سے ہر طرح کا آرام، بہم پہنچائے اور آپ کو قدم قدم پہ راحت و آسائش مہیا کرے اور کبھی آپ کو شوہر یا سرال والوں سے کسی قسم کے طعن یا باتیں کسی بھی بابت نہ سننے پڑیں اور آپ اتنی خوشی سے اپنے گھر میں بسیں کہ آپ کے والدین آپ کو دیکھ کر زندگی کے باقی ایام سکون سے گزار سکیں۔ آمین

عورت

جوہر مرد عیاں ہوتا ہے بے منت غیر!
غیر کے ہاتھ میں ہے جوہر عورت کی نمود
راز ہے اس کے تپ غم کا یہی نکتہ شوق
آتشیں لذتِ تخلیق سے ہے اس کا وجود
کھلتے جاتے ہیں اسی آگ سے اسرارِ حیات
گرم اسی آگ سے ہے معرکہ بود و نبود!
میں بھی مظلومی نسواں سے ہوں غمناک بہت
نہیں ممکن مگر اس عقدہ مشکل کی کشود!

حرفِ آخر

میں نے مناسب جانا کہ بطور اختتامیہ کچھ ”درود“ آپ بچیوں کے سامنے بیان کروں کیونکہ مجھے امید ہے کہ آپ نے اس کتاب کا مطالعہ اپنی اصلاح کی غرض سے کیا ہوگا اور کوئی ایسی عورت ہے جو اپنا گھر بسانا نہیں چاہتی اور یہ نہ چاہتی ہو کہ شوہر اور اس کے گھر میں وہ ہر آنکھ کا تارا ہو۔ اسی لئے کچھ نصیحتیں ”عرضِ مکرر“ کے طور پر کر رہا ہوں اور کوئی ناصح بن کر مصلح بن کر یا کسی اونچے عہدے پر متمکن ہو کر نہیں بلکہ وہ نصیحت بیان کر رہا ہوں جو کہ میں نے اپنی بیٹی کے ایک دفعہ ایم۔ اے انگلش کرنے کی خواہش کے اظہار پر کی تھی۔

یاد رکھئے!

آپ بچیوں میں ہزار گن ہیں آپ کی جتنی تعریف کی جائے وہ کم ہے۔ آپ والدین کی فرمانبردار ہوتی ہیں اور جتنے عرصے ان کے پاس رہتی ہیں ان کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور بن کر رہتی ہیں۔

جب نئے گھر جاتی ہیں تو چند ہی دنوں میں اس گھر میں بھی سب کی آنکھوں کا تارا بن جاتی ہیں۔ ساس، سر، آپ کی وجہ سے تن آسان ہو جاتے ہیں دیور کو آپ کی وجہ سے وقت پر کھانا ملنے لگتا ہے، ہندوؤں کو ایک سیما ہاتھ آ جاتا ہے جس کے حوالے سے ہر بات منوائی جاسکتی ہے، غرض آپ کی کن کن خوبیوں کا ذکر کروں۔

لیکن وہیں آج کی ”جدید ذہن والی دلہن“ کے دماغ میں کچھ شر پسند خواتین نے یہ بات بٹھا دی ہے کہ عورت اور مرد ہر میدان میں ہر شعبے میں اور ہر قدم پر اکٹھے چلیں تو پھر ہی عورت کی عزت ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

لوگوں کی بچیوں کو ورغلا نے کیلئے ”آزادی نسواں“ کا نعرہ:

آج کل اغیار نے ہم ہی میں سے کچھ لوگ مستعار ”بطور این۔ جی۔ او“ لے کر ہماری بچیوں کے اذہان کو پراگندہ کرنے کی خاطر ایک دل کش نعرہ گھڑا ہے کہ عورت کو ہر میدان میں مرد کے شانہ بشانہ کھڑے ہو جانا چاہیے۔

یاد رکھئے!

یہ جن خواتین نے پاکستان میں ”وومن رائٹس“ کے نام پر یہ تحریک چلائی واللہ! میں حیران و ششدر رہ گیا اس کتاب کی تیاری کے سلسلے میں جب ان کے افسر تعلقات عامہ سے رابطہ کیا اور دو چار ملاقاتیں کیں تو وہ بتانے لگے ”حضرت جی“ میں تو مجبوری سے یہ نوکری کر رہا ہوں ورنہ مجھے ان کے گورکھ دھندے کا خوب علم ہے۔ ان صاحبہ (جانتے ہوئے بھی نام نہیں لکھ رہا کہ ہم ”مولوی“ بہر حال یہ جانتے ہیں کہ بہن بیٹی کی عزت کتنی قابل قدر ہوتی ہے) کی اپنی تین بیٹیاں ہیں جو کہ آج تک کسی ہڑتال وغیرہ میں نہیں گئیں، جلے جلوس میں شامل نہیں ہوتیں اور نوکری بھی نہیں کرتیں بلکہ گھرداری سنبھالے ہوئے ہیں اور ہم اگر اپنی بیوی یا بہن کو جلے میں نہ لائیں تو نوکری سے ہی درخواست کر دیئے جائیں۔

اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ ہمیں ایسی نام نہاد خواتین کے چنگل سے بچائے اور انہیں واقعی خواتین کی بہبود کی خاطر کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے جو بھائی اپنی کسی مادی مجبوری کی آڑ لے کر ان کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں وہ بھی اگر کوئی اور صورت آمدنی کی پیدا کریں اور یاد رکھئے جب اللہ عزوجل ایک در بند کرتا ہے تو سو کھول بھی دیتا ہے۔

آپ آج کل تعلیم کے ہر میدان میں لڑکوں کو پیچھے چھوڑ چکی ہیں، مجھے اسی کتاب کی تیاری میں معلوم ہوا کہ اس وقت میڈیکل کے ”انٹری ٹسٹ“ میں ۷۰ فیصدی بچیاں

کا میاب ہو رہی ہیں اور ان میں سے اکثر محض نام و نمود کی خاطر میڈیکل کرتی ہیں اور بعد میں اس شعبے کو چھوڑ کر یا تو تدریس میں چلی جاتی ہیں یا وہی گھرداری میں ہنسی خوشی مشغول ہو جاتی ہیں۔

خدا را! اپنی ترجیحات کا تعین آپ خود کریں، ہمارا تو کام آپ کو فقط سمجھانا ہے۔ کیا جب شوہر آپ کو کھانا پکانے کا کہے گا یا گھر کے دیگر کام کرنے کی نوبت آئے گی تو آپ فزکس، کیمسٹری، بیالوجی کے فارمولے سے اس کا کوئی حل کریں گی۔

مجھے ان لوگوں سے بھی سخت اختلاف ہے جو عورت کو بالکل ہی اُچھٹا بنا ڈالنے کے خواہش مند ہیں اور چاہتے ہی نہیں کہ عورت دنیاوی تعلیم (بلکہ فقط ناظرہ کے علاوہ دینی تعلیم) بھی حاصل نہ کرے۔

اب وہ دور نہیں رہا اب ہمیں میڈیکل کے شعبے میں یقیناً اچھے دیندار گھرانے کی بچیوں کی ضرورت ہے، نرسنگ میں خواتین کی ضرورت ہے جو فقط بیمار خواتین کی تیمار داری کر سکیں۔

ایسی ایڈمنسٹریٹرز کی ضرورت ہے جو سکولوں، مدرسوں اور خواتین کے رفاہی اداروں کو سنبھال سکیں لیکن یہ بے لگام تعلیم جو آپ نے فقط سچ چلو تم اُدھر کو ہوا، وہ جدھر کو

کے تحت اپنا رکھی ہے اس نے آج کی بچیوں کو بے حد مشکل میں ڈال رکھا ہے۔

اب نہ تو آپ کے پاس قرآن پڑھنے کا ٹائم ہے نہ ترجمہ پڑھنے کا، نہ حدیث پڑھنے کا اور نہ ہی سیرت کی کتب کے مطالعہ کا۔

اب تو آپ کا سارا دن فقط میڈیکل کی ٹرمنر کو رٹا لگانے میں، اکاؤنٹنگ کے مسائل سلجھانے میں، آرٹس کے پیچیدہ اسرار و رموز پر تنقیدی نظر ڈالنے میں اور ایسے ہی مسائل کے حل میں گزرتا ہے جن کی بابت آپ نے عملی زندگی میں کبھی آنا ہی نہیں اور چاہے آپ ”گزشتہ سالوں کی حکومت کی جاری کردہ رپورٹس“ انٹرنیٹ سے ڈاؤن لوڈ

کر کے دیکھ لیں کہ حکومت کا لاکھوں روپیہ آپ خواتین کی دنیاوی تعلیم پہ صرف ہو رہا ہے اور جب آپ کو نوکری کرنے کا (اس لادین حکومت کی جانب سے) کہا جاتا ہے تو کچھ تو ”شوہر اور ساس کے دباؤ“ کے تحت نوکری نہیں کرتیں، کچھ خود ہی دیہاتوں وغیرہ میں جانا پسند نہیں کرتیں اور اکثر آپ کے گھر جب اللہ تعالیٰ اولاد کی نعمت عطا کرتا ہے تو ایک نئی دنیا آپ کے دل میں اجاگر ہو جاتی ہیں اور رہی سہی خواتین اولاد کی محبت اور اپنے فطری تقاضوں کی وجہ سے بخوشی گھرداری میں مصروف ہو جاتی ہیں۔ میں پھر کہے دیتا ہوں کہ دنیاوی تعلیم بھی آپ کے لئے کسی حد تک ضروری ہے کہ دینی تعلیم اور ”ہوم اکنامکس“ کی تعلیم کے ساتھ آپ کی دین و دنیا دونوں سنور سکتی ہیں۔

خدارا! تنقیدی نظر سے نہیں بلکہ ٹھنڈے دل و دماغ سے ان باتوں پہ غور کیجئے، اللہ آپ بچیوں ہر قسم کی مشکلات اور تنگیوں سے بچائے اور آپ کو نئے گھر میں آسانیاں مہیا کرنے والا بنائے۔ آمین

تہذیب فرنگی ہے اگر مرگِ امومت
ہے حضرت انسان کے لئے اس کا ثمر موت
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن!
کہتے ہیں اسی علم کو اربابِ نظر موت
بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسہ زن!
ہے عشق و محبت کے لئے علم و ہنر موت

